NOMANI KUTAB KHANA

دعا کے تمام مسائل پر سب سے جامع کتاب

وقال ربكم ادعوني أستجب لكم

کتاب الدعا

مؤلف

ابو عبدالرحمن جیلان بن خضر عروسی

مترجم

الشیخ حافظ مبشر حسین

کتاب
الدُّعا
کتاب
الدُّعا

دعا کے تمام مسائل پر سب سے جامع کتاب

مؤلف
ابو عبد الرحمن جیلان بن خضر عروسی

ترجمہ
الشیخ حافظ مبشر حسین

نام کتاب

کتاب الدعا

مؤلف

ابو عبد الرحمن جیلان بن خضر عروسی

ترجمہ

الشیخ حافظ مبشر حسین

تاریخ اشاعت

اکتوبر ۲۰۰۳ء

مطبوعہ

علی آصف پرنٹرز لاہور

ناشر

نعمانی کتب خانہ

e-mail: nomania2000@hotmail.com

حرفِ چند

ہر انسان کی زندگی میں کچھ لمحات اور واقعات ایسے درپیش ہوتے ہیں کہ وہ دنیاوی ذرائع اور وسائل کی کثرت کے باوجود اپنے آپ کو بے بس اور مجبورِ محض محسوس کرتا ہے۔ اس عالم بے ساختہ میں اس کے ہاتھ دعا کے لیے اُٹھتے ہیں اور اُسکی زبان پر چند دعائیہ کلمات ادا ہوتے ہیں۔ اس صورت حال میں اپنے سے کسی بالاتر ہستی کو پکارنا، دعا اور مناجات کے زمرے میں شامل ہے۔ دنیا کے ہر مذہب میں دعا کا یہ تصور موجود رہا ہے مگر اسلام نے دعا کی حقیقت کو مستقل عبادت کا درجہ عطا کیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود دعا ہی کو عبادت قرار دیا ہے۔ قرآن مجید از آغاز تا اختتام مستقل دعاؤں سے عبارت ہے۔ سورۂ فاتحہ سے بہتر آداب اور دعا کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ اور آخری دو سورتوں (معوذتین) سے بہتر استعاذہ اور مدد کے لیے کیا اذکار ہو سکتے ہیں۔ المختصر اسلام سے بہتر حقیقتِ دعا کو کسی دوسرے مذہب نے پیش نہیں کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کسی نے اس کے آداب وضوابط اور کلمات عطا نہیں فرمائے۔ مگر افسوس کہ آج علم کے بازار میں دعا کے نام پر ایسے مشرکانہ اور جہل آمیز کلمات ملتے ہیں جن کی ادائیگی سے پریشانیاں دور ہونے اور مصیبتیں ٹلنے کی بجائے ہمارے نامۂ اعمال کی سیاہی میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

دعا بنی آدم کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ انسانِ اول آدم علیہ السلام کو آسمان کی بلندیوں سے جس آزمائش کی پاداش میں زمین پر بھیجا گیا اس آزمائش سے رہائی اور چھٹکارے کے لیے دعا ہی کا تحفہ اور سوغات انہیں دی گئی اور پھر تمام انبیاء ورسل نے اپنے اپنے زمانے میں اپنے متعلقین کو ایسی ہی دعاؤں کے ذریعے سے اپنے خالقِ حقیقی سے مربوط کیا۔

خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی نبوت میں دعاؤں کے نظام اور نصاب کو بھی مکمل کر دیا گیا۔ مسنون اور ماثور دعاؤں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ آپ کے ذریعے اُمت کو نصیب ہوا مگر افسوس کے ہماری ایذا پسند طبیعت نے اس مسنون خزانے پر اکتفا کرنے کی بجائے خانہ ساز دعاؤں اور مشرکانہ مناجات کے ایسے ایسے اسالیب اختیار کر لیے جن سے ہم اپنے خالقِ حقیقی کے قریب آنے کی بجائے اس سے اور دور ہوتے جاتے ہیں۔ الیضاء باللہ۔

''نعمانی کتب خانہ لاہور'' کی یہ علمی کاوش لائق صد تحسین ہے کہ انہوں نے دعا کے موضوع پر عربی کے ایک انتہائی اعلیٰ درجے کے تحقیقی مطالعے کا ترجمہ اُردو زبان میں پیش کیا ہے۔ یہ کتاب شیخ عبدالرحمٰن جیلان بن حضر عروسی نے عالمِ اسلام کی ممتاز درس گاہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں اپنے تحقیقی مقالے کے بطور پیشگی جس کا رواں اور شگفتہ ترجمہ الشیخ حافظ مبشر حسین نے کیا ہے۔ کتاب کی ابتداء میں ایک جامع مقدمہ ہے جس کے بعد مصنف نے چار ابواب، ایک ضمیمے اور خاتمے کو پیش کیا ہے۔

اس کتاب کے مطالعے سے دعا اور اس سے متعلقہ مسائل، آداب، ضوابط اور قبولیت و عدم قبولیت، دعا کے تمام مسائل سمٹ آئے ہیں۔ گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ دعا کے ساتھ منسوب غیر شرعی تصورات جن میں توسل وغیرہ کو بہت گمراہ کن انداز میں پیش کیا جاتا ہے، ان کی علمی اور شرعی دلائل کے ساتھ تردید کی گئی ہے۔ مسنون دعا ایک بندۂ مومن کو عرش الٰہی کے قریب تر اور قبولیت و استجابت کے مقام پر فائز کر دیتی ہے اور دعاؤں کا غیر مسنون طریق اسے شرک و بدعت کے تحت الثریٰ میں گرا دیتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کے مطالعے کے بعد ہمیں قبولیت دعا کا وہ خزانہ مل جائے گا جس سے زیادہ اس دنیا میں ہماری کوئی اور ضرورت نہیں ہے۔ آیئے اس کتاب کے مطالعے سے ہم استجابت کے خزانوں کو حاصل کریں اور ہر نوع کی پریشانیوں سے نجات حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ اس علمی اور تحقیقی کاوش کو عامۃ الناس میں مقبول بنائے (آمین)

پروفیسر عبدالجبار شاکر
بیت الحکمت، لاہور (یکم ربیع الاوّل ۱۴۲۴ھ)

حرفِ ناشر

دعا مانگنے کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنا انسان کا اپنا وجود۔

تخلیقِ آدم کے بعد سب سے پہلی عبادت جو حضرت آدم علیہ السلام کو سکھلائی گئی وہ ''دعا'' ہی تھی۔

تمام عبادتوں میں سے دعا ہی ایک ایسی عبادت ہے جس کے لئے کوئی جگہ، وقت یا دن مقرر نہیں بلکہ ہر لحہ ہر گھڑی مانگنے کی اجازت ہے۔

اگرچہ ہمارے ادارہ (نعمانی کتب خانہ) کی طرف سے اس سے قبل دعاؤں واذکار کی کئی اہم کتب شائع کی جا چکی ہیں مگر زیر نظر کتاب ان تمام کتابوں کی مرکزی کتاب کہلانے کی حق دار ہے۔

کیونکہ لفظ ''دعا'' کے ساتھ جو بھی لوازمات زیر بحث آسکتے ہیں فاضل مؤلف (شیخ ابوعبدالرحمٰن جیلان بن خضر عروسی) نے انتہائی علمی وتحقیقی انداز میں ان کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

میں اپنے نہایت قابل احترام بزرگ جناب حافظ محمد عبداللہ شیخوپوری صاحب کا دل کی گہرائیوں سے ممنون ہوں کہ انہوں نے نہ صرف اپنی ذاتی لائبریری سے ترجمہ کے لیے اس اہم ترین کتاب کا انتخاب کر کے عربی نسخہ مہیا کیا بلکہ اس کتاب کی اشاعت اور ہمارے ادارہ کے لیے نیک خواہشات کا اظہار بھی کیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کی عمر دراز فرمائے۔ (آمین)

ترجمہ کے لیے ہمیں اپنے نوجوان دوست حافظ مبشر حسین کی معاونت میسر آئی اور کم وبیش تین سالہ تگ ودو کے بعد یہ کتاب ترجمہ، کمپوزنگ، پروف ریڈنگ اور ڈیزائننگ کے مراحل طے کر کے پیشِ خدمت ہے۔ بلاشبہ عربی میں یہ اپنے موضوع پر مفصل اور منفرد کتاب ہے مگر اب اُردو زبان میں اسکی علمی وتحقیقی اہمیت کا اندازہ تو آپکی رائے سے ہوگا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

(سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۲۷)

(اے ہمارے پروردگار! تو ہماری یہ خدمت قبول فرما! بے شک تو خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔)

محمد ضیاء الحق نعمانی

نعمانی کتب خانہ (لاہور۔ پاکستان)

فہرست......کتاب الدّعا

موضوعات	صفحہ نمبر
☆ عرض مترجم	21
☆ مقدمہ از مؤلف	24
باب اول	
دعا کا معنی ومفہوم' آداب دعا اور قبولیت کی اقسام	33
فصل اول	35
☆ مبحث اول: دعا کا لغوی وشرعی معنی	37
☆ لفظ دعا کا مادہ اور مشتقات	37
☆ دعا کا لغوی معنی	41
☆ دعا بمعنی طلب	41
☆ دعا بمعنی عبادت	44
☆ دعا بمعنی رغبت	45
☆ دعا بمعنی استغاثہ وفریاد	46
☆ دعا بمعنی ندا اور پکار	46
☆ دعا بمعنی قول	47
☆ دعا بمعنی تسمیہ	48
☆ دعا بمعنی تحریض	48
☆ دعا بمعنی بددعا	49
☆ دعا بمعنی رفعت وعظمت	50

موضوعات	صفحہ نمبر
☆ دعا بمعنی عذاب	50
☆ دعا بمعنی استفہام	52
☆ دعا بمعنی جعل (بنانا)	52
☆ دعا بمعنی استحضار	53
☆ دعا بمعنی ندبہ	53
☆ دعا بمعنی حمد وثنا	53
☆ دعا بمعنی ایمان	54
☆ دعا بمعنی تمنا	56
☆ دعا بمعنی دعوٰی	56
☆ دعا بمعنی تساقط	57
☆ دعا کا شرعی معنی اور اس کی لغوی معنی سے مناسبت	58
☆ مبحث دوم: دعا کے معنی ومفہوم پر دلالت کرنے والے الفاظ کا بیان	60
☆ پہلی قسم: دعا کے مترادف کلمات۔ ''عبادت''	61
☆ عبادت کا لغوی معنی	62
☆ عبادت کا شرعی معنی	65
☆ ایک ہی موضوع کے لیے لفظ دعا اور عبادت کا استعمال	66
☆ قریب المعنی موضوع کے لیے دونوں لفظوں کا استعمال	67
☆ ایک جملے میں یا دو جملوں میں عطف کے ساتھ دونوں لفظوں کا استعمال	68
☆ ذکر	69
☆ ذکر کا لغوی اور شرعی معنی	70
☆ دعا اور ذکر میں باہمی مناسبت	73
☆ صلوٰۃ	73
☆ دعا اور صلوٰۃ کے مابین نسبت	76
☆ استعانت	76
☆ دعا اور استعانت کے مابین نسبت	77

موضوعات	صفحہ نمبر
☆ دوسری قسم اور نوع اول	77
☆ استعاذۃ	77
☆ دعا اور استعاذہ میں مناسبت	78
☆ استغاثہ	79
☆ دعا اور استغاثہ میں مناسبت	79
☆ استجارہ	79
☆ دعا اور استجارہ میں مناسبت	79
☆ لیاذہ	79
☆ دعا اور لیاذہ میں مناسبت	80
☆ استغفار	80
☆ استغفار اور دعا کی مناسبت	80
☆ شفاعت	81
☆ شفاعت اور دعا کے مابین نسبت	81
☆ دوسری قسم اور نوع ثانی	82
☆ سوال	82
☆ دعا اور سوال کے درمیان مناسبت	82
☆ نوع ثالث	83
☆ ان کلمات کا بیان جن میں دعا کی صفات مذکور ہیں	83
☆ ندا	83
☆ ندا اور دعا کے درمیان مناسبت	84
☆ جوار	85
☆ دعا اور جوار میں نسبت	85
☆ ابتہال	85
☆ ابتہال اور دعا میں نسبت	85
فصل ثانی	86
☆ دعا کی اقسام	86

موضوعات	صفحہ نمبر
☆ مبحث اول	86
☆ توجیہہ اول	86
☆ توجیہہ ثانی وثالث	87
☆ توجیہہ رابع	88
☆ دعا کی دو قسمیں کیوں	89
☆ دونوں قسمیں لازم وملزوم	90
☆ دعا کی مذکورہ دونوں قسموں کی پہچان کے ضوابط	91
☆ پہلے مجموعہ کی مثالیں	91
☆ دوسرے مجموعے کی مثالیں	92
☆ تیسرے مجموعے کی مثالیں	92
☆ ان آیات کا بیان جن میں دعا بمعنی عبادت استعمال ہوا ہے	93
☆ ان آیات کا بیان جن میں دعا ''عبادت وحاجت'' دونوں کو شامل ہے۔	96
☆ مذکورہ دونوں قسموں میں سے افضل کون سی ہے۔	98
☆ پہلے فریق کے دلائل	98
☆ دوسرے فریق کے دلائل	99
☆ فریق ثانی کے دلائل کا مناقشہ	99
☆ راجح مسئلہ	102
☆ مبحث ثانی: صیغوں اور متعلقات کی حیثیت سے دعا کی اقسام	105
☆ صیغوں کے حساب سے دعا کی اقسام	107
☆ کون سا صیغہ زیادہ مناسب ہے؟	108
☆ متعلقات کے حساب سے دعا کی اقسام	109
☆ سائل کے اعتبار سے دعا کی اقسام	109
☆ مسئول اور مطلوب کے حساب سے دعا کی اقسام	113
☆ مطلوبہ چیز کے اعتبار سے دعا کی قسمیں	114

موضوعات	صفحہ نمبر
فصل ثالث	115
☆ دعا کے آداب	115
☆ آداب عدمیہ	116
☆ دعا میں زیادتی نہ کی جائے	117
☆ حرام سے اجتناب	123
☆ جلد بازی سے پرہیز	124
☆ معلق دعا نہ کی جائے	125
☆ غفلت اور سستی کا اظہار نہ کیا جائے	126
☆ مبحث ثانی: آداب ثبوتیہ	127
☆ اخلاص	127
☆ توبہ	128
☆ خشوع وخضوع	128
☆ گریہ زاری	129
☆ خوشحالی اور آسودگی میں دعا	130
☆ آہستہ آواز سے دعا کرے	131
☆ اسمائے حسنیٰ کو وسیلہ بنانا	133
☆ جامع کلمات کا استعمال	135
☆ قبلہ رخ ہونا اور دعا سے پہلے طہارت	136
☆ دعا سے پہلے حمد وثنا اور درود وغیرہ	136
☆ دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا	138
☆ ہاتھوں کا چہرے پر ملنا	139
☆ افضل وقت دعا کرنا	140
☆ افضل جگہ پر دعا کرنا	141
☆ افضل حالت میں دعا	141
☆ مبحث ثالث: دعا کی قبولیت کی اقسام	143

موضوعات	صفحہ نمبر

باب دوم

موضوعات	صفحہ نمبر
عقائد میں دعا کی قدرو منزلت اور مسئلہ تقدیر	149
فصل اول: عقائدو عبادات میں دعا کی قدرومنزلت	151
☆ مبحث اول: دعا توحیدوایمان اوروجود باری پر دلالت میں تقویت کا باعث ہے۔	151
☆ دعا ایمان اور توحید میں اضافے کا موجب	151
☆ دعا وجود باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہے۔	153
☆ مبحث ثانی: دعا کا توحید کی اقسام ثلاثہ سے تعلق	156
☆ توحید ربوبیت اور دعا (نیز) انبیا کی دعا	156
☆ غیر اللہ کو نفع ونقصان کا مالک اور مختار سمجھ کر پکارنا	159
☆ حاصل کلام	162
☆ توحید اسما وصفات اور دعا	163
☆ صفت علم	163
☆ صفت سماعت وبصارت	165
☆ صفت معیت وقربت (شان نزول)	165
☆ صفت حیات وقیام (خلاصہ کلام)	166
☆ علما کے اقوال	167
☆ کچھ ایسے علما کے اقوال جنہوں نے واضح کیا کہ غیر اللہ سے دعا مانگنے والے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات سے متصف گردانتے ہیں۔	168
☆ دعا اور صفت علو	170
☆ دعا اور صفت علو پر شبہات	174
☆ دعا اور توحید عبادت	176
☆ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے	180
☆ غیر اللہ سے دعا مانگنے کے بارے میں علما سلف کے اقوال	181
☆ ائمہ سلف نے بھی اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔	182

موضوعات	صفحہ نمبر
فصل ثانی	185
☆ دعا اور تقدیر میں تعارض نہیں	185
☆ مبحث اول: دعا کے بارے میں لوگوں کے مذاہب ونظریات اور دلائل پر تبصرہ	185
☆ مسئلہ ہذا میں لوگوں کے مذاہب کا ملخص	185
☆ پہلا مذہب	185
☆ فلاسفہ اور غالی صوفیہ	185
☆ ارسطو وغیرہ کی توجیہات	186
☆ ابن عربی وغیرہ کا نظریہ	186
☆ ارسطو وغیرہ کے نزدیک دعا کی تاثیر	186
☆ دوسرا مذہب	188
☆ پہلا شبہ	189
☆ دوسرا شبہ	196
☆ تیسرا شبہ	197
☆ تیسرا مذہب	198
☆ چوتھا مذہب	200
☆ بری تقدیر سے پناہ مانگنے والی احادیث	201
☆ استدراک	201
☆ پانچواں مذہب	201
☆ استدراک	202
☆ چھٹا اور صحیح مذہب	203
☆ قرآن مجید سے دلائل	204
☆ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا	205
☆ حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا	206
☆ کسی گذشتہ امت مسلمہ کی دعا	206

موضوعات	صفحہ نمبر
★ جنگ بدر میں حضور ﷺ اور صحابہ ﷺ نے دعا کی	206
★ حضرت یونس علیہ السلام کی دعا	206
★ حضرت یوسف، زکریا، موسیٰ علیہا السلام کی دعا	207
★ حضرت موسیٰ اور ھارون علیہما السلام کی دعا	207
★ دعا کے مؤثر ہونے پر فطری دلائل	210
★ دعا کے مؤثر ہونے پر عقل سلیم سے دلالت	211
★ تاریخی واقعات سے دلالت	211
★ امتوں کے تجربات سے دلالت	212
★ حس ومشاہدہ سے دلالت	213
فصل ثالث	215
★ مبحث اول: علما کے اقوال، حکم دعا کے بارے میں	217
★ گذشتہ مباحث کا مناقشہ	219
★ مبحث ثانی: راجح مسئلہ	222
★ دعا کا واجب ہونا/ دعائے فاتحہ	222
★ انسان دعا کا محتاج ہے	224
★ دعائے توبہ واستغفار	226
★ نماز کے اخیر میں دعا کرنا	226
★ مسجد میں داخل ہونے کی دعا بھی مختلف فیہ ہے۔	227
★ نبی کریم ﷺ پر درود کی دعا بھی مختلف فیہ ہے	227
★ ممنوع دعاؤں کی دو قسمیں ہیں	228
★ مکروہ دعا/ مباح دعا	229
باب سوم	
غیر مشروع دعا کا بیان	231
فصل اول: غیر اللہ سے دعا اور اس کے مفاسد	233

موضوعات	صفحہ نمبر
★ مبحث اول: غیراللہ کو پکارنے سے ممانعت کے قرآنی دلائل	233
★ غیراللہ سے دعا کرنے کی حرمت احادیث کی روشنی میں	240
★ دعائے غیراللہ کے مفاسد	243
★ مبحث ثانی: مسلمانوں میں دعائے غیراللہ کیسے پھیلی	248
★ جہالت اور قرآن وسنت سے اعراض	248
★ دعائے غیراللہ کے جواز کے باطل شبہات	252
★ علمائے سوء کا کردار	253
★ آباؤاجداد کی اندھی تقلید	256
★ شریعت نے شرک سے بچاؤ کے جو ذرائع اختیار کیے ہیں' ان کی پیروی نہ کرنا	257
★ صالحین کی محبت میں غلو	259
★ مسلمانوں میں دوسری اقوام وملل کا اختلاط اور اس کے اثرات	266
★ دنیاوی اغراض ونفسانی خواہشات	267
★ تعصب اور جاہلیت	268
فصل ثانی	271
★ مبحث اول: غیرمشروع دعا کے درجات	273
★ میت سے مشکل کشائی کا سوال	274
★ اس مرتبے کا حکم	275
★ زندہ مگر غائب سے سوال	276
★ اس درجے کا حکم	276
★ زندہ اور حاضر سے سوال کرنا	277
★ اس درجے کا حکم	277
★ میت سے اپنے حق میں اللہ سے سوال کرنے کی درخواست	279
★ اس درجے کا حکم	279
★ زندہ مگر غائب سے دعا	282
★ زندہ اور حاضر سے دعا	282

موضوعات	صفحہ نمبر
☆ اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات کے علاوہ سوال کرنا	284
☆ امام احمد کا نبی کا وسیلہ پکڑنے کا جواز	285
☆ کسی نبی، ولی وغیرہ کی قبر یا مزار پر دعا	285
☆ اللہ اور غیر اللہ سے سوال	285
☆ غیر اللہ سے شفاعت کی نیت سے سوال	286
☆ اس درجے کا حکم	287
☆ مبحث ثانی: دعائے غیر اللہ میں متاخر اقوام کا غلو	290
☆ مبحث ثالث: دعائے غیر اللہ کا حکم	296
☆ قرآنی دلائل	296
☆ سنت سے دلائل	298
☆ اجماع/علما کے اقوال	299
☆ حنفی علما کے اقوال	299
☆ مالکی اور شافعی علما کے اقوال	305
☆ حنبلی علما کے اقوال	307
☆ دعائے غیر اللہ پر کفر کا فتویٰ دینے والے کچھ مزید علما کے اقوال	309
فصل ثالث	315
☆ بدعی دعائیں اور ان کے مضر اثرات	315
☆ مبحث اول: دین میں بدعت کی مذمت	316
☆ مسنون دعاؤں میں بدعت کی ممانعت	318
☆ آثار سلف میں بدعت کی مذمت	320
☆ علمائے حنفیہ کا مناقشہ	326
☆ بدعی دعاؤں کے مضر اثرات اور بدنتائج	327
☆ بدعی دعاؤں کے پھیلنے کے اسباب	330
☆ مبحث ثانی: بدعی دعاؤں کی اقسام	333
☆ قبوں اور مزاروں پر دعا	333

موضوعات	صفحہ نمبر
☆ قبروں، آستانوں پر دعا بدعت ہے۔	333
☆ قبر (مزار) پر دعا کا حکم	342
☆ توسل بالذات	343
☆ توسیل یا وسیلہ کا لغوی معنی	343
☆ وسیلہ کا شرعی معنی	344
☆ وسیلہ عرف عام میں	344
☆ وسیلے کی اقسام	345
☆ اللہ کے اسماء وصفات کا وسیلہ	345
☆ اعمال صالحہ کا وسیلہ	346
☆ کسی زندہ شخص سے دعا کرانا	347
☆ غیر مشروع (ممنوع) وسیلہ	348
☆ توسل بالذات	348
☆ مذکورہ دعووں کے جوابات	357
☆ صوفیا کے خود ساختہ وظائف وتسبیحات	358
☆ شرک کی آمیزش	360
☆ دعا میں غلو	361
☆ اجتماعی دعائیں	363
☆ نماز کے بعد اجتماعی دعا	363
باب رابع	
غیر مشروع دعا کو جائز قرار دینے والوں کا مناقشہ	367
فصل اول	369
☆ صحیح دلائل سے حجت پکڑنے والوں کا مناقشہ	369
☆ شبہات	369
☆ مذکورہ شبہات کے بنیادی اسباب	370
☆ جہالت	370

موضوعات	صفحہ نمبر
☆ عقل پرستی	370
☆ خواہش پرستی	370
☆ گذشتہ شبہات کے جوابات	371
☆ پہلا جواب۔ دوسرا جواب	371
☆ تیسرا جواب۔ چوتھا جواب	372
☆ پہلا مبحث: قرآن مجید سے استدلال کرنے والوں کا مناقشہ۔پہلی آیت	373
☆ مخالفین کی روایت متن کے اعتبار سے	375
☆ دوسری آیت	376
☆ مذکورہ شبہات کے جوابات	376
☆ تیسری آیت	378
☆ چوتھی آیت	378
☆ پانچویں آیت	380
☆ آیت مذکورہ کا جواب	380
☆ چھٹی آیت	384
☆ ساتویں آیت	385
☆ آٹھویں آیت	386
☆ نویں آیت	387
☆ مذکورہ شبہے کا جواب	388
☆ مبحث ثانی: صحیح احادیث سے غلط استدلال کا جائزہ	389
☆ خلاصہ کلام	398
☆ حدیث ہذا محدثین کی نظر میں	400
☆ معنوی اعتبار سے حدیث پر کلام	401
فصل ثانی	406
☆ غیر صحیح دلائل کا مناقشہ	406

موضوعات	صفحہ نمبر
☆ مبحث اول: ضعیف روایت کے بارے میں مذکورہ حدیث کی سند کا جائزہ	406
☆ مذکورہ حدیث کی سند کا جائزہ	407
☆ مذکورہ حدیث کے متن کا جائزہ	411
☆ مبحث ثانی: موضوع' من گھڑت روایات	416
☆ متن کے اعتبار سے	418
☆ سند کے اعتبار سے جائزہ	419
☆ متن کے اعتبار سے جائزہ	420
☆ سند کے اعتبار سے جائزہ	422
☆ متن کے اعتبار سے جائزہ	424
☆ مبحث ثالث: خواب' حکایات اور تصورات ونظریات	428
☆ حکایات وواقعات کا تفصیلی جائزہ	430
☆ سند کے اعتبار سے جائزہ	430
☆ متن کے اعتبار سے جائزہ	432
☆ سند کے اعتبار سے جائزہ	434
☆ متن کے اعتبار سے جائزہ	435
☆ سند کے اعتبار سے جائزہ	436
☆ پہلی علت	436
☆ دوسری علت	437
☆ تیسری' چوتھی اور پانچویں علت	438
☆ درایت کے اعتبار سے اس کا جائزہ	439
☆ پہلا جواب	441
☆ دوسرا جواب	443
☆ تیسرا جواب	444
☆ چوتھا' پانچواں' چھٹا جواب	445
☆ حدیث شفاعت کا شبہ	445

موضوعات	صفحہ نمبر
☆ ذات اور اعمال میں مماثلت کا شبہ	446
☆ حیات پر ممات کو قیاس کرنے کا شبہ	447
فصل ثالث	448
☆ غیر مشروع دعا کی ممانعت کے دلائل پر اعتراضات کا جائزہ	448
☆ پہلا شبہ۔ جواب	448
☆ ابومحمد عبداللہ بن مسلم	453
☆ ابوالحسن اشعری۔ امام ابومحمد علی بن احمد بن حزم۔ محمد بن عبدالکریم	453
☆ قاضی ابویعلی محمد بن حسین فراءؒ	454
☆ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی	454
☆ محمد بن عمر رازی	454
☆ ابومحمد عز بن عبدالسلام	454
☆ ابن منظور محمد بن مکرم ابوالفضل	455
☆ شیخ الاسلام بن تیمیہؒ	455
☆ ابن قیم شمس الدین ابوعبداللہ	455
☆ ابن ابی العز الحنفی علی بن علی احمد بن علی المقریزی	456
☆ علی بن سلطان هروی حنفی قاری احمد بن عبدالرحیم دہلوی	456
☆ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوهاب	456
☆ محمد بن عمر حنفی ابن عابدین	456
☆ کچھ مزید اعتراضات	457
☆ پہلا جواب	457
☆ دوسرا، تیسرا، چوتھا جواب	458
☆ پانچواں، چھٹا جواب	459
☆ دوسرا شبہ	461
☆ جواب	461

موضوعات	صفحہ نمبر
☆ تیسرا شبہ	466
☆ جواب	466
☆ چوتھا شبہ	470
☆ جواب	470
☆ پانچواں شبہ	473
☆ پہلی حدیث کا جواب	473
☆ دوسری حدیث کا جواب	474
☆ تیسری حدیث کا جواب	475
☆ چھٹا شبہ / جواب	475
☆ ساتواں شبہ	477
☆ جواب	477
☆ آٹھواں شبہ۔ جواب	478
☆ نواں شبہ۔ جواب	479
☆ بعض شرکیہ دعائیں	487
☆ شیعہ کی شرکیہ اور بدعیہ دعائیں	487
☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فریاد	488
☆ صوفیا اور قبر پرستوں کی شرکیہ و بدعیہ دعائیں	489
☆ شیخ عبدالقادر جیلانی سے فریاد	489
☆ غیراللہ سے فریاد کی مزید مثالیں	490
☆ کچھ مشروع دعائیں (قرآن مجید کی روشنی میں)	491
☆ احادیث کی روشنی میں	494
☆ خاتمہ	498

***

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مترجم

اس مادی دنیا میں جب انسان اپنے تمام وسائل بروئے کار لانے کے باوجود اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب نہیں ہو پاتا تو اس کی فطرت اسے مجبور کرتی ہے کہ اب کسی ایسی طاقتور ہستی کو مشکل کشائی کے لئے پکارا جائے جو بہر صورت اسکی مشکل حل کر سکتی ہو۔ اگر اسی نکتے کو ذہن میں رکھتے ہوئے انسانی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر دور میں انسانوں نے اپنی اپنی ذہنی سطح کے مطابق ایسی کسی نہ کسی طاقتور ہستی کا تصور ضرور قائم رکھا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں ایسا داعیہ رکھا ہے جو انسان کو اسکے خالق حقیقی کی معرفت میں مدد دیتا ہے بشرطیکہ نامناسب عوامل وعناصر اس میں مزاحم نہ ہوں۔ لیکن مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ انسان کی آزمائش وابتلا کے لئے انسانی فطرت سے متصادم ہونے والے ایسے اسباب بھی ہمیشہ ساتھ ساتھ رہے ہیں۔

انسانوں کے خالق نے اپنی اس اشرف المخلوقات کی راہنمائی کے لئے ازل ہی سے انبیا کی صورت میں اس مشکل سے نجات کا مداوا بھی فرما دیا۔ چنانچہ انبیا ہر دور میں تاریکیوں کے پردے چاک کر کے انسانی فطرت کو منزہ کرنے اور خالق حقیقی سے اس کا ربط وتعلق استوار کرنے کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ دعا چونکہ عبادت کی روح ہے اس لئے انبیاء نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا مطیع وفرمانبردار بناتے ہوئے انہیں دعا کے آداب وضوابط سے آگاہ فرمایا کہ دعا جو ہر مسلمان کا بنیادی ہتھیار ہے، اسے کن حالات میں بروئے کار لایا جائے' کن الفاظ وکلمات کے ساتھ دعا مانگی جائے، کن شرائط کی پاسداری ازبس ضروری ہے۔ دعا کی قبولیت کی کیا صورتیں متوقع ہوسکتی ہیں، کن صورتوں میں دعا بذات خود ہی بوجھ اور باعث گناہ بن سکتی ہے اور ایسی بیسیوں صورتوں سے آگاہ ومتنبہ کرنا حضرات انبیاؑء کا فریضہ رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ چونکہ تا قیامت خاتم النبیین ہیں اس لئے آپ نے مسئلہ دعا کے سلسلہ میں اپنی امت کے لئے کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔ مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دعا کے مسئلہ میں آنحضرت ﷺ کی سنت سے مکمل

راہنمائی حاصل کریں تاکہ سنت کی پیروی کی برکت سے ہماری یہ اہم دنیاوی ضرورت بھی پوری ہو جائے اور مزید برآں اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری دعائیں عبادت کا درجہ بھی حاصل کرلیں۔

دعا کے حوالے سے اردو میں ایسی بے شمار کتابیں تو بازار میں دستیاب ہیں جن میں مسنون و ماثور دعائیں جمع کردی گئی ہیں مگر ایسی کوئی کتاب راقم کی نگاہ میں نہیں آئی جس میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کے اصول وضوابط اور آداب وشرائط موجود ہوں اور ایسی تفصیل وتوضیح بھی موجود ہو کہ دعا کن صورتوں میں عبادت کے بلند درجے سے گرتی ہوئی شرک کی اتھاہ گہرائیوں میں جا پہنچتی ہے۔اور سائل اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی بجائے اس کی ناراضی اور غضب مول لے لیتا ہے!

اس پس منظر میں جب ''کتاب ہذا'' سامنے آئی تو جذبہ خیر سگالی کے تحت اس کا ترجمہ کرنے کی تمنا پیدا ہوئی کیونکہ کتاب ہذا میں اگرچہ دعاؤں کا ذخیرہ تو نہیں تھا مگر اس میں وہ تمام چیزیں بسط وتفصیل سے موجود تھیں جنہیں پیش نظر رکھنا ہر مسلمان سائل کے لئے از حد ضروری ہے۔

کسی بھی کتاب کا ایک زبان سے دوسری زبان میں نقل وترجمہ کرنا اگرچہ فی الواقع ایک مشکل امر ہے اور وسیع تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ مشکل دوچند ہو جاتی ہے مگر راقم کے لئے یہ صورتحال گمان سے بڑھ کر الجھن کا باعث بنی اس لئے کہ مذکورہ کتاب دراصل شیخ ابوعبدالرحمٰن جیلان بن خضر عروسی کا وہ تحقیقی مقالہ (Thesis) ہے جو انہوں نے جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) سے ماسٹر ڈگری کے حصول کے لئے پیش کیا اور Thesis کے اصول وضوابط کے تحت مصنف کی یہ کوشش رہی ہے کہ ہر قول واستدلال باحوالہ ہو اور ذاتی اظہار رائے کم سے کم ہو۔اس ناگزیر ضرورت کی وجہ سے کتاب ہٰذا میں غیر ضروری تکرار بھی جابجا دکھائی دیتا ہے اور تحریر میں اکثر جگہ اس وجہ سے صحیح طرح نظم وربط بھی قائم نہ رہ سکا۔یہ کتاب کا نقص تو ہرگز نہیں اس لئے کہ خالص تحقیقی مقالوں کی نوعیت بعینہ یہی ہوتی ہے مگر اردو میں ترجمہ کرتے ہوئے بھی اگر اس صورتحال کو لفظی ترجمہ کی شکل میں من وعن پیش کر دیا جاتا تو ایسا اردو ترجمہ قارئین کے لئے نہایت مشکل اور الجھن کا باعث بنتا لیکن اس مشکل کا حل یہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس اہم کتاب کو مترجم اپنے ہی علم وفہم کا عکس بنا دیتا۔اس لئے ضروری تھا کہ کتاب کی ترجمانی اس انداز سے کی جاتی کہ اصل مصنف کی کتاب بھی من وعن اردو قالب میں ڈھل جاتی اور سیاق وسباق میں ربط ونظم بھی نہ ٹوٹنے پاتا تاکہ قارئین کتاب کے مطلوبہ مضامین اور گہری علمی بحث وتمحیص کو سمجھنے میں کسی پریشانی کا شکار نہ ہوں گو یہ کام قدرے مشکل اور ہمت

آزما بھی تھا اور شاید اسی وجہ سے اب تک کسی نے اس کا ترجمہ یا تلخیص پیش کرنے کی کوشش نہ کی تھی مگر کتاب ہذا کی لاتعداد خوبیاں اس بات کی متقاضی تھیں کہ اسے جچے تلے اور قدرے مناسب انداز سے بہرحال پیش کیا جائے۔

مندرجہ وجوہات اور صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے راقم (مترجم) نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ قدرے مناسب انداز سے کتاب کی ترجمانی کر دی جائے گو اس سلسلے میں کئی مقامات سے غیرضروری تکرار کو حذف بھی کیا گیا ہے' کہیں ربط و نظم کو ملانے کے لئے بعض الفاظ کا اضافہ بھی مجبوراً کیا گیا ہے اور جہاں کہیں کسی اقتباس یا روایت وغیرہ کے بہت سے حوالہ جات تھے وہاں ضروری حوالہ جات کو برقرار رکھتے ہوئے بعض غیرضروری حوالہ جات کو حذف بھی کر دیا گیا ہے۔ کتاب ہٰذا کی اس قدر تہذیب و تنقیح کے بعد مترجم کسی حد تک (ان شاء اللہ) یہ امید رکھتا ہے کہ اب اردو قارئین بھی ایسی پیچیدہ، دقیق مگر اہم ترین کتاب سے مستفید ہو سکیں گے۔

وما توفیقی اِلّا باللّٰہ علیہ توکّلت والیہ انیب

حافظ مبشر حسین لاھوری

کتبہ: محرم 1423ھ

بمطابق اپریل 2002ء

❋❋❋

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدّمه از مؤلّف

بلا شبہ تمام تعریفوں کے لائق اللہ رب العزت کی ذات ہے، ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں، اسی سے بخشش کے طالب ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اعمال کی برائیوں سے پناہ کے متقاضی ہیں۔ اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا جسے اللہ تعالیٰ ہدایت سے نواز دیں اور جسے گمراہ کرنے کا مالک الملک نے فیصلہ کرلیا ہو، پھر اسے ہدایت سے ہمکنار کرنے والی کوئی ذات نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں اعلان کرتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

☆ ''اے اہل ایمان! اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں حالت اسلام میں موت آنی چاہئے۔'' (آل عمران ۔۱۰۲)

☆ ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈر جاؤ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ جس کا نام لے کر تم مانگتے ہو اور رشتہ داریوں (کو توڑنے) سے ڈر جاؤ، یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔'' (النساء ۔۱)

☆ ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور صاف بات کرو تو وہ تمہارے کام درست کردے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کا مطیع بن جائے، یقیناً اس نے بہت بڑی کامیابی کو پالیا۔'' (الاحزاب ۔۷۱،۷۰)

امابعد! یقیناً اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو بے کار پیدا کیا ہے نہ بے کار چھوڑ دیا ہے بلکہ اسے ایک عظیم مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

☆ ''میں نے انس و جن کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔'' (الذاریات ۔۵۶)

مقصد تخلیق کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ عبادت اور دعا میں صرف اسی (اللہ) کی طرف رابطہ

کریں اور دعا کی دونوں قسموں یعنی دعائے حاجت اور دعائے عبادت میں خالصتاً اللہ کو پکاریں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔
''اور خاص اس کے فرمانبردار ہو کر اس کو پکارو (عبادت کرو)۔'' (الاعراف۔۲۹) اور اللہ تعالیٰ نے دعا کی دونوں قسموں میں شرک کرنے سے منع فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔''یقیناً مسجدیں اللہ کے لئے ہیں لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو مت پکارو۔'' (الجن۔۱۸) لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہیں پکارا جائے گا خواہ وہ کوئی مقرب فرشتہ ہو یا فرستادہ نبی ہو یا کوئی اور ہستی ہو کیونکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی اس کے مستحق ہیں کہ انہیں رغبت اور رھبت میں، خوف اور طمع میں پکارا جائے۔اسی کی طرف بوقت ضرورت قصد کیا جاتا ہے اور اسی سے مدد اور تعاون کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ فرمان خداوندی ہے :۔''(اے نبی!) فرما دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے۔'' (الاخلاص۔۱،۲) نیز ''سب آسمان وزمین والے اسی سے مانگتے ہیں، ہر روز وہ ایک شان میں ہے۔'' (الرحمٰن: ۲۹)

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو فطری طور پر اپنا محتاج اور فقیر بنا کر پیدا فرمایا ہے لہٰذا سب لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سب کا رب ہے اور سب لوگ نفع کے حصول اور ضرر سے بچاؤ کے لئے اس ذات سے اسی طرح تعاون کی اپیل کرتے ہیں جس طرح وہ اس بات کے محتاج ہیں کہ وہی ان کا معبود برحق ہے جسے ان کے دلوں نے محبت، امید، خوف اور تعظیم کے لئے معبود مان رکھا ہے، اس لئے لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف مجبور محض ہیں اور یہ مجبوری انہیں اللہ تعالیٰ کو پکارنے پر ابھارتی ہے اور وہ اپنی حرکات وسکنات میں ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ سے بے پرواہ نہیں ہو سکتے۔اگر کہیں حالت آسائش میں لوگ اپنی فطری مجبوری سے غافل ہو جائیں تو جلد ہی جب انہیں کوئی ناگہاں مصائب سے سامنا ہوتا ہے، اپنی فطری حالت پر پلٹ آتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔
''سمندروں میں مصیبت پہنچتے ہی ایک اللہ کے علاوہ وہ سب گم ہو جاتے ہیں جنہیں تم پکارتے تھے۔'' (الاسراء: ۶۷)

مسئلہ دعا کی اہمیت اور اس عنوان کے چناؤ کے اسباب :۔

یقیناً ''دعا'' بلند درجے، عالی مرتبے اور بہت بڑی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ دعا تو عین عبادت ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام سے بسند صحیح ثابت ہے کہ بلاشبہ ''دعا ہی عبادت ہے۔'' اس فرمان میں آپ نے کلمہ حصر استعمال فرمایا ہے اور عبادت ایسی چیز ہے جس کا مقام ومرتبہ کسی سے مخفی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی عبادت کے لئے ہمیں عدم سے وجود بخشا ہے۔ قرآن مجید کا افتتاح اور اختتام ''دعا'' پر مبنی ہے جیسا کہ سورۃ الفاتحہ دعائے حمد وثنا اور دعائے حاجت پر مشتمل ہے اور اس دعائے حاجت میں بلند وبالا مقاصد اور اعلیٰ ترین خواہشات کا اظہار ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ہدایت کے لئے تعاون کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کر دیا ہے کہ ہم سورۃ فاتحہ کے ساتھ ہر نماز میں اس سے دعا

مانگیں اور مناجات کریں۔اسی طرح سورۃ اخلاص میں دعائے حمد وثنا ہے تو معوذتان میں پناہ کا مطالبہ ہے جو دعائے حاجت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں دعا کو دین قرار دیا ہے(اور دین' کامل اسلام کا نام ہے) جس طرح دعا کو عبادت کہا ہے اور عبادت ہی (انس وجن کے) وجود کا بنیادی مقصد ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں دعا کا حکم دیا ہے اور اپنے فضل وکرم اور کمال احسان کے ساتھ اس کی قبولیت کا وعدہ بھی کیا ہے،علاوہ ازیں دعا سے اعراض کرنے والے کو وعید سنائی گئی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

☆ ''اور تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو۔میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا،یقین جانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں،وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔''(المؤمن: ٦٠)

دعا عبادت کی جہت ہے' خشوع وخضوع اور عاجزی کا عنوان ہے،فقر واحتیاج میں تلبیہ ہے،امید ورجا،خوف وطمع اور رغبت ورھبت میں روشنی کا مینار ہے،دعا ہی عبادت کا مغز،خلاصہ اور روح ہے۔لہٰذا اللہ سے دعا مانگنا عین عبادت اور توحید ہے جبکہ غیر اللہ کو پکارنا عین شرک اور تندید ہے۔دعا کی دونوں قسموں میں شرک کا وقوع ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کی مخالفت کی اور یہی ان مشرکین کا سب سے بڑا شرک تھا بلکہ یہی چیز کائنات کے شرک کی جڑ اور بنیاد ہے۔اسی لئے قرآن کریم میں شرک کی دوسری اقسام سے اس قدر نہیں ڈرایا گیا جس قدر ''شرک فی الدعاء'' سے ڈرایا گیا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں ایسے ہی بالتکرار ذکر فرمایا ہے جیسے ہماری لئے اس بات کو بالتصریح بیان فرمایا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا اور مناجات کیسے کریں۔مزید برآں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کی مناجات اور سرگوشیاں (دعائیں) بھی ہمارے لئے ذکر فرمائی ہیں اور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ نے بھی ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت ومناجات کی کیفیت اور اس سے مانگنے اور پکارنے کے آداب سکھلائے ہیں۔اس لئے ضروری ہے کہ ہم صرف انہی دعاؤں کا التزام کریں جو ہمارے لئے بیان کردی گئی ہیں اور ان دعاؤں کا اہتمام کریں جو ہمارے لئے شریعت بنادی گئی ہیں۔علاوہ ازیں کفریہ اور شرکیہ دعائیں تو کجا،بدعتی اور من گھڑت دعاؤں سے بچنا بھی امر ضروری ہے اور یہی کلمہ شہادت کا خلاصہ ہے۔

جو شخص غیر اللہ کو پکارے اور اس سے مدد طلب کرے تو فی الحقیقت،اس کی توحید الوھیت (عبادت) میں نقص ہے، اسی طرح جو کوئی بدعتی دعاؤں کا اہتمام کرے،وہ بھی اپنے اطاعت رسول ﷺ کے دعوے میں جھوٹا ہے۔اس لئے کہ دعا عباوت ہے اور عبادت اصولہ توقیفیہ پر مبنی ہیں لہٰذا دعا ایک اہم ترین عبادت ہے جسے اخلاص للہ اور اطاعت رسول اللہ کے مطابق ادا کرنا ازبس ضروری ہے۔

مندرجہ بالا وضاحت کے باوجود شیطان بعض لوگوں کو پھسلانے میں کامیاب ہو چکا ہے کہ وہ اس عظیم عبادت کو غیر اللہ کے لئے بجالائیں اور اس کے لئے شیطان نے غیر حقیقی نام متعارف کروا رکھے ہیں۔کبھی وہ اسے ''توسل' کے نام سے دھوکہ دیتا ہے تو کبھی ''شفاعت'' کے نام سے، کبھی ''اولیاء کی محبت'' کا بہانہ پیدا کرتا ہے تو کبھی اسے ''تبرک'' کہہ کر راستہ بناتا ہے۔ان فرضی ناموں کی ''برکت'' سے ہر جگہ شرک پھیلا ہوا ہے حتی کہ یہ شرک اس قدر عام ہو چکا ہے کہ اس پر نوجوان پرورش پا رہے ہیں اور بوڑھے بڑھاپا سدھار رہے ہیں۔اگر کوئی اس شرک پر تردیدی جرأت کرتا ہے تو اسے امت مسلمہ سے ''خارج'' ہونے کا ایوارڈ بخشا جاتا ہے، کبھی اسے اولیاء وصلحاء کا ''گستاخ'' قرار دیا جاتا ہے، کبھی اس پر امت مسلمہ میں ''تفرقہ بازی'' کی تہمت لگائی جاتی ہے اور کبھی کبھار اسے متشدد، تنگ نظر، تنگ ذہن، علیحدگی پسند اور فروعی مسائل میں اختلاف ابھارنے والے کا نام دیا جاتا ہے۔

مضامین کتاب پر ایک سرسری نظر

مذکورہ کتاب ایک مقدمے، چار ابواب، ایک ضمیمے اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔مقدمہ، مذکورہ موضوع کے چناؤ کی وجہ، موضوع کی اہمیت اور بحث کے طریق (Method) پر مشتمل ہے۔

پہلا باب

اس میں دعا کا معنی ومفہوم، اس کی اقسام، آداب، دعا کی قبولیت اور قبولیت کی اقسام پر بحث کی گئی ہے۔اس میں تین فصلیں ہیں:۔

فصل اول:۔ اس میں لفظ ''دعا'' کے معنی ومفہوم کو بادلائل پیش کیا گیا ہے۔اس میں دو بحثیں ہیں۔

پہلی بحث دعا کے لغوی اور شرعی معنی پر مشتمل ہے جس میں تین مطالب شامل ہیں:۔

(۱) لفظ دعا کا اشتقاق

(۲) دعا کا لغوی معنیٰ

(۳) دعا کا شرعی معنیٰ، نیز لغوی اور شرعی معنیٰ میں مطابقت

دوسری بحث لفظ دعا کے معنی ومفہوم پر دلالت کرنے والے کلمات پر مشتمل ہے۔

اس میں مزید ایک مقدمہ اور دو ذیلی نوٹس (مطالب) ہیں۔مقدمہ، کلمات کی اقسام اور اسمائے شرعیہ کی معرفت پر غور وتدبر کے وجوب پر مشتمل ہے جبکہ پہلے ''مطلب'' (سرخی یا نوٹ) میں لفظ دعا کے مترادفات پر بحث ہے اور

دوسرے میں دعا کی اقسام میں سے کسی ایک قسم پر مشتمل خاص کلمات پر بحث ہے۔

فصل ثانی:۔ اس میں دعا کی انواع واقسام کا بیان ہے۔اس میں بھی دو بحثیں ہیں:

(۱) معنی ومفہوم کے اعتبار سے دعا کی اقسام

(۲) صیغے اور متعلقات کے اعتبار سے دعا کی اقسام

اور اس میں دو عنوان ہیں :۔

(۱) صیغے کے اعتبار سے دعا کی اقسام

(۲) متعلقات کے اعتبار سے دعا کی اقسام

فصل ثالث:۔ اس میں آداب دعا، قبولیت اور اقسام قبولیت پر بحث ہے۔فصل ثالث میں ایک تمہید اور تین مباحث ہیں۔تمہید دو تنبیہات پر مشتمل ہے :۔

(۱) اس فصل (ثالث) کی مزید وسعت کا مانع

(۲) آداب دعا پر علماء کی الفاظ آرائی اور عبارات

پہلی بحث :۔ اس میں آداب دعا میں سے ان چیزوں کا ذکر ہے جن کا عدم ضروری ہے۔

دوسری بحث:۔ اس میں آداب دعا میں سے ان آداب کا ذکر ہے جن کا وجود داعی کے لئے ضروری ہے۔

تیسری بحث :۔ اس میں دعا کی قبولیت اور اس کی اقسام کا ذکر ہے۔

دوسرا باب

اس میں عقیدہ اسلامی کے مطابق دعا کی قدر ومنزلت، تقدیر اور دعا میں عدم تناقض اور دعا کے حکم شرعی پر قلم کشائی کی گئی ہے۔اس میں تین فصلیں ہیں۔

فصل اول:۔ یہ فصل اسلامی عقائد میں دعا کی قدر ومنزلت اور عبادات میں دعا کی اہمیت پر مشتمل ہے۔اس میں دو بحثیں ہیں۔پہلی بحث میں یہ چیز ثابت کی گئی ہے کہ دعا ایمان اور توحید میں اضافے اور وجود باری تعالیٰ کی دلالت کے حوالہ سے تقویت کا باعث ہے۔اس میں دو''مطلب''(عنوان) ہیں۔

(۱) دعا، ایمان اور توحید میں اضافے کی موجب ہے۔

(۲) دعا وجود باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہے۔

دوسری بحث میں دعا اور توحید کی اقسام ثلاثہ کے باہمی تعلق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اس میں تین مطالب ہیں۔

(۱) توحید ربوبیت سے تعلق

(۲) اسماء وصفات سے تعلق

(۳) توحید الوھیت (عبادت) سے تعلق نیز دوسری عبادات کے بالمقابل دعا کی خاصیت وانفرادیت

فصل ثانی:۔ یہ فصل دعا اور تقدیر میں عدم تناقض پر مشتمل ہے۔اس میں دو بحثیں ہیں:۔پہلی بحث میں مسئلہ دعا کے متعلق لوگوں کے مختلف مذاہب، ان کی دلیلیں اور ان پر تنقیش وتفتیش پیش کی گئی ہیں۔دوسری بحث میں صحیح دلائل کی روشنی میں راجح مسئلہ ذکر کیا گیا ہے۔

فصل ثالث:۔ دعا کے شرعی حکم پر مشتمل ہے۔اس میں دو مبحث (بحثیں) ہیں:۔پہلی بحث میں دعا کے شرعی حکم پر علماء کے اقوال اور مذاہب پیش کئے گئے ہیں۔دوسری بحث میں راجح مسئلہ پیش کیا گیا ہے۔

تیسرا باب

یہ غیر مشروع دعا پر مشتمل ہے جس میں تین فصلیں ہیں۔

فصل اول:۔ اس فصل میں غیر اللہ سے دعا کرنے، اس پر وعید، اس کے مفاسد اور عالم اسلام میں اس شرک کے پھیل جانے کی وجوہات کو بیان کیا گیا ہے۔اس کی دو بحثیں ہیں :۔پہلی بحث اس پر وعید اور اس کے مفاسد پر مشتمل ہے جس میں ایک تمہید اور تین مطالب ہیں:۔

(۱) غیر اللہ سے دعا کرنے پر وعید کے متعلق آیات قرآنی اور اسلوب قرآنی کا بیان۔

(۲) غیر اللہ سے دعا کرنے پر سنت نبویہ سے وعید کا بیان۔

(۳) غیر اللہ سے دعا کرنے کے مفاسد اور موذی اثرات کا بیان۔

دوسری بحث میں، غیر اللہ سے مانگنے کا جو وائرس عالم اسلام میں پھیل چکا ہے، اس کی وجوہات کا بیان ہے۔

فصل ثانی:۔ اس میں غیر مشروع دعا کی درجہ بندی، متاخر اقوام میں اس غلو کے مظاھر اور غیر اللہ سے مانگنے والے کے حکم شرعی پر بحث ہے۔اس کی تین بحثیں ہیں۔پہلی بحث میں غیر مشروع دعاؤں کی درجہ بندی اور ہر درجے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔دوسری بحث میں غیر اللہ سے دعا کرنے کے متعلق متاخرین کے غلو کے مظاہر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔تیسری بحث میں غیر اللہ سے دعا کرنے والے پر حکم (شرعی) لگایا گیا ہے۔

فصل ثالث :۔ اس میں بدعتی دعاؤں، عبادات اور بالخصوص دعا میں بدعتیں جاری کرنے پر وعید، بدعتی دعاؤں کے موذی اثرات، اس کی وجوہات اور اس کی مختلف اقسام پر بحث کی گئی ہے۔اس میں دو بحثیں ہیں :۔ پہلی بحث میں کتاب وسنت، آثار سلف اور علماء کے اقوال کی روشنی میں دین میں بالعموم اور دعا میں بالخصوص بدعتیں جاری کرنے پر وعید، مختلف بدعتی دعاؤں کے نقصانات اور ان کے انتشار کے اسباب پر بحث کی گئی ہے۔اس میں ایک تمہید اور چار مطالب ہیں۔

(۱) دین میں بدعت نکالنے پر وعید کا بیان

(۲) ان دلائل کا بیان جو مؤکد دعاؤں کی بدعت نکالنے سے منع کرتے ہیں۔

(۳) بدعتی دعاؤں کے مضر اثرات اور بد نتائج کا بیان۔

(۴) بدعتی دعاؤں کے پھیلاؤ اور انتشار کی وجوہات۔

دوسری بحث میں مختلف بدعتی دعاؤں کو بیان کیا گیا ہے۔اس کے بھی چار ذیلی ''مطالب'' ہیں۔

(۱) قبروں اور مزاروں پر دعاؤں کا بیان

(۲) ''توسل بالذات'' کا بیان

(۳) مؤکد اذکار اور دعاؤں کا بیان

(۴) اجتماعی دعا کا بیان

چوتھا باب

اس میں کچھ ایسے لوگوں کے شبہات کا پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے جو غیر مشروع دعاؤں کو جائز قرار دینے کی سعی لا حاصل کرتے ہیں۔ یہ باب ایک تمہید اور تین فصلوں پر مشتمل ہے۔تمہید میں ان شبہات کی اقسام، ان کی وجوہات اور ان کے متعلق اجمالی جوابات دیئے گئے ہیں۔

فصل اول :۔ اس میں صحیح دلائل سے غلط احتجاج کرنے والوں کا محاسبہ کیا گیا ہے، یہ دو بحثوں پر مشتمل ہے :۔ پہلی بحث میں قرآن مجید سے استدلال کرنے والوں کا محاسبہ کیا گیا ہے۔دوسری بحث میں سنت ثابتہ سے استدلال کرنے والوں کا محاسبہ کیا گیا ہے۔

فصل ثانی :۔ اس میں غیر صحیح دلائل سے احتجاج کرنے والوں کا محاسبہ کیا گیا ہے جو کہ تین بحثوں پر مشتمل ہے :۔ پہلی بحث میں احادیث ضعیفہ ہیں، دوسری بحث میں موضوع و من گھڑت روایات ہیں اور تیسری بحث میں مختلف واقعات، حکایات اور نظریات ہیں۔

فصل ثالث:۔ اس میں ان لوگوں کا محاسبہ کیا گیا ہے جو غیر مشروع دعا کو رد کرنے والی دلیلوں کو رد کر دیتے ہیں۔ یہ فصل ایک تمہید اور نو شبہات پر مشتمل ہے۔

ضمیمہ:۔ اس میں کچھ شرکیہ و بدعیہ اور کچھ منقول اور ثابت شدہ دعاؤں کے نمونے (مثالیں) ہیں۔

خاتمہ:۔ خاتمہ کچھ اہم نتائج پر مشتمل ہے۔

طریقہ بحث:۔

(۱) میں نے حسب توفیق اور حسب سہولت ان تمام مصادر سے مواد جمع کرنے کی کوشش کی ہے جن کے متعلق یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ ان میں دعا کے موضوع پر بحث ہے اور نیز جو مصادر مجھے میسر ہو سکے میں نے ان سے بھرپور استفادہ کی کوشش کی۔ البتہ میں نے اس کتاب میں مسئلہ دعا سے تعلق رکھنے والی ہر بحث کا ذخیرہ نہیں کیا۔ مزید برآں میں یہ دعویٰ بھی نہیں کر سکتا کہ میں نے اس مسئلہ پر مشتمل بلا استثناء ہر کتاب حاصل کر لی تھی کہ جس میں دعا کے مختلف مسائل کے حق یا باطل ہونے پر خاصی طویل بحثیں کی گئیں ہیں۔

(۲) میں نے کتاب وسنت، اقوال سلف اور ان کے منہج پر چلنے والے علماء کے اقوال سے استدلال کرتے ہوئے ان مسائل کو وضاحت سے بیان کیا ہے کہ جن تک میری رسائی نے یہ ثابت کر دیا کہ یہی حق اور سچ ہے اور جہاں کہیں دلیل واضح تھی، وہاں میں نے وجہ دلالت کی شرح کرنا ضروری نہ سمجھا۔

(۳) میں نے مخالفین کے ان شبہات اور دلائل کو بیان کر دیا ہے جو ان کی کتابوں میں بکثرت اور باوضاحت موجود ہیں۔ مزید برآں میں نے کتاب وسنت کے محکم دلائل سے ان کا محاسبہ بھی کیا ہے اور اپنی تائید میں مختلف اہل علم کے اقوال بھی پیش کیے ہیں۔

(۴) میں نے دوران محاسبہ اس بات کا بقدر استطاعت خاص خیال رکھا ہے کہ میں علمی اسلوب سے نہ پھسلنے پاؤں اور جھگڑے میں احسن طریق کا التزام کروں۔ ایسے مقامات پر میں نے بالعموم محقق علماء کے اقوال پر اکتفاء کرنا ہی مناسب سمجھا کیونکہ قاری ان علماء کے اقوال پر قناعت تو کر سکتا ہے مگر مجھ جیسے ناچیز کو برداشت نہیں کر سکتا۔

(۵) بسا اوقات میں مناقشے کے لئے مخالف کے ایسے دلائل کو بھی بروئے کار لے آتا ہوں جو مخالف کے خلاف قرار واقعی حجت ثابت ہو رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان علما کے اقوال بھی درج کر دیتا ہوں جنہیں مخالفین کے ہاں ممتاز مقام حاصل ہے کیونکہ میرا مقصود محض مجادلہ یا غلبہ نہیں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ احسن طریق سے حق کو واضح کیا جائے۔

(۶) جب میں مختلف مصادر کی طرف اقوال کی نسبت کرتا ہوں تو اکثر وبیشتر ان مصدر کا حوالہ دے دیتا ہوں جہاں سے وہ قول ماخوذ ہوتا ہے۔

(۷) میں نے اس کتاب میں واردشدہ آیات کے نمبراور سورتوں کے نام حاشیے کی بجائے متن میں انڈر بریکٹ پیش کر دیئے ہیں تا کہ کتاب ہذا میں واردشدہ کثیر آیات سے قارئین مستفید ہوسکیں۔

(۸) میں نے احادیث کی ان کے اصلی مصادر سے تخریج پیش کی ہے اوران میں مختلف نقاد کے اقوال بھی ذکر کر دیئے ہیں اور جہاں کہیں تخریج احادیث میں توسیع مطلوب تھی، وہاں میں نے توسیع کا اہتمام بھی کیا ہے۔ جہاں کوئی حدیث بخاری ومسلم میں ملتی تھی وہاں میں نے صرف ان دونوں پر ہی اکتفاء کیا ہے۔ جب میں بخاری کا حوالہ دیتا ہوں تو اس سے فتح الباری (بخاری کی مشہور شرح جسے حافظ ابن حجرؒ نے پیش کیا ہے) میں موجود بخاری کا متن مراد ہوتا ہے، تا کہ قاری اصل کتاب سے عبارت دیکھ سکے۔

(۹) میں نے مختلف مصنفین کی آراوافکار بھی کتاب ہذا میں پیش کئے ہیں۔

(۱۰) غیر مشہور ائمہ کا مختصر تذکرہ بھی کر دیا ہے۔

❊❊❊
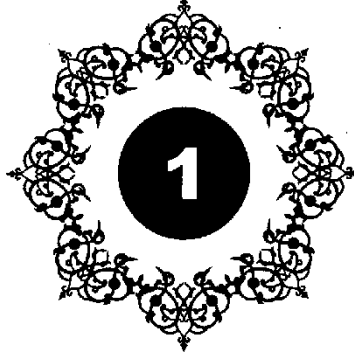
باب اول

* دعا کا معنی و مفہوم
* آداب دعا
* قبولیت دعا کی اقسام

1
فصل اول
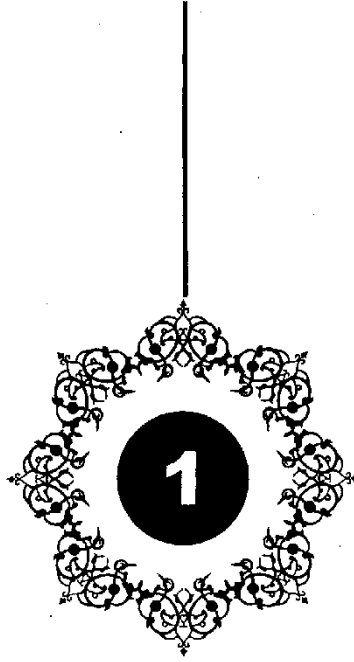
مبحث اول

(۱) لفظ دعا کا مادہ اور مشتقات

فی الحقیقت لفظ دعا مصدر ہے جس کا فعل ''دَعَا'' (از باب نصر) ہے۔ امام ابو سلیمان احمد بن محمد خطابیؒ (۳۸۸ ت ھ) فرماتے ہیں کہ ''اصل میں لفظ دعا ﴿دعوت الشي أدعوه دعاء﴾ ''میں نے اسے طلب کیا، میں اسے طلب کرتا ہوں، (یعنی باب فَعَلَ يَفْعُلُ کا) مصدر ہے۔''[1] اس کے آخر میں الف ممدودہ ہے۔[2] اور یہ مصدر قیاسی ہے کیونکہ ایسے افعال جو مختلف آوازوں پر دلالت کرتے ہیں، ان کے مصادر قیاسی استعمال ہوتے ہیں۔ یا تو وہ فُعَالٌ کے وزن پر موزوں ہوں گے یا پھر فَعِيلٌ کے وزن پر جیسا کہ مشہور نحوی امام ابن مالک سے یہ (قاعدہ) منقول ہے۔[3]

اصوات پر دلالت کرنے والے افعال کا مصدر فُعَالٌ (ف پر ضمہ کے ساتھ) کے وزن پر آتا ہے، صرف ایک ہی کلمہ ایسا ہے جس کا مصدر ف پر فتح کے ساتھ مستعمل ہوا ہے یعنی غَوَاثٌ، جیسے کہا جاتا ہے: ﴿أجاب الله دعاءه وغُواثه وغَواثها﴾، کبھی فا مکسورہ کے ساتھ بھی استعمال ہوا ہے جیسے نِدَاءٌ اور صِيَاحٌ،[4] مذکورہ گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ مصدری وزن فُعَال (بضمہ فا) سب سے زیادہ مستعمل ہے،[5] اس کے بعد بکسرہ ''ف''، البتہ بفتح ''ف'' صرف ایک کلمہ ہی استعمال ہوا ہے۔ دعاء، دَعَا (فعل) کا مشہور مصدر ہے۔[6] دعا فعل کے مذکورہ مصدر کے علاوہ کچھ اور مصادر بھی ہیں جنہیں علمائے لغت نے بدلائل ذکر کیا ہے اور فصیح لغت میں ان کا استعمال ثابت ہے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:۔

(1)۔ "دَعْوٌ"

علامہ ابن درید[7] فرماتے ہیں کہ ''دَعَا يَدْعُو کا مصدر دَعْوًا اور دعاءً دونوں طرح مستعمل ہے۔''[8] اس عبارت میں

---

(۱) [شان الدعاء للخطابی ص۳۔اتحاف السادۃ للزبیدی (۲۷/۵) الازهیة فی احکام الادعیة للزرکشی ص۲۷]

(۲) [جمهرة اللغة لابن درید (۲۴۲/۳) تاج العروس للزبیدی (۱۳۶/۱۰)]

(۳) [الفیه ابن مالك مع شرح (۱۲٤/۲)]

(٤) [اصلاح المنطق لابن السکیت ص۱۰۷ میں فرا نحوی سے منقول ہے۔الصحاح للجوهری (۲۸۹/۱) البارع فی اللغة ص ٤۳۱]

(٥) [معانی القرآن للزجاج (۲۰٤/۳)]

(٦) [مشارق الانوار للقاضی عیاض (۲٦۰/۱)]

(۷) [ابن درید مشہور نحوی اور لغوی ہیں۔ ان کا پورا نام ابوبکر محمد بن حسن بن درید ازدی بصری ہے۔ امام ذھبیؒ نے ان کے حافظے کی تعریف کی ہے۔ دار قطنیؒ نے ان پر کلام کیا ہے یہ ۳۲۱ھ میں فوت ہوئے۔ تاریخ بغداد (۱۹۵-۷/۲) سیر (۹٦/۵) بغیة الوعا (۷٦/۱) معجم المؤلفین (۱۸۹/۹)]

(۸) [جمهرة اللغة (۲۸۳/۲) المحکم (۲۳٤/۲) لسان العرب (۱۳۸٦/۳)]

موصوف نے دَعْوًا کو دعاء پر مقدم کیا ہے حالانکہ دعاء مشہور وزن ہے۔ دَعْوٌ کو کبھی دَعْوَۃٌ بھی کہہ دیا جاتا ہے۔[1] اس کی دلیل نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی ہے جو آپ ﷺ نے انہیں عیدگاہ میں حاضر ہونے کے لئے فرمایا :۔

✿ ''اس کی سہیلی اسے اپنی چادر اوڑھا دے اور وہ بھلائی اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہو۔''[2] اس حدیث میں دعا کے لئے دَعْوَۃٌ کا کلمہ استعمال ہوا ہے۔ نیز ایک اور حدیث نبوی ﷺ ہے:۔

✿ ''گذشتہ رات ایک سرکش جن میری نماز توڑنے کے لئے مجھ پر حملہ آور ہوا........ مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آ گئی ''یارب! مجھے ایسی حکومت دے جو میرے بعد کسی اور کو نہ ملے۔''(۳)

(2) دَعَا (فعل) کا ایک مصدر دَعْــوٰی ہے۔ اسے امام سیبویہؒ نے ان مصادر میں ذکر کیا ہے جن کے آخر میں الف تانیت آتا ہے، پھر یہ شعر پیش کیا ۔

وَلّت ودعواها شديد صخبُهُ(٤) ''وہ شور وغل کے ساتھ پکارتی ہوئی واپس ہوئی''

دعوٰی بمعنی دعا ذکر کیا ہے۔ سیبویہؒ فرماتے ہیں ''اہل عرب کا کلام ہے: یا اللہ! ہمیں مسلمانوں کی دعا (دعوٰی) میں شامل کر لے۔''(٥) قرآن مجید میں بھی یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے:۔

☆ ''ان کے منہ سے یہ بات نکلے گی ''سبحان اللہ'' ان کا باہمی سلام یہ ہوگا ''السلام علیکم'' اور ان کی آخری بات یہ ہوگی کہ تمام تعریفات اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔'' (یونس۔۱۰)

(3) اس کا تیسرا مصدر ''دِعَاوَۃٌ'' ہے۔(٦)

(4) اس کا چوتھا مصدر ''دِعَایَۃٌ'' ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے دَعَا دِعَایَۃً بروزن رَمَی رِمَایَۃ (پھینکنا) اور شَکٰی شِکَایَۃً (شکایت کرنا) اور اس سے ''دِعَایَۃُ الْإِسلام'' ہے یعنی اسلام کی دعوت (دعا، پکار)۔(٧)

---

(١) [الصحاح (٦/ ٢٣٣٧) اللسان (١٣٨٦/٣) تهذيب (١٢٠/٣)]

(٢) [بخاری مع الفتح (٤٢٣/١ـ ٣٢٤)]

(٣) [بخاری مع الفتح (٤٥٧/٦ـ ٣٤٢٣)]

(٤) [امام سیبویہؒ نے اسے بشیر بن نکث کی طرف منسوب کیا ہے۔ الکتاب (٢٢٨/٢)]

(٥) [الكتاب (٢/ ٢٢٨) معاني القرآني للزجاج (٣١٨/٢) تهذيب اللغة (١٢٠/٣) المحكم لابن سيده (٢٣٤/٢) المخصص (٨٨/١٣) اللسان (١٣٨٥/٣)]

(٦) [مشارق الانوار للقاضي عياض (٢٦٠/١)]

(٧) [مشارق الانوار (٢٦٠/١) اللسان (١٣٨٦/٣) تاج العروس (١٢٨/١٠)]

(5) اس کا ایک پانچواں مصدر بھی ہے اور وہ دَاعِیَةٌ ہے جیسے عَاقِبَةٌ (انجام) اور عَافِیَةٌ (سلامتی)۔(۱)
لفظ دعا کے مصادر کے استعمال ہونے والے مقامات کے تتبع سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آخری دو مصدر بالخصوص دعا کے اس معنی میں استعمال ہوتے ہیں جس میں کسی چیز پر رغبت دلائی جاتی ہے البتہ دعا بمعنی سوال اور طلب میں یہ استعمال نہیں ہوتے۔ مصدر نمبر دو (۲) یعنی ''دَعْـوٰی'' بمعنی دعا اور بمعنی دعوی کرنا، دونوں طرح ہی یکساں مستعمل ہے۔ مفسر ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں: ''لفظ دعوٰی کلام عرب میں دو طرح مستعمل ہے: (۱) بمعنی دعا (۲) اپنے حق کا دعویٰ کرنا۔ دعوٰی بمعنی دعا کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔''ہمیشہ ان کی یہ دعا رہی۔'' (الانبیاء۔۱۵) اور شاعر کا شعر ہے۔

''جب میرا پاؤں سن ہو جاتا ہے تو میں تجھے پکار لیتا ہوں کیونکہ تجھے پکارنے سے اس کا ورم جاتا رہتا ہے۔'' (۲)

تقریباً یہی معنی اس سے پہلے ابو عبیدہ معمر بن مثنی بھی پیش کر چکا ہے۔(۳) لفظ دعا کا اطلاق جس طرح مصدر پر ہوتا ہے اسی طرح مفعول بہ پر بھی ہوتا ہے۔ تمہارا یہ قول ''دَعَوْتُ اللّٰهَ دُعَاءً أَيْ دَعْوَةً'' میں نے اللہ سے دعا مانگی۔ اس میں مصدر (دعا) مراد لیا گیا ہے۔ اس طرح تمہارا یہ کہنا ''سمعت دعاء۔ میں نے دعا سنی'' جس طرح تم کہتے ہو ''میں نے آواز سنی'' تو اس جملے میں دعا کے وہ الفاظ مراد ہیں جن سے دعا مانگی گئی ہے نہ کہ وہ مجرد فعل جس کے ذریعے دعا کا اظہار کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہاں دعا کا اطلاق مصدر پر کیا گیا ہے جبکہ اس سے مراد مفعول بہ ہے۔ ابو سلیمان خطابیؒ دعا کو اصلاً مصدر قرار دینے کے بعد فرماتے ہیں۔''پھر وہ مصدر کو اسم کی جگہ لے آتے ہیں، تم کہو گے ''میں نے دعا سنی''، جس طرح تم کہتے ہو ''میں نے آواز سنی'' اور اسی طرح تمہارا یہ کہنا ''یا اللہ! میری دعا سن لے''، لہٰذا یہاں مصدر کو اسم کی جگہ رکھا گیا ہے جس طرح ان کا یہ قول ہے '' آدمی تو عدل ہے، یہ تو درہم ہے، امیر کی ضرب ہے، یہ یمن کا بنا ہوا کپڑا ہے۔''(٤) لہٰذا ثابت یہ ہوا کہ دعا کا اطلاق دو طرح ہوتا ہے۔ کبھی تو مصدر پر اور کبھی اسم مفعول پر۔

---

(۱) [تاج العروس (۱۰/۱۲۸)]

(۲) [جامع البیان (۸/۱۱۹۔ ۱۲۰)]

(۳) [ساتویں طبقے کا مشہور اور صدوق نحوی لغوی ہے، اس پر خارجی ہونے کا الزام بھی ہے۔ ۲۰۸ھ میں فوت ہوا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے بعد فوت ہوا تھا۔ تقریب التهذیب ص ٥٤١ (٦٨١٢)]

(٤) [شان الدعا للخطابی ص ٤، اتحاف السادة (٥/٢٧) الازهیة ص ٢٧]

لفظ دعاء کے ہمزہ کی اصل:۔ دعاء کے آخر میں جو ہمزہ ہے یہ اصل میں واؤ تھی یعنی دعاو،[1] اس کے واوی الاصل ہونے کی دلیل یہ قول ہے دعوت، اَدعو (میں نے اسے پکارا، میں اسے پکارتا ہوں) اور اس کا اسم فاعل ''داعٍ'' ہے جبکہ اسم مفعول ''مدعوّ'' ہے۔[2] مذکورہ صیغے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ ہمزہ اصل میں واؤ تھی اور اسے الف زائدہ کے بعد کلمے کے آخر میں ہونے کی وجہ سے ہمزہ سے بدل دیا گیا۔ جیسا کہ ابن مالک نحوی کا قاعدہ ہے کہ جو واؤ اور یا کسی کلمے کے آخر میں الف زائد کے بعد یا ''فاعل'' کے الف کے بعد واقع ہو، اسے ہمزہ سے بدل دیا جاتا ہے۔[3]

***

(۱) [الصحاح (۲۳۳۷/۶) تاج العروس (۱۲۶/۱۰) اللسان (۱۳۸۶/۳)]

(۲) [جمهرة اللغة (۲٤۲/۳)]

(۳) [ابن عقيل (٥٤۸/۲)]

(۲) دعا کا لغوی معنی

دعا کا مادہ (د۔ع۔و) ہے جو کتاب وسنت، کلام عرب اور اہل علم کے نزدیک کئی مختلف معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور ان میں باہم تفاوت (کمی بیشی) ہے۔ بعض معانی کے لئے یہ بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے اور مطلق دعا سے مراد بھی یہی معنی ہوتے ہیں جبکہ بعض معانی کے لئے یہ شاذ ونادر ہی استعمال ہوتا ہے اور ان تمام معانی کے استعمال کو اہل لغۃ نے درست قرار دیا ہے۔ اگر ہم غور وفکر سے کام لیں تو ان تمام معانی کا مدار صرف ایک ہی معنی پر ہے اور وہ یہ ہے ''کسی چیز کا مائل ہونا۔'' ابن فارس[۱] فرماتے ہیں ''دَعْو۔ د۔ع اور حرف علت (واوَ) ان کی اصل صرف ایک ہے یعنی کسی چیز کو اپنی آواز یا کلام کے ذریعے اپنی طرف مائل کرنا۔''[۲]

ہم ان متعدد معانی کو جو اصلاً متحد ہیں، یکے بعد دیگرے ذکر کریں گے اور ان کے ساتھ کتاب وسنت اور معتبر اہل لغۃ (جن کے کلام کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے) سے ان کے شواہد مع امثلہ ذکر کریں گے۔ پھر ہم ان معانی کو بھی پیش کریں گے جنہیں بعض علماء نے پیش کیا ہے اور وہ فی الحقیقت سابقہ معانی کی طرف لوٹتے ہیں اور اس میں ہم معتبر علمائے لغت کے دلائل بھی پیش کریں گے۔ تو اب ہم اپنی بحث کا آغاز کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگتے ہیں اور اسی پر ہم بھروسہ کرتے ہیں۔

(۱) **دعا بمعنی طلب اور سوال:۔** ابن سیدہؒ[۳] فرماتے ہیں:۔''طالب کا اپنے غیر سے کسی فعل کا مطالبہ کرنا'' (دعا کہلاتا ہے)۔[٤] حافظ ابوبکر بن عربی مالکیؒ فرماتے ہیں ''دعا کا لغوی اور حقیقی معنی طلب کرنا ہے۔''[٥] محمد بن شوکانیؒ فرماتے ہیں ''شرعی اور حقیقی لحاظ سے دعا کا معنی طلب کرنا ہے۔''[٦] مذکورہ تین علماء کے علاوہ مزید بہت

(۱) [احمد بن فارس بن زکریا ابوالحسین بہت بڑے لغوی اور محدث تھے، ادب میں کامل، فقہ مالکی میں ماہر اور اہل حق یعنی اہل حدیث مذہب کے مناظر لاجواب تھے۔ ۳۹۵ھ میں فوت ہوئے۔ السیر (۱۷/۱۰۳-۱۰٤) المنتظم (۷/۱۰۳) بغیة الوعاة (۱/۳۵۲)]

(۲) [معجم مقاییس اللغة لابن فارس (۲/۲۷۹)]

(۳) [ان کا نام علی ابن اسماعیل اندلسی ہے۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کا حافظہ ضرب المثل ہے۔ لغت اور عربی ادب کے امام اور حافظ ہیں ۴۵۸ھ میں فوت ہوئے۔ السیر (۱۸/۱٤٤-۱٤٦) العبر (۲/۳۰۸)]

(٤) [المخصص لابن سیده :(۱۳/۸۸)]

(٥) [احکام القرآن (۲/۸۱۵)]

(٦) [فتح القدیر (٤/٤۹۸)]

سے علماء نے دعا کا یہی معنی ذکر کیا ہے۔(۱) دوسرے معانی کے مقابلے میں مندرجہ بالا معنی کتاب وسنت، لغت، صحابہ اوران کے بعد آنے والے علماء کے نزدیک سب سے زیادہ مستعمل رہا ہے۔(۲)

جب اس کا فعل مذکورہ معنی کے لئے استعمال ہوتو اسے ''ب'' کے ساتھ مطلوب نفع کے لئے متعدی کیا جاتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے ''میں نے اللہ تعالیٰ سے کامیابی طلب کی''(۳) اور اسے خاص مدعو مطلوب کی طرف بھی متعدی کیا جاتا ہے جس طرح اسے خیر کے لئے ''لام'' اور شر کے لئے ''علیٰ'' کے ساتھ متعدی کیا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: ﴿دعوت له بخير﴾ ''میں نے اس کے لئے خیر طلب کی'' اور ﴿دعوت عليه بشر﴾ ''میں نے اس کے لئے شر کا مطالبہ کیا۔ (بدعا کی)''(٤)

مذکورہ معنی میں استعمال کے دلائل:۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

☆ ''اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے، اے موسیٰ! ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کیجئے! جس کا اس نے آپ سے وعدہ کر رکھا ہے۔'' (الاعراف۔۱۳۴)

☆ ''اور جب تم نے کہا، اے موسیٰ! ہم (روزانہ) ایک ہی کھانے پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔ آپ ہمارے لئے اپنے رب سے مطالبہ کیجئے۔'' (البقرۃ۔٦١)

☆ ''وہیں زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا مانگتے ہوئے کہا، اے میرے پروردگار! مجھے اپنی جناب سے صالح اولاد نصیب فرما۔ یقیناً تو دعا سننے والا ہے۔'' (آل عمران۔۳۸)

☆ ''آپ کہہ دیجئے اپنا حال تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آپڑے یا تم پر قیامت ہی آ پہنچے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم سچے ہو۔ بلکہ خالص اسی کو پکارو گے، پھر جس کے لئے تم پکارو گے اگر وہ چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے۔'' (الانعام۔۴۰،۴۱)

☆ ''آپ کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کی ظلمات سے نجات بخشتا ہے۔ تم اس کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو کہ اگر تو ہم کو ان سے نجات دے دے تو ہم ضرور شکر کرنے والے ہو جائیں گے۔'' (الانعام۔٦٣)

---

(١) [جیسے ابن منظور نے لسان (١٣٨٧/٣) میں ،مقاتل بن سلیمان نے الاشباہ والنظائر ص٢٨٧ میں ،ابن جوزی نے نزهة النواظر ص٢٩٤ میں، زبیدی نے اتحاف السادۃ (٢٧/٥) میں ،قرافی نے الفروق(٢٥٩/٤) میں اور طرطوشی نے دعائے ماثور ص٣٢ میں]

(٢) [فتح المجيد (٣٣٣/٢)]

(٣) [الكليات لكفوى(٣٣٣/٢)]

(٤) [المحكم (٢٣٤/٢) اللسان (١٣٨٧/٣) اساس البلاغة (٢٧٢/١) تاج العروس (١٢٧/١٠)]

☆ ''اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے، لیٹے بھی، بیٹھے بھی، کھڑے بھی۔ پھر جب ہم اس کی تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے اپنی تکلیف کے لئے جو اسے پہنچی تھی، کبھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔'' (یونس ۔۱۲)

☆ ''لاچار کی پکار کو کہ جب وہ پکارے، کون قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے؟'' (النمل ۔۶۲)

☆ ''کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم معبود سمجھتے ہو، انہیں پکارو لیکن نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں۔'' (الاسراء ۔۵٦)

☆ ''انسان بُری دعائیں اس طرح مانگنے لگتا ہے جس طرح وہ اچھی دعائیں مانگتا ہے۔'' (الاسراء ۔۱۱)

مذکورہ مثالوں میں لفظ دعا بمعنی طلب مستعمل ہوا ہے اور یہاں مطلق طلب ہی مراد نہیں بلکہ خاص طلب مراد ہے یعنی ''کسی ادنیٰ کا اعلیٰ سے بلا غفلت برتے کسی چیز کے حصول کا مطالبہ کرنا۔''[1] اور یہ اس لئے ہے کہ طلب اور استدعا کا صیغہ طالب اور مطلوب کی حیثیتوں کے مطابق مختلف ہوتا رہتا ہے لہٰذا جب اس صیغہ کا طالب اپنے مطلوب پر قبضے کی قدرت رکھتا ہو تو یہ صیغہ حکمیہ ہوتا ہے اور جب طالب ہر لحاظ سے فقیر ہو جبکہ وہ ذات جس سے مطالبہ کیا جا رہا ہے، وہ ہر لحاظ سے غنی ہو تو اسے بطور ذلت، عاجزی اور مسکینی کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔[2] لہٰذا ایسی حالت میں جب ایک ادنیٰ اعلیٰ سے مطالبہ کر رہا ہو تو اسے ''دعا'' کہا جائے گا اور جب اعلیٰ ادنیٰ سے مطالبہ کرے گا تو وہ ''امر'' (حکم) ہوگا اور جب باہم متساوی حیثیتوں والے اسے ادا کریں گے تو یہ ''التماس'' کہلائے گا۔ صاحب سلم فرماتے ہیں ۔

أمرٌ مع استعلا وعكسه دعا ‏ ‏ ‏ ‏ وفي التساوي فالتماس وقعا

''اعلیٰ کا مطالبہ امر ہے۔ اس کے برعکس دعا ہے جبکہ متساوی حیثیت میں یہ التماس ہے۔''[3]

حاصل کلام یہ ہے کہ ایک ہی صیغہ مخاطب اور مخاطب کے پیش نظر مختلف ہو جاتا ہے جبکہ دونوں متساوی ہوں یا اعلیٰ ادنیٰ کی حیثیت میں ہوں۔[4] تمام اہل بلاغت، اہل منطق، معتزلہ اور بعض فقہا کا یہی مذہب ہے البتہ اس پر ایک اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ امر کے لفظ کا اطلاق مذکورہ معانی کے علاوہ معانی پر بھی کیا گیا ہے جیسے فرعون نے اپنی قوم سے کہا:

---

(١) [نزهة النواظر لابن جوزى ص٢٩٤]

(٢) [الفتاوى لابن تيميہؒ (١٠/ ٢٤٦) تحفة الجليس ص١٠١، دلائل الرسوخ ص٧٥]

(٣) [السلم المنورق فى علم المنطق ص٢٧٣]

(٤) [دلائل الرسوخ ص٧٥، تحفة الجليس ص١٠١، مفتاح العلوم ص٣١٩]

﴿فماذا تأمرون﴾ ''تم مجھے کیا امر (مشورہ) دیتے ہو۔'' (الاعراف۔۱۱۰) یہاں مشورے کا مقام ہے اگرچہ فرعون قوم کی بہ نسبت عالی مرتبت ہے۔(۱)

۲۔ دعا بمعنی عبادت:۔ دعا بمعنی عبادت قرآن وسنت اور علماء کے کلام میں بکثرت وارد ہوا ہے۔اس معنی کو باصراحت ذکر کرنیوالا ابواسحاق زجاج[2] تھا۔اس نے اس آیت ﴿أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانَ﴾ ''میں پکارنے والے کی دعا کو سنتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارے۔'' (البقرہ۔۱۸۶) کے متعلق کہا کہ ''دعا کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے کے تین معانی ہیں جن میں سے ایک اللہ کی توحید اور اس کی حمد وثنا ہے جیسے تم یہ کہو''یا اللہ!، اے اللہ! تیرے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں'' اور یہ قول ''ربنا لک الحمد، اے ہمارے پروردگار! تیرے لئے ہی تمام تعریفات ہیں۔''(۳)

زجاج ایک اور آیت ﴿ادعوا ربكم تضرعا وخفية﴾ ''اپنے رب کو عاجزی اور پوشیدگی سے پکارو۔'' (الاعراف۔۵۵) کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہاں خفیۃ سے مراد ہے ''تم اپنے نفسوں میں اللہ کی عبادت کا اعتقاد رکھو کیونکہ دعا کا معنی عبادت ہے۔''(۴) دعا کا یہی معنی اور بہت سے اہل لغت اور اہل تفسیر نے ذکر کئے ہیں(۵) جن میں ایک، امام ابومنصور محمد بن احمد ازھری بھی ہیں جو مشہور لغوی ہیں، وہ فرماتے ہیں ''کبھی دعا بمعنی عبادت ہوتی ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے ''جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ بھی تمہارے جیسے انسان ہیں۔ (الاعراف۔۱۹۴) یعنی جن کی تم عبادت کرتے ہو۔'' پھر انہوں نے دعا کا اللہ کی توحید اور حمد وثنا پر اطلاق کیا ہے اور یہ بھی فی الحقیقت اللہ

---

(۱) [الابھاج فی شرح المناھج للسبکی (۲/۷۔۶)]

(۲) [یہ ابراہیم بن محمد بن سری بغدادی ہیں جو مشہور نحوی، لغوی، مفسر اور ''مبرد'' کے شاگرد ہیں ۳۱۱ھ کو فوت ہوئے۔ السیر (۱۴/۳۶۰) تاریخ بغداد (۶/۸۹۔۹۳) معجم المولفین (۱/۳۳)]

(۳) [معانی القرآن للزجاج (۱/۲۵۰) تھذیب اللغۃ (۳/۱۱۹) اللسان (۳/۱۳۸۵)]

(۴) [معانی القرآن للزجاج (۲/۳۴۴)]

(۵) [جیسے ابن جریر طبریؒ نے (واذا سألك عبادی) میں دو معانی ذکر کئے ہیں جن میں ایک معنی ''عبادت'' ذکر کیا۔(طبری۔۲/۱۶۰) اسی طرح (ولا تطرد الذین یدعون ربھم..........) آیت میں یہ معنی ذکر کیا ہے تفسیر طبری (۷/۲۰۵) اسی طرح ابن جوزی نے نزھۃ النواظر (ص۲۹۳) میں، مقاتل بن سلیمان نے الاشباہ والنظائر میں (ص۲۸۶)، ازھری لغوی نے تھذیب (۳/۱۱۹) میں، ابن منظور نے اللسان (۳/۱۳۸۵) میں، زبیدی نے تاج العروس (۱۰/۱۲۷) میں، اور شرح الاحیاء (۵/۲۷) میں، البتہ اس نے اس کا معنی ''توحید'' ذکر کیا ہے اور مثال میں یہ آیات درج کی ہیں (وانه لما قام عبد الله یدعوه، ان الذین تدعون من دون الله عباد امثالکم.........)، اسی طرح ابوبکر طرطوشی نے دعائے ماثور (ص۳۱) میں ابو البقاء الکفوی نے الکلیات (۲/۳۳۳) میں]

کی عبادت ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ سعید بن میّب سے بھی اس آیت ﴿لَنْ نَدْعُوَ مِنْ دُوْنِهٖ اِلٰهًا﴾ ''ہم اللہ کے سوا کسی اور معبود کو ہرگز نہیں پکارتے۔'' (الکھف۔۱۴) میں پکارنے سے مراد عبادت ہے یعنی ہم اللہ کے سوا کسی اور کی ہرگز عبادت نہیں کرتے۔ نیز ارشاد باری ہے: ﴿أَتَدْعُوْنَ بَعْلًا﴾ (الصافات۔۱۲۵) یعنی ﴿أَتَعْبُدُوْنَ رَبًّا سِوَى اللّٰهِ﴾ ''کیا تم اللہ کے علاوہ کسی اور رب کی عبادت کرتے ہو۔'' نیز فرمایا ''اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہ کر۔'' (الشعراء۔۲۱۳) ان لغویوں سے کہیں بڑھ کر رسول کریم ﷺ سے دعا بمعنی عبادت منقول ہے، فرمایا: ''دعا ہی عبادت ہے۔''(۱) اب اس فرمان نبوی ﷺ کے بعد کسی انسان کی تاویل کی حاجت باقی نہیں رہی البتہ علماء کے اقوال کو ہم نے ''اجنبیت'' دور کرنے کے لئے ذکر کیا ہے۔ اس معنی میں مندرجہ ذیل آیات بھی وارد ہوئی ہیں۔

☆ ''آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔'' (الانعام۔۵۶)

☆ ''یہ تو اللہ کو چھوڑ کر صرف عورتوں کو پکارتے ہیں اور فی الحقیقت یہ محض سرکش شیطانوں کو پوجتے ہیں۔'' (النساء۔۱۱۷)

☆ ''(اے نبی!) اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھ جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔'' (الکھف۔۲۸)

امام زھری کے کلام میں بھی بعض ایسی مثالیں گذری ہیں۔

(۳) دعا بمعنی رغبت الی اللہ:۔ دعا بمعنی رغبت کو بھی بہت سے علمائے لغت نے بیان کیا ہے جبکہ اکثر علمائے لغت نے دعا کے مختلف معانی بیان کرتے وقت اس معنی کو سب سے مقدم رکھا ہے جیسے صاحب المحکم، صاحب قاموس، صاحب مصباح اور صاحب کلیات ہیں۔(۲) یہ معنی سابقہ دونوں معنوں سے عام ہے کیونکہ رغبت بسا اوقات طلب کے لئے ہوتی ہے اور بسا اوقات عبادت اور حمد وثنا کے لئے ہوتی ہے لہٰذا رغبت کی دو صورتیں ہوئیں۔ (۱) رغبت سوال (۲) رغبت عبادت۔ جس طرح رغبت سوال اور مطالبے پر ابھارتی ہے اسی طرح رغبت عبادت اور حمد وثنا پر بھی ابھارتی ہے لہٰذا دعا رغبت کے آثار ونتائج کی مرہون منت اور اس کا لازمہ ہے۔ اس طرح ہم کامیابی سے یہ ادراک کر سکتے ہیں کہ مذکورہ معانی میں کوئی تناقض نہیں بلکہ ان میں باہمی التزام پایا جاتا ہے۔

---

(۱) [ابو داؤد (١٤٧٩) ترمذی (٣٢٤٧) مسند احمد (٢٦٧/٤) حاکم (٤٩٠/١) شرح السنة (١٨٤/٥) السنن الکبری للنسائی (٢٥٣/٢) مسند طیالسی (٨٠١) تفسیر طبری (٧٨/٢٤) الادب المفرد (٧١٤) (سنده صحیح)]

(۲) [المحکم (٢٣٤/٢) تاج العروس (١٢٦/١٠) المصباح المنیر (٢٦٤/١) الکلیات (٣٣٣/٢)]

(۴) دعا بمعنی استغاثہ وفریاد:۔ دعا کا یہ معنی بھی بہت سے اہل لغت اور اہل تفسیر نے بیان فرمایا ہے۔[۱]
دعا بمعنی مدد (استغاثہ) پر یہ آیت کریمہ دلیل ہے :۔''اور اللہ کے علاوہ اپنے مددگار اکٹھے کر لو اگر تم واقعتاً سچے ہو۔''
(البقرۃ۔۲۳) فرا نحویؒ[۲] فرماتے ہیں :۔''''اس آیت کا معنی ہے کہ اپنے معبودوں کو بلا کر ان سے مدد حاصل کر لو،
یہ اسی طرح ہے جس طرح تمہارا خلوت میں دشمن سے ٹکراؤ کے وقت یہ قول ہوتا ہے :مسلمانوں کو پکارو یعنی مسلمانوں
سے مدد حاصل کرو لہٰذا یہاں دعا بمعنی مدد (تعاون) ہے۔'' (۳)
مذکورہ آیت کی تفسیر میں ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ فرماتے ہیں ''یعنی انہیں بلا لو تا کہ قرآنی سورت جیسی ایک سورت
بنانے میں وہ تمہاری مدد کریں، یہاں ادعوا سے مراد مدد کا مطالبہ ہے اور اسی سے یہ جملہ ہے **دعاء الجاهلية**.....
یعنی جاہلیت کی پکار اور وہ ان کا یہ قول ہے :اے آل فلاں! یہ کہہ کر وہ قوم والوں سے مدد مانگتے تھے۔''[٤] دعا بمعنی
استغاثہ دراصل دعا بمعنی سوال کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، اس کے بالمقابل نہیں ہے۔ (٥)

(۵) دعا بمعنی ندا اور پکار:۔ دعا کا یہ معنی بھی بہت سے اہل لغت اور ان علماء نے بیان کئے ہیں جو
قرآن کریم کے مشکل الفاظ کی تفسیر کرتے ہیں۔[٦] دعا بمعنی ندا کے دلائل درج ذیل ہیں۔

☆ ''اور جس دن وہ فرمائے گا کہ تمہارے خیال میں جو میرے شریک تھے، انہیں پکارو! یہ پکاریں گے لیکن ان
میں سے کوئی بھی جواب نہ دے گا۔ ہم ان کے درمیان ہلاکت کا سامان کر دیں گے۔'' (الکھف۔۵۲)

(١) [معاني القرآن للفراء(١٩/١)، الاشباه والنظائر (ص٢٨٧)، غريب القرآن لابن قتيبه (ص٤٣) تهذيب اللغة (١١٩/٣) نزهة النواظر (ص ٢٩٤) الوجوه والنظائر للدامغاني (ص١٧٤) لسان العرب (١٣٨٥/٣) الكليات (٣٣٤/٢) اتحاف السادة (٢٧/٥) دعائے ماثور (ص٣٢)]

(٢) [یحییٰ بن زیاد بن عبداللہ ابو زکریا اسدی ان کا نام ہے، انہیں بغداد کے رہائشی دیلمی کوفی نے آزاد کروایا جو ایک مشہور وصدوق نحوی تھے۔ یہ ۲۰۷ھ میں فوت ہوئے۔ تقریب (ص ٥٩٠ ـ ٧٥٥٢) السير (١١٨/١٠) بغية الوعاة (٣٣٣/٢٥)]

(٣) [معاني القرآن للفرأ (١٩/١) اللسان (١٣٨٥/٣)]

(٤) [غريب القرآن لابن قتيبه (ص٤٣)]

(٥) [کسی چیز کی ''قسم'' کا معنی ہے وہ چیز جو کسی عموم کے تحت شامل ہو جیسے کلمۃ عام ہے اور اسم خاص ہے جو اس کے تحت شامل ہونے کی وجہ سے اس کی قسم کہلائے گا اور ''قسیم'' ان متساوی چیزوں (قسموں) میں سے ہر ایک کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی اور چیز کے عموم میں داخل ہوں جیسے اسم اور فعل باہم ''قسیم'' ہیں اور یہ دونوں ایک تیسری چیز یعنی کلمے کے تحت (مندرج) ہیں۔ التعريفات للجرجاني (ص١٧٥)]

(٦) [جیسے ابن سیدہ نے المحكم (٢٣٤/٢) میں، الجوهري نے الصحاح (٢٣٣٧/٦) میں، زمحشری نے اساس البلاغة (٢٧٢/١) میں، ابن منظور نے اللسان (١٣٨٦/٣) میں، زبیدی نے تاج العروس میں (١٢٨/١٠)، ابو البقاء نے الكليات (٤/٢-٣٣٣) میں، مقاتل نے الأشباه (ص٢٧٦) میں، ابن الجوزی نے نزهة النواظر (ص٢٩٤) میں، اس طرح اتحاف السادة (٢٧/٥)]

☆ ''کہہ دیجئے! میں تو تمہیں اللہ کی وحی کے ساتھ آگاہ کر رہا ہوں مگر بہرے لوگ بات نہیں سنتے جبکہ انہیں آگاہ کیا جائے۔'' (الانبیاء۔۴۵)

☆ ''بلاشبہ آپ نہ مردوں کو سنا سکتے ہیں نہ اپنی پکار بہروں کو سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیرے روگرداں جا رہے ہوں۔'' (النمل۔۸۰)

☆ ''یقیناً آپ نہ مردوں کو سنا سکتے ہیں نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں کہ جب وہ پیٹھ پھیرے روگرداں جا رہے ہوں۔'' (الروم۔۵۲)

☆ ''کافروں کی مثال ان جانوروں کی سی ہے جو اپنے چرواہوں کی صرف پکار اور آواز ہی کو سنتے ہیں (سمجھتے نہیں)۔'' (البقرۃ۔۱۷۱)

☆ ''جس دن ایک پکارنے والا ناگوار چیز کی طرف پکارے گا۔'' (القمر۔۶)

☆ ''جس دن وہ تمہیں بلائے گا تم اس کی تعریف کرتے ہوئے اس کا حکم بجالاؤ گے۔'' (الاسراء۔۵۲)

جب لفظ دعا بمعنی ندا کے استعمال ہو تو اس کا صرف ایک مفعول ہوگا[1] ''جیسے میں نے زید کو پکارا'' اس مثال میں لفظ دعا متعدی بیک مفعول ہے اور وہ مفعول زید ہے۔

(۶) دعا بمعنی قول:۔ یہ معنی بھی کئی علماء سے منقول ہے۔[2] مندرجہ ذیل آیات اس پر شاھد ہیں :۔

☆ ''جس وقت ان پر ہمارا عذاب آیا، اس وقت ان کے منہ سے صرف یہی نکلا کہ واقعی ہم ظالم تھے۔'' (الاعراف۔۵)

☆ ''ہمیشہ ان کا یہی قول رہا حتی کہ ہم نے انہیں جڑ سے کٹے ہوئے (کھیت) اور بجھی پڑی آگ (کی طرح) کر دیا۔'' (الانبیاء۔۱۵)

☆ ''ان کے منہ سے یہ بات نکلے گی ''سبحان اللہ''، ان کا باہمی سلام یہ ہوگا ''السلام علیکم'' اور ان کی آخری بات یہ ہوگی کہ تمام نعمتیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہان کا رب ہے۔'' (یونس۔۱۰)

ابوعبیدہ معمر بن مثنی اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ دعواھم سے مراد ان کا کلام ہے۔[3] اور قتادۃ بن دعامۃ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔(۴)

---

(۱) [الکلیات للکفوی (۳۳۳/۲) النھایۃ لابن الاثیر (۱۲۱/۲)]

(۲) [دیکھیے الاشباہ (ص۲۷۵) مجاز القرآن لابی عبیدہ (۲۱۰/۱) معانی القرآن للفرأ (۲۰۰/۲)، للزجاج (۴۱۶/۳) للاخفش الاوسط (۴۱۳/۲) جامع البیان (۱۱۹/۸) نزھۃ النواظر (ص۲۹۳) المحکم (۲۳۴/۲) الکلیات (۳۳۴/۲) الدعا المنثور (ص۳۳)]

(۳) [مجاز القرآن (۲۷۵/۱)]

(۴) [جامع البیان (۱۱۵۔۹۰)]

☆ ''اسے پکارتے ہیں جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے یقیناً بُرے والی ہیں اور برے ساتھی ہیں۔''(الحج۔۱۳)

ابواسحاق زجاج فرماتے ہیں کہ اس آیت میں یدعو بمعنی یقول ہے اور لِمَنۡ مبتدا ہونے کی وجہ سے حالت رفع میں ہے لہٰذا آیت کا ترجمہ یوں ہوگا ''وہ اسے معبود اور رب کہتے ہیں جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے۔''

اسی طرح عنترہ شاعر کا یہ قول ہے۔[1] ''وہ عنتر کو بلاتے ہیں جبکہ نیزے کنویں کی رسیوں کی طرح (ادھم) گھوڑوں کے سینوں میں (پیوست ہورہے) ہیں۔'' یہاں یدعون بمعنی یقولون (وہ بلاتے ہیں) ہے۔(۲)

(۷) دعا بمعنی تسمیہ:۔ دعا بمعنی تسمیہ بھی بہت سے اہل لغت نے ذکر کیا ہے۔[3] اور قرآن مجید کی مندرجہ آیت میں دعا بمعنی تسمیہ استعمال ہوا ہے۔''لے پالکوں کو انکے (حقیقی) باپوں کی طرف نسبت کر کے بلاؤ اللہ کے نزدیک یہی اصل انصاف ہے۔(الاحزاب۔۵) اس معنی میں لفظ دعا ایک مفعول کی طرف تو بنفس نفیس متعدی ہوگا جبکہ دوسرے مفعول کی طرف ''ب'' کے ساتھ متعدی ہوگا اور بعض اوقات دوسرے مفعول سے ''ب'' کو حذف بھی کر دیا جاتا ہے جیسے تو کہے دعوته بزيد اور دعوته زيدا یعنی میں نے اسے زید نام سے پکارا۔ بقول شاعر۔

''میں نے اس کی طرف چوڑے پھالے کے کاٹنے والے تیر سے وار کیا جس نے اسے چیر ڈالا

اور میں اس تکلیف دینے والے تنکے کو (شفایاب اثمد) سرمے کا نام دیتا تھا۔'' (٤)

(۸) دعا بمعنی تحریض:۔ بہت سے اہل علم نے دعا بمعنی تحریض بھی بیان کیا ہے۔ یعنی کسی چیز کی طرف شوق اور میلان پیدا کرنا۔[5] قرآن مجید میں اس کی مندرجہ ذیل مثالیں نمایاں ہیں۔

☆ ''اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف رغبت دلاتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں ہدایت سے نوازتے ہیں۔''(یونس۔۲۵)

☆ ''(یوسفؑ نے) کہا کہ جس چیز کی طرف وہ مجھے ابھارتی ہیں اس کی بہ نسبت جیل مجھے محبوب ہے۔''(یوسف۔۳۳)

---

(۱) [دیوان عنترہ (ص۲۹)]

(۲) [معانی القرآن للزجاج (٤١٦/٣) المحكم (٤٣٢/٢) ،معانی القرآن للأخفش الاوسط(٤١٣/٢) اللسان (١٣٨٦/٣)]

(۳) [دیکھئے المحكم لابن سيدة (٢٣٥/٢) معانی القرآن للزجاج (٤١٦/٣) الكشاف للزمخشری (٤٢٥/٢) اساس البلاغة (٢٧٣/١) المفردات للراغب (ص ١٧٠) اللسان لابن منظور (١٣٨٧/٣) الكليات للكفوی (٤/٢-٣٣٣)]

(٤) [مجاز القرآن (١٢/٢) معانی القرآن (٤١٦/٣) المحكم (٢٣٥/٢) طبری (١٣١/١٦) اللسان (١٣٨٧/٣) التهذيب (١٢٤/٣)]

(٥) [جیسے ابن سیدہ نے المحکم (٢٣٤/٢) میں ، امام راغب نے المفردات (ص ١٧٠) میں، ابن منظور نے اللسان (١٣٨٦/٣) میں ،فیروز آبادی نے القاموس میں(قاموس مع تاج العروس (١٢٧/١٠) الکفوی نے الکلیات (٣٣٣/٢) میں۔]

☆ ''اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو، تم مجھے یہ دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ شرک کروں جس کا مجھے کوئی علم نہیں اور میں تمہیں غالب، بخشنے والے (معبود) کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔'' (غافر۔۴۲،۴۱)

☆ ''اور وہ اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ ہے۔'' (الاحزاب۔۴۶)

☆ ''اے میری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کے لئے لبیک کہو۔'' (الاحقاف۔۳۱)

مذکورہ معنی کے لئے دعا کا مصدر ''دعوۃ'' زیادہ مشہور ہے اور وہ سوال کی بہ نسبت مذکورہ معانی میں بہت زیادہ مستعمل ہے۔

(۹) دعا بمعنی بددعا:۔ یہ معنی بھی اہل لغت کی ایک جماعت سے مروی ہے [۱] اور وہ اہل عرب کا یہ محاورہ پیش کرتے ہیں: ﴿دعاہ اللہ بما یکرہ﴾ ''یعنی اللہ اسے ناپسندیدہ چیز سے دوچار کرے۔'' اور اس معنی کے لئے شاعر کا یہ شعر پیش کرتے ہیں:۔

دعاك الله من قيس بأفعىً اذا نام العيون سرت عليكا [۲]

''اللہ تجھ پر بہت بڑا (زہریلا) سانپ مسلط کرے کہ جب آنکھیں سو جائیں تو وہ تجھ پر حملہ آور ہو۔''

یہ لفظ دعا کے معانی اور اشتقاق کا وہ ماحصل ہے جس تک میری رسائی ممکن ہو سکی۔ اس کے علاوہ بھی کئی ایک معانی ایسے ہیں جنہیں علماء نے بیان کیا ہے مگر ان پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی گذشتہ معانی سے منسلک ہیں۔ کوئی جدید معانی نہیں ہیں لہٰذا میں ان معانی کو بھی بدلائل پیش کر رہا ہوں اور گذشتہ معانی کے ساتھ ان کے ربط کو بیان بھی کروں گا۔ مزید برآں ان علماء کی طرف بھی اشارہ کروں گا جنہوں نے اسے گذشتہ معانی ہی قرار دیا ہے۔

❋❋❋

(۱) [جیسے خلیل بن احمد نے ''کتاب العین'' (۲۲۱/۲) میں، ابن سیدہ نے محکم (۲۳۵/۲) میں، ابن فارس نے اپنی ''معجم'' (۲۸۰/۲) میں، ابن منظور نے اللسان (۱۳۸۷/۳) میں اور زمخشری نے اساس البلاغۃ (۲۷۲/۱) میں، مگر اس نے اسے مجازی معانی میں شامل کیا ہے جو درست نہیں۔]

(۲) [دیکھئے گذشتہ حوالہ جات مثلاً المحکم، معجم ابن فارس وغیرہ]

(۱) دعا بمعنی رفعت و عظمت :۔ دعا کا یہ معنی امام راغب اصفہانیؒ نے ذکر کیا ہے اور اس معنی کے ساتھ اس قرآنی آیت کی تفسیر کی ہے :۔ ''یہ یقینی امر ہے کہ تم مجھے جس کی طرف بلا رہے ہو، وہ نہ تو دنیا میں پکارے جانے کے قابل ہے نہ آخرت میں ۔'' (غافر ۔۴۳)[۱] امام راغبؒ کا مذکورہ معنی قابل نظر ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ دعا کے معانی میں سے ایک استغاثہ ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ کبھی دعا بمعنی رفعت بھی ہوتی ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے ''وہ نہ تو دنیا میں پکارے جانے کے قابل ہیں نہ آخرت میں'' جیسا کہ امام راغب نے ذکر کیا ہے البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ رفعت کو استغاثے کی طرف لوٹا دیا جائے۔[۲] حافظ ابن حجرؒ کے مذکورہ احتمال کو مفسرین کے اقوال کی بھی تائید ہوتی ہے جو مذکورہ آیت کے متعلق ان سے مروی ہیں :۔

(۱) یعنی اس کی پکار پر دنیا اور آخرت میں کوئی جواب نہیں دے گا۔

(۲) دنیا میں وہ اپنی عبادت کی طرف نہیں بلاتے کیونکہ بت نہ تو ربوبیت کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی پرستش کی دعوت دے سکتے ہیں اور آخرت میں بھی وہ اپنی عبادت کرنے والوں سے اظہار برأت کریں گے۔

(۳) اسے شفاعت حاصل نہ ہوگی ۔(۳)

مذکورہ بحث سے یہ واضح ہوا کہ اس آیت میں ''دعوۃ'' سے مراد، پہلے اور تیسرے قول کے مطابق دعائے طلب (حاجت) ہے اور دوسرے قول کے مطابق دعا بمعنی رغبت ثابت ہوتا ہے اور یہ دونوں معانی ہم بیان کر چکے ہیں لہٰذا یہ مثال ان دونوں میں سے کسی ایک میں داخل ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ مذکورہ آیت سے امام راغبؒ کا استشہاد درست نہیں جبکہ فصیح لغت میں بھی اس پر دلالت کرنے والا کوئی شاہد موجود نہیں۔ اس لئے اس کا یہ لغوی معنی (دعا بمعنی رفعت) کرنا کسی طور پر درست نہیں جبکہ لغت کی بڑی بڑی کتابیں جو ہمیں دستیاب ہیں، ان میں بھی یہ معنی مذکور نہیں۔

(۲) دعا بمعنی عذاب :۔ بعض علمائے لغت نے دعا کو بمعنی عذاب بھی بیان کیا ہے[۴] اور اس کی مثال میں یہ آیت پیش کی ہے ''یقیناً وہ شعلہ والی (آگ) ہے جو منہ اور سر کی کھال کھینچ لانے والی ہے۔ وہ ہر اس شخص کو پکارے گی

---

(۱) [المفردات (ص ۱۷۰)]

(۲) [الفتح (۹۴/۱۱)]

(۳) [تفسیر بغوی (۹۹/٤) طبری (٦٩/٢٤) ابن کثیر (٨٠/٤) تفسیر رازی (٧٢/١٤) زاد المسیر (٢٢٥/٧) فتح القدیر (٤٩٤/٤) روح المعانی (٢٤/٨) معانی القرآن (٣٧٦/٤)]

(٤) [دیکھئے کتاب العین للخلیل (٢٢١/٢)، تهذیب اللغة للزهری (١٢٥/٣) المحكم لابن سیده (٢٣٥/٢) اللسان (٢٦٠/١٤) الوجوه والنظائر للدافعانی (ص١٧٥) تاج العروس (١٢٨/١٠)]

جو پیچھے ہٹتا ہے اور منہ موڑتا ہے۔" (المعارج۔۷۔۶،۱۵)انہوں نے کہا کہ اس آیت میں آگ کے پکارنے سے مراد اس کی وہ انفعالی حرکات ہیں جو وہ اہل جہنم کے ساتھ کرے گی اور ان کا دعویٰ ہے کہ انہی کا بیان کردہ معنیٰ ہی صحیح ہے اور ندائے حقیقی یہاں مراد نہیں ہے۔ابن سیدہؒ فرماتے ہیں "یہاں دعا بمعنیٰ ندا کہا گیا ہے مگر یہ کمزور مذہب ہے۔"[۱] حالانکہ ان کی اپنی بات ہی کمزور اور غیر صحیح ہے کیونکہ یہ بلاضرورت ظاہری معنیٰ سے خروج ہے اور اسے ہی "تحریف" کہا جاتا ہے۔اہل لغۃ میں یہ تاویل معتزلہ اور جھمیہ سے سرایت ہوکر آئی ہے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام میں تاویل وتحریف کا دروازہ کھولا اور بہت سے علمائے لغت جنہوں نے ان کے کلام کے مفاسد کا احاطہ کئے بغیر ان کی اندھی تقلید کی لہٰذا انہیں آگ کی ندا، پکار اور کلام سے راہ فرار اختیار کرنا پڑی حالانکہ آگ کے کلام (بولنے) پر کتاب وسنت میں بے شمار صریح دلائل موجود ہیں جہاں تاویل کا احتمال بھی عنقا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے "جس دن ہم جہنم سے پوچھیں گے کیا تو بھر چکی؟ وہ جواب دے گی، کیا کچھ مزید بھی ہے؟" (ق۔۳۰)اس طرح ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آگ نے اپنے پروردگار سے شکوہ کیا: یارب! میرے بعض نے بعض کو کھالیا، تو اللہ تعالیٰ نے اسے دوسانس لینے کی جازت فرمائی......"۔[۲]

✿ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جہنم اور جنت نے جھگڑا کیا، آگ کہنے لگی ، مجھے متکبر اور جبار لوگ دے کر ترجیح دی گئی ہے۔ جنت کہنے لگی، مجھ میں تو صرف کمزور اور ناتواں لوگ ہی داخل ہوں گے۔ یہ کیا بات ہوئی! اللہ تعالیٰ نے جنت سے کہا: تو میری رحمت ہے، میں تیرے ساتھ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہوں، رحمت کرتا ہوں اور آگ سے فرمایا: یقیناً تو عذاب ہے، میں اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہوں تیرے ساتھ عذاب دیتا ہوں.........."۔[۳]

✿ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "جہنم بلا توقف یہ کہے جائے گی: کیا کچھ اور بھی ہے؟ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنا قدم مبارک رکھیں گے تو وہ کہے گی بس! بس! پروردگار تیری عزت کی قسم اور پھر وہ سکڑ جائے گی۔"[٤] مذکورہ نصوص قطعیہ صراحتاً آگ کے حقیقی کلام پر دلالت کرتی ہیں لہٰذا

---

(۱) [المحکم (۲/۲۳۵)]

(۲) [بخاری (۲/۱۸۔۵۳۷) مسلم (۱/۴۳۱۔ ۶۱۷)]

(۳) [بخاری مع الفتح (۸/۵۹۵۔ ۴۸۵۰) مسلم (٤/۲۱۸۶۔ ۲۸٤٦)]

(٤) [بخاری مع الفتح (۸/۵۹٤۔ ٤۸٤۸) مسلم (٤/۲۱۸۷۔ ۲۸٤۸)]

یہ ماننا پڑے گا کہ آگ بھی ندا لگاتی ہے اور مندرجہ آیت میں ''تدعو'' کی ''تعذب'' کے ساتھ تاویل کرنا عبث ہے مزید برآں اگر دعا بمعنی عذاب لغوی طور پر ثابت بھی ہو جائے تو یہ ''مکروہ چیزوں کے پیش کرنے'' میں شامل ہوگا۔ کوئی جدید معنی نہیں ہے۔ (مزید تفصیل آگے ملاحظہ ہو)

(۳) دعا بمعنی استفہام:۔ قرآن کریم کے مشکل الفاظ کی تفسیر کرنے والے بعض علما نے دعا بمعنی استفہام بھی ذکر کیا ہے۔[۱] اور بطور مثال یہ آیت پیش کی ہے ''انہوں (بنی اسرائیل) نے کہا (اے موسیٰ) تم اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کرو'' (البقرۃ۔۶۸،۶۹) یعنی ہمارے لئے اپنے رب سے سوال کرو۔ حالانکہ یہ معنی پہلی قسم یعنی دعا بمعنی طلب میں داخل ہے اس لئے کہ استفہام طلب کی اقسام میں سے ہے اس کے مدمقابل نہیں ہے اور کلبیؒ[۲] سے اس آیت کی تفسیر میں جو یہ مروی ہے ''اپنے رب سے سوال کر''[۳] یہ عبارت بھی ہمارے دعوے کی دلیل ہے۔

(۴) دعا بمعنی جعل (بنانا):۔ بعض اہل علم نے یہ معنی بھی بیان کیا ہے[۴] اور اس کی مثال اس آیت سے پیش کی ہے ''کہ وہ رحمان کی اولاد ثابت کرنے بیٹھیں'' (مریم۔۹۱) ''اللہ کے سوا جن جن کو لوگ پکارتے ہیں وہ سب باطل ہیں۔'' (لقمن۔۳۰) بقول شاعر۔

''میں نے اس کی طرف چوڑے پھالے کے کاٹنے والے تیر سے وار کیا جس نے اسے چھید ڈالا اور میں اسے تکلیف دینے والے تنکے کو (اثمد) سرمہ کا نام دیتا تھا۔'' (۵)

بقول شاعر۔

''خبردار! کتنے ہی لوگوں کو تم ناصح کے لقب سے موسوم کرتے ہو حالانکہ اپنی عدم موجودگی میں تم ان کے سینوں کو اپنے لئے خیرخواہ نہیں پاؤ گے۔'' (۶)

پہلی آیت کے متعلق اکثر علماء کا نکتہ نظر یہ ہے کہ، یہاں دعا بمعنی تسمیہ ہے اور ایسی صورت میں اس کے دو مفعول ہوتے

---

(۱) [جیسے مقاتلؒ نے الأشباہ (۲۸۷) میں اور ابن جوزی نے نزھۃ (۲۹۵) میں۔]

(۲) [محمد بن سائب کوفی مفسر جس پر جھوٹے اور رافضی ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ ۱۴۶ھ میں فوت ہوا۔ تقریب (ص۴۷۹) (۵۹۰۱) میزان (۵۵۶/۳)]

(۳) [تھذیب اللغۃ (۱۲۳/۳) اللسان (۱۳۸۷/۳)]

(۴) [جیسے ابو عبیدہ نے مجاز القرآن (۱۲/۲) میں، ازھری نے تھذیب (۱۲٤/۳) میں اخفش سے نقل کیا ھے، طبری نے اپنی تفسیر (۱۳۱/۱۶) میں، بغوی نے اپنی تفسیر (۲۰۹/۳) میں، امام راغب نے مفردات (ص۱۷۰) میں اور ابن منظور نے اللسان (۱۳۸۷/۳) میں۔]

(۵) [مجاز القرآن (۱۲/۲) المحکم (۲۳۵/۲) الطبری (۱۱۹/۱۶)]

(۶) [ایضا]

ہیں جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے البتہ یہاں دوسرے مفعول پر اقتصار کیا گیا ہے اور پہلے کو حذف کر دیا گیا تا کہ عموم کا فائدہ حاصل ہو سکے اور وہ ہر اس چیز پر محیط ہے جسے اللہ کے لئے بیٹا قرار دیا جاتا ہے خواہ عیسیٰ ہوں یا عزیزؑ یا ان کے علاوہ کوئی اور ہستی ہو۔[1] دوسری آیت میں لفظ دعا عبادت اور سوال کا مفہوم ادا کر رہا ہے۔

(۵) دعا بمعنی استحضار:۔ یہ معنی بھی بعض لوگوں نے بیان کیا ہے[2] اور بطور مثال یہ آیت پیش کی ہے ﴿یدعون فیها بفاکهة کثیرة و شراب﴾ ''وہ جنتی طرح طرح کے میوے اور قسم قسم کی شرابوں کی فرمائشیں کر رہے ہوں گے۔'' (ص۔۵۱) اسی طرح یہ قول ''دعا بالکتاب ''یعنی اس نے کتاب کی پیشی چاہی۔ حالانکہ یہ معنی بھی ''دعا بمعنی طلب'' کی طرف راجع ہے لہٰذا اس دوسری مثال کا معنی یہ ہوگا کہ ''اس نے کتاب کی حاضری کا مطالبہ کیا۔'' اور آیت کا معنی یہ ہوگا ''اہل جنت طرح طرح کے میوہ جات اور شرابوں کا مطالبہ اور سوال کر رہے ہوں گے۔''

(۶) دعا بمعنی ندبہ (میت کے فضائل بیان کرنے کو نُدبہ کہتے ہیں):۔

بہت سے علمائے لغت نے یہ معنی بھی ذکر کیا ہے، جیسے کہا جاتا ہے ''دَعَا الميّت'' اس نے میت کے محاسن وفضائل شمار کیے۔[3] حالانکہ مذکورہ معنی بلاتردد ''دعا بمعنی ندا'' کی طرف راجع ہے۔ اسی لئے ابن سیدہ وغیرہ نے اسی مثال میں ''ناداہ'' (اسنے میت کو ندا دی) کا اضافہ کیا ہے،[4] لہٰذا یہ معنی ''ندا'' میں شامل ہے۔

(۷) دعا بمعنی حمد وثناء:۔ بعض نے یہ معنی بھی ذکر کیا ہے[5] اور بطور مثال یہ فرمان الٰہی پیش کیا ہے ''فرما دیجئے کہ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو، تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔'' (الاسراء۔۱۱۰) لیکن یہ مثال محل نظر ہے کیونکہ یہاں دعا یا تو ندا کے معنی میں ہے جیسے ابو حیانؒ اور ایک جماعت نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔[6] یا پھر دعا بمعنی تسمیہ ہے جیسے زمخشریؒ نے اسے اختیار کیا ہے[7] یا پھر دعا بمعنی سوال ہے جو درحقیقت تسمیہ کو شامل ہے اور اسے ابن قیمؒ نے اختیار کیا ہے۔ حافظ ابن قیم نے زمخشری کے مذہب (کہ دعا بمعنی تسمیہ ہے) پر

---

(۱) [الكشاف (۴۲۵/۲) روح المعانی (۱۴۱/۱۶)]

(۲) [أساس البلاغة (۲۷۳/۱) تاج العروس (۱۲۸/۱۰)]

(۳) [المحكم (۲۳۵/۲) اللسان (۱۳۸۷/۳) أساس البلاغة (۱۸۹) تاج العروس (۱۲۷/۱۰)]

(۴) [ایضا]

(۵) [فتح الباری (۹۴/۱۱)]

(۶) [البحر المحيط (۹۰/۶) روح المعانی (۱۹۲/۱۵)]

(۷) [الكشاف (۳۷۸/۲) روح المعانی (۱۹۲/۱۵)]

تعاقب کرتے ہوئے فرمایا ''زمخشری نے جو کہا ہے وہ اس آیت میں مذکور دعا کے مرادی معنی کے لوازمات میں سے ہے ''نفس'' مراد نہیں ہے بلکہ وہ معنی مراد ہے جو قرآنی سیاق اور ذہن میں پوشیدہ ہے اور وہ دعا بمعنی سوال اور دعا بمعنی ثنا ہے جو دعا بمعنی تسمیہ میں ضمناً شامل ہے لہٰذا یہاں وہ ''دعائے تسمیہ'' مراد نہیں جو ''عبادت وطلب'' سے خالی ہو بلکہ یہاں وہ ''دعائے تسمیہ'' مراد ہے جس میں عبادت (ثنا) وطلب شامل ہو ورنہ زمخشری کے مذہب کے مطابق آیت میں مذکور ''تدعوا'' بمعنی ''تسموا'' ہوگا اور آیت کا معنی یہ بنے گا ''تم اپنی دعا، ثنا اور سوال میں جو کوئی بھی نام رکھ لو۔'' (اللہ اعلم)[1] حاصل کلام یہ ہے کہ اس آیت کو یہاں بطور مثال پیش کرنے میں اختلاف ہے اگرچہ یہاں دعا بمعنی ثنا کا احتمال بھی موجود ہے البتہ یہاں دعا بمعنی سوال بالکل واضح ہے اور آیت کا شان نزول بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔[2] لہٰذا دعا بمعنی ثنا کوئی مستقل معنی نہیں ہے۔

(۸) دعا بمعنی ایمان:۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت ﴿قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْ لَا دُعَاؤُكُمْ﴾ (الفرقان۔۷۷) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہاں ''لولا دعاؤکم'' سے لَوْ لَا اِیْمَانُکُم'' مراد ہے۔[3] (یعنی دعا بمعنی ایمان ہے) امام بخاریؒ نے بھی دعاؤکم سے ایمانکم[4] مراد لیتے ہوئے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ دعا عمل ہے اور عمل کا اطلاق ایمان پر ہوسکتا ہے لہذا ایمان کا عمل پر اطلاق بھی درست ہے۔[5] وہ یہ استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ اعمال ،ایمان میں داخل ہیں۔نواب صدیق حسن خانؒ بھی فرماتے ہیں ''دعا کا لغوی معنی ایمان ہے۔''[6] میرے علم کے مطابق علامہ موصوفؒ سے بیشتر کسی اور نے یہ معنی ذکر نہیں کیا، ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام بخاریؒ نے مذکورہ آیت میں دعا بمعنی ایمان تو ذکر کیا ہے مگر اسے لغوی (حقیقی) معنی قرار نہیں دیا جبکہ ان کے کلام سے یہ احتمال بھی موجود ہے کہ شاید ان کے نزدیک ایمان بمعنی عبادت ہو کیونکہ مجرد ایمان تمام عبادات اور اطاعات کو شامل ہوتا ہے جیسا کہ ایمان واسلام اور فقیر و مسکین کے درمیان فرق کرتے ہوئے اس کا تذکرہ کیا گیا ہے اور دعا بمعنی عبادت تو ہم ثابت کر چکے ہیں۔

---

(۱) [بدائع الفوائد (۵/۳) والفتاوی (۱۴/۱۵)]

(۲) [تفسیر طبری (۱۸۲/۱۵) (مرسل)]

(۳) [طبری (۵۵/۱۹)]

(۴) [بخاری مع الفتح (۴۹/۱) تاج العروس (۱۲۸/۱۰)]

(۵) [فتح الباری (۴۹/۱)]

(۶) [الدین الخالص (۲۲۴/۱)]

مفسر ابن جریرؒ نے بھی اس آیت میں دعا بمعنی عبادت واطاعت قرار دیتے ہوئے مذکورہ احتمال کی تائید کی ہے اور اس تفسیر کو تقویت دیتے ہوئے حضرت ابن عباس ؓ کا یہی قول پیش کیا ''لو لا ایمانکم ''۔[1] لہٰذا ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک بھی دعا بمعنی عبادت یا بمعنی ایمان میں کوئی فرق نہیں بلکہ ایمان وعبادت کا ایک دوسرے پر اطلاق ممکن ہے۔ گذشتہ بحث سے واضح ہوا کہ ''دعا بمعنی ایمان'' کوئی مستقل قسم نہیں بلکہ یہ دعا بمعنی عبادت میں ہی شامل ہے۔ سابقہ (آٹھ) معانی کو ان علماء نے (د۔ع۔و) مادے سے ثلاثی مجرد سے بیان کیا ہے۔ اس مادے کی ثلاثی مزید فیہ سے بھی علماء نے کچھ معانی ذکر کیے ہیں جیسے دعا بمعنی تمنی، دعا بمعنی خیال ودعویٰ اور دعا بمعنی تساقط یعنی گرنا، غور وفکر سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ معانی بھی فی الحقیقت ہمارے بیان کردہ معانی میں شامل ہیں۔ کوئی الگ مستقل حیثیت نہیں رکھتے۔ تاہم آگے انہیں بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

***

(۱) [طبری (۵۵/۱۹)]

(۱) دعا بمعنی تمنّٰی:۔ یہ معنی بھی بہت سے علماء نے بیان کیا ہے۔[۱] اور بطور مثال یہ آیت پیش کی ہے "ان کے لئے اس (جنت) میں میوے اور ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ تمنّٰی کریں گے۔" (یٰس۔۵۷) نیز یہ آیت "اور تمہارے لئے اس (جنت) میں ہر وہ چیز ہوگی جس کی تم خواہش اور مطالبہ کرو گے۔" (فصلت۔۳۱) اسی طرح اہل عرب کا یہ قول "وہ جس کی تمنا کر رہا ہے اس کی بہ نسبت اس کی موجودہ حالت ہی بہتر ہے۔" اور یہ قول "جو چاہو تمنا کرو۔"[۲] غور وفکر اس بات کا متقاضی ہے کہ مندرجہ معانی "دعا بمعنی طلب" سے ہی تعلق رکھتے ہیں کیونکہ تمنا طلب کی ایک قسم ہے جیسا کہ امام راغب نے مذکورہ آیت میں "دعا بمعنی طلب" ہی بیان کیا ہے۔[۳] اسی طرح ابن سیدہ نے المحکم میں "دعا بمعنی تمنا" ذکر کرنے کے بعد کہا "آیت قرآنی ﴿ولهم ما يدّعون﴾ میں دعا بمعنی تمنا ہے۔ دریں صورت معنی یہ ہوگا کہ "جس چیز کو اہل جنت طلب کریں گے۔"[٤] امام زجاج نے بھی دعا بمعنی تمنا ذکر کرکے فرمایا "یہ "پکار" سے ماخوذ ہے لہٰذا (آیت کا) معنی یہ ہوا، جس چیز کو بھی اہل جنت پکاریں گے، وہ ان کے پاس پہنچ جائے گی۔"[٥] اہل عرب کے جو قول پیش کئے گئے ہیں، ان میں بھی دعا (بمعنی تمنا نہیں بلکہ) بمعنی طلب ہے۔

(۲) دعا بمعنی دعویٰ:۔ دعا بمعنی دعویٰ بھی بعض اہل علم نے بیان کیا ہے۔[٦] قطع نظر اس کے کہ وہ دعویٰ سچا ہے یا جھوٹا۔ انہوں نے اس معنی کو ثابت کرنے کے لئے یہ دلیل پیش کی ہے "اور کہا جائے گا یہ ہے وہ چیز جس کا تم دعویٰ کرتے تھے! الملک۔۲۷) یعنی یہ ہے وہ عذاب جسے تم نے باطل سمجھ کر اس کے وقوع کا انکار کیا حالانکہ اس آیت میں بھی دعا بمعنی طلب کا احتمال موجود ہے لہٰذا معنی یہ ہوگا "یہ ہے وہ (عذاب) جس کا تم بلا تاخیر اس طرح اللہ تعالیٰ سے "مطالبہ" کرتے تھے (یا اللہ! اگر یہ (قرآن) واقعی تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب نازل کردے۔" (الانفال۔۳۲) مذکورہ معنی (مطالبہ) اس وقت کیا جائے گا جب "تَدْعُون" کی دال کو مخفف پڑھا جائے۔ اگر اسے مشدد پڑھا جائے تو پھر اس میں "بمعنی دعا اور بمعنی دعویٰ" دونوں کا احتمال ہو

---

(١) [المجاز (١٦٤/٢) المحكم (٢٣٥/٢) معاني القرآن (٢٩٢/٤)]

(٢) [المحكم (٢٣٥/٢) اللسان (١٣٨٧/٣) التهذيب (١٢٤/٣)]

(٣) [المفردات (١٧٠)]

(٤) [المحكم (١٣٥/٢) تاج العروس (١٢٧/١٠)]

(٥) [معاني القرآن للزجاج (٢٩١/٤)]

(٦) [المحكم (٢٣٥/٢٥) اللسان (١٣٨٧/٣)]

گا۔[1] امام بغوی نے دونوں قراءتیں (بتخفیف اور بتشدید) ذکر کر کے فرمایا کہ ''تذکرون'' کی طرح دونوں حالتوں میں معنی ایک ہی ہے یعنی تم اسے پکارتے ہو اور تمنا کرتے ہو کہ وہ تم پر عذاب بھیجے۔[2]

(۳) دعا بمعنی تساقط:۔ اہل لغت کے ایک گروہ نے یہ معنی بھی بیان کیا ہے۔[3] اور بطور دلیل یہ حدیث پیش کی ہے ''قریب ہے کہ تم پر امتیں اس طرح ٹوٹ پڑیں جس طرح بھوکے کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔''[4] اس طرح اہل عرب کا یہ قول پیش کیا ہے ﴿تَدَاعَتِ الْحِيْطَان﴾ ''دیوار گر پڑی۔'' دراصل یہ معنی ''دعا بمعنی ندا'' کی طرف راجع ہے کیونکہ ''امتیں تم پر ٹوٹ پڑیں گی۔'' کا معنی یہ ہے کہ وہ تمہارے خلاف لوگوں کو پکار کر جمع کریں گے جیسا کہ نہایہ میں مذکور ہے۔[5] اسی طرح دوسری مثال میں جو لفظ دعا استعمال ہوا ہے، اس میں بھی ندا (پکار) پوشیدہ ہے یعنی دیوار کا بعض، بعض کو گویا پکارتے ہوئے گراتا ہے جیسا کہ ابن فارس کے کلام میں یہ اشارہ گذر چکا ہے۔

***

---

(١) [ایضا ومعالی القرآن (٢٠١/٥)]

(٢) [تفسیر بغوی (٣٧٣/٤)]

(٣) [تاج العروس (١٢٨/١٠) النهاية (١٢١/٢) اللسان (١٣٨٨/١٣)]

(٤) [مسند احمد (٢٧٨/٥) ابو داؤد (٤٢٩٧) السلسلة الصحيحة (٦٨٣/٢) صحيح الجامع (٣٦٤/٦)]

(٥) [النهاية (١٢٠/٢) اللسان (١٣٨٦/٣)]

(۳) دعا کا شرعی معنی اور اس کی لغوی معنی سے مناسبت

دعا کی (شرعی) تعریف میں علماء مختلف الخیال ہیں اگرچہ ہر ایک نے شرعی معنی کی وضاحت مدنظر رکھی ہے۔ چند ایک تعریفات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ابوسلیمان خطابیؒ :☆☆ ''دعا کا معنی یہ ہے کہ بندہ صرف اور صرف اپنے رب کی عنایت وشفقت اور اسی کی اعانت کا طالب ہو اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ رب کی طرف اپنی محتاجی اور عاجزی کا اظہار کرے۔(۱)

(۲) ابوعبداللہ الحسین بن حسنؒ: ☆☆ ''سائل کا یا اللہ، یا رحمٰن، یا رحیم وغیرہ پکارنے کا نام دعا ہے۔''(۲)

(۳) ابن عربی المالکیؒ :☆☆ ''دعا کی حقیقت یہ ہے کہ سائل اللہ تعالیٰ کو پکارے تاکہ اسے نفع حاصل ہو، مصائب وآلائم دور ہوں اور اللہ کی رحمت کا حصول ہو۔''(۳)

(۴) ابن تیمیہؒ: ☆☆ ''دعا وسوال اس طلب کو کہتے ہیں جس سے سائل کو نفع حاصل ہو اور ضرر دور ہو۔''(٤)

(۵) محمد بن عبدالوھابؒ: ☆☆ ''دعا طلب کا نام ہے جو یائے ندا سے کی جاتی ہے۔ کیونکہ یائے ندا قریب وبعید دونوں کے لئے مستعمل ہے اور کبھی اسے استغاثہ وغیرہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔''(٥)

(۶) حسین بن مھدی یمنیؒ :☆☆ ''ایسا معنی ومفہوم جو بلا قصد قادر مطلق کی طرف لوٹنے والا ہو، اس کی شایان شان ہو اور اس کے علاوہ اور کسی سے اس کی توقع نہ کی جاسکتی ہے تو اس مفہوم (چیز) کو اس (قادر مطلق) سے طلب کرنے کے لئے جس لفظ سے موسوم کیا جائے، اصطلاحِ شرع میں وہ لفظ دعا ہے۔ اور دعا ہی انبیاء ورسل کی زبان اور قرآن مجید سے جاری ہوئی ہے.........''(٦) اہل شرع کے نزدیک دعا سے مراد ایک ایسا فطری عنصر ہے جس میں عاجز کا قادر مطلق سے سوال اور مطالبہ پایا جاتا ہے۔''(٧) اسی طرح ایک اور مطول تعریف بھی ان سے منقول ہے۔(۸)

---

(۱) [شان الدعا (ص٤)]

(۲) [المنهاج في شعب الايمان (١/٥٢٢)]

(۳) [آراء ابن العربی (٨٦/١)قانون التاويل (ص١٥٣)]

(٤) [الفتاوى (١٠/١٥) بدائع الفوائد (٢/٣)]

(٥) [الرسائل الشخصية (ص٤)]

(٦) [معارج الألباب (ص١٩٦)]

(٧) [ايضا (ص٢١٨)]

(٨) [ايضا (ص١٩٣)]

(۷) عبدالرحمٰن بن حسن آل الشیخ: ✡✡ ''چاہت یا خشیت یا دونوں حالتوں میں سوال وطلب کرنے کو دعا کہا جاتا ہے۔''(۱)

مذکورہ تعریفات سے متشابہ کئی اور تعریفات موجود ہیں۔(۲) اور یہ تمام تعریفیں دعا کی دو قسموں میں سے صرف ایک قسم یعنی دعائے سوال (حاجت) کے ساتھ خاص ہیں لیکن دلالت التزامی کے تحت اسے دوسری قسم (دعائے عبادت) میں بھی شامل کیا جاسکتا ہے، گویا یوں کہا جائے گا ''دعائے عبادت طلب ثواب اور خوف عذاب سے عبارت ہے لہٰذا اس میں طلب نفع اور دفاع ضرر کا پہلو پایا جاتا ہے جیسا کہ آئندہ صفحات میں دعائے حاجت اور دعائے عبادت کے التزام میں ذکر کیا جائے گا۔ امکان ہے کہ یہ تعریف دونوں قسموں پر مشتمل ہو سکے ''حصول مطلوب اور دفاع مکروہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا، سوال کے لئے گریہ وزاری کرنا، عاجزی کرنا، امید، خوف اور طمع رکھنا۔'' سوال کرنے میں دعائے حاجت اور عاجزی وغیرہ میں دعائے عبادت یعنی دونوں ہی قسمیں موجود ہیں لہٰذا ہماری تعریف جامع و مانع ہوئی۔ مزید تفصیل ''دعا کی اقسام'' والے مبحث میں آئے گی۔

دعا کے لغوی اور شرعی معنی میں مناسبت بالکل واضح ہے کیونکہ دعا کے لغوی معنی کا اطلاق طلب، عبادت اور رغبت پر کیا جاتا ہے جبکہ یہی معانی ''شرعی معنی'' میں بھی پائے جاتے ہیں کیونکہ دعا مانگنے والا (خواہ دعائے حاجت ہو یا دعائے عبادت) یا اجر وثواب کا طالب ہوتا ہے یا پھر حصول نفع اور دفاع ضرر کا طالب ہوتا ہے اور وہ ان چیزوں کے وقوع کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرتا ہے اور اسی سے مدد وتعاون کا متلاشی ہوتا ہے جیسا کہ وہ زبان سے بھی یا اللہ، اے میرے پروردگار!......... پکارتا ہے، لہٰذا لغوی معنی کی شرعی معنی سے مناسبت روز روشن کی طرح واضح ہے۔

مذکورہ مختلف تعریفوں کے بعد اب ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ان عبارتی تعریفوں کے علاوہ بھی دعا کا ایک معنی ومفہوم ہے جو داعی کے قلب وشعور میں پایا جاتا ہے اور مذکورہ تعریفات تو صرف تمثیل وتفہیم اور اشارہ وکنایہ کے لئے ہیں وگرنہ داعی کی قلبی حالت، اللہ کی طرف گریہ وآہ وزاری، خشوع وخضوع اور انابت الی اللہ کو الفاظ کا جامہ پہنانا ناممکن ہے اور ہر طرح کی عبارت ان اوصاف کو بیان کرنے سے قاصر ہے۔ اس لئے اس کی حقیقت بایں صورت ہی پہچانی جاسکتی ہے کہ انسان خود ان اوصاف سے متصف ہو جائے۔

---

(۱) [القول الفصل (ص۴۷)]

(۲) [دیکھئے اتحاف السادۃ (۲۷/۵) مختصر الصواعق (۲۹۱-۸/۲) وغیرہ]

مبحث دوم

دعا کے معنی ومفہوم پر دلالت کرنے والے الفاظ کا بیان

مقدمہ

اسماء کے شرعی معانی، ان کی تعریفات اور شارع کی مراد کو بالاہتمام سمجھنا نہایت ضروری امر ہے۔ اگر شارع نے کسی کلمے کا مرادی معنی بیان کر دیا ہے تو اس معنی کا التزام ضروری ہے، اسی طرح اگر کوئی معنی اہل عرب کے ہاں مشہور و معروف ہے تو ان کی لغت اور عرف کے مطابق اسے بھی سمجھنا ضروری ہے۔[1] شرعی معانی کی معرفت دراصل اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ حدود کی معرفت کے مترادف ہے اور جو اللہ کی حدود سے ناواقف ہیں، ان کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں اور انہیں ایسا ہی ہونا چاہئے کہ انہیں ان احکام کا علم نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں۔'' (التوبۃ۔۹۷)

لوگوں کا فائدہ معانی کی معرفت سے تعلق رکھتا ہے۔[2] تاکہ وہ اسی کی بنیاد پر باہمی معاملات طے کریں اور ان کی اصطلاحات باہم تضاد و اختلاف کا شکار نہ ہوں۔ یہ تو عام اسمائے شرعیہ کی بات تھی ورنہ عقائد سے متعلقہ اسمائے شرعیہ سے ناواقفیت تو دین میں گمراہی کا سبب بن جاتی ہے بلکہ بسا اوقات تو یہ ''ناواقفیت'' انسان کو من جملہ اسلام ہی سے ''خارج'' کر دیتی ہے۔ لہٰذا ان اسماء کی معرفت زیادہ توجہ کی محتاج ہے حتی کہ دین، توحید و شرک اور شرک کے اسباب و ذرائع بالکل نکھر کر سامنے آجائیں تاکہ جو ہلاک ہو، وہ بھی دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جو زندہ رہے، وہ بھی دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔

اسی اہمیت کے پیش نظر میں نے کچھ ایسے اسماء کی شرح کرنے کی سعی کی ہے جو معنی ومفہوم کے لحاظ سے دعا کے ساتھ مشترک ہیں۔ لفظ دعا کے مترادف کچھ دوسرے الفاظ بھی لغت اور عرف عام میں استعمال ہوئے ہیں جن کی لفظ دعا سے گوناگوں مناسبت پائی جاتی ہے، کبھی یہ مناسبت ''مترادف'' ہوتی ہے، کبھی ''عموم وخصوص من وجہ'' اور کبھی ''عموم

---

(۱) [جس طرح نماز، زکوۃ اور شراب وغیرہ کی تعریف شارع نے کر دی ہے اور اس طرح شمس وقمر اہل لغت کے ہاں اور تجارت ونکاح عرف عام میں معروف ہے۔ الفتاوی (۶/۱۹۔ ۲۳۵)]

(۲) [الانتصار لحزب اللہ الموحدین (ص۲۔ ۲۱)]

وخصوص مطلق'' ہوتی ہے۔[1] دوران کتاب یہ الفاظ بتکرار وارد ہوں گے اور ان الفاظ کی حقیقت، وضاحت اور دعا سے تعلق وغیرہ قارئین کے لئے مختلف پہلوؤں کے مکمل ادراک پر معاون رہے گا۔ قرآن مجید میں بھی دعا کے مترادفات استعمال ہوئے ہیں جو اس بات کے متقاضی ہیں کہ ان کا بھی تعارف حاصل کیا جائے۔ مزید برآں ان کے باہمی تناسب اور دعا کے ساتھ مناسبت اور تعلق کو پہچانا جائے تاکہ دعا کے معانی اور مترادفات کی مکمل صورت منظر عام پر آسکے۔ میں (ان شاء اللہ) ان الفاظ پر اقتصار کروں گا جو کتاب وسنت اور اہل علم کے نزدیک بکثرت مستعمل ہیں اور ان الفاظ سے صرف نظر کروں گا جو شاذ ونادر ہیں جیسے ''چھینکنے والے کو دعا دینے کے لئے لفظ ''تسمیت و تشمیت'' کا استعمال، اونچی آواز سے دعا کرنے والے کے لئے لفظ ''ألِّ'' کا استعمال اور دعا اور عاجزی کے اظہار کے لئے لفظ ''ملق'' کا استعمال ہے۔ چونکہ ان الفاظ کا استعمال قلیل الوقوع ہے۔ اس لئے میں ان کا ''دعا'' کے ساتھ باہمی نسب وربط ذکر نہیں کروں گا۔ لفظ دعا کے مترادفات کو مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

(1) دعا کے مترادف یا اس سے عام الفاظ جیسے عبادت، ذکر، صلوۃ واستعانت۔

(2) دعا کی انواع میں سے ایک خاص نوع جس کی مزید تین قسمیں ہیں :۔

ا۔ وہ الفاظ جو ناپسندیدہ اور تکلیف دہ چیزوں سے دفاع کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں جیسے استعاذہ، استغاثہ، استجارہ، لیاذہ (پناہ) استغفار اور شفاعت۔

۲۔ جو پسندیدہ اور نفع مند چیزوں کے حصول کے لئے مستعمل ہیں جیسے لفظ سوال۔

۳۔ صفات دعا میں سے کسی معین صفت سے تعلق رکھنے والے الفاظ جیسے ندا، جوار، ابتھال۔

پہلی قسم: دعا کے مترادف کلمات

(1) عبادت :۔ لفظ دعا اور لفظ عبادت دونوں قرآن کریم میں ایک ہی مقام پر یا یکے بعد دیگرے ایک ہی موضوع کے لئے یا قریب المعنی موضوعات کے لئے استعمال ہوئے ہیں جیسا کہ یہ دونوں ایک ہی آیت میں ایک ہی سیاق کے تحت استعمال ہوئے ہیں، ایک کلام کے آغاز میں اور دوسرا انتہاء میں۔ یا ایک جملے میں معطوف علیہ کی حیثیت سے اور دوسرا بحیثیت معطوف کہ اگر انہیں ایک دوسرے کی جگہ پر رکھا جائے تو معنی میں تبدیلی واقع ہو نہ کلام میں خلل آئے تو اس لئے مذکورہ اسلوب ان کے مترادف ہونے پر گواہ ہے۔ ان دونوں لفظوں کے مترادف ومشترک

(۱) [جب دو کلیوں میں سے ہر ایک دوسری کے تمام افراد پر صادق آئے تو یہ نسبت ترادف (تساوی) ہے۔ جب ایک کلی دوسری کے تمام افراد پر صادق آئے مگر دوسری پہلی کے بعض پر تو یہ عموم وخصوص مطلق ہے۔ جب دو کلیوں میں سے ہر ایک دوسری کے بعض پر صادق آئے تو یہ عموم وخصوص من وجہ ہے۔]

ہونے پر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی یہ مرفوع اور صحیح حدیث ہی کافی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ دعا ہی عبادت ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی ''اور تمہارے رب نے کہا کہ مجھے پکارو۔ میں تمہاری پکار سنتا ہوں یقیناً جو لوگ میری عبادت (پکار) سے تکبر کرتے ہیں وہ جہنم میں ذلت کے ساتھ داخل ہوں گے۔''(۱)

مذکورہ حدیث ان دونوں کے معانی کے اشتراک پر دلالت کرتی ہے لہذا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ عبادت کا معنی ومفہوم، عبادت اور دعا کی باہمی مطابقت اور قرآن کریم میں ان کے یکے بعد دیگرے وارد ہونے کو بیان کردوں تا کہ ان دونوں کا معنی اور مفہوم میں ان کی اشتراکی حدود واضح ہو جائیں۔

عبادت کا لغوی معنی:۔(۲) عبادت باب عَبَدَ یَعْبُدُ (نصر) کا مصدر ہے، اس کے مزید مصادر بھی مذکور ہیں جیسے مَعْبَدًا، مَعْبَدَۃً، عُبُودَۃً، عُبُودِیَۃً یعنی اس نے اللہ کے لئے خضوع وخشوع اور عاجزی کو اختیار کیا، اس کی عبادت و احکامات بجالایا لہذا مصدری معنی یہ ہوگا، خضوع کرنا، ذلیل ہونا، اطاعت وفرمانبرداری کرنا، عبادت کرنا، اسی طرح کہا جاتا ہے ''طریق معبد/ راستہ پائمال کرنا۔ طرفۃ بن عبد نے کہا ۔

''وہ (اونٹنی) تیز رفتار اونٹنیوں اور عمدہ گھوڑوں کا مقابلہ کرتی ہے اور ان کے ہاتھوں کے نشانات پر اپنے پاؤں رکھتی ہے اس راستے میں جو بہت پامال ہوتا ہے۔''(۳)

اسی طرح جس گھوڑے (یا اونٹ) کو بالآخر سواری سے فارغ کر دیا جائے، اسے بھی ''معبد'' کہا جاتا ہے جیسا کہ طرفۃ بن عبد کا شعر ہے۔

''یہاں تک کہ میرا سارا خاندان مجھ سے پہلوتہی اختیار کر گیا اور مجھے اس اونٹ کی طرح چھوڑ دیا جس کی سواری چھوڑ دی جاتی ہے۔''(٤)

ابن فارس کے نزدیک لفظ عبد دو بنیادی معانی پر دلالت کرتا ہے جو باہم متضاد ہیں :(۱) ذلت و عاجزی (۲) شدت وسختی۔ پہلے معنی کی مثالوں میں غلام، اونٹ اور پائمال کئے جانے والا راستہ شامل ہیں۔ دوسرے کی مثال ''عَبَدَۃ''

---

(۱) [(صحیح) مسند احمد (٤/٢٦٧۔ ٧۔ ٢٧٦) ترمذی (٣٢٤٧) (٢٩٦٩) ابو داؤد (١٤٧٩) ابن ماجة (٣٨٢٨) حاکم (١/٤٩٠) تفسیر بغوی (٤/١٠٣) شرح السنة (٥/١٨٤) طیالسی (٨٠١) طبری (٢٤/٧٨) ابن ابی شیبه (١٠/٢٠٠) مسند شهاب (٢٩) طبرانی صغیر (٢/٩٧) الحلية (٨/١٢٠) فتح الباری (١/٤٩) صحيح الجامع (٣٤٠١) تاریخ بغدادی (١٢/٢٧٩)]

(۲) [تهذیب (٢/٢٣٤) الصحاح (٢/٥٠٣) اللسان (٥/٢٧٧٨) طبری (١/٦٩) بغوی (١/٤١) وغیرہ]

(۳) [دیوان طرفة (ص ١٣) طرفۃ بن عبد بن سفیان بن سعد ''الصعلقات السبعۃ'' کے مؤلفین میں سے ہے۔ البدایة (٢/٢٠٤)]

(٤) [ایضا]

ہے یعنی قوت اور شدت اور اس کپڑے کو بھی ''عبدۃ'' کہا جاتا ہے جو خوب موٹا اور مضبوط ہو۔(۱)

قرآن مجید میں عبادت بمعنی اطاعت بھی مستعمل ہے جیسے ''شیطان کی عبادت (اطاعت) نہ کرو یقیناً وہ تمہارا دشمن ہے۔'' (یٰس۔٦٠) نیز ''انہوں نے کہا، کیا ہم اپنے جیسے ہی دو انسانوں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان کی قوم تو ہماری عبادت گزار ہے۔'' (المؤمنون۔٤٧) یعنی ان کی قوم تو خود ہماری اطاعت گزار اور فرمانبردار ہے۔ اہل عرب ہر اس شخص کو 'عابد' سے موسوم کرتے تھے جو اپنے بادشاہ کی اطاعت کرنے والا ہوتا۔(۲)

گذشتہ عبارت کا ملخص یہ ہے کہ عبادت کا لغوی معنی خشوع وخضوع اور فرمانبرداری ہے مگر آیا یہ خشوع وخضوع اور اطاعت مقید ہے یا غیر مقید؟ زجاجؒ کے نزدیک عبادت کا لغوی معنی اطاعت بالخضوع ہے یعنی ایسی اطاعت جو خضوع کے ساتھ مقید ہو(۳) ابن سیدہؒ فرماتے ہیں: خضوع کا آخری درجہ عبادت ہے اور ہر وہ اطاعت جسے خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ کے لئے بجالایا جائے، وہ بھی عبادت ہے مگر اس عبادت کی مستحق صرف وہی ذات ہے جس نے انتہائی قیمتی عطیات سے نوازا ہے جیسے زندگی، عقل وشعور اور سمع وبصر کی نعمتیں ہیں۔(٤) بنا بریں خلیل بن احمدؒ کی تعریف سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا کہ ''عبادت صرف وہ (اطاعت گزاری) ہے جو اللہ کے لئے کی جائے اور جو خادم اپنے مالک کے لئے بجا لائے، وہ عبادت نہیں۔''(٥) زمخشریؒ اور صنعانیؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔(٦) امام راغب بھی ان کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''اظہار ذلت ''عبودیت'' ہے۔ اگر اس میں مبالغہ کیا جائے تو یہ ''عبادت'' ہے۔ اس کا مستحق صرف وہ ہے جو انتہائی انعام واکرام کرنے والا ہو اور بلاشبہ وہ اللہ رب العزت ہی ہیں۔''(٧)

لیکن امام راغبؒ نے لغوی معنی کی نفی نہیں کی بلکہ ''استحقاق'' کی نفی کی ہے۔ شیخ محمد رضا نے شیخ محمد عبدہ کی متابعت کرتے ہوئے عبادت کی ایسی تعریف کی ہے جو زمخشریؒ کی تعریف کے قریب قریب ہے۔ فرمایا ''خضوع کی ایک انتہائی مبالغہ آمیز قسم ایسی ہے جو تہہ دل سے معبود برحق کی عظمت کا شعور بخشتی ہے جس کا منشا کوئی نہیں جانتا اور وہ معبود کی قدرت کا

---

(١) [معجم مقاييس اللغة (٢٠٥/٤)]

(٢) [طبرى (٢٥/١٨)]

(٣) [معانى القرآن (٤٨/١) تهذيب اللغة (٢٣٤/٢)]

(٤) [المخصص (٩٦/١٣)]

(٥) [العين (٤٨/٢) تهذيب (٢٣٥/٢) اللسان (٢٧٧٦/٥) تاج العروس (٣٣١/٨)]

(٦) [الكشاف (١٠/١) تطهير الاعتقاد (ص ١١)]

(٧) [المفردات (ص ٣١٩)]

اعتقاد پیدا کرتی ہے کہ جس کی حقیقت و ماہیت ماورا ہے اور اس کی حدود کا تدارک بھی ناممکن ہے۔"[1] اسی طرح شیخ عبدالرحمٰن معلمی نے تعریف کی کہ عبادت غیبی منافع کے حصول کے لئے خضوع وخشوع پیش کرنے کا نام ہے۔[2] اور اپنی کتاب ''العبادۃ'' میں فرمایا ''پسندیدہ خضوع جس سے غیبی منافع کا مطالبہ کیا جائے۔ اگر یہ اللہ کے لئے ہو تو اس میں سلطان (قدرت وطاقت) کا اضافہ کرلیا جائے وگرنہ بغیر سلطان (بلاقدرت وطاقت) زیادہ کرلیا جائے۔''(۳)

اس لئے غیبی قدرت پر اعتقاد رکھنے کو عبادتُ سے تعبیر کیا جائے گا ورنہ اسے عبادت نہیں کہا جائے گا۔ اس سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ مخلوق کے لئے لفظ عبادت کا استعمال درست نہیں مگر اس پر ایک زبردست اعتراض کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں اسے مخلوق کے لئے استعمال کیا گیا ہے جیسے ''وہ اللہ کے علاوہ انکی عبادت کرتے ہیں جو ان کے نفع ونقصان کے مالک نہیں۔'' (یونس۔۱۸) نیز ''کیا ہم اپنے جیسے دو انسانوں پر ایمان لے آئیں جبکہ ان کی قوم ہماری عبادت گزار ہے۔'' (المؤمنون۔۴۷)

اس اعتراض کا ممکنہ جواب یہ ہے کہ لفظ عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کیا جائے یا عبادت کا صحیح مستحق صرف اللہ رب العالمین ہے جیسے ابن سیدہ اور امام راغب وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ اگر عبادت کا استعمال غیراللہ کے لئے اس نظریہ واعتقاد کے ساتھ کیا جائے کہ وہ غیبی قدرت کا مالک ہے تو گویا وہ ''معبود'' ہے اور تمام انعامات اسی نے عطا کئے ہیں کیونکہ اس کی طرف ایسی قدرت وملکیت کی نسبت کردی گئی ہے جو صرف اللہ وحدہ لاشریک کا حق ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ زمخشری کی تعریف (یعنی صرف اللہ کے لئے خضوع وخشوع کرنے پر عبادت کا اطلاق ہوتا ہے) کے مطابق لفظ عبادت کا اصل استعمال واستحقاق صرف اللہ رب العزت کے لئے ہے (اگرچہ کوئی کافر یہ حق کسی غیر کو نوازتا ہو) یا اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ زمخشریؒ نے عبادت کا شرعی معنی ملحوظ رکھا ہے، لغوی نہیں جیسا کہ شیخ حسین بن مھدی نے ذکر کیا ہے۔(٤)

---

(١) [تفسير المنار (٤٨/١) مجموعة الرسائل (٥٢٥/٤)]

(٢) [القائدالى تصحيح العقائد (ص٥۔ ١٠١)]

(٣) [العبادة (٤٨٠)]

(٤) [معارج الألباب (ص١٨٩٠)]

عبادت کا شرعی معنی:- علماء نے ''عبادت'' کے مختلف شرعی معانی ذکر کئے ہیں۔ چند ایک درج ذیل ہیں:-

(۱) ابن کثیرؒ: ✡✡ ''جو چیز کمال درجے کی محبت، خضوع، عاجزی اور خوف کو یکجا کردے، وہ عبادت ہے۔''(۱)

(۲) ابن تیمیہؒ: ✡✡ عبادت اس چیز کو کہتے ہیں جو حد درجے کی محبت اور ذلت (عاجزی) کو جمع کردے اگر ان میں سے ایک ہے، دوسری چیز نہیں تو یہ عبادت نہیں بلکہ عبادت میں ''محبت وذلت'' دونوں مجتمع ہوں.......(۲) اور اللہ تعالیٰ سے امید اور اس پر توکل بھی ہو۔(۳) جو عبادت محبت پر مبنی ہو، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ محبت کے آخری درجے ''تتیم'' (انتہائی عاجزی اور عبادت) تک پہنچا دے۔ کہا جاتا ہے کہ تتیم کا معنی ہے اس نے عبادت کی۔ جو شخص دل میں بغض رکھتے ہوئے کسی کے لئے عاجزی ظاہر کرے، وہ اس کی بندگی نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی چیز سے محبت تو کرے مگر اس کے لئے خضوع (عاجزی) نہ کرے تو یہ بھی بندگی نہیں جیسے انسان اپنی اولاد سے یا دوست سے محبت کرتا ہے۔(۴)

ابن تیمیہؒ سے یہ تعریف بھی منقول ہے: عبادت ایک جامع اسم ہے جو ہر اس چیز پر محیط ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں خواہ قول ہو یا فعل، ظاہر ہو یا باطن۔(۵)

(۳) امام رازیؒ: ✡✡ ''عبادت کسی قول وفعل کو بجالانے یا چھوڑ دینے کا نام ہے جس میں یہ اعتقاد بھی ہو کہ ''حکم'' دینے والی ہستی ایسی عظیم تر ہے کہ اسے مانے بغیر چارہ نہیں۔''(۶)

(۴) صالح بن مھدی یمنیؒ: ✡✡ ''ہر وہ اعتراف جو قول وفعل سے ممکن ہو'' اور عاجزی تو اعتراف کے لوازمات میں سے ہے۔(۷)

(۵) شیخ نجمی: ✡✡ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنے نفس کو موقوف (تابع) بنا دینا خواہ کسی چیز کے

---

(۱) [تفسیر ابن کثیر (۲۵/۱)]

(۲) [الفتاوی (۱۹/۱۰) منهاج السنة (۲۹۰/۳)]

(۳) [التسعينية ضمن الفتاوی الكبری (۲۵۱/۵)]

(٤) [العبودية (٤٤)]

(٥) [ايضا (۳۸)]

(٦) [تفسير رازی (۲۳۹/۲٦)]

(۷) [العلم الشافع (ص٤٨)]

چھوڑنے کا معاملہ ہو یا کرنے کا یا اعتقاد رکھنے کا۔ اسی طرح اپنے نفس کو حکم الٰہی کے مطابق متحرک رکھنا خواہ کسی چیز کے ترک کرنے کا مطالبہ ہو یا کرنے کا یا اعتقاد رکھنے کا۔'' (۱)

(۶) بعض اہل علم: ✡✡ ''عبادت حکم شرعی کا نام ہے جس میں محض عرف عام یا عقل وشعور کا دخل نہ ہو۔''(۲)

اس تعریف سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید اس میں ''امر'' ہے۔ ''نھی'' متروک ہے لیکن اس میں ''امر و نھی'' دونوں شامل ہیں کیونکہ سلف اور اہل لغت نے اسے ''اطاعت'' سے بھی تعبیر کیا ہے جو امر و نھی کو شامل ہے۔(۳) مذکورہ تعریفات میں سے بعض محل نظر ہیں جن پر مناقشہ طویل بحث کا متقاضی ہے۔ اس کے علاوہ بھی عبادت کی ان سے ملتی جلتی تعریفات منقول ہیں۔ مذکورہ تعریفات میں سب سے عمدہ تعریف حافظ ابن کثیرؒ اور شیخ ابن تیمیہؒ نے فرمائی ہے جو عبادت کی حقیقت پر مکمل احاطہ کرتی ہے۔ شیخ یوسف قرضاوی، ابن تیمیہؒ کی تعریف کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر ''عبادت'' کا بنظر عمیق مطالعہ کیا جائے تو اس کے تمام عناصر اس کا لغوی معنی ہی پیش کرتے ہیں جو انتہائی ''اطاعت اور خضوع'' ہے۔ یہ ایک ایسا جدید عنصر ہے جس کی دین اسلام بلکہ تمام ادیان میں اہمیت مسلم ہے اور اسی کے لئے اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا فرمائی ہے۔ اگر یہ عنصر نکال دیا جائے تو ''عبادت'' فوت ہو جائے۔(۴) مذکورہ تعریفات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوئی کہ عبادت کا مفہوم مکمل دین پر محیط ہے۔ دعائے حاجت بھی عبادت میں شامل ہے بلکہ اس کی اقسام میں سے سب سے اہم قسم ہے اور دعائے عبادت تو بنفسہ عبادت ہے۔ گذشتہ صفحات میں ہم نے عرض کیا تھا کہ دعا اور عبادت خاصے ہم آہنگ ہیں۔ اب ہم قرآن مجید کی روشنی میں اس پر بحث کریں گے۔

ایک ہی موضوع کے لئے لفظ دعا اور عبادت کا استعمال:۔

☆ ''وہ اللہ کے علاوہ اسے پکارتے ہیں جو ان کے نفع ونقصان کے مالک نہیں۔ یقیناً یہ صریح گمراہی ہے۔'' (الحج۔۱۲)

☆ ''(اے نبی!) کہہ دیجئے، کیا ہم اللہ کے سوا انہیں پکاریں جو ہمیں نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے اور کیا ہم اپنا دین چھوڑ دیں۔'' (الانعام۔۷۱)

☆ ''اللہ کے سوا اسے نہ پکاریں جو آپ کو نفع یا نقصان نہیں دے سکتا۔'' (یونس۔۱۰۶)

---

(۱) [معارج الألباب (ص۱۸۸)]

(۲) [الانتصار (ص ۹)]

(۳) [مجموعة الرسائل (۱/۴۰۵)]

(۴) [العبادة فی الاسلام للقرضاوی (ص ۳۱)]

ان تینوں آیات میں ''دعا'' کے مختلف صیغے استعمال ہوئے ہیں بعینہ اسی موضوع کے لئے لفظ ''عبادت'' کے صیغے بھی استعمال ہوئے ہیں۔ اور مذکورہ اور آئندہ دونوں مقامات پر مشرکین کی جہالت ذکر کی گئی ہے جنہوں نے اپنی پرستش ان کے نام کر رکھی ہے جو ان کے نفع یا نقصان کے قطعاً مالک نہیں مثلاً :۔

☆ ''وہ اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔'' (الفرقان۔۵۵)

☆ ''وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کے نفع یا نقصان کے مالک نہیں۔'' (یونس۔۱۸)

☆ ''کہہ دیجئے ! کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے نقصان یا نفع کے بالکل مالک نہیں۔'' (المائدۃ۔۷۶)

☆ ''کہہ دیجئے ! کیا تم اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ (الانبیاء۔۶۶)

☆ ''وہی (اللہ) زندہ ہے جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ اسی کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے پکارو، تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔'' (غافر۔۶۵)

☆ ''اللہ کو پکارو دین کو خالق کر کے خواہ کافر ناپسند کریں۔'' (غافر۔۱۴)

☆ اللہ کے لئے عبادت کو خالص کر کے پکارو۔ جس طرح اللہ نے تمہیں شروع میں پیدا کیا تھا، اسی طرح تم دوبارہ پیدا ہو گے۔'' (الاعراف۔۲۹)

☆ ''انہیں صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ اس عبادت کو خالص اسی کے لئے رکھیں۔'' (البینۃ۔۵)

☆ ''اللہ کے لئے دین کو خالص کر کے عبادت کرو۔'' (الزمر۔۲)

☆ ''کہہ دیجئے کہ میں اللہ کے لئے دین کو خالص کر کے عبادت کرتا ہوں۔'' (الزمر۔۱۱)

قریب المعنی موضوع کے لئے دونوں لفظوں کا استعمال :۔

☆ ''اللہ کے علاوہ جن کی تم عبادت کرتے ہو، وہ تمہارے رزق کے مالک نہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ''رزق'' مانگو۔'' (العنکبوت۔۱۷)

☆ ''وہ (مشرک) اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو ارض وسما میں ان کے رزق کے مالک ہیں نہ کچھ قدرت رکھتے ہیں۔'' (النحل۔۷۳)

ان آیات میں لفظ ''عبادت'' کے صیغے استعمال کر کے یہ واضح کیا گیا ہے کہ ''غیر اللہ'' ان کے رزق کے مالک نہیں، اسی طرح درج ذیل آیات میں لفظ دعا استعمال کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ غیر اللہ کو کوئی اختیار نہیں اور نہ ہی وہ اپنے لئے یا

کسی اور کے لئے مدد کر سکتے ہیں لہٰذا مذکورہ آور آنے والا موضوع تقریباً ایک ہی نوعیت کا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

☆ ''جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔'' (فاطر۔۱۳)

☆ ''جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے بلکہ وہ تو اپنی مدد سے بھی قاصر ہیں۔'' (الاعراف۔۱۹۷)

ایک یا دو جملوں میں عطف کے ساتھ دونوں لفظوں کا استعمال:۔

☆ ''کہہ دیجئے کہ مجھے ان کی عبادت سے منع کیا گیا ہے جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، کہہ دیجئے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا۔'' (الانعام۔۵۶)

☆ ''آپ کہہ دیں کہ مجھے اس سے روکا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو جبکہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے دلائل بھی آچکے ہیں۔'' (غافر۔۶۶)

☆ ''میں تو تمہیں بھی اور جن جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، سب کو چھوڑتا ہوں اور صرف اپنے پروردگار کو پکارتا رہوں گا، مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار سے دعا مانگنے میں محروم نہ رہوں گا اور جب اس (ابراہیمؑ) نے انہیں اوران کے معبودوں کو چھوڑ دیا.......'' (مریم۔۴۸،۹)

☆ ''تمہارے رب کا حکم ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری پکار سنتا ہوں، بلاشبہ ایسے لوگ جو میری عبادت سے اعراض کرتے ہیں، عنقریب جہنم مین ذلت کے ساتھ داخل ہوں گے۔'' (غافر۔۶۰)

اس آیت میں لفظ عبادت کو لفظ دعا کی جگہ پر استعمال کیا گیا ہے۔

☆ ''اس شخص سے بڑھ کر بھی کوئی گمراہ ہوسکتا ہے! جو اللہ کے سوا انہیں پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے (کیونکہ) وہ ان کی پکار سے غافل ہیں اور جب (روز قیامت) لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا تو یہی (معبود وغیرہ) ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت سے انکار کریں گے۔'' (الاحقاف۔۶،۵)

یہ اسلوب بیان قرآن مجید کی متعدد آیات میں موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں الفاظ متحد المعنی ومشترک المفہوم رکھتے ہیں لیکن اس کا یہ معنی ہرگز نہیں ہے کہ لفظ دعا صرف عبادت پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ بعض غیر اللہ کو پکارنے والوں کا زعم باطل ہے، بلکہ لفظ دعا عبادت کے ساتھ سوال، پکار اور طلب پر بھی ایسی ضمنی یا التزامی دلالت کرتا ہے جو باہم لازم وملزوم ہیں۔گذشتہ بحث سے یہ وضاحت بھی ہوئی کہ دعا اور عبادت اس وقت مترادف ہیں جب جدا جدا مستعمل

ہوں۔ اگر کہیں اکٹھے استعمال ہوں تو دعا بمعنی حاجت ہوگی اور عبادت اوامر ونواھی میں اطاعت کے معنی میں ہوگی جیسا کہ ابن تیمیہؒ سے منقول ہے۔ ''جب یہ دونوں اسم متفرق ہوں تو ایک دوسرے کے مترادف ہوتے ہیں اور اگر متحد ہوں تو دعا کرنے والا سائل ہوتا ہے جو حصول نفع اور دفاع ضرر کے لئے سوالیہ صیغے استعمال کرتا ہے اور عبادت کرنے والا (بھی) اپنی عبادت گذاری کے ساتھ کچھ طلب کررہا ہوتا ہے گو وہ طلبیہ اور سوالیہ کلمات (صیغے) استعمال نہ کرے۔

دعا کی طرح کچھ اور عبادت کی اقسام بھی ہیں جیسے توکل، تقوی اور اطاعت وغیرہ۔ جب انہیں بھی دعا کے ساتھ ملایا جاتا ہے تو ان کا معنی خاص ہوتا ہے ورنہ عام رہتا ہے جیسا کہ شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ''اسی طرح لفظ عبادت ہے۔ جب مطلق عبادت الٰہی کا حکم دیا جائے تو اس میں اللہ کا ہر حکم شامل ہوتا ہے اور توکل اور استعانت وغیرہ بھی حکم الٰہی ہونے کے ناطے عبادت میں شامل ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہم نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔'' (الذاریات۔۵۶) نیز ''اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔'' (النساء۔۳۶) کبھی عبادت (عام) کے ساتھ کسی اور (خاص) چیز کو ملا دیا جاتا ہے جیسے ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔'' (الفاتحہ) اور ''اللہ کی عبادت کر اور اسی پر توکل رکھ۔'' (ھود۔۱۲۳) حضرت نوحؑ نے کہا ''اللہ کی عبادت کرو، اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔'' (نوح۔۳)

شیخ موصوفؒ مزید فرماتے ہیں ''جب لفظ عبادت جدا (مفرد) استعمال ہو تو اس میں توکل وغیرہ شامل ہوتے ہیں اور جب توکل وغیرہ بھی ساتھ ہی مذکور ہوں تو وہ اس کی اقسام کہلاتی ہیں۔'' اور دعا بھی توکل کی مثل ہے۔ خاص وعام کی مذکورہ بحث صرف ''عبادت'' کے ساتھ مختص نہیں بلکہ قرآن مجید میں کئی اور الفاظ کے لئے بھی یہ اسلوب استعمال کیا گیا ہے جیسے ''فقیر اور مسکین''، ''نیکی اور تقوی''، ''ایمان اور اسلام''، ''کفر، فسق اور معصیت''، صالح اور صدیق'' وغیرہ۔

خلاصہ:۔ لفظ دعا اور عبادت میں کبھی نسبت ترادف ہوتی ہے (جب دعا سے مراد ''دعا بمعنی عبادت'' ہو) اور کبھی ''عموم وخصوص مطلق'' کی نسبت ہوتی ہے جب ''دعا بمعنی حاجت'' ہو کیونکہ ''عبادت'' عام ہے جس میں دعا، توکل، محبت وغیرہ شامل ہیں جبکہ ''دعا'' سوال اور طلب کے لئے خاص ہے۔

(2) ذکر:۔ احادیث، آثار اور اہل علم کی کتابوں میں ''ذکر بمعنی دعا'' یا اس کے برعکس یا دونوں کو عطفی حیثیت میں استعمال کیا گیا ہے لہٰذا ہم ان دونوں لفظوں کے ربط وتعلق پر روشنی ڈالیں گے لیکن اس سے پہلے ''ذکر'' کا لغوی وشرعی معنی ملاحظہ ہو۔

ذکر کا لغوی معنی:۔ "کسی چیز کو حفظ کرنا، بھول جانے سے بچنا، زبان سے بار بار اعادہ کرنا۔"(۱) یہ معنی بھی کیا گیا ہے "کسی چیز پر متنبہ کرنا اور جسے آپ یاد کرائیں یا جو آپ کو یاد دلائے، تو فی الحقیقت یہ ایک دوسرے کو متنبہ کرنے کے مترادف ہے۔"(۲)

ذکر کا شرعی معنی:۔ ذکر کا اطلاق کئی امور پر کیا گیا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ ذکر کا اطلاق نماز، تلاوت قرآن، تسبیح، دعا، شکر اور اطاعت پر کیا جاتا ہے۔(۳) بعض علماء نے اس کے علاوہ کتاب سنت کی روشنی میں مزید چیزیں بھی بیان کی ہیں۔(۴) شیخ عبدالرحمٰن سعدیؒ فرماتے ہیں۔"جب کلمہ ذکر مطلق استعمال ہو تو اس میں ہر وہ چیز شامل ہوگی جو قرب الٰہی سے نوازے جیسے عقیدہ، نظریہ، قلبی عمل، جسمانی عمل، حمد وثنا، تعلیم وتدریس وغیرہ(۵) سعدی نے جن چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ان کی پانچ قسمیں بنتی ہیں جن پر لفظ ذکر کا اطلاق ہوتا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور حمد وثنا وغیرہ۔(۲) قول وعمل سے اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواھی کا ذکر۔(۳) اس کلام الٰہی سے ذکر کرنا جس کی تلاوت باعث اجر ہے۔(۴) اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات اور فضائل کا ذکر۔(۵) اللہ سے دعا مانگنے، استغفار کرنے اور گڑگڑانے سے اس کا ذکر۔(۶) مذکورہ اقسام میں "دعائے حاجت" آخری قسم میں شامل ہے حالانکہ یہی دعا بہت سی احادیث میں عمومی معنی کے ساتھ استعمال ہوئی ہے جس میں ذکر الٰہی بھی شامل ہے جیسے :۔

- حدیث نبوی ہے "سب سے افضل دعا عرفہ کی دعا ہے اور سب سے افضل وہ دعا ہے جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے کی تھی کہ "اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں........۔"(۷)
- جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حدیث نبوی بیان کرتے ہیں۔"سب سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے افضل دعا الحمدللہ ہے۔"(۸)

---

(۱) [تهذیب اللغة (۱۰/۱٦۲) اللسان (۱۵۰۷/۳) تاج العروس (۲۲٦/۳)]

(۲) [تهذیب الاسما (۱۱۱/۳)]

(۳) [تهذیب اللغة (۱٦۳/۱۰)]

(٤) [دیکھئے قاضی عیاض کی کتاب مشارق الانوار (۲٦۹/۱)]

(٥) [الریاض النضرة (ص ۲٤٥)]

(٦) [مدراج السالکین (۴۳۰/۲) سفر السعادة (ص ۱۵۲) الفتاوی (٦٦۱/۱۰)]

(۷) [امام مالک نے اسے مرسل روایت کہا ہے۔ موطا (۴۲۲/۱) تمهید (۳۹/٦) اور الکامل (۱٦۰۰/٤) میں مسند مروی ہے مگر اس کی سند میں ضعف ہے۔ شیخ البانی نے اسے شواہد کی بنا پر حسن قرار دیا ہے۔ السلسة الصحیحة (٦/٤) صحیح الجامع (۳٦۲/۱)]

(۸) [ترمذی (۳۳۸۳) عمل الیوم واللیلة للنسائی (۸۳۱) ابن ماجة (۱۲٤۹/۲) حاکم (٤۹۸/۱) شیخ البانی نے حسن کہا ہے۔ الصحیحة (٤۸٤/۳) صحیح ابن ماجة (۳۱۹/۲)]

✪ ابن عباس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ دکھ کی حالت میں یہ کلمات کہتے ﴿لَا اِلٰـــهَ اِلَّا الـلّٰــهُ العظیمُ الحَلِیم ،لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبّ السمٰوٰت وَالْاَرْضِ وَربّ الْعَرشِ الْعَظِیم ﴾(١)

سعد بن ابی وقاص مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں ''ذوالنون پیغمبر (یونسؑ) نے مچھلی کے پیٹ میں یہ دعا کی تھی ﴿لَا اِلٰـهَ اِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ ﴾ جو مسلمان بھی کسی مصیبت میں یہ دعا کرے، اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کریں گے۔''(٢) احادیث کی روشنی میں پیدا ہونے والے گذشتہ سوال کا علماء نے اس طرح جواب دیا:۔

(١) سفیان بن عیینہؒ: ✡✡ یوم عرفہ کی دعا کے متعلق آپ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ''وہ ذکر ہے دعا نہیں، پھر فرمایا، کیا تمہیں اللہ کا فرمان یاد نہیں کہ جب میرا بندہ میری حمد وثنا میں مشغول ہو کر اپنا مطالبہ نہیں کر پاتا تو میں اسے مطالبہ (سوال) کرنے والوں سے بڑھ کر عطا کرتا ہوں۔''(٣) اس وضاحت کے بعد کہا: کیا تمہیں اُمیہ بن ابی الصلت(٤) کا شعر معلوم نہیں جب وہ ابن جدعان(٥) کے پاس تحائف لینے کے لئے آیا تو اس نے کہا۔

''کیا میں اپنی حاجت کا مطالبہ کروں یا آپ کی حیا ہی مجھے کافی ہے۔ بلاشبہ آپ کی خصلت ''حیا'' ہے۔

جب کوئی آدمی ایک دن آپ کی تعریف وتوصیف کردے تو اسے آپ کی حمد وثنا ہی کافی ہو جاتی ہے۔(٦)

پھر سفیانؒ نے کہا: یہ تو مخلوق کا معاملہ ہے جہاں ثنا پر اکتفا کیا جارہا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کے لئے حمد وثنا پر اکتفا کافی نہیں؟(٧) لہذا ثابت ہوا کہ ذکر میں (صراحۃً) طلب نہیں اگرچہ تعریفاً انعام واکرام کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

(٢) شیخ ابن تیمیہؒ اور ابن قیم: ✡✡ شیخ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کے نزدیک حمد وثنا بنفسہ ضمناً طلب کی اقسام میں سے ہیں اور نبی کریم ﷺ نے بھی ایک حدیث میں حمد کو دعا کہتے ہوئے فرمایا، ﴿ افضل الدعا الحمد للّٰه ﴾ اللہ کی حمد سب سے افضل دعا ہے۔ اس حمد میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور محبت شامل ہے اور محبوب سے کسی چیز کی طلب کے لئے محبت ہی سب سے اعلیٰ ہتھیار ہے لہٰذا محبوب کی حمد وثنا کے ذریعے مطالبہ کرنے والا عام سائل کی بہ نسبت

---

(١) [بخاری (٦٣٤٥) مسلم (٢٧٣٠)]

(٢) [ترمذی (٣٥٠٥) احمد (١٧٠/١) حاکم (٥٠٥/١) شیخ البانی نے حسن کہا ہے۔ صحیح الجامع (١٤٥/٣)]

(٣) [التمهيد (٤٤/٦) الحلية (٣١٣/٧) ترمذی (٢٩٢٦) دارمی (١٣٥٩) حافظ ابن حجر نے ''اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔'' فتح الباری (١٣٤/١١)]

(٤) [حالات کے لئے دیکھئے البداية (٢٠٥/٢)]

(٥) [ایضا]

(٦) [دیوان امیہ بن ابی صلت (ص ٤ ۔ ٣٣٣) التمهيد (٤٤/٦) البداية (٣١٣/٢)]

(٧) [التمهيد (٤٣/٦) شان الدعا (ص ٢٠٦) شرح مسلم للنووی (٤٨/١٧) فتح الباری (١٤٧/١١)]

زیادہ حقدار ہے کہ اسے داعی (دعا مانگنے والا) کہا جائے کیونکہ حمد وثنا میں ضمنی طور پر "مطالبہ" موجود ہوتا ہے اور یہی حقیقی دعا ہے بلکہ طلب کی تمام اقسام کی بہ نسبت یہی (ذکر) قسم دعا کہلانے کی مستحق ہے۔(۱)

(۳) ابواسحاق زجاجؒ: ✡✡ ابواسحاق زجاجؒ نے ذکر کو دعا سے موسوم کرنے کی یہ علت بیان کی ہے کہ دعا ،ندا (پکار) کو کہتے ہیں اور انسان ذکر کے وقت ندا لگاتا ہے یااللہ!﴿لاالٰــه اِلّا انــت !﴾ پھر کہتا ہے﴿رَبَّــنَــا لَكَ الْحمد﴾ یارب! تیرے لئے ہی تعریف ہے، تو گویا اس نے پہلے دعا کی، پھر حمد وثنا اور وحدانیت بیان کی۔(۲)

(۴) عز بن عبد السلامؒ: ✡✡ چونکہ دعا اور ذکر کا دارومدار ایک ہی چیز پر ہے لہٰذا اس مشابہت کی وجہ سے ذکر کو دعا سے موسوم کیا گیا ہے۔(۳)

(۵) امام خطابیؒ: ✡✡ دعا مانگنے والا چونکہ اپنے مطالبے سے پہلے حمد وثنا پیش کرتا ہے اس لئے اس (حمد) کو دعا سے موسوم کیا گیا کیونکہ یہ دعا کا مقدمہ اور ذریعہ ہے اور ان کے مذہب کے مطابق کسی چیز کو اس کے سبب سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔(٤)

(۶) محبّ الدین طبریؒ: ✡✡ یوم عرفہ کی دعا والی حدیث کا معنی یہ ہے کہ "اس دن سب سے افضل چیز جو دعا کا نعم البدل ہوسکتی ہے، وہ یہ کلمہ ہے﴿لا اله الا الله وحده لاشريك له﴾(٥)

(۷) شاہ ولی اللہؒ: ✡✡ مذکورہ حدیث نبوی ﷺ کی علت یہ ہے کہ "دعا کی دو قسمیں ہیں، حمد وثنا میں یہ دونوں موجود ہیں اور شکر الٰہی نعمت میں اضافے کا باعث ہے کیونکہ یہ معرفت ثبوتیہ ہے۔"(٦)

علماء نے دعا بمعنی ذکر کے جو جوابات دیئے ہیں، وہ آپ کے سامنے ہیں۔ ان میں سے آخری دو جواب مکمل احاطہ نہیں کر رہے اگرچہ بعض چیزوں پر ان کا انطباق درست ہے البتہ پہلا جواب سب سے زیادہ راجح ہے۔

---

(۱) [الفتاوی (۱۹/۱۵) بدائع الفوائد (۹/۳)]

(۲) [معانی القرآن (۲۵٥/۱) تهذیب (۱۱۹/۳) اللسان (۱۳۸٥/۳)]

(۳) [الأجوبة القاطعة (۷٤)]

(٤) [شان الدعاء (۲۰٦) شرح نووی (٤۷/۱۷)]

(٥) [القری لقاصد ام القری (ص۳۹۸)]

(٦) [حجة الله البالغة (۷۲/۲)]

دعا اور ذکر میں باہمی مناسبت:۔ گذشتہ بحث سے یہ معلوم ہوا کہ ذکر بالعموم انسان کے ان تمام اقوال واعمال پر محیط ہے جو اطاعت الٰہی کی نیت سے ادا کئے جائیں اس لئے اس کے مفہوم میں دعائے حاجت کی بہ نسبت وسعت پائی جاتی ہے بصورت دیگر یوں سمجھئے کہ ذکر اور دعائے عبادت کا مفہوم مساوی ہے جبکہ ذکر اور دعائے حاجت میں عموم وخصوص مطلق ہے کیونکہ ہر دعا تو ذکر ہے مگر ہر ذکر دعا نہیں جیسے سوال وغیرہ۔ ذکر اور دعائے حاجت میں دلالت التزامی بھی ثابت ہوسکتی ہے کیونکہ اس دعا میں ذکر، حمد، عاجزی محتاجی ہوتی ہے جس طرح ذکر میں حصول نفع، دفاع ضرر، امید ثواب اور خوف عذاب ہوتا ہے۔ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ ''دعائے حاجت میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کی طرف فضل وکرم کی نسبت ہوتی ہے۔'' ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں ''دعا اور ذکر ضمنی طور پر ایک دوسرے پر دلالت کرتے ہیں۔'' ثابت ہوا کہ دعا اور ذکر کے مابین نسبت تساوی یا عموم وخصوص مطلق یا پھر دلالت التزامی پائی جاتی ہے اور یہ کسی صورت بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے۔ اسی لئے اکثر اذکار کی کتابیں دعاؤں پر مشتمل ہوتی ہیں یا اس کے برعکس دعاؤں کی کتابوں میں اذکار ہوتے ہیں اور ان کتابوں کے نام بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں جیسے کتاب الاذکار، کتاب الدعا، کتاب الادعیۃ، کتاب الذکر والدعا وغیرہ۔

(3) صلوٰۃ:۔ صلوٰۃ کا لغوی معنی دعا ہے۔[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے ''ان کے مالوں سے صدقات لے کر انہیں پاک صاف کیجئے اور ان کے لئے دعا کریں بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے باعث اطمینان ہے۔'' (التوبۃ۔۱۰۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ یہ آیت ''نہ تو اپنی صلوۃ بہت بلند آواز سے پڑھ اور نہ بالکل پوشیدہ۔'' (الاسراء۔۱۱۰) دعا کے بارے میں نازل ہوئی۔ لہٰذا صلوۃ بمعنی دعا ہے۔ اسی طرح (صلوۃ الرسول ﷺ) کا معنی ہے رسول ﷺ کی دعائیں۔ حدیث نبوی ﷺ ہے ''جب کسی کو دعوت دی جائے تو وہ قبول کرے۔ اگر روزہ دار ہے تو اس کے لئے دعا کردے ورنہ دعوت کھالے۔''[2] بقول اعشی شاعر صلوۃ بمعنی دعا مستعمل ہے مثلاً:۔

☆ ''اس کے لئے محافظ ہے جب تک کہ زمانہ اس کا گھر رہے۔ اگر تو ذبح کرے تو اس کے لئے دعا بھیج اور گیت گا۔''[3]

☆ ''میری بیٹی اس وقت یہ (کلمات) کہہ رہی ہے جبکہ کوچ کا وقت آپہنچا ہے کہ یارب! میرے باپ کو تکلیفات

---

(۱) [الصحاح (۲۴۰۲/۶) المخصص (۸۵/۱۳) معانی القرآن (۴۶۶/۲) اللسان (۲۴۹۰/۴) طبری (۱۰۴/۱) ابن کثیر (۴۲/۱) الفتاوی (۲۳۸/۱۰)]

(۲) [مسلم (۱۴۳۱)]

(۳) [دیوان الاعشی (ص۱۸۶)]

سے نجات دے۔ تیرے لئے وہی دعا ہے جو تو کر رہی ہے، کچھ دیر کے لئے نیند سے چشم پوشی کر لے۔ بلاشبہ ہر انسان کے پہلو میں خواب گاہ ہے۔"(۱)

☆ "اس کی بھنبھناہٹ کا مقابلہ ہوا نے کیا اور اس آواز کے لئے دعا اور تعوذ کا اہتمام کیا۔"(۲)

شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: نماز ساری کی ساری دعا ہے۔ دعا میں کبھی اپنی ذات اور کبھی اپنے مسئلہ کے لئے "مدعو" (جس سے دعا کی جائے) کا قصد کیا جاتا ہے اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی غیر کو پکارتا ہے۔ کبھی تو اپنی ذات کے لئے بلاتا ہے اور کبھی ایسے کام کے لئے جو اس سے مطلوب ہو۔ "نماز" میں یہ دونوں قسمیں موجود ہیں :(۱) اللہ کی بندگی اور حمد و ثنا (۲) اس سے سوال اور طلب۔ ثابت ہوا کہ صلوۃ کا شرعی اور لغوی معنیٰ "دعا" ہے۔ اب سوال یہ ہے، کیا صلوۃ بمعنی نماز میں اس کا لغوی معنیٰ "دعا" بھی باقی ہے یا نہیں؟ اسی طرح دوسرے شرعی اسما ہیں جیسے ایمان، اسلام اور زکوۃ۔ (کہ ان میں بھی لغوی معنیٰ باقی ہے یا نہیں؟)

- معتزلہ، خوارج اور کچھ فقہاء کے نزدیک صلوۃ کو اس کے لغوی معنی سے نقل کر لیا گیا ہے لیکن اب لغوی معنی کا لحاظ نہیں رکھا گیا لہٰذا اس تعریف کے مطابق لغوی اور شرعی معنی میں کوئی مناسبت نہیں۔
- جمہور کے نزدیک صلوۃ کے شرعی معنی میں بھی وہی چیز ہے جو لغوی معنی میں ہے مگر اس میں کچھ اختلاف ہے۔
- بعض کے نزدیک شارع نے صلوۃ کے معنی میں اضافہ کئے بغیر کچھ احکام اور شروط و قیود مقرر کر دی ہیں، لہٰذا صلوۃ کا معنیٰ تو دعا ہے مگر اسے رکوع وسجود وغیرہ سے مقید کر دیا گیا ہے۔
- بعض نے کہا کہ شارع نے "صلوۃ" میں اہل عرف کی طرح تصرف کیا ہے لہٰذا اس کا لغوی معنیٰ (دعا) مجازی ہے جبکہ شرعی معنیٰ (نماز) حقیقی ہے۔ اس بنا پر شارع نے لفظ "صلوۃ" کے معنی میں اضافہ کر دیا ہے یعنی دعا میں رکوع وسجود وغیرہ کا اضافہ ہے جس طرح اہل عرف کسی کلمے کے مدلول کو بعض افراد کے ساتھ خاص کر کے یا پھر عام کر کے تصرف کرتے ہیں مثلاً لفظ "دابّۃ" لغۃً ہر اس چیز پر بولا جاتا ہے جو زمین پر چلتی ہے جبکہ عرف عام میں اسے گھوڑے یا گدھے کے لئے خاص کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح "رقبۃ" کا لغوی معنیٰ گردن ہے جبکہ عرف عام میں اس سے مراد پورا بدن ہے۔
- بعض کا خیال ہے کہ شارع نے اسے نقل یا تغیر کئے بغیر مقید کر کے استعمال کیا ہے۔ "صلوۃ" کو اس کے لغوی معنیٰ (دعا) سے منتقل نہیں کیا گیا لیکن اسے مخصوص دعا کے لئے استعمال کر لیا گیا ہے جس طرح اہل لغت کسی کلمے کو مطلقاً اس کے عام معنی میں استعمال کرتے ہیں پھر اس کے خاص استعمال کے لئے اسے لام تعریف یا اضافت کے ساتھ مقید کر دیتے ہیں۔

---

(۱) [أيضا (۱۰۵) أيضا (۱۹٦)]

(۲) [تهذيب اللغة (۲۳۷/۱۲)]

شارع نے بھی ''صلوۃ'' کو مطلق استعمال کرنے کی بجائے مقید استعمال کیا ہے یعنی پہلے لوگوں کو ''نماز'' سکھائی۔ پھر ﴿أقیموا الصلوۃ﴾ ''نماز قائم کرو'' کا حکم دیا اور انہیں پتہ تھا کہ صلوۃ سے مراد ایک خاص ھیئت یعنی نماز ہے۔ شارع کا استعمال کردہ اسلوب اہل عرب کے ہاں معروف تھا کہ وہ بھی کسی کلمے کو مقید اور مختص کر کے استعمال کرتے تھے۔

مذکورہ اقوال میں سے آخری قول راجح ہے کیونکہ دوسرے اقوال پر اعتراض کئے گئے ہیں اور ان میں سے کسی نے بھی کلمے کے اصلی معنی کو بلا اضافہ دلائل کے ساتھ پیش نہیں کیا نیز کسی کلمے کو مقید یا مختص کر کے استعمال کرنا اہل عرب کے اسلوب زبان میں شامل ہے۔ شیخ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے بھی اسے ہی ترجیح دی ہے۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''دراصل شارع نے اسے نقل کیا ہے نہ اس میں تغیر کیا ہے البتہ اسے مفید استعمال کیا ہے۔'' ان کی یہ عبارت لفظ ایمان سے متعلق ہے اور لفظ صلوۃ کے متعلق وہ یوں رقمطراز ہیں: ''بالعموم صلوۃ ہر اس چیز کو شامل ہے جس میں اللہ کا ذکر یا دعا موجود ہو اور (یہ دعا یعنی) اللہ کی طرف قصد و ارادہ ضمنی طور پر اللہ کے اس ذکر کو شامل ہے جس میں خشوع وخضوع کا اظہار ہو۔ ہمارے تصور میں موجود ہر نماز کی حقیقت یہی ہے خواہ وہ کھڑے شخص کی ہے یا بیٹھے کی یا قاری اور ناطق کی یا گونگے کی اور خواہ ان کی حرکات اور الفاظ میں اختلاف ہو۔ مذکورہ تمام حالتوں میں لفظ صلوۃ پر ''متواطی''[(۱)] کا اطلاق ہوتا ہے جو مشترک اور مجاز کے منافی ہے۔ کیونکہ جب کوئی عام اسم جنس جو مطلق متواطی ہو، کسی نوع یا ذات پر دلالت کرے تو وہ دو چیزوں پر دلالت کرتا ہے: (ا) مشترک معنی پر جو تمام چیزوں میں موجود ہو۔ (۲) اس نوع یا ذات کی خصوصیت پر۔ ''لفظ مشترک''[(۲)] کی ہر حالت (صیغے) میں ''قدر مشترک'' پائی جاتی ہے مگر جب اسے لام تعریف سے ادا کیا جائے تو اس میں تخصیص وتعیین ہو جاتی ہے مثلاً لفظ صلوۃ عام اور مطلق ہے مگر اسے بسا اوقات خاص اور مقید استعمال کیا جاتا ہے جیسے ہماری صلوۃ، فرشتوں کی صلوۃ، اللہ کی صلوۃ وغیرہ۔

ابن قیمؒ دعا کی دو قسمیں کرنے کے بعد فرماتے ہیں ''اس طرح صلوۃ اپنے لغوی معنی ''دعا'' پر قائم ہے اور دعا کی دو قسمیں ہیں، دعائے عبادت اور دعائے حاجت اور نمازی تکبیر تحریمہ سے سلام تک ان دونوں دعاؤں میں رہتا ہے۔ اس لئے یہ ''صلوۃ'' حقیقی ہے، مجازی یا منقول نہیں۔ لفظ صلوۃ کو مخصوص عبادت کے لئے خاص کیا گیا ہے جس طرح اہل لغت اور اہل عرف بعض الفاظ کو خاص کر لیتے ہیں مثلاً دابۃ، رأس وغیرہ۔ یہی اس لفظ کی انتہائی خصوصیت اور اس کا اپنے خاص موضوع تک محدود ہونا ہے لہٰذا اس کے اصلی موضوع سے خروج کرنا درست نہیں (واللہ اعلم)۔''[(۳)] لفظ کے استعمال میں

---

(۱) [''متواطی'' ایسا مفرد کلمہ جس کا معنی اپنے تمام افراد پر بلا تفاوت دلالت کرے]

(۲) [''مشترک'' ایسا مفرد جو کثیر المعنی ہو اور ہر معنی کے لئے ابتداءً وضع کیا گیا ہو۔]

(۳) [جلاء الافھام (۷۲) بدائع الفوائد (۶/۳)]

مجرد تصرف سے لغت یا اصطلاح شرع میں مطلقاً کوئی مانع نہیں بلکہ شارع کا اہل عرف کی طرح لفظ کے عموم یا خصوص میں تصرف کرنا واضح ہے۔(۱)

دعا اور صلوۃ کے مابین نسبت:۔ کبھی تو یہ نسبت عموم وخصوص مطلق ہوتی ہے اور کبھی تساوی ہوتی ہے۔ جب اس سے مراد درود وسلام ہو تو اول الذکر نسبت ہوگی کیونکہ دعا عام ہے اور درود وسلام خاص ہے۔ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ دعائے حاجت کی دو قسمیں ہیں:۔

(۱) بعض اوقات تو انسان اپنی ضروریات وحاجات اور روزمرہ کے معاملات کی اصلاح کے لئے سوال کرتا ہے۔

(۲) اور بعض اوقات وہ اللہ کے حبیب کی نعت وتعریف کرتا ہے...... اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے یقیناً اسے پسند کیا ہے اور سائل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت پر اپنی ضروریات وحاجات کو ترک کر کے انہیں ترجیح دیتا ہے۔(۲)

ابن قیمؒ کے کلام سے ثابت ہوا کہ نبی ﷺ پر درود وسلام دعائے حاجت کی ایک قسم ہے اور اس دعا اور درود میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے مگر ابن قیمؒ نے خود ہی صلوۃ بمعنی دعا پر کچھ اشکال وارد کئے ہیں مثلاً ''دعا خیر وشر دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر صلوۃ صرف خیر کے لئے ہے، دعا لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے جبکہ صلوۃ ''علیٰ'' کے ساتھ۔ اگر دعا کے ساتھ علیٰ کا صلہ لگایا جائے تو یہ صلوۃ کے برعکس شر کا معنی دیتا ہے اور دعا کا فعل مدعو اور مدعولہ کا متقاضی ہے جبکہ صلوۃ میں ایسا نہیں لہٰذا یہ دونوں مترادف نہیں۔(۳)

ان اشکلات کو یوں حل کیا جاسکتا ہے کہ دعا اور صلوۃ کے لغوی معنی کا ایک دوسرے پر صادق آنا ضروری نہیں نہ ہی متعدی اور لازم فعل میں ان کا متحد ہونا ضروری ہے بلکہ اصل مقصود قدر مشترک ہے جو ان میں پایا جاتا ہے۔ جب صلوۃ سے نماز مراد لی جائے تو ان میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہوتی ہے کیونکہ نماز لفظ صلوۃ کی تقیید سے حاصل ہوتی ہے اور اگر صلوۃ سے قدر مشترک مراد لی جائے یعنی اللہ کی طرف قصد وتوجہ اور خشوع وخضوع کے ساتھ ذکر الٰہی تو پھر یہ دونوں متحد المفہوم (مترادف) ہیں۔

4۔ استعانت:۔ یہ باب استفعال کا مصدر ہے یعنی میں نے اس سے مدد طلب کی تو اس نے میری مدد کی۔ اسی طرح اس نے مجھ سے مدد طلب کی، میں نے اس کی مدد کی اور بعض نے بعض کی مدد کی۔ خلیل نحویؒ(۴) فرماتے ہیں

---

(۱) [الفتاوی (۲۸۳/۱۹)]

(۲) [جلاء الافهام (۲۷۰)]

(۳) [بدائع الفوائد (۲۶/۱)]

(۴) [خلیل بن احمد بن عمرو بصری، ادب عربی میں ماہر، متقی، دیندار، باشرع اور سیبویہ کے استاد تھے۔ الجرح والتعدیل (۳۸۰/۳) سیر (۴۲۹/۷)]

:۔ ''جس چیز سے تم مدد طلب کرو یا جو تمہیں مدد مہیا کرے وہ تمہارے لئے عون (مددگار) ہے جس طرح روزہ عبادت کے لئے عون ہے......... بعض نے بعض کا تعاون کیا۔''(۱) اصطلاح شرع میں استعانت ''اس طلب کا نام ہے جس کے ذریعے انسان کسی کام پر طاقت اور آسانی حاصل کرتا ہے۔''(۲) یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''استعانت اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد اور بھروسے کا نام ہے۔''(۳) اس آخری تعریف میں شرعی استعانت کے دو بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں جیسا کہ ابن قیم فرماتے ہیں ''اللہ کو معتبر سمجھنا اور اس پر اعتماد کرنا کیونکہ بندہ کبھی کسی کو معتبر تو سمجھتا ہے مگر اس پر اعتماد کرتا ہے مگر اسے معتبر نہیں سمجھتا اور اعتماد اس لئے کرتا ہے کہ وہی اس کا مطلوبہ کام کرواسکتا ہے۔''(٤)

دعا اور استعانت کے مابین نسبت:۔ مذکورہ شرعی تعریف سے واضح ہوا کہ دعائے حاجت اور استعانت باہم مترادف ہیں۔ اسی لئے اکثر وبیشتر دعائے حاجت کو استعانت کہہ دیا جاتا ہے اور ہمیں علم ہے کہ دعا کی دونوں قسموں (حاجت وعبادت) میں عموم وخصوص مطلق ہے کیونکہ دعا عام ہے لیکن ابن تیمیہؒ نے توکل اور استعانت میں فرق کیا ہے کہ توکل علی اللہ میں یہ نکتہ نظر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مطلوبہ کام جو بندوں کی پہنچ سے بالاتر ہے، پورا کریں گے اور استعانت باللہ عمل کے ساتھ خاص ہے اس لئے توکل عام ہے جس میں حصول منافع اور دفاع ضرر شامل ہے۔''(٥) اس تعریف کی بنیاد پر دعائے حاجت میں توکل کی طرح عموم پایا جاتا ہے۔ (واللہ اعلم)

دوسری قسم اور نوع اول

(۱) استعاذة:۔ کہا جاتا ہے فلاں نے اپنے رب سے پناہ طلب کی۔ اس کے مصدر ''عُـوذًا عِیَـاذًا اور مَـعَـاذًا'' ہیں۔ تَعَوَّذتُ، عُذْتُ بِہ اور اِسْتَعَذْتُ بِہ کا معنی ایک ہے یعنی میں نے اس کی پناہ چاہی۔ اور وہ میری پناہ گاہ ہے۔''(٦) اس مادے اور اس کے تمام مشتقات کا معنی یہ ہے کہ انسان کسی چیز سے خائف ہو کر اس کی طرف رجوع کرے جو اس کا دفاع کرنے والا ہو اس لئے اسے ''مَعاذ'' (جائے پناہ) بھی کہا جاتا ہے۔(۷)

---

(۱) [العین (۲۵۳/۲) تهذیب (۲۰۲/۳)]
(۲) [روح المعانی (۸۷/۱)]
(۳) [مدارج السالکین (۷٥/۱)]
(٤) [ایضا]
(٥) [الفتاوی (۱۷۷/۸)]
(٦) [العین (۲۲۹/۲) الصحاح (٥٦٦/۲) اللسان (٤۹۸/۳)]
(۷) [بدائع الفوائد (۲۰۰/۲)]

امام رازیؒ: ✡✡ استعاذہ عوذ سے مشتق ہے جس کے دو معنی ہیں :(۱) پناہ لینا (۲) چمٹ جانا، کہا جاتا ہے کہ بہترین گوشت وہ (عوذ) ہے جو ہڈی سے چمٹا ہو۔''(۱)

ابن قیمؒ: ✡✡ اس میں دو قول ہیں :۔

(۱) یہ ''ستر'' سے ماخوذ ہے جیسے اہل عرب ''معوّذ'' اس گھر کے لئے بولتے ہیں جو درخت کی جڑ میں ہو اور اسے درخت نے ڈھانپ رکھا ہو۔ اسی طرح پناہ مانگنے والا اس کے پردے میں آجاتا ہے جس سے اس نے پناہ مانگی ہوتی ہے۔

(۲) یہ مجاورت (پڑوسی بننا) سے ماخوذ ہے، اہل عرب لفظ ''عوذ'' اس گوشت پر بولتے ہیں جو ہڈی سے اچھی طرح چمٹا ہو کہ الگ کرنا ممکن نہ ہو اسی طرح عائذ (پناہ کا طالب) اپنے مستعاذ (پناہ دینے والا) سے چمٹ جاتا ہے۔ شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ دونوں قول درست ہیں اس لئے کہ پناہ مانگنے والا اللہ کے پردے میں داخل ہو جاتا ہے اور اللہ سے اس طرح چمٹ جاتا ہے جس طرح بچہ اپنے دشمن اور تلوار کو دیکھ کر باپ سے جا چمٹتا ہے بعینہ عائذ اپنے مہلک دشمن سے بچاؤ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔(۲)

امام رازیؒ اور ابن قیمؒ کی تعریفیں متقارب المعنی ہیں کیونکہ کسی چیز کی پناہ تبھی ممکن ہے جب اسے ڈھال بنا لیا جائے، اسی طرح رازیؒ کے نزدیک دوسرے معنی ''چمٹ جانا'' ہے اور ابن قیمؒ کے نزدیک ''مجاورت'' ہے۔ یہ دونوں بھی لازم و ملزوم ہیں۔ یہ تو استعاذہ کے لغوی معنی کا بیان تھا۔ رہی بات شرعی معنی کی تو وہ یہ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے اور ہر ذی شر کی برائی سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ ہی کا دامن پکڑا جائے۔''(۳)

دعا اور استعاذہ میں مناسبت :۔ گذشتہ بحث کا خلاصہ یہ ثابت کرتا ہے کہ استعاذہ خاص ہے جس میں مصائب سے دفاع اور بچاؤ کا پہلو پایا جاتا ہے مثلاً ''میں اللہ تعالیٰ سے جہنم اور قبر کے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں'' مگر دعا عام ہے جس میں مصائب سے دفاع اور بچاؤ کے ساتھ حصول نفع کی طلب بھی شامل ہے لہٰذا ان دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے۔ دعا عام ہے اور استعاذہ خاص ہے۔ شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ''استعاذہ، استجارہ اور استغاثہ، دعا کی اقسام ہیں اور متقارب المعنی ہیں۔''(٤) ثابت ہوا کہ یہ الفاظ دفاع ضرر کے لئے خاص ہیں۔

---

(۱) [تفسیر رازی (۷۱/۱)]

(۲) [بدائع الفوائد (۲۰۰/۲)]

(۳) [ابن کثیر (۱۵/۱)]

(٤) [الفتاوی (۲۲۷/۱۵)]

(۲) استغاثہ:۔ یہ باب استفعال کا مصدر ہے۔اس سے غَوْث، غُوَاث اور غَوَاث بطور اسم مستعمل ہیں۔کہا جاتا ہے: اللہ نے اس کی غواث یعنی دعا قبول کر لی ہے، اس طرح اَغِثْنِی یعنی میری فریاد رسی کریں، اسی طرح مدد کے لئے پکارا جاتا ہے واغوثاہ! یعنی مدد کے لئے بطور ندا و پکار بھی اس کا استعمال ہوا ہے۔اسی طرح کہا جاتا ہے، اغاثۃ اللہ یعنی اللہ نے اس کی فریاد رسی کی۔[1] ''استغاثہ'' سے افعال کی قبولیت ہے اور ''استجابۃ'' میں اقوال کی مگر کبھی کبھار یہ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔[2] علامہ ابن اثیرؒ نے اغاثۃ بمعنی اعانۃ ذکر کیا ہے۔[3] شیخ سلیمان بن عبداللہ نے اس تعریف پر تعاقب کرتے ہوئے کہا ''استغاثہ اور استعانت متحد المعنی ہیں مگر استغاثہ، استعانت کے برعکس حالت تنگی میں مدد طلب کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔''[4]

دعا اور استغاثہ میں مناسبت:۔ ''استغاثہ'' خاص ہے جو صرف حالت تنگی میں طلب مدد پر بولا جاتا ہے جبکہ دعا عام ہے جس میں حالت تنگی کے علاوہ حصول نفع کا پہلو بھی پایا جاتا ہے لہٰذا ''ان دونوں میں عموم وخصوص مطلق ہے یعنی ہر استغاثہ تو دعا ہے مگر ہر دعا استغاثہ نہیں۔''

(۳) استجارۃ:۔ کہا جاتا ہے ''جار واستجار'' یعنی اس نے پناہ طلب کی اور ''اجارہ اللہ'' یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے پناہ دی۔اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مخاطب کیا: ''آپ ﷺ کہہ دیں کہ اللہ کے مقابلے میں مجھے ہرگز کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔'' (الجن۔۲۲) یعنی مجھے اللہ تعالیٰ سے کوئی شخص بھی بچا نہیں سکتا۔

دعا اور استجارۃ میں مناسبت:۔ دعا اور استجارۃ میں بھی حسب سابق عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے کیونکہ استجارۃ خاص ہے جو ہر دعا کو شامل ہے اس لیے اس میں صرف ''دفاع ضرر'' کا پہلو ہے جبکہ دعا عام ہے جس کا ہر استجارے کو شامل ہونا لازمی نہیں۔

(۴) لیاذۃ:۔ یہ باب نصر کا مصدر ہے، اس کا معنی پناہ، ستر اور مدد طلب کرنا ہے[5] جیسا کہ اہل لغت کا کلام ہے جن کے نزدیک لیاذہ اور استعاذہ ایک ہی مفہوم رکھتے ہیں لیکن ابن کثیرؒ نے ان دونوں کو متضاد کہا ہے۔[6] یعنی

---

(۱) [تهذيب (١٧٧/٨) الصحاح (٢٨٩/١) اللسان (٢٣١٢/٦)]

(۲) [الرد على البكرى (٢١٤)]

(۳) [النهاية (٣٩٢/٣)]

(٤) [تيسير العزيز الحميد (٢١٥)]

(٥) [الصحاح (٥٧٠/٢) النهاية (٢٧٦/٤)]

(٦) [ابن كثير (١٥/١)]

استعاذہ دفاع شر کے لئے ہے اور لیاذہ حصول خیر کے لئے اور متنبّی کے شعر سے اپنی بات کی دلیل پیش کی ہے۔

''اے وہ ذات! جسے میں اپنی امیدوں کا مرکز سمجھتا ہوں اور جسے میں اپنے خطرات کے لئے پناہ گاہ خیال کرتا ہوں۔''(۱)

اس شعر میں ''استعاذہ'' دفاع ضرر کے لئے اور ''لیاذہ'' حصول خیر کے لئے استعمال ہوا ہے لیکن متنبّی شاعر حجت نہیں۔عز بن عبد السلام کے نزدیک استعاذہ اور لیاذہ متحد المفھوم ہیں یعنی ''کسی شر سے بچنے کے لئے ''قدرت والے'' (اللہ تعالیٰ) کی پناہ چاہنا۔''(۲) اہل لغت بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں اسی وقت فرق کیا جائے جب یہ دونوں اکٹھے ذکر ہوں بصورت دیگر انہیں متحد المفھوم ہی سمجھا جائے۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ مذکورہ شعر میں غیر اللہ کو پناہ گاہ قرار دے کر (متنبّی نے) بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے جیسا کہ اہل علم نے اس پر تردید کی ہے۔ایک عالم (ابن تیمیہؒ) کا کہنا ہے کہ ''میں کبھی کبھار حالت سجدہ میں اللہ کے حضور عاجزی کرتے ہوئے ان شعروں کو پڑھتا ہوں۔'' (۳)

دعا اور لیاذۃ میں مناسبت:۔ دعا عام ہے جس میں حصول خیر اور دفاع شر دونوں شامل ہیں مگر لیاذہ خاص ہے جس میں صرف ایک چیز ہے یعنی ابن کثیرؒ کے مطابق حصول خیر جبکہ عز بن عبد السلام کے مطابق دفاع شر۔شیخ عز کی تعریف کے مطابق استعاذہ اور لیاذہ مترادف ہیں جبکہ ابن کثیر کے مطابق یہ متباین (متضاد) ہیں۔

(۵) استغفار:۔ باب استفعال کا مصدر ہے یعنی اس نے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی۔استغفار کا مادہ ''غفر'' ہے جو ''ستر'' (ڈھانپنے) کے ہم معنی ہے۔اسی سے ''خود'' ہے جو انسان کو ڈھانپے ہوتا ہے اور ''غفر اللہ'' کا معنی ہے اللہ نے اس پر پردہ ڈال دیا۔(٤)

استغفار اور دعا کی مناسبت:۔ دعا تو عام ہے جبکہ استغفار خاص ہے جس میں شر سے بچاؤ کا پہلو پایا جاتا ہے۔ابن تیمیہؒ اس حدیث نبوی ﷺ کی شرح میں فرماتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کے آسمان دنیا پر آکر یہ اعلان کرنے کا ذکر ہے ''کیا مجھ سے کوئی معافی مانگنے والا ہے کہ میں اسے معاف کردوں ....''(۵) فرمایا کہ اس حدیث میں پہلے دعا کا ذکر

---

(۱) [دیوان المتنبی مع شرح البرقوقی (۲۷۲/۲)]

(۲) [الفوائد فی مشکل القرآن (ص ۱)]

(۳) [البدایۃ والنھایۃ (۲۷۵/۱۱) شفاء العلیل (ص ٥٠٤)

(٤) [الصحاح (۷۷۰/۲)]

(٥) [بخاری (۱۱٤٥) مسلم (۷٥۸)]

ہے۔ پھر سوال کا اور پھر استغفار کا، استغفار مانگنے والا دعا مانگنے والے کی طرح ہے لیکن پہلے شر سے بچاؤ مانگنے والے سائل کا ذکر ہے۔ پھر طالب خیر کا۔ پھر ان دونوں کو (استغفار میں) اکٹھا ذکر کیا اور یہ خاص کا عام پر عطف ہے۔"[١] اس طرح ابن حجرؒ فرماتے ہیں "ان تینوں میں فرق ہے۔ یا تو دفاع ضرر مطلوب ہے یا حصول خیر یا دنیوی طلب ہے یا اخروی۔ استغفار میں پہلی چیز کی طرف اشارہ ہے سوال میں دوسری کی طرف اور دعا میں تیسری کی طرف اشارہ ہے۔"[٢] اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع یا موقوف روایت میں بھی ان کے درمیان فرق کا ذکر موجود ہے کہ "سوال کے لئے اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاؤ، استغفار کے لئے صرف ایک انگلی سے اشارہ کرو اور ابتہال میں دونوں ہاتھ لمبے پھیلاؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ اخلاص میں شہادت والی انگلی سے اشارہ کرو....."[٣] اس حدیث میں مذکورہ چیزوں کی تفسیر کی گئی ہے نیز سب سے زیادہ مبالغہ ابتہال میں ہے۔ پھر دعا ئے سوال، پھر دعا، پھر استغفار یا اخلاص (اللہ اعلم)

(٦) شفاعت:۔ کہا جاتا ہے ﴿شَفَعَ لِیْ شفاعَةً﴾ اس نے میری سفارش کی، ﴿اِسْتَشْفَعَ﴾ اس نے سفارش طلب کی یعنی کسی سے اپنا سفارشی بننے کے لئے مطالبہ کیا۔ علامہ مبرد اور ثعلب فرماتے ہیں ﴿من ذا الذی یشفع عنده الا باذنه﴾ اس آیت میں شفاعت بمعنی دعا ہے یعنی بلا اذن الٰہی کون ہے جو اس سے دعا کرے۔ شفاعت اس کلام کو کہتے ہیں جو سفارش کسی کی حاجت کے لئے بادشاہ کے سامنے پیش کرتا ہے۔ "شفع" طاق کے برعکس (جفت) ہے۔ شافع اور شفیع وہ ہے جو کسی غیر کے لئے کوئی مطالبہ کرے۔ "مشفع" سفارش قبول کرنے والا اور "مُشَفَّع" جس کی سفارش قبول کی جائے۔[٤] شفاعت کا مادہ دو چیزوں کے ملاپ پر دلالت کرتا ہے جیسے "جفت" جو طاق کے برعکس ہے، اس طرح "حق شفعہ" جس میں کسی کے مال میں حق خرید کا دعوی کیا جاتا ہے، اسی طرح بچے والی بکری کو "شافع" کہا جاتا ہے۔[٥] اصطلاحاً شفاعت سے مراد وہ سوال ہے جو گناہ اور جرم سے صرف نظر کے لئے کیا جاتا ہے۔[٦]

شفاعت اور دعا کے مابین نسبت:۔ شفاعت چونکہ ایک خاص دعا ہے جس میں گناہ وزیادتی سے معافی کا مطالبہ ہوتا ہے اس لئے ان دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے یعنی ہر شفاعت تو دعا ہو سکتی ہے مگر ہر دعا

---

(١) [الفتاوی (٢٣٩/١٠)]

(٢) [فتح الباری (٣١/٣)]

(٣) [ابو داؤد (١٤٨٩) صحیح الجامع (٦٥٧٠) صحیح۔]

(٤) [تهذیب (٤٣٦/١) الصحاح (٢٣٨/٣) اللسان (٢٢٨٩/٤)]

(٥) [معجم مقاییس اللغة (٢٠١/٣)]

(٦) [النهایة (٤٨٥/٢)]

شفاعت نہیں ہوتی۔ ابوعبداللہ الحلیمی نے دعا اور شفاعت میں یہ فرق کیا ہے کہ شفاعت تو اس وقت کی جاتی ہے جب کسی کی بدحالت سامنے آئے ورنہ دعا تو حالت بد سے پہلے ہی کی جاتی ہے۔(۱) حلیمی کے مطابق دعا اور شفاعت میں نسبت تباین (متضاد) ہے مگر پہلی بات ہی درست ہے۔ حلیمی کے قول کے مطابق ان دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت کا امکان بھی موجود ہے اس لئے کہ مذکورہ تعریف میں بھی شفاعت کو خاص اور دعا کو عام ذکر کیا گیا ہے۔

دوسری قسم اور نوع ثانی

دعا کے ان کلمات کا ذکر جن سے حصول نفع کے لئے طلب وسوال کیا جاتا ہے۔

(۱) سوال:۔ باب فتح سے مصدر ہے نیز مسئلة اور مساءلة بھی مصدر ہیں جن کی جمع مسائل ہے اور سألتُ ، سَلْتُ ، أسَل ، میں نے سوال کیا اور سوال کرتا ہوں، یتساء لان وہ دونوں باہم سوال کرتے ہیں۔ ''السُّوْلُ'' وہ چیز جس کا انسان سوال کرے یعنی اس کی طلب وخواہش، یہاں فُعْلٌ بمعنی مفعول ہے جس طرح خبز (روٹی) بمعنی مخبوز اور أکل بمعنی مأکول ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے موسیٰ! تجھے تیری خواہش (طلب) عطا کردی گئی۔'' (طٰہٰ۔۳۶)(۲)

سوال بمعنی دعا کی قرآنی مثالیں:۔

(۱) ''سوال (دعا) کرنے والے نے واقع ہونے والے عذاب کی دعا کی'' مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے۔(۳)

(۲) ''یہ تو آپ کے رب کے ذمے وعدہ ہے جو قابل درخواست ہے۔'' (الفرقان۔۱۶) فرشتے وہ درخواست اس طرح کریں گے۔ ''اے پروردگار! انہیں ان جنتوں میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے۔'' (آل عمران۔۱۹۴)

(۳) ''اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی دعا مانگو۔ (النساء۔۳۲)

(۴) ''اس نے تمہیں ہر وہ چیز نوازی جو تم نے اس سے مانگی۔'' (ابراھیم۔۳۴)

(۵) ''ارض وسما کی ہر چیز اسی (رب) سے دعا مانگتی ہے، ہر دن وہ نئی شان کے ساتھ ہوتا ہے۔''

دعا اور سوال کے درمیان مناسبت:۔ ان دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے کیونکہ دعا حصول نفع اور دفاع ضرر کے لئے عام ہے جبکہ سوال حصول نفع کے لئے خاص ہے جیسا کہ ابن تیمیہؒ اور ابن حجرؒ سے استغفار کے بیان میں گذر چکا ہے۔ قاضی عیاض کا کہنا ہے کہ بعض علما نے دعا اور سوال میں فرق کیا ہے یعنی داعی لاچار اور سائل مختار

---

(۱) [المنهاج فی شعب الایمان (۵٤۳/۱)]

(۲) [تهذیب اللغة (٦٧/١٣) الصحاح (١٧٢٣/٥) اللسان (١٩٠٦/٣)]

(۳) [أیضا وطبری (٦٩/٢٩)]

ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''لاچار کی دعا کو کون سنتا ہے؟'' سائل کے لئے بدلہ ہے اور داعی کے لئے قبولیت ہے۔[1] مگر یہ حدیث نبوی اس قول کو ضعیف قرار دیتی ہے۔''جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حالت تنگی میں اس کی فریاد سنے تو وہ حالت آسانی میں بکثرت دعا کیا کرے۔''[2] یہاں دعا کرنے والا مختار ہے۔کرمانیؒ نے ایک اور فرق کا احتمال ذکر کیا کہ دعا وہ ہے جس میں طلب نہیں جیسے یا اللہ اور سوال میں طلب ہوتی ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں کا مقصد ایک ہی ہے گو لفظ مختلف ہیں۔[3] کرمانیؒ کا پہلا احتمال بالکل کمزور ہے۔کلمہ سوال کی طرح کلمہ لیاذ ہ بھی ہے جس پر متنبّی کا شعر اور ابن کثیر کا کلام دلالت کرتا ہے۔[4]

نوع ثالث۔ان کلمات کا بیان جن میں دعا کی صفات مذکور ہیں

(۱) نِدا:۔ ندا بمعنی پکار اور آواز کے ہے۔[5] اسے مثل دعا بھی کہہ لیا جاتا ہے یا ندا سے مراد ایسی دعا ہے جس میں آواز بلند ہوتی ہے،اس معنی پر اہل لغت کا بھی اتفاق ہے۔ابن قیمؒ قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں:۔کیا علماء،عقلاء اور اہل لغت کا اجماع نہیں کہ ''ندا'' با آواز بلند پکار کا نام ہے اور اس کی ضد ''نجاً'' ہے۔یہ دونوں آوازیں ہیں۔[6]

ندا بمعنی دعا قرآن مجید کی کئی آیات میں مذکور ہے۔مثلاً:

☆ ''یہ ہے تیرے پروردگار کی اس مہربانی کا ذکر جو اس نے اپنے بندے زکریاؑ پر کی تھی کہ جب اس نے اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی تھی۔'' (مریم۔۲،۳)

☆ ''اور حضرت ایوبؑ نے جس وقت اپنے رب سے دعا کی کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔'' (الانبیاء۔۸۳)

☆ ''اس (یونسؑ) نے اندھیروں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں،تو پاک ہے،یقیناً میں ہی ظالم ہوں۔'' (الانبیاء۔۸۷)

---

(۱) [مشارق الانوار (۲۶۰/۱)]

(۲) [ترمذی (۴۶۲/۵) حاکم (۵۴۴/۱) صحیح الجامع (۶۱۶۶)]

(۳) [فتح الباری (۳۱/۳) شرح الکرمانی (۲۰۰/۶)]

(۴) [ابن کثیر (۱۵/۱)]

(۵) [الصحاح (۲۵۰۵/۶)]

(۶) [النونیة (۱۲۲/۱)]

☆ ''اور زکریاؑ نے جب اپنے رب کو پکارا، یارب! مجھے تنہا نہ چھوڑ اور تو بہترین وارث ہے۔'' (الانبیاء۔۸۹)

☆ ''تحقیق ہمیں نوحؑ نے پکارا اور ہم خوب قبول کرنے والے ہیں۔'' (الصافات۔۷۵)

☆ ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو جب اسنے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے رنج اور دکھ پہنچایا ہے۔'' (ص۔۴۱)

☆ ''اپنے رب کے حکم پر صبر کر اور مچھلی والے کیطرح نہ ہو جا کہ جب اس نے حالت غم میں دعا کی۔'' (القلم۔۴۸)

☆ ''جس دن وہ (رب تعالیٰ) کہے گا کہ پکارو انہیں جنہیں تم میرا شریک خیال کرتے تھے تو وہ انہیں بلائیں گے۔'' (الکھف۔۵۲)

<u>نداا اور دعا کے درمیان مناسبت:۔</u> دعا عام ہے جس میں سری اور جہری دونوں حالتیں موجود ہیں جبکہ ندا جہری آواز کے ساتھ دعا کرنے سے خاص ہے لہٰذا ان دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے، یہ بھی منقول ہے کہ دعا قریب کے لئے ہے اور ندا بعید کے لئے۔ [1] (جب ندا کا لغوی معنی مراد ہو ورنہ) قرآن مجید میں ندا بمعنی دعا مطلق استعمال کیا گیا ہے۔امام حلیمی کے نزدیک ندا اور دعا مترادف ہیں۔ [2] اور وہ بطور مثال یہ آیات پیش کرتے ہیں:۔

☆ ''کھیٰعص یہ ہے تیرے پروردگار کی اس مہربانی کا ذکر جو اس نے اپنے بندے زکریاؑ پر کی تھی کہ جب اس نے اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی تھی۔'' (مریم۔۱،۳)

☆ ''اور زکریاؑ نے جب اپنے رب کو پکارا، یارب! مجھے تنہا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے۔'' (الانبیاء۔۸۹)

☆ ''وہاں زکریاؑ نے اپنے رب سے دعا کی اور کہا اے میرے پروردگار!۔'' (آل عمران۔۳۸)

نیز اللہ تعالیٰ نے ندا اور دعا کو عطف بیان کے ساتھ ایک آیت میں ذکر کیا ہے:۔''اور کافروں کی مثال ان جانوروں کی سی ہے جو اپنے چرواہے کی آواز یا پکار ہی کو سنتے ہیں (سمجھتے نہیں)۔'' (البقرۃ۔۱۷۱)

امام راغب نے آیت مذکورہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہو جاتے ہیں۔ [3] لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ دونوں متحد المفہوم ہیں البتہ ندا کبھی کبھار جہری پکار کے ساتھ خاص ہوتا ہے جبکہ دعا عام ہے۔اس طرح ان دونوں میں ایک لفظی فرق بھی کیا جا سکتا ہے کہ ندا کبھی بغیر نام لئے پکار کو کہتے ہیں جبکہ دعا میں ہمیشہ نام لے کر پکارا جاتا ہے۔ [4]

---

(۱) [الكليات للكفوى (٣٣٤/٢) قرطبى (٢١٥/٢)]

(۲) [المنهاج (٥٢٢/١)]

(۳) [المفردات (١٧٠)]

(٤) [الكليات للكفوى (٣٣٣/٢)]

(۲) جوار:۔ اللہ تعالیٰ کی طرف باآواز بلند مگر گڑگڑاہٹ اور فریاد کے ساتھ رجوع کرنا۔ دراصل جوار شدید آواز کو کہتے ہیں۔[1] قرآن مجید میں جوار بمعنی دعا ان آیات میں مذکور ہے۔

(۱) ''اور جو کوئی نعمت تمہارے پاس ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی طرف تم دعا کرتے ہو۔'' (النحل۔۵۳) مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں مذکور ''تجأرون'' کا معنی ہے، تم اس کی طرف عاجزی کے ساتھ دعا کرتے ہو۔[2] سدیؒ کے نزدیک اس کا معنی ہے ''تم دعا کے ساتھ چیخ وپکار کرتے ہو۔'' ثعلب: اس کا معنی ہے۔ ''''تم باآواز بلند اس سے دعا کرتے ہو۔''[3]

(۲) ''یہاں تک کہ جب ہم نے ان کے اثر ورسوخ والے لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیا تو وہ بلبلانے لگے۔'' (المؤمنون۔۶۴) ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک یجأرون کا معنی ہے وہ فریاد کرنے لگے۔[4]

دعا اور جوار میں نسبت :۔ جوار جہری پکار کے لئے خاص ہے جبکہ دعا عام ہے۔

(۳) ابتہال:۔ یعنی خوب اچھی طرح مخلص ہو کر دعا مانگنا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''پھر ہم مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔'' (آل عمران۔۶۱) مباہلہ کریں یعنی ہر ایک عاجزی اور گڑگڑاہٹ کے ساتھ دعا کرے اور جھوٹے پر لعنت بھیجے۔ مبتہل بھی داعی ہے کیونکہ ابتہال، دعا میں مبالغہ کرنے کا نام ہے۔ علامہ زجاجؒ فرماتے ہیں کہ ''ابتہال کا لغوی معنی دعا میں مبالغہ کرنے کا ہے اور اصل میں یہ لعنت بھیجنے کے لئے مستعمل ہے لعنت کا مطلب ہے کہ اللہ اسے رحمت سے دور کر دے۔

ابتہال اور دعا میں مناسبت :۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نبی کریم ﷺ نے اپنی انگشت شہادت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ اخلاص ہے، کندھوں کے برابر ہاتھ بلند کر کے فرمایا، یہ دعا ہے اور ہاتھوں کو مزید پھیلا کر فرمایا، یہ ابتہال ہے۔''[5] لہٰذا ثابت ہوا کہ ابتہال دعا میں مبالغہ کرنے پر خاص ہے اور دعا عام ہے۔

***

(۱) [الصحاح (۶۰۷/۲) النهاية (۲۳۲/۱) المفردات (۱۰۳)]

(۲) [طبری (۱۲۱/۱٤)]

(۳) [درمنثور (۱۲۰/٤)]

(٤) [طبری (۳۷/۸)]

(٥) [ابو داؤد (۱٤۸۹) صحيح الجامع (٦٥۷۰) مجمع الزوائد (۱٦۹/۱۰)]

فصل ثانی

دعا کی اقسام

مبحث اول:۔ معنوی اعتبار سے اہل علم نے دعا کی چار طرح سے توجیہات (تقسیمات) پیش کی ہیں۔

(1) دعا کی تین اقسام ہیں :۔

(۱) دعائے توحید وثناء (۲) دعائے اخروی (۳) دعائے دنیوی

(2) دعا کی تین اقسام ہیں :۔

(۱) دعائے سوال (۲) دعائے ثناء (۳) دعائے عبادت

(3) دعا کی دو قسمیں ہیں:۔ (۱) دعائے عبادت (۲) دعائے عادت

(4) دعا کی دو قسمیں ہیں:۔ (۱) دعائے حاجت (۲) دعائے عبادت

مذکورہ توجیہات اربعہ میں کوئی خاصا بڑا اختلاف نہیں بلکہ ان میں کچھ عموم، شمول اور خصوص وغیرہ کی مناسبتیں ہیں جنہیں ہم آخر میں ذکر کریں گے۔ پہلے ہم یکے بعد دیگرے مذکورہ توجیہات پیش کریں گے۔

(۱) توجیہہ اول:۔ میرے علم کے مطابق اس نظریے کا موجد ابو اسحاق زجاج ہے جس نے کہا ''دعا کی تین اقسام ہیں:۔(۱) دعائے توحید وثنا: جیسے یہ قول ہے ﴿یا اللّٰہ لا الٰہ الّا انت﴾ ''یا اللہ! تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور یہ قول ﴿رَبَّنَا لَکَ الحَمد﴾ ان میں یا اللہ! یا رب! (دعا) کے ساتھ توحید اور ثنا بھی بیان کی جاتی ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے : ''تمہارے رب نے کہا کہ مجھے پکارو میں تمہاری پکار سنتا ہوں۔ بلا شبہ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، وہ ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔'' (البقرۃ۔۱۸۶) (۲) دعائے سوال جس میں اللہ تعالیٰ سے عفو وکرم وغیرہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے جیسے یہ کہنا یا اللہ! ہمیں بخش دے۔(۳) دنیوی دعائیں جیسے یہ دعا کرنا: الٰہی! مجھے مال و دولت اور اولاد سے نواز۔ یہ سب سے جامع دعا ہے جس میں یا اللہ، یا رب، یا حی وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں۔(۱)

زجاجؒ کی پیش کردہ تین قسمیں دراصل دو ہی قسمیں ہیں کیونکہ دوسری اور تیسری قسم ''دعائے سوال'' ہے۔ دوسری قسم میں اخروی سوال ہے جبکہ تیسری قسم میں دنیاوی سوال ہے مگر ان دونوں کی ایک ہی قسم بنتی ہے جیسے ابن سیدہ کا کلام بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ دعا کی دو قسمیں ہیں۔ ''پہلی توحید، عظمت پر مشتمل ہے اور دوسری میں بخشش یا انعامات کا

---

(۱) [معانی القرآن للزجاج (۲۵۵/۱) لسان العرب (۱۳۸۵/۳)]

مطالبہ ہوتا ہے۔" لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ دعا کی دو قسمیں ہیں۔ جیسا کہ آخر میں بالتفصیل ہم اسے ثابت کریں گے۔ اسی طرح زجاج نے دعا کی پہلی قسم میں صرف توحید و ثنا کو ذکر کیا ہے حالانکہ یہ قسم تمام عبادتوں پر مشتمل ہے جیسا کہ علامہ زجاج نے خود ہی اس قسم کو ایک مقام پر بلاقید دعائے عبادت سے موسوم کیا ہے۔(۱)

(۲) توجیہہ ثانی:۔ میرے علم کے مطابق اس توجیہہ کو سب سے پہلے ابن قیمؒ نے ذکر کیا ہے، وہ اس آیت "اور اللہ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں لہٰذا ان کے ساتھ اللہ کو پکارو۔" (الاعراف۔۱۸۰) کے تحت فرماتے ہیں "دعا میں دعائے سوال، دعائے ثنا اور دعائے عبادت (تینوں) شامل ہیں۔[۲] دعائے سوال یعنی حصول نفع یا دفاع ضرر کا مطالبہ کرنا۔[۳] دعائے ثنا یعنی اللہ تعالیٰ کے اسما کا ذکر کرنا، اللہ کی حمد و ثنا اور تحمید و تقدیس بیان کرنا۔[٤] اور دعائے عبادت میں قلبی، بدنی اور مالی تمام عبادتیں شامل ہیں۔[٥] یہ تقسیم بھی درحقیقت گذشتہ تقسیم کے مشابہہ ہے لہٰذا یہ تین نہیں بلکہ دو قسموں میں منقسم ہے یعنی دعائے ثناء اور دعائے عبادت ایک ہی قسم ہے جیسا کہ ابن قیمؒ نے خود ایک مقام پر ایسا کہا ہے۔[٦] یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے دعائے ثناء کو عبادت سے اس لئے الگ بیان کیا ہو کہ ثناء میں عبادت کی دوسری اقسام کی بہ نسبت بدرجہ اتم مطالبہ پایا جاتا ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے۔

(۳) توجیہہ ثالث:۔ اس توجیہہ کے موجد شیخ محمد رشید رضاؒ اور شیخ محمد عبدالظاہرؒ ہیں۔ شیخ رضا فرماتے ہیں "دعا کی دو قسمیں ہیں: دعائے عبادت اور دعائے عادت۔ دعائے عادت میں وہ اسباب ہیں جنہیں لوگ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بروئے کار لا کر ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہیں اور دعائے عبادت میں اس چیز کا مطالبہ ہوتا ہے جو ماوراء الاسباب ہے اور ان پر اللہ رب العزت کے سوا کوئی قادر نہیں۔[۷] اسی طرح شیخ عبدالظاہر سے مروی ہے۔[۸] یہ توجیہہ جامع نہیں کیونکہ اس میں "دعائے عبادت" مفقود ہے اور جو دعائے عبادت پیش کی گئی ہے، وہ دراصل دعائے سوال کی ایک

---

(١) [معاني القرآن (٣٤٤/٢)]

(٢) [مدارج السالكين (٤٢٠/١)]

(٣) [بدائع الفوائد (٢/٣)]

(٤) [الوابل الصيب (١٧٨)]

(٥) [زاد المعاد (٢٣٤/١)]

(٦) [ايضا وبدائع الفوائد (١٦٤/١)]

(٧) [تعليق الشيخ محمد رشيد على صيانة الانسان (٣٧٤)]

(٨) [حياة القلوب (٣١)]

قسم ہے جس میں ماوراءالاسباب کے لئے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جاتا ہے، جائز اور ناجائز استغاثے کے بیان میں اسے ذکر کیا جائے گا۔

۴۔توجیہہ رابع :۔ اس توجیہہ کو سب سے پہلے شیخ ابن تیمیہؒ نے بیان کیا۔ پھر ابن قیمؒ وغیرہ نے ان کی متابعت کی جیسا کہ ابن تیمیہؒ نے اپنی کئی کتابوں میں فرمایا ''دعا کی دو قسمیں ہیں، دعائے عبادت اور دعائے حاجت۔''(۱) ابن قیمؒ نے بھی کئی کتابوں میں دعا کی مذکورہ دو قسمیں بیان کی ہیں۔﴿ادعوا ربکم ......﴾(الاعراف۔۶، ۵۵) کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ دونوں آیتیں دعا کی دونوں قسموں کے آداب پر مشتمل ہیں یعنی دعائے عبادت اور دعائے حاجت (سوال) قرآن میں کبھی انہیں جدا جدا اور کبھی اکٹھا بیان کیا گیا ہے۔(۲) شیخ بدائع الفوائد میں رقمطراز ہیں۔ ''تشہد میں دعائے ثنا اور دعائے سوال دونوں مجتمع ہیں۔''(۳) ہم نے ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کو اس تقسیم کا بانی اس لئے قرار دیا ہے کہ انہوں نے باصراحت اسے بیان کیا ہے ورنہ ان سے پہلے کئی علماء نے اشارۃً اسے ذکر کیا ہے مثلاً:۔

(۱) سفیان بن عیینہؒ جب ان سے یوم عرفہ کی دعا کے متعلق سوال ہوا........وضاحت پیچھے گذر چکی ہے۔

(۲) مفسر ابن جریر نے اس آیت ''اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو (آپ کہہ دیں) میں قریب ہوں (اور) پکارنے والے کی پکار قبول کرتا ہوں۔'' (البقرۃ۔۱۸۶) میں دو قسمیں ذکر کی ہیں:۔

(۱) بندے کا اپنے رب سے اس چیز کا مطالبہ کرنا جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء سے اس صورت میں وعدہ کیا ہے کہ وہ اسکی اطاعت کریں اور قبول کرنے کا معنی ہے کہ میں انہیں اعمال کے ثواب سے نوازنے کا وعدہ پورا کروں گا۔ شیخ نے اس حدیث سے استدلال کیا ''دعا ہی عبادت ہے۔'' پھر کہا ''نبی کریم ﷺ نے باخبر کیا ہے کہ اللہ سے دعا عبادت کے مترادف ہے اور اس سے عمل وفرمانبرداری کے ساتھ سوال کیا جائے'' پھر حسن بصریؒ سے نقل کیا کہ ﴿اُدْعُونِی استجب لکم﴾ کا معنی ہے، تم عمل کرو اور خوش ہو جاؤ کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اہل ایمان اور نیک عمل کرنے والوں کی دعا قبول کرے اور انہیں مزید اپنے فضل سے نوازے۔''(۴) نیز کہا ''قول وعمل کے ساتھ اللہ کا ذکر، حمد وثنا اور عظمت بیان کرنا، دعا کہلاتا ہے اور عمل میں اعضاء بھی شامل ہوتے ہیں۔''(۵)

---

(۱) [الفتاوی (۱۰/۲۳۷)(۱۵/۱۰) اقتضاء الصراط (۴۱۱) وغیرہ]

(۲) [بدائع الفوائد (۳/۲)]

(۳) [ایضا (۲/۱۹۰)]

(۴) [طبری (۲/۱٦۰)]

(۵) [ایضا (۷/۲۰۵)]

(۳) مفسر بغوی: یہاں دعا بمعنی اطاعت اور جواب (قبول کرنا) بمعنی ثواب ہے۔" (۱)

یہ آخری توجیہہ تمام توجیہات کی بہ نسبت مختصر مگر جامع ومانع ہے اور یہی سب سے راجح ہے جس میں گذشتہ اعتراضات سے سلامتی بھی ہے۔

دعا کی دو قسمیں کیوں؟

ہم دعا کی تعریف میں بتا چکے ہیں کہ دعا قصد وارادہ اور توجہ پر مشتمل ہے کبھی یہ قصد اور توجہ مدعو کی ذات کی طرف ہوتا ہے اور کبھی اس سے کسی چیز کے مطالبے کے لئے ہوتا ہے۔ جس طرح ایک انسان دوسرے کو کبھی مدد کے لئے پکارتا ہے اور کبھی اس کی ذات کو بلاتا ہے۔ (۲) جب قصد مدعو کی ذات کی طرف ہو تو اسے دعائے عبادت (حمد وثنا) کہتے ہیں اور اگر اس سے کوئی مطالبہ کیا جائے تو اسے دعائے حاجت (سوال) سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے دعا کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر ایک قسم میں ایسی خصوصیت ہے جو دوسری میں نہیں یعنی دعائے عبادت کی خاصیت یہ ہے کہ یہ دلوں کو اللہ کی عظمت وجلالت سے بھر دیتی ہے اور دعائے حاجت دلوں کو اللہ کی طرف راغب بنا دیتی ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ نے ذکر کیا کہ دعا کی دو قسمیں ہیں :۔

(۱) جس میں انسانی غور وفکر کا عنصر اللہ کی عظمت وقدرت سے معمور کرنا مقصود ہوتا ہے جس سے خشوع وخضوع پیدا ہوتا ہے جس کا انسانی زبان سے غیر معمولی اظہار ہوتا ہے۔

(۲) اس میں دنیا وآخرت کے منافع کے حصول اور ان کے شر سے بچاؤ کی طمع وحرص پائی جاتی ہے کیونکہ نفس انسانی ان چیزوں کے فوری حصول کا متقاضی ہے..........۔(۳)

یہ دونوں قسمیں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں جنہیں کسی مقرب فرشتے، نبی ورسول وغیرہ کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں۔ جس طرح امید وخوف میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اسی طرح اپنی ضروریات میں بھی اسی سے سوال کیا جائے۔ (٤) امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں "دعا کی مذکورہ دونوں قسمیں اللہ کے لئے خاص ہیں جنہیں غیر اللہ کی طرف پھیرنا شرک ہے جو اللہ ﴿الأحد الصمد﴾ کے علاوہ کسی اور کے لئے قطعاً جائز نہیں۔ لفظ "صمد" یہ وضاحت کرتا ہے کہ دعا کی دو قسموں میں اسی (ذات باری تعالیٰ) کی طرف رخ کیا جائے۔ سورۃ اخلاص میں اللہ کے

---

(۱) [معالم التنزيل (١٥٦/١)]

(۲) [الفتاوى (١٠/١٥) بدائع الفوائد (٣/٣)]

(۳) [حجة الله البالغة (٧٤/٢)]

(٤) [الفتاوى (١٠/١٥)]

لئے احد اور صمد کے لفظ استعمال کئے گئے ہیں کیونکہ تنہا اللہ تعالیٰ کی ذات کو پکارا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ نہ کوئی ذات عبادت کے لائق ہے نہ توکل، بھروسے اور مدد کے لائق ہے۔(۱)

دونوں قسمیں لازم وملزوم :۔ دعا کی دو قسمیں ہیں : دعائے عبادت اور دعائے حاجت یعنی لفظ دعا کبھی بمعنی عبادت اور کبھی بمعنی طلب وحاجت کے استعمال ہوتا ہے مگر یہ دونوں باہم متضاد قسمیں نہیں بلکہ جس وقت دعا کی ایک قسم مراد لی جاتی ہے تو وہ التزاماً یا ضمناً[۲] دوسری قسم پر بھی دلالت کرتی ہے یعنی جب دعا بمعنی حاجت مراد ہو تو یہ ضمناً دعائے عبادت پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ حاجت وضرورت کے لئے سوال کرنے والا جب اللہ تعالیٰ سے سوال ومناجات، آہ وزاری اور گریہ زاری کرتا ہے تو وہ اللہ کی عبادت کرتا ہے کیونکہ اوصاف مذکورہ ہی عبادت کا مغز ہیں، لہٰذا جن آیات سے دعا بمعنی حاجت (سوال) مراد ہو وہ ضمناً دعائے عبادت کو شامل ہوتی ہیں۔ جب دعا بمعنی عبادت ہو تو وہ لزوماً دعائے حاجت کو بھی شامل ہوتی ہے اس لئے کہ اللہ کی عبادت (مثلاً ذکر) کرنے والا درحقیقت سائل ہوتا ہے اگر چہ وہ سوال نہ کرے جس طرح لوگوں کے دروازوں پر چکر کاٹنے والا سائل ہوتا ہے (جو کسی ضرورت کے لئے بار بار آتا جاتا ہے) اگر چہ وہ زبان سے سوال نہ کر رہا ہو۔(۳)

گذشتہ بحث سے ثابت ہوا کہ دعا کی دو قسمیں (عبادت وحاجت) ہیں جو باہم لازم وملزوم ہیں یعنی لزوماً یا ضمناً ایک قسم دوسری سے تعلق رکھتی ہے۔ اس وضاحت سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو اس زُعم باطل میں مبتلا ہیں کہ جن آیات میں غیر اللہ سے دعا کرنے سے ڈرایا گیا ہے، وہاں دعا صرف عبادت کے معنی میں ہے بمعنی حاجت (سوال) نہیں، اس لئے اس نہی میں مردوں سے شفاعت طلبی یا ان کا وسیلہ شامل نہیں اور نہ ہی ان سے مدد طلب کرنا یا دور دراز سے انہیں پکارنا منع ہے لہٰذا ان لوگوں نے ایسی تمام آیات میں تاویل کر کے دعا بمعنی عبادت ہی ثابت کیا ہے۔ مزید برآں عبادت کو صرف رکوع وسجود پر محدود کر لیا اور پکار، استغاثہ، نذر، ذبح وغیرہ کو خارج از عبادت قرار دیا۔ ان خیالات پر آئندہ صفحات میں مناقشہ کیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

---

(۱) [بيان تلبيس الجهمية (٤٥٧/٢)]

(۲) [دلالت التزامی یہ ہے کہ کوئی لفظ موضوع لہ سے خارج معنی پر دلالت کرے مگر وہ خارجی معنی موضوع لہ کے ساتھ اس طرح لازم ہو کہ جب موضوع لہ ذہن میں آئے تو ساتھ ہی وہ بھی ذہن میں آجائے اور دلالت تضمنی یہ ہے کہ کوئی لفظ اپنے موضوع لہ کے جزء پر دلالت کرے]

(۳) [الفتاوی (۱۰-۱/۱۵) اقتضاء الصراط (٤١١)]

دعا کی مذکورہ دونوں قسموں کی پہچان کے ضوابط :۔

قرآن مجید میں لفظ دعا کا تین چیزوں پر اطلاق کیا گیا ہے:۔(۱) دعائے سوال پر (۲) دعائے عبادت پر (۳) یا دونوں پر۔قرآن مجید میں ان کی بکثرت مثالیں بیان ہوئی ہیں۔ذیل میں ہم ان مثالوں کو مع ضوابط بیان کر رہے ہیں۔

(۱) ان آیات کا بیان جو دعائے سوال پر دلالت کرتی ہیں۔انہیں چار مجموعہ جات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(الف) ان آیات کا بیان جن میں انسان کا بوقت تنگی وسختی اللہ کی طرف پلٹنا اور اللہ تعالیٰ کا ان تنگیوں کو دور کرنے کا ذکر ہے۔(ب) ان آیات کا بیان جن میں امتوں کا انبیاء کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کا ذکر ہے۔

(ج) وہ آیات جن میں انبیاء کی دعائیں اور مناجات کا ذکر ہے۔(د) وہ آیات جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر اللہ اپنے پکارنے والوں کی پکار سے غافل ہیں۔ان چاروں مجموعوں میں دعا بمعنی سوال ذکر ہوا ہے جیسا کہ دوسرے اور تیسرے مجموعے میں تو بالکل واضح ہے البتہ بعض اہل علم نے یہاں دعا بمعنی عبادت بھی ذکر کیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ دعا اور عبادت میں تضمنی دلالت پائی جاتی ہے اور یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔

(۱) پہلے مجموعہ کی مثالیں :۔

☆ ''لاچار کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کر کے سختی دور کر دیتا ہے۔'' (النمل۔۶۲) یہ آیت دعا بمعنی حاجت پر بالکل عیاں ہے کیونکہ لاچار کو اجر وثواب کی بجائے فوری مدد کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور ''مدد'' دعائے حاجت کے مقابلے میں ہے جبکہ دعائے عبادت کا نتیجہ ''اجر وثواب'' ہے۔نیز ''سختی دور کرتا ہے''، یہ الفاظ بھی دعائے حاجت پر دلالت کرتے ہیں۔

☆ آپ کہہ دیں!! اپنا حال تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا کوئی عذاب آپڑے یا تم پر قیامت ہی آپہنچے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے، اگر تم سچے ہو۔ بلکہ خاص اسی کو پکارو گے، پھر جس کے لئے تم پکارو گے، اگر وہ چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے اور تم جنہیں شریک ٹھہراتے ہو ان سب کو بھول جاؤ گے۔'' (الانعام۔۴۰،۴۱) شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں ''یہاں دعا بمعنی عبادت نہیں جیسا کہ بعض اہل علم کا خیال ہے بلکہ دعا بمعنی استعانت ہے۔(۱) شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں ''تنگی اور مشقت کی حالت میں دعا بمعنی حاجت ہوتی ہے۔'' (۲)

☆ ''جب تمہیں سمندر میں کوئی نقصان پہنچے تو تمہیں اللہ کے سوا تمام (جھوٹے معبود) بھول جاتے ہیں۔'' (الاسراء۔۶۷)

---

(۱) [حجة الله (۶۲/۱)]

(۲) [تحفة الطالب (۱۰۳)]

☆ ''اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے پہلو کے بل یا بیٹھے اور کھڑے ہمیں ہی پکارتا ہے اور جب ہم اس کی تکلیف رفع کر دیتے ہیں تو وہ اس طرح اعراض کر لیتا ہے کہ گویا اس نے بوقت تکلیف ہمیں پکارا ہی نہیں۔(یونس۔۱۲)

☆ ''جب انسان کو مصیبت لاحق ہوتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف پلٹ کر اسے پکارتا ہے۔'' (الزمر۔۸)

☆ ''جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں یاد کرتا ہے۔ پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرما دیں تو وہ کہنے لگتا ہے، یہ تو مجھے محض میرے علم کی وجہ سے دی گئی ہے۔'' (الزمر۔۴۹)

دوسرے مجموعے کی مثالیں:۔

☆ ''اور جس وقت تم نے کہا، اے موسیٰ! ہم (ہر روز) ایک ہی کھانے پر صبر نہیں کر سکتے لہٰذا آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ......'' (البقرہ۔۶۰)

☆ ''انہوں نے کہا' اے جادوگر! ہمارے لیے اپنے رب سے اسکی دعا کر جسکا اس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے۔'' (الزخرف۔۴۹)

☆ ''اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے کہ اے موسیٰ! ہمارے لیے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر دیجئے! جس کا اس نے آپ سے وعدہ کر رکھا ہے اگر آپ اسے ہم سے ہٹا دیں گے......'' (الاعراف۔۱۳۴)

تیسرے مجموعے کی مثالیں:۔

☆ ''اس جگہ زکریاؑ نے اپنے رب سے دعا کی، کہا یا رب! مجھے اپنی طرف سے اولاد عطا کر......'' (آل عمران۔۳۷)

☆ ''پس اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ بے شک میں مغلوب ہوں۔ تو میری مدد فرما۔'' (القمر۔۱۰)

☆ ''جب وہ (حمل) بھاری ہوا تو ان دونوں نے اپنے رب سے دعا کی۔'' (اعراف۔۱۸۹)

☆ ''اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ یقیناً یہی مجرموں کی قوم ہے۔'' (الدخان۔۲۲]

☆ ''موسیٰ نے کہا، یا رب! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو...... کہا تم دونوں کی دعا قبول ہوئی لہٰذا ثابت قدم رہو۔'' (یونس۔۸۹)

☆ ''جب اس (زکریاؑ) نے پوشیدہ ندا سے اپنے رب کو پکارا...... یا رب! تجھے پکارنے کے بعد میں کبھی بدبخت نہیں لوٹا۔'' (مریم۔۳،۴)

چوتھے مجموعے کی مثالیں:۔

☆ ''جن لوگوں کو اللہ کے سوا تم پکارتے ہو، وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں، اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو فریاد رسی سے قاصر ہیں۔'' (الفاطر۔۱۴۔۱۳)

☆ ''ان سے کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ، وہ بلائیں گے لیکن انہیں وہ جواب تک نہ دیں گے اور سب عذاب دیکھ لیں گے، کاش یہ لوگ ہدایت پا لیتے۔'' (القصص۔۶۴)

☆ ''جس دن وہ کہے گا کہ بلاؤ جنہیں تم میرا شریک سمجھتے تھے، وہ بلائیں گے لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہ دیں گے۔'' (الکھف۔۵۲)

☆ ''اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ نہیں سنتے۔'' (الاعراف۔۱۹۸)

مذکورہ تمام مجموعوں کی مثالیں دعا بمعنی سوال (حاجت) سے متعلق تھیں۔

(۲) ان آیات کا بیان جن میں دعا بمعنی عبادت استعمال ہوا ہے:۔

قرآن مجید میں دعا بمعنی عبادت بھی بکثرت استعمال ہوا ہے (بلکہ بعض نے کلیۃً دعا بمعنی عبادت کا دعوی کیا ہے) لہٰذا ہم کچھ قرآنی مثالوں سے دعا بمعنی عبادت ثابت کرتے ہیں۔

☆ ''کہہ دیجئے کہ مجھے ان کی عبادت سے منع کیا گیا ہے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔'' (الانعام۔۵۶)

☆ ''بلا شبہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کو بالکل معاف نہیں کریں گے ....وہ تو صرف عورتوں اور شیطان مردود کی عبادت کرتے ہیں۔'' (النساء۔۱۱۶،۷)

☆ ''کیا تم بعل (بت) کی عبادت کرتے ہو اور احسن الخالقین (اللہ تعالیٰ) کو پس پشت ڈالتے ہو۔'' (الصافات۔۱۲۵)

☆ اللہ کے سوا جس کسی کی بھی تم عبادت کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔'' (العنکبوت۔۴۲)

☆ ''خبردار! ارض وسما کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں، وہ کس چیز کی اتباع کرتے ہیں؟ محض بے سند خیال کی پیروی کرتے ہیں اور اٹکل پچو لگاتے ہیں۔'' (یونس۔۶۶)

☆ ''میں تمہیں چھوڑتا ہوں اور انہیں بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو اور میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار سے دعا مانگنے میں محروم نہ رہوں گا۔'' (مریم۔۹،۴۸)

☆ ''اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔ ذرا غور سے سنو، یقیناً جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں وہ (غیر اللہ) تو ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے، گو سارے کے سارے ہی جمع ہو جائیں۔'' (الحج۔۷۳)

☆ ''اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق (سچا) ہے اور اس کے سوا جسے بھی تم پکارتے ہو، وہ باطل ہے۔'' (الحج۔۶۲)

☆ ''اللہ تعالیٰ کے لئے دین مخلص کر کے عبادت کرو۔'' (غافر۔۱۴)

☆ ''ہم تو پہلے ہی اس (اللہ) کو پکارتے رہے بے شک وہی محسن اور مہربان ہے۔'' (الطّور۔۲۸)

اس آیت میں دعا بمعنی عبادت ہے جو ضمناً سوال وطلب حاجت کو بھی شامل ہے۔ یعنی جو لوگ خالص اللہ کی عبادت کرتے رہے، روز قیامت عذاب سے بچنے کے وہی مستحق ہوں گے۔ شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ دعا بمعنی عبادت کی پہچان کا فارمولا یہ ہے کہ ''جہاں بھی مشرکین اور بتوں کے درمیان لفظ دعا استعال ہو، وہ دعا بمعنی عبادت ہے جو ضمنی طور پر دعائے حاجت (سوال) کو بھی شامل ہے۔'' اس کی تین وجوہات ہیں:۔

(۱) مشرکین کا اعتراف ہے کہ ان کی پکار دراصل عبادت ہے۔ ''ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کر دیں۔'' (الزمر۔۳)

(۲) اللہ تعالیٰ نے ان کی پکار کو عبادت سے موسوم کیا ہے۔ (ا) ''ان سے پوچھا جائے گا کہ جن کی تم پرستش کرتے رہے، وہ کہاں ہیں؟ جو اللہ تعالیٰ کے سوا تھے، کیا وہ تمہاری مدد کرتے ہیں یا کوئی بدلہ لے سکتے ہیں؟'' (الشعراء۔۹۲،۹۳) (ب) ''تم اور جن کی تم عبادت کرتے رہے، سب جہنم کا ایندھن ہو، تم اسی جہنم میں جاؤ گے۔ (الانبیاء۔۹۸) (ج) ''جن کی تم عبادت کرتے ہو، میں ان کی عبادت نہیں کرتا۔'' (الکافرون۔۲)

(۳) مشرکین حالت آسودگی میں اپنے بتوں کو پکارتے تھے مگر تنگی اور سختی میں ان سب کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کو پکارتے تھے۔ علاوہ ازیں مشرک لوگ اپنے بتوں کی عبادت کے ساتھ ان سے حاجات وضروریات کا مطالبہ بھی کرتے تھے لہٰذا وہ اپنی دعائے عبادت اور دعائے حاجت دونوں میں شرک کا ارتکاب کرتے تھے۔(۱)

یہاں ایک بڑا اہم سوال وارد ہوتا ہے کہ جب مشرک اپنے بتوں کو پکاریں تو وہ ''پکار'' بمعنی عبادت ہوگی جو ضمناً سوال وغیرہ کو شامل ہے، یہاں کون سی علت یا راز ہے! بھلا سیدھا لفظ عبادت ہی استعال کر دیا جاتا؟ دراصل ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام بھی حقیقت وحکمت سے خالی نہیں۔ گو ہمیں اس کی حکمت معلوم ہو یا نہ ہو۔ یہ اجمالی (مختصر) سا جواب ہے اور تفصیلی جواب یہ ہے کہ بعض اوقات کسی امر کی حکمت معلوم بھی ہو جاتی ہے مگر پورے وثوق

---

(۱) [الفتاوی (۱۳/۱۵)]

سے کسی جگہ اپنی ''حکمت'' کو مراد لینا مناسب نہیں، لہٰذا ہم کچھ ایسے علماء کے اقوال پیش کرتے ہیں جنہوں نے دعا بمعنی عبادت کی ''حکمت'' بیان کی ہے۔

(۱) **شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن** دعا کو دین کا ستون قرار دینے کے بعد فرماتے ہیں ''ہر باطنی وظاہری عبادت حسب مطلوب، طلب اور سوال پر دلالت کرتی ہے اس لئے قرآن وسنت میں بکثرت عبادت کی جگہ لفظ دعا استعمال کیا گیا۔'' پھر بطور دلیل وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس میں عرفہ کی دعا کو سب سے افضل دعا کہا گیا ہے۔(۱)

(۲) **شیخ حسین بن مھدیؒ** ایک سوال (کیا غیر اللہ سے دعا کی طرح اسے سجدہ کرنے کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ نے کیا ہے؟) کا جواب دیتے ہیں ''جب دعا ہی عبادت یا عبادت کا مغز ہے تو سجدہ اس کے عموم میں شامل ہے ....۔''(۲)

(۳) یہ حکمت بھی بیان کی جاسکتی ہے کہ مشرکین کی عبادت زیادہ تر بتوں سے دعائیں، مطالبات، سفارشات اور مدد مانگنے پر مشتمل ہوتی ہے جیسا کہ آج بھی قبرستانوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ لہٰذا دعا ان کے نزدیک دوسری عبادات سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی جس کا بطلان بہ نسبت دوسری چیزوں کے زیادہ ضروری تھا، اسی لئے قرآن مجید میں غیر اللہ کو سجدہ کرنے، اس کے لئے نذر و نیاز، ذبح یا دوسری عبادات بجالانے سے ممانعت کی بہ نسبت اسے پکارنے کی ممانعت پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی ممانعت پر صرف ایک آیت صراحت کے ساتھ مذکور ہے:۔ ''اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دن، رات، سورج اور چاند ہیں۔ شمس وقمر کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس ذات کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے اگر تم اللہ کی عبادت کرنا چاہتے ہو۔'' (فصلت۔۳۷) جبکہ غیر اللہ سے دعا کرنے کی ممانعت پر بکثرت آیات موجود ہیں کیونکہ یہی گمراہی مشرکین میں زیادہ تر پائی جاتی ہے۔ مزید برآں دعا عبادت کی روح اور خلاصہ ہے جس میں عبادت کی دوسری اقسام بھی شامل ہیں۔

---

(۱) [تحفة الطالب (۹۸)]

(۲) [معارج الألباب (۱۸۷)]

(۳) ان آیات کا بیان جن میں دعا ''عبادت وحاجت'' دونوں کو شامل ہے۔

ان میں ایسی آیات شامل ہیں جن کی تفسیر میں اختلاف ہے یعنی بعض مفسرین نے یہاں دعا بمعنی عبادت اور بعض نے دعا بمعنی حاجت مراد لیا۔ مگر فی الحقیقت ان آیات میں دعا دونوں معانی پر مشتمل ہے لہٰذا اس میں اختلاف کی گنجائش ختم ہو جائے گی۔

☆ ''جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو میں قریب ہوں، پکارنے والی کی پکار کہ جب وہ پکارے، میں قبول کرتا ہوں۔ لہٰذا وہ (لوگ) میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لے آئیں۔'' (البقرۃ۔۱۸۶)
آیت مذکورہ میں دعا کے دونوں معنی کیئے گئے ہیں یعنی (۱) جب وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے نوازتا ہوں۔ (۲) جب وہ میری اطاعت (عبادت) کرے تو میں اسے اجر و ثواب سے نوازدوں گا۔ راجح یہی ہے کہ آیت مذکورہ میں دعا عام ہے جو دونوں معانی پر مشتمل ہے۔

☆ ''تمہارے رب نے کہا، مجھے پکارو، میں قبول کرتا ہوں۔ بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، وہ جہنم میں عنقریب ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔'' (المؤمن۔۶۰)

یہاں بھی دونوں تفسیریں کی گئی ہیں۔ (ا) دعا بمعنی عبادت ہے جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ ہے۔ ''دعا ہی عبادت ہے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے آیت مذکورہ تلاوت فرمائی'' لہٰذا یہاں نبی ﷺ نے ہی دعا بمعنی عبادت قرار دیا۔ نیز ''جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں۔'' اس جملے سے بھی تائید ہوتی ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں ﴿ادعونی.....﴾ یعنی نیک عمل کرو اور خوش ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ نیک عمل کرنے والے اہل ایمان کی بات مانیں گے اور انہیں اپنے فضل سے نوازیں گے۔ (ب) دعا بمعنی حاجت ہے جیسا کہ سدیؒ کا خیال ہے۔ سبکیؒ فرماتے ہیں ''یہاں دعا کو ظاہر پر محمول کیا جائے گا..... دعا عبادت سے خاص ہے لہٰذا جس نے عبادت سے تکبر کیا گویا اس نے دعا سے تکبر کیا اور کافر ہوا۔''

☆ ''آپ کہہ دیں کہ تمہارا رب تمہاری پرواہ نہیں کرے گا اگر تم اسے نہیں پکارو گے۔'' یعنی اس سے دعا مانگنا چھوڑ دو گے یا اس کی عبادت کرنا یا ایمان لانا گوارا نہیں کرو گے اور اس کے تینوں معنی ہی مفسرین سے منقول ہیں۔ (۱)

☆ ''اللہ کو پکارنا ہی حق ہے۔ جو لوگ اس کے سوا غیروں کو پکارتے ہیں، وہ ان (کی پکار) کا کچھ جواب نہیں

(۱) [تفسیر البغوی (۳۷۹/۳) ابن جریر (۵۵/۱۹)]

دیتے مگر جیسے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو کہ اس کے منہ میں پڑ جائے حالانکہ وہ پانی اس کے منہ میں پہنچنے والا نہیں، ان منکروں کی تمام پکار گمراہی میں ہے۔'' (الرعد۔۱۴) ''اللہ کو پکارنا ہی حق ہے۔'' اس کی تفسیر توحید اور کلمہ شہادت سے کی گئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادۃ وغیرہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ پکار ہے جو غیر اللہ کے لئے کسی طرح بھی روا نہیں۔[1] لہٰذا اس پکار سے مراد عبادت ہے اور عبادات میں سب سے اہم توحید ہے۔ نیز اس پکار کی تفسیر سوال کرنے اور مانگنے سے بھی کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی فریاد رسی کرنے والا نہیں لہٰذا آیت مذکورہ دعائے حاجت میں نص ہے[2]۔ البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے سلف مفسرین کی تفسیر دعائے عبادت پر دلالت کرتی ہے۔

☆ ''اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں۔ ان کے ساتھ اسے پکارو۔'' یہاں دعا دونوں معانی کو شامل ہے۔ دعائے حاجت کے لئے داعی اپنی حاجت کی مناسبت سے اسمائے حسنیٰ کے واسطے سے سوال کرے جیسے اے غفار (بخشنہار) مجھے بخش دے، اور دعا عبادت میں اللہ تعالیٰ کے اسماء کے معانی ذہن نشین رکھے تاکہ ان کی مناسبت سے دل میں اللہ کی عظمت وقدرت یا محبت پیدا ہو اور یہی کیفیت توحید خالص اور ایمان کامل کے حصول کی بنیادی اکائی ہے۔[3] جس حدیث نبوی ﷺ میں یہ مذکور ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، جس نے انہیں یاد کیا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔''[4] اس کی بھی دونوں طرح وضاحت کی گئی ہے یعنی اللہ کے اسمائے حسنیٰ کے وسیلے سے سوال کرنا یا ان اسماء کے معنی ومفہوم کو دل میں اجاگر کر کے اللہ کی عبادت کرنا مثلاً یا رحمٰن، یا رحیم سے اللہ کی رحمت کا اعتقاد رکھنا اور اس کی بخشش سے ناامید نہ ہونا۔ اسی طرح سمیع وبصیر سے یہ اعتقاد رکھنا کہ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ....وغیرہ شامل ہیں۔(٥)

(١) [تفسیر طبری (١٢٨/١٣)]

(٢) [القول الفصل (٧٨)]

(٣) [مدارج السالکین (٤١٨/١)]

(٤) [بخاری (٢٧٣٦) مسلم (٢٦٧٧)]

(٥) [الفتح (٢٢٥/١١)]

مذکورہ دونوں قسموں میں سے افضل کون سی ہے:۔

چونکہ مومن ہر وقت افضل درجات کے حصول کے لئے کوشاں رہتا ہے، اس لئے اس کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ ان دونوں قسموں میں سے افضل کون سی قسم ہے؟ تاکہ وہ افضل کو ترجیح دے۔ اہل علم سے اس کے تین طرح جواب منقول ہیں۔

(۱) دعائے عبادت افضل ہے۔ (۲) دعائے حاجت افضل ہے۔

(۳) حسب حال افضلیت بدلتی رہتی ہے۔

پہلے فریق کے دلائل:۔ (۱) حدیث نبوی ﷺ ہے ''قرآن کے بعد چار کلام افضل ہیں اور وہ بھی قرآن سے ماخوذ ہیں یعنی سبحان اللہ، والحمد للہ، ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔'' (۱)

(۲) نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا کلام سب سے افضل ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کلام جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لئے منتخب فرمایا۔(۲)

(۳) دعائے عبادت اللہ کا حق اور وصف ہے جبکہ دعائے حاجت بندے کا حصہ اور مصلحت کا تقاضہ ہے لہٰذا ہر چیز اپنے متعلق کی نسبت سے فضیلت حاصل کرتی ہے۔

(۴) دعائے عبادت صرف مخلص ہی بجالاتا ہے جبکہ دعائے سوال مخلص وغیر مخلص ہر کوئی کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے ارض وسما کی ہر چیز سوال کرتی ہے اور کفار بھی اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں۔

(۵) دعائے عبادت اللہ تعالیٰ کے انعامات کے شکر کے لئے ہے جب کہ دعائے حاجت سے اللہ تعالیٰ سے توفیق وغیرہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے لہٰذا دعائے عبادت افضل ہے کیونکہ اس میں شکر بجالانے کی وجہ سے توفیق بھی حاصل ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیث قدسی ہے۔ ''جس بندے کو میرے ذکر نے اس کی مراد طلب کرنے سے مشغول رکھا، میں اسے مانگنے والوں سے بڑھ کر عطا کرتا ہوں۔'' (۳)

(۶) انسانی تخلیق کا مقصد اور غرض وغایت عبادت الٰہی ہے جبکہ سوال اس مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہے لہٰذا مقصد ذرائع سے اہم ہوتا ہے۔

---

(۱) [مسلم (۲۱۳۷) احمد (۲۰/۵)]

(۲) [مسلم (۲۷۳۱)]

(۳) [(مرسل) مسند شهاب (۸۸۹) الحلية (۳۱۳/۷) الضعيفة (۵۰۹/٤) التمهيد (٤٤/٦) ترمذی (۲۹۲٦) دارمی (۱۳۵۹) مصنف ابن ابی شیبه (۲۳۷/۱۰)]

اس کے علاوہ بھی بہت سی دلیلیں موجود ہیں۔

دوسرے فریق کے دلائل:۔ (۱) حدیث نبوی ﷺ ہے: ''دعا ہی عبادت ہے۔'' وجہ استدلال آگے پیش کی جائے گی۔ (۲) نبی کریم ﷺ نے دعا کو عبادت کا مغز قرار دیا ہے کیونکہ دعا مانگنے والا ان عبادتوں میں خضوع وخشوع کا سوال کرتا ہے جن میں اس سے غفلت اور سہو ہوتی ہے۔ (۳) دعا میں بندے کی انتہائی عاجزی اور رب تعالیٰ کی عظمت پائی جاتی ہے۔ (۴) ہر دعا مانگنے والا تو عابد بھی کہلاتا ہے جبکہ ہر عابد داعی نہیں کہلاتا۔ یہ چند ایک مشہور دلائل ہیں جنہیں امام زبیدی نے بھی ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ درج ذیل حدیثیں بھی ان کے دلائل میں شمار ہو سکتی ہیں۔

(۱) ''دعا سے بڑھ کر کوئی چیز بھی اللہ کے ہاں معزز نہیں۔''[1] (۲) ''سب سے افضل عبادت دعا ہے۔''[2] (۳) آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ سب سے افضل عبادت کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کا اپنے لئے دعا کرنا۔''[3] (۴) اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں اور سب سے افضل عبادت کشادگی کا انتظار ہے۔[4]

فریق ثانی کے دلائل کا مناقشہ:۔ ''دعا ہی عبادت ہے'' اس حدیث میں صرف دعا کو عبادت کے لئے خاص کیا گیا ہے جس کی چند ایک وجوہات درج ذیل ہیں:

(۱) دعا (مبتدا) اور عبادت (خبر) دونوں معرفہ ہیں۔ (۲) ضمیر منفصل ہے۔

(۳) جملہ اسمیہ استمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے۔

علماء نے کچھ مزید وجوہات بھی بیان کی ہیں۔

(1) جیسا کہ امام خطابیؒ نے بیان کیا اور بعد والے علما بھی انہی کے نقش قدم پر گامزن ہوئے ہیں۔ ''دعا عبادت کا بہت بڑا یا سب سے فضیلت والا حصہ ہے جس طرح اہل عرب کہتے ہیں ''لوگ تو بنو تمیم والے ہی ہیں، مال تو صرف اونٹ ہیں'' اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ بنو تمیم والے سب لوگوں سے افضل یا اکثر وغیرہ ہیں اور سب سے بہترین مال اونٹ ہیں جس طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''حج تو عرفہ ہے۔'' آپ ﷺ کی مراد یہ ہے

---

(۱) [احمد (۲/۳٦۲) ترمذی (۳۳۷۰) ابن ماجة (۳۸۲۹) حاکم (۱/٤۹۰) الادب المفرد (۳۔ ۷۱۲) (حسن)]

(۲) [حاکم (۱/٤۹۱) السلسلة الصحيحة (٤/١٠٦)]

(۳) [حاکم (۱/٥٤۳) الادب المفرد (۷۱٥)]

(٤) [ترمذی (۳٥۷۱) البزار (٤/۳۲) السلسلة الضعيفة (۱/٤۹۹) شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔]

کہ حج کا بڑا حصہ عرفہ میں وقوف ہے کیونکہ جب حاجی نے ''عرفہ'' کو پالیا تو اسے حج فوت ہونے کا اندیشہ نہ رہا اور اس طرح بے شمار مثالیں لغت عرب میں موجود ہیں۔(۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس توجیہہ کی تائید کرتی ہے کہ ''دعا عبادت کا مغز ہے۔اور مغز کسی چیز کا لب لبادہ ہوتا ہے دعا کو مغز کے ساتھ خاص اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب جانوروں کے اعضا کا مغز ہی قوت وتوانائی مہیا کر کے انہیں زندہ رکھتا ہے تو دعا کو مغز سے مشابہت دے دی کہ یہ بھی اسی خاصیت کی حامل ہے کیونکہ دعا (اللہ کے لئے) ایسے قلبی حضور پر مشتمل ہے جو کسی اور چیز میں نہیں پایا جاتا اور دعا کے ذریعے یہ قلبی حضور مزید دو چند ہوتا ہے۔(۲) صرف دعا کو عبادت قرار دینا ایک اضافی تقیید ہے حقیقی نہیں کہ گویا دوسری عبادات اپنے عام کمال کی وجہ سے عبادت نہیں۔ وہ تو انتہائی عاجزی کا دوسرا نام ہیں۔تو تمام عبادات میں سے دعا ہی ایسی ممتاز خاصیت کی حامل ہے۔ اس لئے مذکورہ حدیث سے دعا کو دوسری عبادات پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

(2) عبادت سے مقصود حصول ثواب ہے اور یہی مقصد دعا میں موجود ہے۔(۳) اس لئے دعا اور عبادت ہر ایک میں طلب پائی جاتی ہے۔دعائے حاجت والا حصول نفع اور دفاع ضرر کا طالب ہوتا ہے اور عبادت گزار بھی حصول ثواب اور دفاع عذاب کا طالب ہوتا ہے تو دونوں کی مراد ایک ہی ہے۔اس کی مزید وضاحت گزر چکی ہے۔اس توجیہہ میں دعا کا حصر حقیقی ہے لہٰذا تمام عبادات درحقیقت دعا ہی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی اور عذاب سے بچاؤ کا سوال کیا جاتا ہے۔

(3) مذکورہ حدیث میں عبادت لغوی معنی پر مشتمل ہے یعنی عاجزی اور خشوع وخضوع۔تو حدیث (دعا ہی عبادت ہے) کا مفہوم یہ ہوا کہ دعا اللہ تعالیٰ سے حاجتیں پوری کروانے اور اپنی عاجزی ولاچاری پیش کرنے کا نام ہے اور عبادات اسی لئے بجالائی جاتی ہے کہ باری تعالیٰ کے لئے عاجزی ومسکینی کا اظہار کیا جائے۔(۴)

(4) دعا عبادت ہے خواہ قبول ہو یا نہ ہو کیونکہ بندے کا اپنی عاجزی اور محتاجی کو ظاہر کرنا اور یہ اعتراف کرنا کہ اللہ تعالیٰ مراد پوری کرنے پر قادر ہیں، سخی ہیں، بخیل نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ فقیر محتاج ہے کہ اشیاء کو اپنے پاس

(۱) [شان الدعا للخطابی (ص ٥) فتح الباری (٩٤/١١) تفسیر رازی (١٠٦/٥)]

(۲) [اتحاف السادة (٤/٥)]

(۳) [النهاية لابن الاثير (٣٠٥/٤)]

(٤) [فتح الباری (٩٥/١١)]

ذخیرہ کرلے اور اپنے بندوں کو محروم رکھے اور یہ چیز ہی عبادت ہے بلکہ عبادت کا مغز ہے۔(۱)

(5) دعا دراصل اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت ہے کہ ''تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار سنوں گا۔'' لہٰذا انسان کو حکم دیا گیا اور جس چیز کا حکم ہوا ہے، وہی عبادت ہے۔ اسی لئے نبی ﷺ نے (حدیث کے بعد) اس آیت ﴿ادعونی استجب لکم﴾ کی تلاوت فرمائی:

اصل علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ باقی ظاہر یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ حدیث کی تاویل کی کوئی ضرورت نہیں جیسا کہ شروع میں ذکر کیا گیا ہے کہ لغوی اور شرعی طور پر دعا کا اطلاق عبادت پر ہوتا ہے اور دعائے حاجت ضمناً دعائے عبادت میں شامل ہوتی ہے اور عبادت بھی طلب وسوال کو لازم ہوتی ہے۔ جب ''شارع''(۲) نے شافی معنی بیان کر دیا ہے تو اس کی کوئی اور وضاحت کی ضرورت نہیں اور ہم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ قرآن میں دعا کا عبادت پر اور عبادت کا دعا پر اطلاق موجود ہے اور نبی کریم ﷺ نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ ''دعا ہی عبادت ہے۔'' اور یہ ایسی وضاحت ہے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے: ''ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے وضاحت سے بیان کریں جو کچھ ان لوگوں کی طرف نازل ہوا ہے۔''

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں(۳) کہ نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید کی مختلف صورتوں میں لوگوں کے سامنے وضاحت فرمائی ہے جن میں سے ایک صورت یہ ''قرآن کی ضروری تفسیر وتفاہیم'' پھر امام موصوفؒ نے اس قسم میں کئی مثالیں ذکر فرمائی ہیں جن میں سے ایک مثال ہمارے موضوع سے متعلق ہے ''جس طرح آپ ﷺ نے دعا کی تفسیر عبادت کے ساتھ فرمائی اور وہ ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے ''تمہارے رب نے کہا کہ مجھے پکارو، میں تمہاری پکار سنتا ہوں۔''

حاصل کلام یہ ہے کہ مذکورہ حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ دعائے حاجت سب سے افضل ہے کیونکہ اس میں کئی دوسرے احتمال بھی پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ باقی (چار) توجیہات سے استدلال لایعنی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ جب کسی چیز میں احتمال ہو تو اس سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ اب ہم مذکورہ دلائل کی تنقید کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:۔

(۱) ''دعا ہی عبادت ہے'' اس حدیث سے یہ استدلال (کہ صرف دعا ہی اصل اور افضل عبادت ہے) ممکن نہیں کیونکہ اس حدیث کے مفہوم بیان کئے گئے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دعا اور عبادت مترادف ہیں لہٰذا استدلال درست نہیں۔

---

(۱) [تحفة الاحوذی (۳۱۲/۹) النهاية (۳۰۵/٤) عون المعبود (۳۵۳/٤)]

(۲) [''شارع'' شریعت بنانے والا یعنی اللہ تعالیٰ جو شریعت بنا کر بھیجتے ہیں اور رسول اسے لوگوں کے لئے نافذ العمل بناتے ہیں۔]

(۳) [اعلام الموقعین (۲۹۵/۲۔ ۲۹٦)]

(۲) یہ حدیث دوسری صریح احادیث سے ٹکراتی ہے جن میں اذکار کی افضیلت بیان کی گئی ہے مثلاً: قرآن کے بعد سب سے افضل کلمات چار ہیں، سبحان اللہ، والحمدللہ........اسی طرح جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے افضل کلام کون سا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ کلام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لئے چن لیا ہے۔''

ان احادیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو دعائے عبادت کو افضل قرار دیتے ہیں البتہ دعا کی جو امتیازی خصوصیات ذکر ہوئی ہیں کہ اس سے قلبی لگاؤ عاجزی وانکساری حاصل ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امتیازی فضائل وخصوصیات سے کوئی چیز مطلقاً افضل نہیں بن جایا کرتی جیسا کہ اہل علم فرماتے ہیں[1] کہ مختلف صحابہ کے مختلف فضائل ومناقب بیان ہوئے ہیں مثلاً ''اس امت کا امین ابوعبیدہؓ ہے۔''[2] اب امانت کی خصوصیت کے ساتھ یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ ابوعبیدہؓ خلفاء راشدین سے افضل تھے۔ اسی سے گذشتہ بحث سمجھی جاسکتی ہے۔

(۳) جو شخص یہ دعوی کرے کہ دعا کا اطلاق عبادت پر یا اس کے برعکس درست نہیں تو درحقیقت اس کا دعوی ہی باطل ہے۔ اس پر تفصیلی وضاحت ہم کر چکے ہیں۔

(۴) ''کوئی چیز دعا سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو عزیز نہیں'' اس حدیث کو اگر صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ ایک امتیازی وصف وخصوصیت ہے۔ کلی قاعدہ نہیں۔

بعض اہل علم نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ[3] تمام قولی عبادات میں سے دعا افضل ہے مگر بدنی عبادات میں نماز کی اہمیت وفضیلت مسلم ہے۔ ابھی ایک اعتراض باقی ہے کہ ''سب سے افضل ذکر ''لا الٰہ الا اللہ'' ہے'' اور ''سب سے پسندیدہ ذکر ''سبحان اللہ'' ہے۔'' اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سب سے جلدی قبول ہو کر فوری تاثیر دکھانے والا یہ کلمہ شہادت ہے لہٰذا یہ اس کلمے کی امتیازی خصوصیت ہے، عمومی نہیں۔ یہ تمام جوابات صرف اس پہلی حدیث پر مشتمل تھے جو فریق ثانی کے دلائل میں شامل ہے البتہ ان کے دلائل کی باقی تین احادیث کے یہ دو جواب دیئے جاسکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ وہاں دعا سے مراد عبادت ہے اور دوسرا یہ کہ وہاں بھی دعا کی امتیازی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں جو اجتماعی خصوصیات پر اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔

<u>راجح مسئلہ:۔</u> مختلف پہلوؤں سے دعا کی فضیلت بھی مختلف ہو جاتی ہے اور اگر صرف ایک پہلو سے دیکھا

---

(۱) [منهاج السنة (٦٠٧/٤) فتح البارى (١٠٨/٧)]

(۲) [بخارى (٣٧٤٤) مسلم (٢٤١٩)]

(۳) [حاشيه سندهى بر ابن ماجة (٤٢٩/٢)]

جائے تو دعائے عبادت ہی افضل ٹھہرے۔ وہ دعا جو حمد وثنا پر مشتمل ہو تو وہ طلب وسوال والی دعا پر افضل ہے لیکن بسا اوقات مختلف احوال کی وجہ سے اس کے برعکس طلب وسوال والی دعا بھی افضل ہو جایا کرتی ہے۔(۱)

ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ ذکر دعا سے افضل ہے۔ جب انہیں الگ الگ دیکھا جائے۔ تلاوت قرآن ذکر سے افضل ہے اور ذکر دعا سے افضل ہے۔ بسا اوقات اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے جیسے رکوع وسجود میں تلاوت منع ہے۔ اسی طرح تسبیح وتحمید، تشہد اور ذکر واذکار جو نماز سے سلام پھیر کر کئے جاتے ہیں، تلاوت سے افضل ہیں۔ اس طرح مخصوص اوقات کے اذکار مطلق تلاوت سے افضل ہیں جبکہ مطلق تلاوت مطلق اذکار پر فضیلت رکھتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات انسان کو ایسی ضرورت اور حاجت درپیش ہوتی ہے کہ وہ تلاوت اور ذکر واذکار میں یکسوئی حاصل نہیں کر پاتا اور اگر وہ اپنی حاجت کے لئے دعا کرے تو یقیناً پوری دلجمعی سے دعا کرے گا تو ایسی حالت میں دعا مانگنا ہی نفع مند ہے۔(۲) لہٰذا افضلیت کا دارومدار مختلف اوقات وحالات پر منحصر ہوتا ہے۔(۳) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ''اختلاف احوال سے اختلاف فضائل'' پر بحث کرنے کے بعد فرمایا کہ مطلق طور پر افضلیت کی کئی صورتیں ہیں :

(۱) عبادت کی جنس کے حوالے سے تو جنس نماز جنس تلاوت پر، جنس تلاوت جنس اذکار پر اور جنس اذکار جنس دعا پر افضل ومقدم ہے۔

(۲) کبھی یہ فضیلت اختلاف اوقات کی وجہ سے مختلف ہو جاتی ہے۔ جس طرح تلاوت اور ذکر ودعا فجر اور عصر کے بعد جائز ہے مگر نماز جائز نہیں۔

(۳) انسان کے ظاہری اعمال بھی افضلیت پر اثر انداز ہو سکتے ہیں جس طرح رکوع وسجود میں اذکار اور دعا تو جائز ہے مگر تلاوت قرآن میں اختلاف ہے۔

(۴) جگہ بدلنے سے فضیلت میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے جس طرح عرفہ، مزدلفہ، صفا ومروہ اور بوقت رمی دعا اور اذکار درست ہیں مگر نماز وغیرہ جائز نہیں اسی طرح آنے والے حاجی پر بیت اللہ کا طواف بجائے نماز کے افضل ہے مگر مقیم اہل مکہ کے لئے نماز پڑھنا افضل ہے۔

(۵) کبھی یہ فضیلت بندے کی قدرت واستطاعت کی وجہ سے متاثر ہوتی ہے یعنی اگر انسان کسی عبادت پر اچھی

---

(۱) [الفتاوی (۱۰/۱۳۱)]

(۲) [الوابل الصیب (۱۸۲) مدارج السالکین (۱/۸۸) زاد المعاد (۱/۲۰۶) زرقانی شرح موطا (۲/۳۲)]

(۳) [مدارج السالکین (۱/۸۹)]

طرح استطاعت رکھتا ہے تو اس عبادت کو بجالانا اس عبادت کی بہ نسبت افضل ہے جس پر انسان استطاعت نہیں رکھتا اگر چہ وہ زیادہ فضیلت والی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ مسئلہ ہے جس میں لوگوں نے خاصا اختلاف کیا ہے اور اپنی استطاعت والی عبادت کو مطلقا دوسری عبادات پر فضیلت دینے کی کوشش کی حالانکہ نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو بقدر استطاعت عبادات بجالانے کی ترغیب دی۔ لہٰذا لوگوں کی خیر خواہی کرتے ہوئے ان چیزوں کو افضل اور مقدم رکھنا چاہئے جوان کی صلاحیتوں پر گراں نہ ہو۔ اس سے واضح ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کے لئے نفلی علم افضل ہے جبکہ بعض کے لئے نفلی جہاد افضل ہے اور بعض کے لئے بدنی عبادات مثلاً نماز، روزہ افضل ہیں۔ اور بالعموم سب سے افضل عمل وہ ہوگا جو ظاہری و باطنی طور پر اللہ کے رسول ﷺ سے مشابہت وقربت رکھتا ہو کیونکہ سب سے بہترین کلام اللہ کا کلام ہے اور سب سے بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔[1] لہٰذا حاصل کلام یہ ہے کہ افضلیت بحسب حال مختلف ہے۔ ایک ہی شخص کے لئے کسی وقت ایک کام افضل ہوتا ہے جبکہ کسی وقت دوسرا کام افضل ہوتا ہے اور اس کا اندازہ مختلف حالات سے لگایا جاسکتا ہے البتہ اس بات کا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں کہ ہر ایک کے لئے کون سا کام افضل ہے الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی شامل حال ہو اور اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کسی کام کی توفیق دے کر اس کی تصدیق فرما دیتے ہیں۔[2] یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ جس طرح مختلف اجناس میں فضیلتوں کا اختلاف ہے، اسی طرح ہر جنس میں قلبی ایمان، محبت، تعظیم وتکریم، رضائے الٰہی، ریا کاری سے بچاؤ بھی اثر انداز ہوتے ہیں، اس لئے جس قدر اعمال میں خلوص وللّٰہیت ہوگی اسی قدر اعمال میں فضیلت بخشی جائے گی۔[3]

***

---

(۱) [الفتاوی (۱۰/۹-۴۲۷) الصارم المتکی (۱۳٤) قاعدة التوسل (۳٦)]

(۲) [الفتاوی (۲۲/۳۰۹)]

(۳) [المنار المنیف (ص۳۳) سیر أعلام النبلا (۱۱/٤۲۰)]

مبحث ثانی

صیغوں اور متعلقات کی حیثیت سے دُعا کی اقسام

صیغوں کے حساب سے دعا کی اقسام

صیغے کے اعتبار سے دعا کی دو قسمیں ہیں، طلبیہ اور خبریہ۔ طلبیہ میں کسی چیز کا مطالبہ کیا جاتا ہے (جبکہ خبریہ میں کوئی خبر دی جاتی ہے) جیسا کہ ہم تعریف میں بتا چکے ہیں کہ دعا میں خاص طلب پائی جاتی ہے یعنی ایک ادنیٰ انتہائی عاجزی سے کسی اعلیٰ سے مطالبہ کرے۔ طلبیہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔(۱)

(۱) کسی چیز کے وقوع کا مطالبہ کرنا، اس کے لئے اِفْعَلْ (صیغہ امر) استعمال کیا جاتا ہے مثلاً ﴿ربنا فاغفر لنا ذنوبنا وکفر عنا سیّأتنا﴾ (آل عمران۔۱۹۳) اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری خطائیں معاف فرما دے۔

(۲) کسی چیز کے عدم وقوع (نفی) کا مطالبہ کرنا اس کے لئے لَا تَفْعَلْ (فعل نہی) جیسے صیغے استعمال ہوتے ہیں مثلاً ﴿رب لا تذرنی فردا وأنت خیر الوارثین﴾ ''یارب! مجھے تنہا نہ چھوڑ بلکہ تو بہترین وارث ہے۔'' ایک مثال میں یہ دونوں قسمیں جمع ہیں: ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً﴾ (آل عمران۔۸) یارب! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اب ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا اور ہمیں اپنی جناب سے ''رحمت'' عطا فرما۔

خبریہ میں بھی طلب پائی جاتی ہے مثلاً جب کہا جائے ''السلام علیکم، تم پر سلامتی ہو۔'' یعنی سلامتی کی درخواست اللہ تعالیٰ سے کی جارہی ہے کہ اللہ کرے تم سلامت رہو۔ سلامتی حاصل تو نہیں ہوئی مگر اس کے حصول کے لئے سلام کی دعا (السلام علیکم) دی جارہی ہے۔[۲] اس لئے خبریہ اور طلبیہ کے مابین نسبت تلازم موجود ہے۔(۳)

خبریہ کی تین قسمیں ہیں۔(٤)

(۱) دعا کسی ایک یا کئی ایک خبریہ جملوں پر مشتمل ہو جو داعی کی عاجزی، مسکینی، لاچاری اور مجبوری کو واضح کریں مثلاً موسیٰ نے کہا ''یارب! جو بھلائی تو نے میری طرف اتاری ہے، میں اس کا محتاج ہوں۔'' (القصص۔۲۴)

حضرت موسیٰ نے اپنے نفس کو فقیری کے ساتھ اس لئے متصف کیا کہ بالمقابل نزول خیر ہے جس کا مطالبہ مقصود ہے۔

---

(۱) [اتحاف السادة (۲۷/۵)]

(۲) [بدائع الفوائد (۱۳۹/۲)]

(۳) [الفتاوی الکبری (۱۸٤/۵)]

(٤) [الفتاوی (۲٤٤/۱۰) ابن کثیر (۲٦/۱)]

اس میں صرف اشارہ خیر پایا جاتا ہے اس لئے یہ بہترین ادب پر مشتمل ہے۔

(۲) دعا کسی ایسے جملہ خبریہ پر مشتمل ہو جو مسؤول (اللہ تعالیٰ) کی تعریف و توصیف بیان کرے۔ اس پر کلام گذر چکا ہے۔

(۳) دعا کسی ایسے جملہ خبریہ پر مشتمل ہو جو سائل اور مسئوول کی حالت کو واضح کرے۔ اس میں گذشتہ دونوں قسمیں بھی شامل ہو جائیں گی جس طرح حضرت یونسؑ نے کہا ﴿لا الٰہ الّا انت سبحانک انّی کنت من الظّالمین﴾ (الانبیاء۔۸۷) ''یا اللہ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو پاک ہے۔ بلاشبہ میں ہی ظلم کرنے والا تھا۔''

کون سا صیغہ زیادہ مناسب ہے؟ مذکورہ اقسام میں سے ہر قسم کی اپنی ایک خاصیت ہے۔[1] جو دوسری قسم میں نہیں۔ اسی طرح کسی سائل کے لئے ایک قسم زیادہ مناسب ہوتی ہے جبکہ کسی دوسرے کے لئے دوسری قسم زیادہ مناسب ہوتی ہے لہٰذا خوب عرق ریزی کرنا پڑے گی کہ کس حالت میں کون سی قسم زیادہ مناسب ہے مثلاً یونسؑ کی مذکورہ دعا میں مسؤول (جس سے دعا مانگی جائے یعنی اللہ تعالیٰ) کی الوھیت، تعظیم و تکریم جبکہ سائل کا اعتراف گناہ پیش کیا گیا ہے اور صراحت کے ساتھ کوئی مطالبہ نہیں کیا گیا بلکہ اپنا ظلم پیش کر کے اپنی تکلیف کا اظہار کیا گیا ہے تاکہ اعتراف ظلم کی وجہ سے مقصود حاصل ہو سکے اور یہ صورت دوسری قسم کے مقابلے میں نہایت بلیغ و وقیع اور آداب حسنہ سے مزین ہے۔ جس طرح کوئی انسان اپنے معزز اور محبوب سے یوں کہے کہ میں بھوکا ہوں، میں مریض ہوں تو اس میں (روٹی اور دوا کا) حسن ادب سے سوال کیا گیا ہے اور اپنی عاجزی اور فقیری کا اعتراف بھی کر لیا گیا ہے۔ اگر یوں کہا جائے، مجھے کھانا کھلا دو، مجھے دوا دو وغیرہ تو اس میں سوال بالکل وضاحت سے مذکور ہوا ہے جس میں قصد و ارادے کے ساتھ مطالبات کا ذکر ہوا ہے کیونکہ یہ (قسم طلبیہ) اپنے مقصود سے مطابقت تامہ رکھتی ہے اگرچہ اس میں سائل اور مسئوول کی حالت و صفت مفقود ہے۔[2] مطلق طور پر زیادہ کامل وہ دعا ہے جس میں دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھا جائے یعنی سائل اور مسئوول کی حالت اور سوال کی صراحت۔[3]

ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ وہ دعا جس کے شروع میں حمد و ثنا کا اضافہ کیا جائے، سادہ دعا سے افضل اور لائق قبولیت ہے اور اگر اس کے ساتھ سائل اپنی عاجزی و مسکینی کو بھی شامل کر لے تو اور زیادہ وقیع ثابت ہو کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف، بندے کی ذلت و مسکنت اور سوال کی صراحت، تمام چیزوں کا اشتراک موجود ہے۔ جس طرح

---

(۱) [الفتاوی (۱۰/۲٤۷)]

(۲) [الفتاوی (۱۰/۲٤٦)]

(۳) [ایضا، جلاء الافہام (۷۹)]

کوئی سائل کسی ایسے آدمی کی طرف اپنی عاجزی، لاچاری اور مسکینی کا اظہار کرے جو اپنے کرم وجود وسخاوت میں معروف ہو اور سائل اس کی خوب کاسہ لیسی اور چاپلوسی کرے تو اس کی ضرورت کا پورا ہونا یقینی ہے چہ جائیکہ سائل آتے ہی مانگنا شروع کر دے۔[1] (اللہ کے لئے تو اعلیٰ مثال ہے) نبی کریم ﷺ کی دعا میں یہ تمام چیزیں جمع ہوتی تھیں۔ اس لئے سائل کو نبوی ﷺ دعاؤں کا سہارا لینا چاہئے کہ آپ ﷺ کو جوامع کلمات سے نوازا گیا تھا۔ مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے کوئی ایسی دعا سکھلا دیں جو میں نماز میں مانگا کروں تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ دعا پڑھا کر ﴿اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا ......﴾ ''یا اللہ! میں نے اپنی جان پر بڑے ظلم کئے ہیں۔ صرف تو ہی گناہوں کو بخشنے والا ہے۔ تو میرے گناہوں پر اپنی معافی کا خط کھینچ دے اور مجھ پر رحم فرما۔ بلاشبہ تو ہی سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔''[2] اس دعا میں نبی کریم ﷺ نے سائل کی حالت بیان کی کہ میں ظالم ہوں اور مسئول (اللہ) کی صفت بیان کی کہ صرف تو ہی بخشنہار ہے۔ پھر بخشش و رحمت کا مطالبہ کیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ''اس میں بندے کی وہ حالت بیان کی گئی ہے جو بخشش کی طالب ہے اور اللہ تعالیٰ کی یہ حالت بیان ہوئی ہے کہ تیرے سوا بخشنہار کوئی نہیں۔ پھر سائل کا اپنے مطالبے میں سوال بھی صراحت کے ساتھ ہے نیز اس میں قبولیت کے متقاضی کی طرف بھی اشارہ موجود ہے اور وہ یہ ہے رب کریم کو بخشش و رحمت کیساتھ متصف کیا گیا ہے لہٰذا یہ اور اس سے ملتی جلتی دعائیں اعلیٰ درجہ کی طلب کی اقسام میں شامل ہیں۔[3]

متعلقات کے حساب سے دعا کی اقسام

اس کی تین قسمیں ہیں:۔

(۱) سائل کے اعتبار سے　(۲) مسئول اور مطلوب کے اعتبار سے　(۳) مطلوبہ چیز کے اعتبار سے۔

(1) سائل کے اعتبار سے دعا کی قسمیں:۔ ہم بتا چکے ہیں کہ دعا کی دو بنیادی قسمیں ہیں۔ دعائے سوال (حاجت) اور دعائے عبادت۔ سائل یا تو دونوں پر عمل کرتا ہے یا کسی ایک پر عمل کرتا ہے یا دونوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسموں کو بے شمار مقامات پر بیان کیا ہے۔[4] جن میں سے ایک اصل عبادت ہے جبکہ دوسری

---

(۱) [الوابل الصیب (۱۸۵)]

(۲) [بخاری (۷۳٤) مسلم (۲۷۰۵)]

(۳) [الفتاوی (۲٤۷/۱۰)]

(٤) [منهاج السنة (۳۹٤/۵)]

اس عبادت کا ذریعہ وسبب ہے مثلا:۔

(۱) ﴿ایاک نعبد وایاک نستعین﴾ (الفاتحہ۔۴)''ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔''(۲) حضرت شعیبؑ نے کہا''اللہ تعالیٰ ہی کی مجھے توفیق حاصل ہے۔اسی پر میں توکل کرتا ہوں اور اس کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔''(ھود۔۸۸)(۳) حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں نے کہا''یارب! ہم تجھ پر بھروسہ کرتے ہیں، تیری طرف رجوع کرتے ہیں اور تیرے پاس ہی لوٹ کر آنے والے ہیں۔''(الممتحنہ۔۴)(۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول ﷺ کو حکم دیا''آپ کہہ دیں کہ میرا رب وہی (اللہ) ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔اسی پر میں توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔''(الرعد۔۳۰)(۵) ''اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ رکھیں۔''(ھود۔۱۲۳)(۶) ''اس پر توکل کریں جو زندہ ہے اور مرنے والا نہیں اور اسی کی تحمید وتسبیح بیان کریں۔''(الفرقان۔۵۸)

(۷) وہ مشرق ومغرب کا رب ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا اسی کو اپنا سازگار بنالیں۔''(المزمل۔۹)

موجودہ دونوں دعاؤں میں سے دعائے حاجت کی طرف انسان زیادہ راغب ہوتا ہے کیونکہ ضروریات کا مطالبہ بشری تقاضہ ولازمہ ہے۔ پھر ان ضروریات کے فوری حل کا بھی انسان کو لالچ ہے اسی لئے الوھیت کے مقابلے میں ربوبیت پہلے پیش کی گئی جیسا کہ انبیاء کی تبلیغ سے، اور لوگوں کے بوقت مصیبت اخلاص سے واضح ہے۔[1] یہ دونوں قسمیں انسان کے لئے لازم وملزوم ہیں کیونکہ انسان حساس اور متحرک بالارادہ ہے بلکہ ہر زندہ حس وحرکت کے لئے ارادے کا تابع ہے اور ارادے کے ساتھ کسی بھی امر اختیاری میں مطلوب پیش نظر ہوتا ہے جبکہ حصول مطلوب مختلف ذرائع واسباب سے متعلق ہوتا ہے۔ ہر سائل (مرید) کے سامنے کوئی مدعو اور مسئول ہونا ضروری ہے جس سے مطالبہ پورا کروایا جاسکے۔ جب مدعو کی ذات کا مطالبہ کیا جائے تو لازم ہے کہ داعی وسائل اس کے لئے اپنے آپ کو پیچ کرے، اس سے بہت زیادہ محبت کرے، اس پر اعتماد کرے، اس سے امید وخوف کو وابستہ رکھے اور اسی کی اطاعت کرے کیونکہ وہی تو انسان کی آخری طلب ہے اور وہی اس کا معبود اور مددگار ہے۔[2] اس سے ثابت ہوا کہ عبادت واستعانت دونوں ہی انسان کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ایک ذریعہ ہے، دوسری منزل ہے۔ پھر انسان ان دونوں (دعائے عبادت ودعائے حاجت) کو بجالاتا ہے یا کسی ایک کو یا دونوں کو چھوڑ دیتا ہے[3] لہٰذا یہ چار قسمیں ہوئیں

---

(۱) [الفتاوی (۱۴/۱۴) العبودیة (۱۰۸)]

(۲) [کتاب التوحید (۱۵۸) الفتاوی (۳۴/۱) اغاثة اللفهان (۳۵/۱)]

(۳) [کتاب التوحید (۱۶۵)]

جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(1) سب سے افضل قسم میں عبادت گزار شامل ہیں جن کی انتہائی غایت یہی ہے کہ بتوفیق الٰہی اس کی عبادت بجا لائیں اس لئے یہ افضل ہے کہ اس سے صرف خدائے واحد کی خوشنودی کا حصول متوقع ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنی محبت سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: اے معاذ! میں تجھ سے محبت رکھتا ہوں۔ ہر نماز کے بعد یہ دعا نہ بھولا کر ﴿اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک﴾[1] الٰہی! اپنے ذکر، شکر اور اچھی عبادت کرنے کی مجھے توفیق عطا فرما۔ سب سے نفع مند دعا ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی (عبادت) خوشنودی کے لئے اس سے توفیق مانگی جائے اور سب سے بہترین عطیہ یہ ہے کہ یہ مراد برآئے اور تمام مسنون دعائیں اسی پر منحصر ہیں۔

(2) یہ بدترین قسم ہے جس میں انسان نہ دعائے عبادت بجالاتا ہے نہ اپنی مراد مانگتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے رو گردانی پر مصر رہتا ہے۔ لوگوں کی دو قسمیں ہیں: دین والے اور دنیا والے۔ دین والوں میں کچھ بدبخت ایسے بھی شامل ہیں جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور انہی سے اپنی خواہشات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ''وہ تو محض گمان کی اور جو ان کی خواہش ہو، اس کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت یقیناً آچکی ہے۔'' (النجم۔۲۳) دنیا والوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو چاہتے ہیں کہ ان کی ہر خواہش بلا تاخیر اسباب اعتقادیہ کے ساتھ پوری ہوتی جائیں۔[2] یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ظاہری اسباب ہی صرف ان کی خواہشات و مطالبات کا مداوا ہیں اور خالق الاسباب (اللہ تعالیٰ) کو بھول جاتے ہیں۔

(3) یہ صرف دعائے عبادت بجالانے والے ہیں جن کی دو قسمیں ہیں۔(۳)

(ا) اس میں فرقہ قدریہ شامل ہے جن کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہر فعل پر قدرت دے رکھی ہے جسے بجالانے کے لئے مختلف اسباب و آلات پیدا کر دیئے گئے ہیں۔ ہدایت اور رسولوں کے آجانے کے بعد اب تقدیر میں کوئی ایسی اعانت موجود نہیں جس کا انسان سوال کرے۔ اسی لئے یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے مدد و تعاون کا مطالبہ نہیں کرتے، اصلاح و ہدایت کا سوال نہیں کرتے۔ یہ اپنے نفسوں کے سپرد کر دیئے گئے ہیں اور ان پر راہ ہدایت بند کر دیا گیا ہے۔

---

(۱) [ابو داؤد (۱۵۲۲) احمد (۲٤٥/٥) صحیح الجامع (٤/٦

(۲) [مدارج السالکین (۷۸/۱) الفتاوی (٦٧٢/١٠)] ۔

(۳) [مدارج السالکین (۸۱/۱) الفتاوی (۳۲۳/۱۳)]

(۳) جو عبادات وغیرہ تو بجالاتے ہیں مگر وہ توکل واستعانت میں کمزور ثابت ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کے دل اسباب کے ساتھ تقدیر کے ربط پر کشادہ ہوتے ہیں۔ ان کی بصیرت اسباب سے مسبب تک رسائی حاصل نہیں کر پاتی۔ اسی لئے ان کے عزائم کمزور، ہمتیں پست اور استعانت کم ہوتی ہے۔ ان کی مشکل یہ ہے کہ یہ لوگ امر ونھی اور حکم عبادت پر عمل پیرا ہو کر عبادت تو کرتے ہیں مگر قضاوقدر، توکل اور استعانت کی طرف دیکھنا گوارا ہی نہیں کرتے۔ بہت سے فقہا اور صوفیا کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے حسن ظن کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی حرمات اور مقدسات کا احترام تو کرتے ہیں مگر ان پر ضعف وعجز طاری وحاوی ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ، اس کی مدد اور اس کی طرف رجوع اور اس سے دعا وغیرہ ایسے عناصر ہیں جو انسان کو تقویت پہنچاتے ہیں اور اس کے امور کو آسان کر دیتے ہیں۔ اسی لئے بعض اہل سلف سے منقول ہے ''جو شخص سب سے زیادہ قوی بننا چاہتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا سیکھ لے۔'' (۱)

(4) ایسے لوگ جو اللہ کی عبادت تو نہیں کرتے مگر اپنی خواہشات، مطالبات، اغراض ومقاصد، مال ودولت، جاہ وحشمت، قوت وسلطنت وغیرہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہیں لیکن روز قیامت انہیں کوئی نفع اور خیر حاصل نہیں ہوگی۔ (۲) یہ لوگ خلق کائنات کا رب تو اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں اور اسی سے ضروریات وحاجات کا مداوا کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواھی کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ بہت سے فقراء اور صوفیا کی یہ عادت ہے۔ البتہ کافر ظالم لوگ جو اللہ تعالیٰ سے بالکل بے رغبت ہیں، یہ ان کی عادت نہیں کیونکہ وہ دوسری قسم میں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں نہ اس سے مدد چاہتے ہیں اور یہ تو وہ لوگ ہیں جو اللہ کی طرف توجہ بھی کرتے ہیں، اس کی الوہیت کے بھی قائل ہیں بلکہ کچھ خوف الٰہی اور ذکر الٰہی بھی ان میں پایا جاتا ہے مگر اس کے ساتھ ان کے ذوق اور وجدان ان پر غالب ہیں اور یہ حکم شرعی سے کوسوں دور ہیں۔ ان میں کچھ ایسے لوگ ہیں جنہیں شیاطین کشف وتاثیر دکھاتے ہیں اور ان کی اکثریت گمراہ، فسق وفجور میں مبتلا بلکہ اسلام سے بھی مرتد ہوتی ہے کیونکہ ان میں ''تقویٰ'' نام کی کوئی چیز نہیں جس پر کل فیصلے ہوں گے۔ (۳)

ان میں کچھ ایسے افراد بھی ہیں جو ظاہری نماز روزے کی پابندی اور محرمات سے اجتناب کا اظہار کرتے ہیں مگر ان کے

---

(۱) [حاکم (۲۷۰/٤) ضعیف]

(۲) [الفتاوی (۱۲۵/۳) مدارج السالکین (۸۲/۱)]

(۳) [الفتاوی (۳۳/۱۰)]

دلوں پر شریعت کی حکومت نہیں بلکہ ان کی خواہشات کا غلبہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔''ہر ایک کو ہم بہم عطا کرتے ہیں انہیں بھی اور انہیں بھی تیرے پروردگار کے انعامات میں سے۔'' (الاسراء۲۰) اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بدترین دشمن خود شیطان ہے مگر اس نے بھی اپنی حاجت اللہ کے حضور پیش کی تھی جو پوری ہوئی مگر شیطان چونکہ رضائے الٰہی کے تابع نہیں تھا، اس لئے اس کی مراد الٹا اس پر بدبختی ثابت ہوئی۔ اسی طرح ہر انسان کا انجام ہوگا جو اللہ تعالیٰ سے مانگتا تو ہے مگر اس کی اطاعت و فرمانبرداری پر پورا نہیں اترتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر نیک و بد کو مال و دولت اور حکومت سے نوازتے ہیں۔ اسی طرح اس شخص کو بھی نوازتے ہیں مگر اپنے دشمن کو ذلیل کرنے یا اپنے دوست کی مدد کرنے کے لئے اور کبھی کشف سے نوازتے ہیں یعنی جنات کے ذریعے کوئی بات پہنچا دیتے ہیں لیکن یہ انسان کبھی تو جن کو پہچان لیتا ہے، کبھی نہیں پہچان پاتا اور کبھی اس کے علاوہ کوئی صورت رونما ہوجاتی ہے۔(۱)

(2) مسئول اور مطلوب کے حساب سے دعا کی اقسام:۔

اس کی بھی چار ذیلی قسمیں ہیں یعنی کبھی دعائے حاجت کا مسئول ہی دعائے عبادت میں مسئول ہوتا ہے۔ کبھی بیک وقت مدعو، مسئول اور معبود ہوتا ہے اور کبھی مسئول اللہ تعالیٰ ہوتے ہیں کبھی غیر اللہ۔(۲) تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) غیر اللہ سے مدد مانگی جائے اور اسی کی عبادت کی جائے۔ یہ سب سے بدترین قسم ہے بلکہ اسی طرح ہے جیسے کوئی سورج، چاند ستاروں کی عبادت کرے، انہی سے مدد مانگے اور انہی کا خوف دل میں بٹھالے۔

(۲) عبادت تو ایک اللہ کی کی جائے مگر مدد غیر اللہ سے مانگی جائے۔ جس طرح بہت سے دین دار لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت تو کرتے ہیں مگر ان کے دلوں میں حکام و امراقسم کے لوگ رچے بسے ہوتے ہیں جن سے وہ دنیاوی مفادات حاصل کرتے ہیں اور اپنی امیدیں وابستہ کئے رکھتے ہیں۔

(۳) دعا بھی ایک اللہ سے کی جائے اور مدد بھی اسی سے مانگی جائے لیکن عبادت غیر اللہ کے لئے کی جائے۔ جس طرح کچھ لوگ اللہ تعالیٰ سے مدد و تعاون مانگتے ہیں اور اس کو اپنا ملجا و ماوٰی گردانتے ہیں لیکن ان کا مقصد حیات اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور دین و شریعت کے خلاف ہوتا ہے جس طرح قدیم مشرک لوگ سختی کے وقت اللہ تعالیٰ ہی سے دعائیں کرتے مگر آسودگی کے وقت بتوں کی پرستش کرتے تھے۔

(۴) عبادت بھی ایک اللہ کی کی جائے اور استعانت بھی اسی سے مانگی جائے۔ یہی خالص توحید پر قائم لوگ ہیں۔

---

(۱) [الفتاوی (۳۲۴/۱۳)]

(۲) [الفتاوی (۳۶/۱) کتاب التوحید (۱۶۰)]

اس کے علاوہ بھی چار اقسام ہیں :۔

(۱) صرف ایک اللہ سے سوال کیا جائے۔ (۲) صرف مخلوق سے سوال کیا جائے۔

(۳) دونوں سے مانگا جائے۔ (۴) سوال تو کیا جائے مگر مسئول مجہول ہو۔

(3) مطلوبہ چیز کے اعتبار سے دعا کی قسمیں :۔

انسان کے مطالبات جو وہ رب العالمین سے کرتا ہے، چار قسموں پر مشتمل و منحصر ہیں :۔

(۱) کوئی بھلائی جو فی الوقت حاصل ہو اس کی ہیشگی کا مطالبہ۔

(۲) کوئی خیر و بھلائی جو حاصل نہیں، اس کے حصول کا مطالبہ۔

(۳) شر و برائی جس سے واسطہ پڑا ہے، اس سے چھٹکارے یا اس میں حتی الممکن کمی کا مطالبہ۔

(۴) ایسی برائی جو پہنچی تو نہیں مگر اس سے سلامتی اور بچاؤ کا مطالبہ۔

سورت آل عمران کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ان چاروں مطالبات کو یکجا بیان فرمایا :''ہم نے ایک منادی کو سنا جو ایمان کے لئے ندا کر رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری خطائیں معاف فرما دے۔'' گناہ اور خطائیں وہ برائی ہے جو موجود تھی اور اس کے رفع کے لئے دعا مانگی۔ پھر فرمایا ''اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ فوت فرما۔'' حالت ایمان جو خیر و بھلائی کی شکل میں موجود ہے، اس پر موت تک مداومت مانگی گئی۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ پھر فرمایا ''اے ہمارے رب! ہمیں وہ عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے وعدہ کیا ہے۔'' اس میں اس خیر کا مطالبہ ہے جو موجود نہیں۔ پھر فرمایا ''اور روز قیامت ہمیں رسوا نہ کرنا'' اس میں یہ مطالبہ ہے کہ ہمیں روز قیامت کسی رسوائی کا سامنا نہ ہو۔

ان دو آیات میں احسن ترتیب کے ساتھ چاروں مطالبات موجود ہیں۔ دو تو دنیا سے تعلق رکھتے ہیں یعنی بخشش اور اسلام پر ہیشگی اور دو آخرت سے متعلق ہیں یعنی ایک تو رسولوں کے ذریعے دی جانے والی بشارتیں اور دوسرا روز قیامت رسوائی سے نجات۔ [۱] انسان کے تمام مطالبات منجملہ ان ہی چار قسموں میں شامل ہوتے ہیں۔

***

(۱) [بدائع الفوائد (۲/۲۰۷) طریق الهجرتين (ص ۵۵)]

فصل ثالث

دعا کے آداب

دعا کے بہت سے آداب ہیں جن سے متصف ہونا اور ان کا خیال رکھنا سائل وداعی کے لئے لازمی امر ہے۔اہل علم نے اس موضوع کو خاصا وسیع کر دیا ہے۔ ہر طرح کے ضروری آداب، ہر ادب کی دلیل قرآن وسنت اور آثار صحابہ سے، ہر ادب میں پوشیدہ اسرار ورموز کو بیان کر دیا ہے۔اسی طرح دعا کی قبولیت کے مقامات، احوال واوقات قیود وشروط کو بھی نہایت جامع انداز میں بیان کیا ہے، اور ہر بات کتاب وسنت، اقوال سلف واہل علم سے ماخوذ ہے۔کچھ علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں اور کچھ علماء نے مختلف موضوعات میں ضمناً ان پر بحث کی ہے۔جس طرح کتب ستہ اور دوسری سنن ومسانید وغیرہ کی کتابیں ہیں۔اسلئے میں اس بحث میں مکمل استقصا نہیں کروں گا اور دوسرا سبب یہ ہے کہ میں اس فصل میں زیادہ تر انہی مسائل کو بیان کروں گا جن پر اتفاق رائے زیادہ ہے البتہ کچھ اختلافی بحثیں بھی دوسرے، تیسرے، چوتھے باب میں دیکھنے کو ملیں گی۔البتہ میں بالاختصار دعا کے ضروری آداب پر روشنی ضرور ڈالوں گا۔

ایک اور اہم بات بھی نوٹ کیجئے کہ اہل علم نے اس مسئلے میں بھی کافی اختلاف کیا ہے کہ آداب کو شروط سے موسوم کیا جائے یا آداب ہی کہا جائے یا ارکان کا نام دیا جائے یا بعض کو شروط اور بعض کو سنت یا بعض کو شروط اور بعض کو آداب سے موسوم کیا جائے۔[1] دراصل غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کی اہمیت کے پیش نظر اس کا کوئی مرتبہ متعین نہیں بلکہ مختلف احوال میں اس کے مراتب میں فرق ہے علماء کے اختلافات کا سبب ثابت ہوتا ہے کیونکہ بسا اوقات احادیث میں بھی کسی ادب کو حقیقی شرط پر پیش کیا گیا جیسے حالت احرام میں لباس پہننا۔غور وفکر کے بعد خلاصہ بحث یہ سامنے آتا ہے کہ انہیں آداب سے موسوم کیا جائے اور شروط سے موسوم کرنا مسامحہ ہے۔یا تو اس میں کسی تعبیر یا تغلیب کا لحاظ رکھا گیا کیونکہ بعض مثالوں میں انہیں شرط سے تعبیر کیا گیا ہے جو اصطلاحی معنی کے موافق ہے۔بہر حال آداب کو ''آداب'' سے موسوم کرنے کی ترجیح میں چند ایک وجوہات ہیں۔

(۱) شرط کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ اگر شرط معدوم ہو تو مشروط بھی معدوم ہوتی ہے جیسے وضو نماز کے لئے شرط ہے۔اگر وضو نہیں تو نماز (مشروط) بھی نہیں۔[2] جبکہ آداب پر یہ بات چسپاں نہیں ہو سکتی کیونکہ کسی ادب

---

(۱) [تفسیر رازی (۱۴۱/۱۴) احیاء العلوم (۳۶۱/۱) جامع الاحکام (۳۱۱/۲) شان الدعا (ص ۱۳) اتحاف السادۃ (۳۴/۵)]

(۲) [روضۃ الناظر (۱۶۲/۱) الاحکام (۴۴/۱)]

کے معدوم ہونے سے دعا کی قبولیت معدوم نہیں ہوتی۔

(۲) دعا تو اللہ تعالیٰ کا ایک فیصلہ ہے جو مومن تو کجا کافر کے لئے بھی پوری ہو جاتی ہے۔اسی لئے انہیں مختلف دنیاوی انعامات سے نوازا گیا ہے لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ آداب کو شروط سے موسوم نہیں کیا جا سکتا۔دعا کا ایک ادب یہ ہے کہ خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کو پکارا جائے لیکن اگر کوئی پورے خلوص سے نہ پکارے، فسق وبدعت کا ارتکاب کرے تو پھر بھی بسا اوقات اس کی مراد پوری کر دی جاتی ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ اس کے لئے امتحان ہے یا استدراج جس کی بحث آگے ذکر کی جائے گی۔گناہوں سے توبہ کرنا بھی دعا کا ایک ادب ہے مگر اللہ تعالیٰ نے شیطان کی دعا (کہ مجھے قیامت تک رخصت دے دے) قبول کر لی حالانکہ اسے توبہ کی توفیق کہاں؟

(۳) کچھ علماء نے بعض آداب کو مستحب اور مستحسن تو کہا ہے مگر انہیں واجب نہیں کہا لہٰذا ان کے مفقود ہونے سے دعا پر کچھ اثر نہیں حالانکہ شرط اس کے برعکس ہے۔

آداب عدمیہ

مختلف نظریات اور تعبیرات کی وجہ سے دعا کے بہت سے آداب ہیں جنہیں ظاہری اور باطنی یا عدمیہ اور وجودیہ یا سلبیہ اور ایجابیہ سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔اس کے علاوہ کچھ آداب دعا مانگنے والے سے تعلق رکھتے ہیں تو کچھ دعا سے اور کچھ مدعو سے۔اسی لئے علماء ان کی تقسیم میں اختلاف کا شکار ہوئے ہیں۔امام قرطبیؒ داعی کے آداب ذکر کرتے ہیں کہ ''سائل کو اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ اس کی حاجت صرف اللہ تعالیٰ ہی پوری کر سکتے ہیں اور اس کے قبضہ میں جو کچھ بھی ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہی کی نوازش ہے۔''(۱) ہماری تقسیم کے مطابق یہ شرط اخلاص میں شامل ہے کہ صرف اللہ وحدہ لاشریک سے دعا کی جائے۔پھر امام موصوف سائل کی شروط ذکر کرتے ہیں کہ ''سائل سچی نیت اور حضور قلب سے سوال کرے، اکل حرام سے اجتناب کرے اور دعا سے اکتاہٹ کا اظہار نہ کرے۔'' اسی طرح جس چیز کا سوال کیا جائے، وہ شرعاً جائز ہو۔اس میں کسی گناہ کی آمیزش قطعاً نہ ہو۔دعا بھی گناہ سے سلامت ہونی چاہئے۔امام غزالیؒ نے ''احیا'' میں دعا کو ظاہری اور باطنی آداب میں تقسیم کیا(۲) جسے اس کتاب کے شارح زبیدیؒ نے بھی اختیار کیا ہے یعنی یہ دس آداب ہیں جن میں سے نو ظاہری ہیں جبکہ دسواں باطنی ہے۔(۳)

---

(۱) [الجامع لاحکام القرآن (۳۱۱/۲)]

(۲) [الاحیاء (۳۶۵/۱)]

(۳) [اتحاف السادۃ (۳۱/۵)]

امام زرکشیؒ نے بھی دعا کو ظاہری و باطنی آداب میں تقسیم کیا۔ پھر باطنی آداب میں توبہ، حضور قلب، اللہ پر توکل و بھروسہ ، ڈر، عاجزی، غیر اللہ سے صرف نظر، حرام سے اجتناب، شبہات سے اجتناب اور ناامیدی سے دوری کو شامل کیا۔ پھر ظاہری آداب میں نماز، روزہ، صدقہ، طہارت، قبلہ رخ، خوشبو، پست آواز، ہاتھوں کو اٹھانا، حمد وثنا اور درود کو مقدم کرنا شامل کیا ہے۔[1] مذکورہ تقسیمات باہم مشترک ومختلط ہیں ورنہ فی الحقیقت ان کی ممکنہ تقسیم یہی ہے کہ کچھ ''آداب عدمیہ'' ہیں اور کچھ ''آداب ثبوتیہ'' ہیں۔ ہم عدمیہ آداب کو ثبوتیہ پر اس لئے مقدم کر رہے ہیں کہ ان کی اہمیت زیادہ ہے اور ان کا خیال رکھنا آداب ثبوتیہ کے مقابلے میں زیادہ وقیع ہے کیونکہ یہ معروف ہے کہ ممنوعات ماموروات کی بہ نسبت زیادہ اہمیت رکھتی ہیں جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ ہے ''جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو حتی المقدور اسے پورا کرو اور جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو اس سے (مکمل) اجتناب کرو۔[2]

آداب عدمیہ[3] پانچ ہیں:۔

(۱) دعا میں زیادتی نہ ہو۔ (۲) حرام سے اجتناب ہو۔ (۳) جلد بازی نہ کی جائے۔

(۴) معلق دعا نہ کی جائے۔ (۵) غفلت کا اظہار نہ کیا جائے۔

مذکورہ آداب عدمیہ کی کچھ خصوصیات ہیں جن میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک چیز بھی دعا میں پائی گئی تو دعا قبول نہیں ہوگی۔ اسی لئے بعض اہل علم نے انہیں دعا کی قبولیت کی رکاوٹوں میں شامل کیا ہے[4] بہرحال یہ اصطلاحات کا اختلاف ہے جن کا ماحصل ایک ہی ہے۔ اب ذیل میں ہر ایک کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔

(1) دعا میں زیادتی نہ کی جائے:۔ زیادتی یہ ہے کہ کسی چیز پر اقتصار کا تقاضہ ہو جسے پامال کر کے آگے بڑھنے کی کوشش کی جائے[5] کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے بالعموم اور دعا کے لئے بالخصوص منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ ''اپنے رب کو عاجزی اور پوشیدگی سے پکارو۔ یقیناً وہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (الاعراف۔۵۵)

مذکورہ آیت میں اگرچہ مطلق زیادتی کو ناپسند کیا گیا ہے مگر دعا کے بعد اسے ذکر کرنے سے دعا میں زیادتی کی ممانعت

---

(۱) [الازهية (۱۰۸)]

(۲) [بخاري (۷۲۸۸) مسلم (۱۳۳۷)]

(۳) [یعنی ایسے امور جن سے اجتناب کرنا ضروری ہے مثلاً حرام سے اجتناب وغیرہ اس لئے انہیں آداب عدمیہ کہا جاتا ہے۔]

(۴) [جوامع العلوم (ص ۱۰۰)]

(۵) [معجم مقاييس اللغة (۳۴۹/۴)]

پر اس کا خصوصی اشارہ نمایاں ہے۔ دعا میں زیادتی کے کئی پہلو ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) دعا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا جو سب سے بڑی زیادتی ہے یعنی عبادت کو اس کے مقام ومحل سے ہٹا دینا۔ اس لئے یہ زیادتی مذکورہ آیت کی روشنی میں سب سے پہلے ممنوع ہوگی۔ دعا تو اہم ترین عبادت ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص دعا کے ذریعے ایسے فقیر وعاجز کا قرب تلاش کرے جو کسی نفع ونقصان کا بھی مالک نہیں تو یہ سب سے بڑا ظلم اور زیادتی ہے۔ کوئی بندہ صرف غیر اللہ سے ہی مکمل دعا مانگے یا غیر اللہ کو واسطہ بنائے، ایسا شخص کبیرہ گناہ کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو رحمت باری تعالیٰ سے دور کر رہا ہے لہٰذا ایسا ہر انسان صراط مستقیم سے بھٹکا ہوا ہے جس کی دعا کبھی قبول نہیں ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ ''اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوسکتا ہے جو اللہ کے سوا انہیں پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے حالانکہ وہ تو ان کی پکار سے بھی غافل ہیں۔'' (الاحقاف۔۵)

(۲) دعا میں بدعت کا ارتکاب کرنا کیونکہ دعا عبادت ہونے کی وجہ سے امر توقیفی ہے اور جس شخص نے کسی عبادت میں کوئی ایسا عمل سرانجام دیا جو قرآن وسنت سے ثابت نہیں تو بلاشبہ اس نے بدعت کے ارتکاب کے ساتھ دعا میں بھی زیادتی کی۔(۱)

(۳) یہ بھی دعا میں زیادتی شمار ہوگی کہ ایسی دعا کی جائے جس کی اجازت نہیں مثلاً ''ایسا سوال کیا جائے کہ مجھے انبیاء کا مقام ومرتبہ مل جائے۔'' زیادتی ہے۔ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے سنا کہ ان کا بیٹا دعا میں زیادتی کر رہا ہے کہ ''یا اللہ! جب میں جنت میں جاؤں تو اس کے دائیں جانب مجھے سفید محل عطا کرنا.........'' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''بیٹا! اللہ سے (مطلقاً) جنت کا سوال کر اور جہنم سے پناہ مانگ (جب جنت مل گئی تو جتنے محل چاہو گے فوراً مل جائیں گے) کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ اس امت میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو دعا اور طہارت میں زیادتی کریں گے۔(۲)

جب ایک جلیل القدر صحابی اپنے بیٹے کو ایسے سوالات (دعا) سے منع کر رہا ہے جو حسن آداب کے خلاف ہیں اور انہیں زیادتی شمار کر رہے ہیں تو پھر وہ لوگ جو غیر اللہ کو پکارتے ہیں، ان سے اٹھتے بیٹھتے مدد مانگتے ہیں، ان کے نعرے بلند کرتے ہیں، ان کا کیا انجام (بد) ہوگا؟ اور بھلا اس سے بڑھ کر اور کون سی زیادتی ہوسکتی ہے کہ انسان مالک حقیقی سے

---

(۱) [الفتاوی (۲۳/۱۵)]

(۲) [احمد (۸۷/٤) ابو داؤد (۹٦) صحیح ابن ماجة (۳۱۱٦)]

روگردان ہو کر انہیں پکارے جو اپنے بھی نفع ونقصان کے مالک نہیں تو دوسروں کو کس طرح پہنچا سکتے ہیں۔

(۴) اسی طرح یہ بھی زیادتی ہے کہ کسی حرام کام پر اللہ تعالیٰ سے استعانت مانگی جائے۔[1] کیونکہ اللہ تعالیٰ تو حرام کاری اور بے حیائی کو پسند نہیں کرتے تو پھر اس سے ایسے کاموں میں مدد کا مطالبہ چہ معنی دارد؟ اس پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے ''بندے کی دعا اس وقت تک قبول ہوتی رہتی ہے جب تک وہ کسی گناہ یا قطع تعلقی اور جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرے۔''[2] حرام کی ہر صورت اس حدیث میں شامل ہے، گناہ میں ہر طرح کا گناہ اور قطع تعلقی میں تمام مسلمانوں کے حقوق ومظالم شامل ہیں۔ اگر کوئی شخص ایسی ممنوع دعا کرے تو وہ زیادتی کا مرتکب شمار ہوگا۔ اسی طرح مسلمانوں کے خلاف بدعا کرنا، لعنت کرنا اور یہ کہنا کہ الٰہی اسے رسوا کر، اس پر لعنت کر............وغیرہ[3] یہ بھی زیادتی کے زمرے میں شامل ہے۔

ابن صلاحؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کے لئے خیر خواہی کے جذبے سے بدعا کرے تو وہ زیادتی نہیں مثلاً کسی کے لئے کم عمری کی دعا کرے تا کہ وہ دوسروں کے ظلم سے محفوظ رہے (یا کسی فتنے سے محفوظ رہے) تو یہ زیادتی نہیں۔[4]

(۵) اسی طرح یہ بھی زیادتی ہے کہ رحمت باری تعالیٰ کو صرف اپنے لئے مخصوص کر کے دعا مانگے۔ جس طرح ایک دیہاتی نے دعا مانگی ''یا اللہ! مجھ پر اور محمد کریم ﷺ پر رحم فرما اور کسی پر رحم نہ کر۔'' تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا، تو نے وسعت (رحمت) کو محدود کر دیا۔[5] جس طرح کسی مسلمان پر بدعا کرنا درست نہیں، اسی طرح اپنے لئے یا اپنے اہل وعیال اور مال ودولت کے لئے بدعا کرنا بھی جائز نہیں۔ حدیث نبوی ﷺ ہے: ''اپنے آپ پر بدعا نہ کرو، نہ اپنے بچوں کے لئے اور نہ اپنے مالوں کے لئے بدعا کرو مبادا کہ تم ایسے وقت بدعا کر بیٹھو جو قبولیت والا ہو اور وہ بدعا قبول ہو جائے۔[6] لہٰذا جو شخص اپنے لئے یا اپنے اہل وعیال یا مال کے لئے بدعا کرتا ہے، وہ دراصل اپنے نفس پر زیادتی کرتا ہے اور اس کا نفس تو اللہ کی ملکیت ہے جس پر زیادتی کرنا شرعاً ممنوع ہے۔

(۶) اسی طرح دنیا میں ہی اپنے گناہوں کی سزا کا مطالبہ دعا میں زیادتی ہے حالانکہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی وسیع

---

(۱) [الفتاوی (۲۲/۱۵)]

(۲) [مسلم (۲۷۳۶)]

(۳) [روح المعانی (۱۴۰/۸)]

(٤) [فتاوی ابن الصلاح (۳۰/٤)]

(٥) [ابو داؤد (۳۸۰) ترمذی (۱٤۷) ابن ماجة (۵۲۹)]

(٦) [مسلم (۳۰۰۹)]

رحمت کا، دنیا اور آخرت میں عفو و درگذر اور فضل و کرم کا سوال کرنا چاہئے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ بکثرت یہ دعا پڑھتے: ﴿رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ "اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی سے نواز اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔[1] اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے ان نیک بندوں کا یہ وصف بیان فرمایا جو حج سے فارغ ہو کر یہ دعا مانگتے ہیں:۔ "ان میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا و آخرت (دونوں کی) بھلائی سے نواز اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔ انہی لوگوں کے لئے ہی وہ کچھ ہے جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔" (البقرۃ۔۲:۲۰۱)

اسی طرح جب نبی کریم ﷺ ایک مریض کی تیمارداری کے لئے گئے تو وہ چوزے کی طرح کمزور ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تو نے کوئی دعا مانگی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں! میں اس طرح کہا کرتا تھا، یا اللہ! جو سزا مجھے آخرت میں ملنی ہے وہ مجھے دنیا میں ہی دے دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! تو اس کی طاقت نہیں رکھتا! تو نے اس طرح کیوں نہ کہا: یا اللہ! مجھے دنیا میں بھلائی سے نواز اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما اور آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔" (۲)

(۷) اسی طرح کسی بیماری یا مصیبت کی وجہ سے اپنی موت کی دعا مانگنا بھی زیادتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کوئی شخص موت کے وقت سے پہلے اس کی دعا نہ مانگے، جب کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ بلاشبہ مومن کی عمر اس کی نیکیوں میں اضافہ ہی کرتی ہے۔ (۳)

(۸) کوئی ایسی دعا مانگنا جو اللہ تعالیٰ کی حکمت، شریعت اور حکم وغیرہ کے خلاف[4] ہو، یہ بھی ممنوع ہے اور اس کی کئی صورتیں ہیں مثلا :۔

(الف) ناممکن امر کے لئے دعا مانگنا مثلا ابو جہل، شیطان وغیرہ کے لئے دخول جنت کی دعا کرنا بلکہ بعض اہل علم کے نزدیک ایسی دعا کرنے والا کفر کا مرتکب ہے۔ (۵)

(ب) خلاف طبع چیز کا سوال کرنا مثلاً دنیا میں ہیشگی کی زندگی کا سوال کرنا حالانکہ یہ واضح ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) [بخاری (٦٣٨٩) مسلم (٢٦٩٠)]

(۲) [مسلم (١٠٦٨/٤) احمد (١٠٧/٣)]

(۳) [مسلم (٢٦٨٢)]

(٤) [بدائع الفوائد (١٣/٣)]

(٥) [روح المعانی (١٤٠/٨)]

اپنے سوا ہر ذی روح پر فنا کا حکم دے رکھا ہے۔ اسی طرح بشری تقاضوں کے دور کروانے کا سوال کرنا جیسے کھانا، پینا ہے یا یہ دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ بغیر شادی کے اولاد عطا کر دے۔(۱)

(ج) اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی یقینی خبر کے خلاف دعا کرنا مثلاً قیامت کے لئے دعا کرنا کہ یہ قائم نہ ہو۔(۲)

حاصل کلام یہ ہے کہ کوئی بھی ایسی دعا جو اللہ تعالیٰ کی خصوصیات کے حصول کے لئے ہو مثلاً علم غیب کے حصول کی دعا یا دنیا میں ہمیشہ رہنے کی دعا یا ایسی دعا جو نبوت کی خصوصیات سے تعلق رکھتی ہو مثلاً وحی کے لئے دعا کرنا یا اللہ تعالیٰ کے علم، شریعت اور حکم کے خلاف دعا مانگنا زیادتی ہے بلکہ کفر تک پہنچا دیتی ہے کہ بندہ ایسی دعا مانگے جو اللہ تعالیٰ پوری نہیں کریں گے۔(۳)

(۹) یہ بھی دعا میں زیادتی مقصود ہوتی ہے کہ سوء ادب کا مظاہرہ کیا جائے اور ایسے انداز سے اللہ تعالیٰ کو پکارے کہ وہی انداز اگر وہ اپنے دوست کے لئے اختیار کرے تو لوگ اسے بداخلاق، بے حیا اور پاگل کے خطاب سے نوازیں۔(٤) اس کی بھی کئی صورتیں ہیں مثلاً:۔

(الف) ایسی اونچی آواز سے دعا کرنا جو حسن ادب کے خلاف تصور کی جائے۔ البتہ تعلیم وغیرہ کے پیش نظر آواز اونچی بھی کی جا سکتی ہے اور اس سلسلے میں دہرا اجر ہوگا۔ ایک تو دعا کا اور دوسرا تعلیم دینے کا۔(٥)

(ب) ایسی دعا کرنا جو عاجزی سے بالکل خالی ہو اور یہ ظاہر ہو کہ دعا کرنے والا تو اللہ سے بھی بڑا غنی ہے (معاذ اللہ) یہ بہت بڑی زیادتی ہے لہٰذا جو شخص مسکین ولاچار بن کر دعا نہ مانگے، وہ زیادتی کا مرتکب ہے۔(٦) ارشاد باری تعالیٰ ہے "اپنے رب کو عاجزی اور پوشیدگی سے پکارو۔ وہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" اس میں عاجزی اور پوشیدگی شامل ہے جن کا اظہار نہ کرنا زیادتی ہے۔

(ج) دعا میں ایسی باتیں کرنا جن کا کچھ فائدہ نہیں۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے

---

(۱) [الفتاوی (۲۲/۱٥)]

(۲) [الفتاوی (۷۱۳/۱۰)]

(۳) [الفتاوی (۱۳۰/۱)]

(٤) [المنهاج للحليمی (٥۲۲/۱)]

(٥) [قواعد الاحکام (۱۷۸/۲)]

(٦) [الفتاوی (۲۳/۱٥)]

کی یہ دعا سنی ''یا اللہ! مجھے جنت عطا فرما، جنت کی نعمتیں، تروتازگیاں فلاں فلاں ....مجھے آگ کے عذاب سے بچا، اس کی زنجیروں، طوقوں، ....تو انہوں نے کہا: بیٹا! میں نے فرمان نبوی ﷺ سنا ہے کہ عنقریب ایسی قوم آئے گی جو دعا میں زیادتی کرے گی، تم ان میں شمولیت اختیار کرنے سے گریز کرو۔ جب تمہیں جنت مل گئی تو سب کچھ اس میں مل جائے گا اور جب تمہیں جہنم سے بچا لیا گیا تو سب عذاب دور رہیں گے۔(۱)

(د) دعا میں الفاظ بنانے میں تکلف سے کام لینا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام عکرمہ کو یہ وصیت فرمائی: دعا میں قافیہ بندی سے بچو کیونکہ میں اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ رہا ہوں وہ ایسا نہیں کرتے تھے۔ اگر تکلف کے ساتھ قافیہ بندی کی جائے تو وہ درست نہیں کیونکہ اس طرح خشوع وخضوع ممکن نہیں رہتا لیکن اگر بلا تکلف مترادف کلمات اور قافیہ بندی بن جائے تو کوئی حرج نہیں (۲) بلکہ ایسی دعائیں تو نبی کریم ﷺ سے بھی منقول ہیں مثلاً: ﴿اللھم اٰتِ نَفْسِي تقْوٰھَا وزکھا انتَ خَیر من زکاھا انت ولیھا ومولاھا ..... ﴾ ''یا اللہ میرے نفس کو متقی بنا، اس کو پاک کر۔ تو سب سے بہتر پاک کرنے والا ہے، تو اسکا دوست اور مالک ہے۔ یا اللہ! میں ایسے علم سے جس کا فائدہ نہ ہو، ایسے دل سے جس میں تیرا ڈر نہ ہو اور ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو، تیری پناہ چاہتا ہوں۔''(۳) اسی طرح یہ دعا ہے ﴿اللھم منزل الکتاب وسریع الحساب ھازم الاحزاب ﴾ ''یا اللہ! کتاب نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے، لشکروں کو شکست دینے والے۔(٤)

بعض علماء نے قافیہ بندی کی سخت ممانعت کی ہے۔ امام قرطبیؒ ''زیادتی'' کی اقسام میں فرماتے ہیں کہ ''یہ بھی دعا میں زیادتی ہے کہ ایسی دعا کی جائے جو کتاب وسنت میں مذکور نہیں اور عجیب وغریب الفاظ اور قافیے استعمال کئے جائیں جن کا کوئی اصل نہیں اور ماثور دعائیں چھوڑ کر انہیں اپنا شعار بنا لینا قبولیت دعا میں رکاوٹ ہے۔''(۵) دراصل امام قرطبیؒ نے ان لوگوں پر تنقید کی ہے جو مختلف ایام وحوادثات کی مناسبت سے تکلف بھرے انداز میں بدعتی دعائیں ایجاد کرتے ہیں جس سے معاملہ خطرناک صورتحال اختیار کر لیتا ہے بالخصوص جب ان الفاظ میں غیر اللہ سے استعانت کی

---

(۱) [ابو داؤد (۱٤۸۰) احمد (۱۷۱/۱) صحیح الجامع الصغیر (۲۱۸/۳)]

(۲) [شرح النووی (٤۱/۱۷)]

(۳) [مسلم (۲۷۲۱۲)]

(٤) [بخاری (۲۹٦٦) مسلم (۱۷٤۲)]

(۵) [تفسیر قرطبی (۲۲٦/۷)]

بو پائی جائے۔ پھر ایسی دعائیں کرنے والے ان کے ساتھ ڈھول ڈھمکوں اور طبلوں، سرنگیوں کا بندوبست کر لیتے ہیں اور گلوکاروں کی طرح گانے (قوالیاں وغیرہ) شروع ہو جاتی ہیں جن پر اہل علم تنقید کرتے ہیں۔امام ابن ھمام حنفیؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ موجودہ دور میں لمبی لمبی صدائیں نکالتے ہیں، عجیب وغریب آوازیں نکالتے ہیں، گلوکاری کے جوہر دکھاتے ہیں، یہ عبادت کے لئے نہیں بلکہ ایسی دعائیں تو کبھی قبول نہ ہوں، یہ تو لوگوں کو اپنے فن پارے دکھاتے ہیں کہ میری آواز میں جادو بھرا حسن ہے تاکہ نمود و نمائش ہو بلکہ گانوں جیسی دعائیں تیار کرتے ہیں اور کسی حاجت کو پیش کرنا ہو تو عجیب وغریب آوازوں اور حرکتوں سے دعائیں کریں گے۔ حالانکہ یہ مقام عاجزی و بندگی ہے، کھیل تماشہ نہیں۔''[1] مفسر آلوسیؒ فرماتے ہیں ''آپ دیکھیں گے کہ آپ کے زمانے میں بہت سے لوگ دعا میں چیخ و پکار کا سہارا لیتے ہیں اور آواز کے اتار چڑھاؤ سے سامعین کو مسحر کرتے ہیں حالانکہ انہیں علم نہیں کہ یہ دو بدعتوں کے مرتکب ٹھہرتے ہیں۔ایک تو اونچی آواز سے دعا کرنا اور دوسرا مسجد میں یہ کام (تماشا) کرنا۔[2] ان سے پہلے ابوبکر طرطوشیؒ نے بھی اس تنقید کی ہے کہ ماضی میں لوگ دعا میں اس طرح نہیں کرتے تھے بلکہ یہ تو دعا کے آداب مثلاً عاجزی ،خشوع وخضوع وغیرہ کے منافی ہے۔[3] دعا میں زیادتی سے ممانعت میں یہ بات شامل نہیں کہ زیادہ دعائیں نہ کی جائیں بلکہ یہ تو حکم ہے کہ بکثرت دعائیں مانگی جائیں۔[4]

(2) حرام سے اجتناب:۔ دعا کے اہم ترین آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ کھانے پینے اور پہننے میں حرام سے کلی اجتناب کیا جائے۔اس لئے اگر دعا کی قبولیت مطلوب ہے تو کھانے پینے اور پہننے میں لامحالہ حلال کا بندوبست کیا جائے کیونکہ ''حلال'' قبولیت دعا میں اسی طرح گہری تاثیر رکھتا ہے جس طرح ''حرام'' دعا کے رد ہونے پر اثر انداز ہوتا ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لوگو! اللہ پاک ہے اور پاک چیز کو قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بھی وہی حکم دیا ہے جو انبیاء کو دیا ہے، فرمایا ''اے رسولو! پاکیزہ کھاؤ اور نیک عمل بجالاؤ۔ بلاشبہ میں تمہارے اعمال سے خوب واقف ہوں۔'' (المؤمنون۔۵۱) نیز ''اے اہل ایمان! اس پاکیزہ مال سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے۔'' (البقرۃ۔۱۷۲) پھر آپ ﷺ نے ذکر کیا کہ ایک آدمی طویل سفر

---

(۱) [فتح القدير (۲٦۱/۱)]

(۲) [روح المعانی (۱۳۹/۸)]

(۳) [كتاب الحوادث والبدع (۱۲۱)]

(٤) [شان الدعاء (۱٤)]

کاٹتا ہے، بال بکھرے، چہرہ خاک آلود ہے اور (بیت اللہ پہنچ کر) ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے یارب! یارب! حالانکہ اس کا کھانا حرام کا، اس کا پینا حرام کا، اس کا لباس حرام کا اور حرام سے اس کی پرورش ہوئی تو میں کیسے اس کی دعا قبول کروں۔''[1] اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ عمل اس وقت تک قبول نہیں ہوتا جب تک اکل حلال کا بندوبست نہ ہو، اگر حرام کھالیا تو عمل برباد۔ اسی طرح دعا بھی ایک نیک عمل ہے جس پر حرام اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر حرام کا استعمال کیا گیا تو دعا قبول نہیں ہوگی[2] اس لئے انسان کو قبولیت دعا کے لئے بالخصوص اکل حلال پر گزارا کرنا چاہئے۔

(3) جلد بازی سے پرہیز:۔ دعا کا ایک اہم ترین ادب یہ ہے کہ دعا مسلسل جاری رکھی جائے اور تاخیر قبولیت کی بنا پر دلبرداشتہ اور ناامید نہیں ہونا چاہئے کیونکہ سائل کو علم نہیں کہ دعا کے فوری قبول نہ ہونے میں کیا مصلحت ہے؟ یا اس کے ذریعے کوئی اور مصیبت ٹالی گئی ہے یا اسے آخرت کے لئے اجر کا ذخیرہ بنا دیا گیا ہے؟ اس لئے انسان کو چاہئے کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور دعا تو ایک عظیم عبادت ہے اس کا مقصد صرف سوال ومطالبے تک محدود نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بندے کی دعا اس وقت تک قبول ہوتی رہتی ہے جب تک وہ جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرے یعنی اس طرح کہے کہ میں نے دعا تو کی ہے مگر قبول ہی نہیں ہوتی۔'' ایک روایت میں ہے کہ جب تک وہ گناہ، قطع رحمی یا جلد بازی نہ دکھائے۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ! جلد بازی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ بندے کا اس طرح کہنا کہ میں نے دعا کی، پھر دعا کی لیکن وہ قبول نہیں ہوئی۔ پھر وہ دلبرداشتہ ہو کر دعا کرنا چھوڑ دے۔ (تو یہ جلد بازی ہے)[3] جلد بازی سے اجتناب کی چند ایک حکمتیں درج ذیل ہیں:۔[4]

(۱) سائل بے قرار ہو کر دعا مانگنا چھوڑ دیتا ہے جو فی الحقیقت ایک عظیم عبادت کو ترک کرنے کے مترادف ہے اور حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ ''انسان تھک ہار کر دعا کرنا چھوڑ دیتا ہے۔''

(۲) اس سے اللہ تعالیٰ پر (معاذ اللہ) یہ تہمت لازم آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بخیل ہے کہ وہ میری مراد پوری نہیں کرتا حالانکہ اللہ تعالیٰ انتہائی سخی اور کریم ہیں جن کے خزانے میں نہ کمی ہے نہ ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

(۳) بے قراری اور بے صبری کا اظہار تو وہ کرے جس نے کسی سے اپنا حق وصول کرنا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے

---

(۱) [مسلم (۱۰۱۵)]

(۲) [جامع العلوم والحکم (۹۳)]

(۳) [بخاری (۶۳۴۰) مسلم (۲۷۳۵)]

(٤) [الفتح (۱۱/۱٤۰)]

کوئی حق نہیں لینا بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ جسے چاہیں شرف قبولیت سے نواز دیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مرضی ومنشا کے مطابق جس وقت مناسب سمجھیں، دعا قبول فرماتے ہیں، نہ کہ بندے کی مرضی اور خواہش کو مقدم رکھتے ہیں۔ جلد بازی میں یہ چیز شامل نہیں کہ بندہ کہے، یا اللہ! میری دعا جلدی قبول فرمالے[۱] (بلکہ جلد بازی تو ترک دعا کا نام ہے)۔

(4) معلق دعا نہ کی جائے:۔[۲] دعا کا ایک اہم ترین ادب یہ ہے کہ پورے اعتماد، وثوق اور عزم بالجزم کے ساتھ دعا مانگی جائے، شک وتردد وغیرہ کا اظہار نہ کیا جائے اور نہ ہی یہ کہا جائے کہ یا اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے، اور تو چاہے تو مجھے نواز دے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو پورے عزم سے سوال کرے اور ہرگز یہ نہ کہے کہ یا اللہ اگر تو چاہے تو مجھے عطا کردے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے۔''[۳] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص ہرگز یہ نہ کہے کہ یا اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے، اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما بلکہ پورے عزم سے دعا کرے کیونکہ اللہ کو کوئی مجبور نہیں کرسکتا۔''[٤] مسلم کی ایک روایت کے لفظ ہیں ''پوری رغبت کے ساتھ سوال کرے۔ بلاشبہ اللہ کے نزدیک کوئی چیز بڑی نہیں جو وہ عطا کرے۔'' ایک روایت میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں، کرتے ہیں۔ انہیں کوئی مجبور کرنے والا نہیں۔''[٥] ان احادیث سے ثابت ہوا کہ سائل کو اس نیت اور امید سے دعا کرنی چاہئے کہ وہ ضرور پوری ہوگی۔ ابن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ ''کسی شخص کو اس کے گناہ دعا کرنے سے مانع نہ بنیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سب سے بدتر ''ابلیس'' کی دعا بھی قبول کرلی تھی جب اس نے کہا کہ ''یارب! مجھے قیامت تک مہلت دے۔''[٦]

بعض اہل علم نے مذکورہ روایات میں عزم کو حسن ظن سے تعبیر کیا ہے جو عزم کے قریب قریب مفہوم رکھتا ہے اور حسن ظن بھی دعا میں مطلوب ہے جیسا کہ حدیث قدسی ہے: ''میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں اور جب وہ مجھے

---

(۱) [تحفة الذاكرين (ص ٥٠)]

(۲) [احياء العلوم (١/٣٦٤)]

(۳) [بخاری (٦٣٣٨) مسلم (٢٦٧٨)]

(٤) [بخاری (٦٣٣٩) مسلم (٢٦٧٩)]

(٥) [بخاری (٦٣٣٩) مسلم (٢٦٧٩)]

(٦) [قرطبی (٢/٣١٣)]

پکارتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔[۱] معلوم ہوتا ہے کہ جس معلق[۲] دعا سے منع کیا گیا ہے، وہ ایسی دعا ہے جو دینی فلاح و بہبود یا اس کے معاون کوئی دنیاوی چیز پر مشتمل ہو جیسے بخشش و رحمت اور صحت و رزق ہے اور ایسے امور جن کی حکمت و مصلحت سائل سے پوشیدہ ہو، اسے معلق کیا جا سکتا ہے جس طرح دعائے استخارہ میں کیا جاتا ہے۔ اسی طرح معلق دعا سے ممانعت کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جب سائل سخت مصائب سے دوچار ہو تو اسے زیب نہیں دیتا کہ وہ معلق دعا کرے البتہ یہ اسے زیب دے سکتا ہے جو غنی ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے جود و سخا کے سامنے کوئی غنی نہیں۔ جب کسی سائل کو یہ امید ہو کہ دعا تو شاید قبول نہ ہو تو وہ معلق دعا کرتا ہے لیکن اگر وہ یہ امید رکھے کہ دعا ضرور قبول ہوگی تو وہ پورے عزم و جزم سے دعا مانگے گا۔ بلکہ خوب گریہ وزاری اور عاجزی کا بھی اظہار کرے گا کیونکہ دعا کی روح اور حقیقت ہی یہ ہے کہ پورے وثوق سے دعا مانگی جائے۔ اگر اس میں شک در آئے تو وہ وثوق و اعتماد میں دراڑیں ڈال دیتا ہے۔ علاوہ ازیں معلق دعا سوءِ ادب میں شامل ہے۔ کیونکہ جب کوئی سائل معلق دعا کرے گا تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ مسئول (اللہ تعالیٰ) یا تو عاجز ہے یا بخیل ہے یا اسے پریشانی کا حقیقی ادراک نہیں حالانکہ یہ قباحتیں خدائے تعالیٰ کے شایان شان نہیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

(5) غفلت اور سستی کا اظہار نہ کیا جائے:۔ دعا ایک ایسی شفا بخش دوا ہے جو بیماری کو دور کر دیتی ہے لیکن اگر اس میں دلی لگاؤ نہ ہو تو اس کی قوت متاثر ہو جاتی ہے کیونکہ دعا کا مقصد حضور قلبی ہے۔ اگر یہ ہی فوت ہو گیا اور اللہ کی طرف پوری رغبت پیدا نہ ہوئی تو وہ دعا قبولیت کا شرف حاصل کرنے سے محروم رہتی ہے بلکہ اس کی مثال اس ڈھیلی کمان کی سی ہوتی ہے جس سے تیر نکل تو سکتا ہے مگر وہ قوت سے خالی ہوتا ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے اس یقین کے ساتھ دعا مانگو کہ وہ قبول ہوگی اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی غافل اور لا پرواہ دل سے نکلی دعا کو قبول نہیں فرماتے۔''[۳] لہٰذا جب کوئی انسان غفلت اور لا پرواہی سے دعا کرے جو یقیناً قبول نہیں ہوگی تو وہ گنہگار ہے اس لئے اس کے لئے ایسی دعا نہ کرنا ہی بہتر ہے۔(۴)

---

(۱) [مسلم (۲۶۷۵)]

(۲) [معلق دعا اس طرح ہے کہ یا اللہ اگر تو چاہے تو یہ کر دے بلکہ اس طرح کہنا چاہیے کہ یا اللہ ضرور یہ کر دے۔]

(۳) [ترمذی (۳۴۷۹)حاکم (۱/ ۴۹۳) الترغیب والترهیب (۲/ ۲۷۷) احمد (۲/ ۱۷۷) الزهد لابن مبارك (۸۵) السلسلة الصحيحة (۲/ ۱۴۳) الاذکار للنووی (ص ۳۵۶) امام نوویؒ، حافظ عراقیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ شرح الاحیاء (۵/ ۳۹) فیض القدیر (۱/ ۲۲۹)]

(۴) [الفتاوی البزازیه (۴/ ۴۱) فتاوی قاضی خان (۳/ ۴۲۲)]

آداب ثبوتیہ

یعنی ایسے آداب جن کا وجود دعا کی قبولیت کے لئے ضروری ہے اس لئے انہیں وجوبیہ یا ایجابیہ آداب بھی کہا جاسکتا ہے۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ہم صرف انہیں ذکر کریں گے جو دلائل کی روشنی میں صحیح ترین ہیں اور وہ پندرہ ہیں یعنی اخلاص، توبہ، خشوع وخضوع، گریہ وزاری، خوشحالی میں دعا، آہستہ آواز میں دعا، اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا واسطہ، جامع کلمات کا استعمال، قبلہ رخ، طہارت، حمد وثنا اور درود، ہاتھ اٹھانا، افضل وقت، افضل جگہ اور افضل حالت میں دعا کرنا۔

(1) اخلاص:۔[1] یہ سب سے اہم ادب ہے کیونکہ اگر دعا میں اخلاص نہ ہو تو ممکن ہے کہ انسان شرک صریح کا مرتکب ٹھہر جائے جو اسے ملت اسلامیہ سے خارج کر دے یا شرک اصغر کا مرتکب بنے جس کے ساتھ اس کی دعا قبول نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے دعا میں اخلاص کا حکم دیا ہے۔

☆﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ .....﴾ ''اللہ تعالیٰ کو پکارو اور اس کے لئے دین خالص رکھو اگرچہ کافروں کو ناپسند لگے۔'' (غافر۔۱۴) ☆''وہ زندہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کے لئے دین خالص رکھتے ہوئے اسے پکارو'' (غافر۔۶۵) ☆''اس کو پکارو خالص اس کے لئے دین پر رہو۔ جس طرح اس نے تمہیں پیدا کیا، اسی طرح تم لوٹ کر جاؤ گے۔'' (الاعراف۔۲۹)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ''آیت مذکورہ (۲) سے ثابت ہوا کہ اخلاص قبولیت دعا کی لازمی شرط ہے۔''[2]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کسی ریاکار اور دل لگی کرنے والے کی دعا قبول نہیں کرتے بلکہ اس دعا کو قبول کرتے ہیں جو سائل کے دل سے نکلے۔''[3] دعا میں اخلاص سے یہ عقیدہ پختہ ہوتا ہے کہ خدائے واحد کے سوا کوئی بھی دعا قبول نہیں کرسکتا۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ ''داعی کو پتہ ہو کہ اللہ وحدہ کے علاوہ (اس کی حاجت پوری کرنے پر کوئی بھی قادر نہیں اور تمام وسائل اسی کے عطا کردہ ہیں۔ اس لئے سچی نیت سے اسے پکارا جائے۔[4] ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص اور سچا اعتقاد قبولیت دعا کا لازم ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ دعا کی

---

(۱) [قرطبی (۳۱۱/۲)]

(۲) [فتح الباری (۹۵/۱۱)]

(۳) [الادب المفرد (۶۵/۲) الزهد لابن مبارك (۸۳)]

(٤) [قرطبی (۳۱۱/۲)]

قبولیت اس صورت ہی ممکن ہے جب عقیدہ درست ہو، (اللہ کی) فرمانبرداری رچ بس چکی ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''میری بات مانو اور مجھ پر ایمان رکھو۔'' (تو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔)(۱)

(2) توبہ:۔(۲) گناہ ان بڑے بڑے اسباب میں سے ہیں جو دعا کو قبولیت سے روک دیتے ہیں اس لئے ان سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہے۔ انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کو توبہ واستغفار پر رغبت دلاتے تاکہ ان کی دعا قبول کی جائے۔ حضرت نوحؑ نے کہا ''میں کہتا ہوں کہ اپنے رب سے معافی مانگو۔ وہ بڑا بخشنہار ہے۔ (پھر وہ) آسمان کو تمہارے لئے موسلا دھار بارش برسانے والا بنادے گا، تمہیں مسلسل مال واولاد سے نوازے گا، تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لئے نہریں نکال دے گا۔'' (النوح۔۱۲:۱۰)

حضرت ھودؑ نے کہا ''اے میری قوم! اپنے رب سے معافی مانگو اور اس سے توبہ کرو (تو پھر) وہ آسمان کو تمہارے لئے لگاتار برسنے والا بنادے گا اور تمہاری قوت کو مزید دو چند کردے گا۔'' (ھود۔۵۲) اللہ تعالیٰ نے ہماری امت کے لئے ارشاد فرمایا ''یہ کہ تم اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف رجوع کرو (پھر) وہ تمہیں اچھے فوائد (انعامات) سے نوازے گا۔'' (ھود۔۳) اسی طرح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ گناہ (حرام وغیرہ) کی وجہ سے دعا قبول نہیں ہوتی جس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر تمام گناہوں سے توبہ کرلی تو پھر یقیناً دعائیں شرف قبولیت سے نوازی جائیں گی۔

(3) خشوع وخضوع:۔(۳) خشوع وخضوع، عاجزی وانکساری تو دعا کی روح اور مغز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ انسان کو مصیبت میں اس لئے مبتلا کرتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے، معافی مانگے، عاجزی ظاہر کرے اور نہایت ادب واحترام سے دعا مانگے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اپنے رب کو عاجزی اور پوشیدگی سے پکارو۔ بلاشبہ وہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔'' (الاعراف۔۵۵) اس آیت میں خشوع وخضوع کا حکم ہے۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ''زیادتی یہ ہے کہ عاجزی کا اظہار نہ کیا جائے بلکہ لاپرواہی کے انداز میں دعا کی جائے کہ گویا اسے کوئی ضرورت ہی نہیں لہٰذا جو شخص دعا میں مسکین بن کر عاجزی و مسکینی کا اظہار نہ کرے، وہ زیادتی کا مرتکب ہے۔''(۴) اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ اور ان کے اہل وعیال کا تذکرہ کیا کہ وہ امید اور خوف سے دعا کرتے تھے۔ ''بلاشبہ وہ بھلائی کے

---

(۱) [الفتاوی (۳۳/۱٤)]

(۲) [فتح الباری (۱۰۲/۱۱) احیاء العلوم (۳٦٥/۱)]

(۳) [احیاء العلوم (۳٦٤/۱)]

(٤) [الفتاوی (۲۳/۱٥)]

کاموں میں جلدی کرتے اور ہمیں ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے پکارتے اور وہ ہم سے ڈرنے والے تھے۔'' (الانبیاء۔۹۰) عقلمند جانتا ہے کہ پوری رغبت اور عاجزی کے ساتھ دعا مانگنی چاہیئے۔ اسی لئے کفار (مکہ) بھی مصائب وآلام کے وقت سچی رغبت اور عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتے تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔'' آپ کہہ دیں کہ کون ہے جو تمہیں بحر وبر کے اندھیروں سے اس وقت نجات دیتا ہے جب تم عاجزی اور چپکے چپکے اسے پکارتے ہو؟'' (الانعام۔۶۳)

(4) گریہ زاری اور تکرار:۔(۱) دعا کو اگر دو یا تین مرتبہ دہرایا جائے تو اس سے گریہ وزاری ظاہر ہوتی ہے۔ تین سے زیادہ مرتبہ بھی درست ہے مگر افضل تین مرتبہ ہے(۲) جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو یہ بات پسند تھی کہ تین تین مرتبہ دعا کی جائے اور تین تین مرتبہ استغفار کیا جائے۔(۳) ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ'' اللہ کے رسول ﷺ نے دعا کی۔ پھر دعا کی۔ پھر دعا کی۔''(۴) رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کے مطالعے سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ تکرار اور طوالت کے ساتھ بالکل واضح الفاظ کے ساتھ دعا مانگتے تھے مثلاً: یا اللہ! میرے گناہ معاف کردے جو میں نے کیے ہیں یا ابھی نہیں کیے، جو میں نے اعلانیہ کیے ہیں یا پوشیدہ کیے ہیں اور جو کوئی بھی میرا گناہ تیرے علم میں ہے، تو اسے معاف فرمادے۔''(۵) اگر یہ کہا جائے کہ'' الٰہی! میرا ہر گناہ صاف کردے۔'' تو یہ مختصر ضرور ہے مگر دعا میں بندگی، عاجزی، گریہ زاری کے ساتھ طوالت اختیار کرنا بہتر ہے بلکہ جتنی زیادہ عاجزی اور گریہ زاری کا اظہار کیا جائے گا، اتنا ہی موزوں اور مناسب ہوگا لیکن اگر مخلوق سے بار بار سوال کیا جائے تو وہ تنگ آجاتی ہے اور اگر ان سے سوال نہ کیا جائے تو وہ عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں مگر اس کے برعکس اللہ تعالیٰ سے جتنا زیادہ مانگا جائے، اتنا ہی اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں بلکہ نہ مانگا جائے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اسی لئے کسی نے خوب کہا کہ ؎

اللہ تعالیٰ سے نہ مانگو تو وہ ناراض ہے — مخلوق سے مانگو تو وہ ناراض ہے۔(۶)

(۱) [الجواب الكافي (ص٥)]

(۲) [اتحاف السادة (٣٩/٥)]

(۳) [ابو داؤد (١٥٢٤) موارد الظمان (٢٤١٠)]

(٤) [مسلم (٢١٨٩)]

(٥) [مسلم (٧٧١)]

(٦) [جلاء الافهام۔(١٧٥)]

(5) خوشحالی اور آسودگی میں دعا:۔(۱) سچا مؤمن وہی ہے جو تنگی اور آسانی ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے لیکن بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں بوقت مصیبت ہی رب یاد آتا ہے۔اسی حقیقت کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں متعدد مقامات پر تذکرہ فرمایا۔

☆ ''جب انسان کو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے، پہلو کے بل، بیٹھے ہوئے اور کھڑے بھی اور جب ہم اس کی مصیبت کو کھول دیتے ہیں تو وہ اس طرح ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے اپنی مصیبت میں ہمیں پکارا ہی نہیں۔'' (یونس۔۱۲)]

☆ ''جب انسان کو مصیبت پہنچے تو وہ اپنے رب کو پکارتا ہے، اس کی طرف پلٹتا ہے۔ پھر جب وہ اپنی نعمت خاص کے ساتھ اس کی تنگی دور کر دیتا ہے تو انسان بھول جاتا ہے جو پہلے وہ پکارتا تھا اور اللہ کے لئے شریک بنالیتا ہے۔'' (الزمر۔۸)

☆ ''جب انسان کو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اپنی خاص نعمت سے اسے دور کر دیتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ مجھے تو میرے علم کی وجہ سے یہ (نعمت) ملی ہے بلکہ وہ تو آزمائش ہے۔'' (الزمر۔۴۹)

☆ ''جب ہم انسان کو نعمتوں سے نوازتے ہیں تو وہ اعراض کرتے ہوئے دور چلا جاتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے۔'' (فصلت۔۵۱)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبعی عادت سے حقیقت کشائی کی ہے۔پھر مزید اس کی مثالیں بیان فرمائی ہیں:

☆ جب سمندر میں تمہیں کوئی آفت پڑتی ہے تو تم ایک اللہ کے سوا سب کو بھول جاتے ہو اور جب وہ تمہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو تم اس سے منہ پھیر لیتے ہو اور اس لئے تو انسان ناشکرا ہے۔'' (الاسراء۔۶۷)

☆ اور جب سائبانوں کی طرح (سمندر کی) موجیں انہیں ڈھانپتی ہیں تو وہ اللہ ہی کے لئے اعتقاد خالص بنا کر اسے پکارتے ہیں۔ پھر جب وہ (اللہ تعالیٰ) انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچاتا ہے تو کچھ (ہی لوگ) ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں اور ہماری آیات کا صرف وہی انکار کرتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہیں۔'' (لقمان۔۳۲)

اس لئے انسان کو آسودگی میں بھی دعا کرتے رہنا چاہئے۔تاکہ بوقت مصیبت دعا جلد قبول ہو جائے جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ ہے ''آسودگی میں اللہ کو یاد رکھ۔ وہ تنگی میں (بھی) تمہیں یاد رکھے گا۔''(۲) اللہ کو یاد رکھنے کا مفہوم یہ ہے کہ انسان بوقت کشادگی بھی صرف اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے اور ''اللہ تمہیں یاد رکھے گا'' کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری مدد کرے گا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے ''بندہ نوافل کے ساتھ میرا قرب تلاش کرتا رہتا ہے

---

(۱) [المنهاج للحليمی (۱/۵۲۳)]

(۲) [احمد (۱/۳۰۷۔۳۰۳) ترمذی (۲۵۱۶) حاکم (۳/۵۴۱) صحيح الجامع (۲/۴۴)]

یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے عطا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر وہ مجھ سے دعا مانگے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔''(۱) اسی طرح جو شخص آسودگی میں دعا کرتا ہے، بوقت تنگی اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے جیسا کہ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ سختی اور تکلیف میں اس کی دعا رائیگاں نہ جائے تو وہ آسودگی میں بکثرت دعا کیا کرے۔''(۲)

(6) آہستہ آواز سے دعا کرے:۔(۳) دعا کا ایک اہم ادب یہ ہے کہ آہستہ آواز میں دعا مانگی جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اپنے رب کو عاجزی اور آہستہ آہستہ پکارو۔ یقیناً وہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (الاعراف۔۵۵) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ لوگوں نے اونچی اونچی تکبیریں کہنا شروع کر دیں تو نبی ﷺ نے فرمایا ''لوگو! اپنی جانوں پر رحم کرو۔ تم کسی بہرے یا غیب کو نہیں پکار رہے۔ تم تو سننے والے، قریب (اللہ) کو پکار رہے ہو جو تمہارے ساتھ ہے۔(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''اپنی آواز کو 'صلوۃ' میں اونچا کرو نہ (بالکل) پوشیدہ۔'' اس آیت میں صلوۃ سے مراد دعا ہے۔(۵) امام احمد بن حنبل ؒ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔(۶) حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر آدمی چاہے تو قرآن پڑھ جائے اور ساتھ والے کو علم نہ ہو یا بڑی فقہ حاصل کر جائے مگر لوگوں کو پتہ نہ چلے یا اپنے گھر میں جہاں زائرین بھی ہوں، لمبی نماز پڑھے اور لوگوں کو خبر تک نہ ہو، ہم نے روئے زمین پر ایسے لوگوں کا بھی مشاہدہ کیا ہے جو پوشیدگی سے دعا کیا کرتے تھے کہ اسے صرف رب تعالیٰ ہی سن سکتے تھے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اپنے رب کو عاجزی اور پوشیدگی سے یاد

---

(۱) [بخاری (۶۵۰۲)]

(۲) [ترمذی (۴۶۲/۵) حاکم (۵۴۴/۱) صحیح الجامع (۳۰۰/۵)]

(۳) [الفتاوی (۱۵/۱۵)]

(۴) [بخاری (۲۹۹۲) مسلم (۲۷۰۴)]

(۵) [بخاری (۴۷۲۳)]

(۶) [اقتضاء الصراط (ص ۳۱۱)]

کرو۔'' (مریم۔۳) ایک روایت ہے کہ اونچی اور آہستہ دعا میں ستر درجوں کا فرق ہے۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی علانیہ اور پوشیدہ صدقے کے متعلق ایسی روایت منقول ہے۔[2] جس پر مرفوع کا حکم لگایا جائے گا۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ ایسی بات صحابی اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتا اس لئے کہ یہ توقیفی امر ہے۔[3] ابن تیمیہؒ نے پوشیدہ دعا کے دس فائدے ذکر کئے ہیں۔[4] جنہیں ازراہ فائدہ ہم بھی بیان کئے دیتے ہیں :۔

(۱) اس میں ایمان عظیم حاصل ہوتا ہے کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ مخفی دعا بھی سن سکتا ہے۔ (۲) اس میں حسن ادب ہے کیونکہ اونچی آواز تو بادشاہ لوگ بھی پسند نہیں کرتے اور اللہ کے لئے اعلیٰ مثال ہے (۳) اس میں بڑی عاجزی کا اظہار ہوتا ہے اور یہی دعا کی روح ہے جب انسان بڑی مسکینی اور لجاجت بھرے انداز سے سوال کرتا ہے تو اسکے اعضا ڈھیلے پڑ جاتے ہیں، آواز آہستہ ہوتی ہے بلکہ زبان ساتھ نہیں دیتی جبکہ اونچی آواز کے ساتھ دعا کرنے میں یہ کیفیت طاری نہیں ہوسکتی۔ (۴) اس میں خلوص انتہا درجے کا پایا جاتا ہے۔ (۵) اس میں انسان کا دل پوری توجہ سے اللہ کی طرف مائل ہوتا ہے جو اونچی آواز میں ناممکن ہے۔ (۶) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسئول انتہائی قریب ہے ورنہ جتنی اونچی آواز ہوگی اس سے یہ تصور ہوگا کہ مسئول بھی اتنا ہی دور ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو آپ بتا دیں کہ میں قریب ہوں۔'' (البقرۃ۔۱۸۶) سجدہ کی حالت میں انسان رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ (۷) اگر انسان ہمیشہ دعا کرنا چاہتا ہے تو آہستہ آواز اس کا ساتھ دے گی لیکن اونچی آواز زیادہ دیر ساتھ نہیں دے سکتی۔ (۸) آہستہ آواز میں دعا کرنے سے دوسرے لوگ تشویش و پریشانی کا شکار نہیں ہوں گے۔ (۹) ہر نعمت پر لوگ حسد کرتے ہیں جبکہ سب سے بری نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور اس کی عبادت (دعا وغیرہ) کرنا ہے اس لئے حسد سے بچانے کے لئے اسے پوشیدہ رکھنا ہی بہتر ہے جس طرح حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹے یوسفؑ سے کہا ''اپنا خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف ہو جائیں گے۔'' (یوسف۔۵) (۱۰) دعا دراصل ذکر بھی ہے اور ذکر کو پوشیدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ''اپنے رب کو عاجزی اور پوشیدگی کے ساتھ اپنے دل میں یاد کرو۔'' (الاعراف۔۲۰۵) امام ابن تیمیہؒ کی طرح بعض اہل علم نے ذکر

---

(۱) [ابن جریر (۲۰۶/۷) الفتاوی (۱۵/۱۵)]

(۲) [ابن جریر (۹۲/۳)]

(۳) [قرطبی (۳۳۲/۳)]

(۴) [الفتاوی (۱۵/۱۵)]

اور دعا میں فرق کیا ہے اس لئے بعض نے کہا کہ دعا کو ذکر کے برخلاف آہستہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس طرح دعا جلدی قبول ہوتی ہے۔ فتاوی بزازیہ میں ہے کہ اگر واعظ (بغرض تعلیم) اونچی دعا کرے تو درست ہے مگر تعلیم کے بعد بھی اگر اونچی دعا کرے تو یہ بدعت ہے اس لئے کہ حضرت زکریاؑ نے اپنے رب سے پوشیدہ دعا کی تھی۔(۱)

بعض حنفی علماء کے نزدیک اذکار اور ادعیات کو پوشیدہ رکھنا مستحب ہے سوائے کچھ ایسی چیزوں کے جن کا اعلانیہ اظہار کرنے کا کوئی مقصد ہو جس طرح اذان، خطبہ اور نماز کی تکبیرات ہیں۔ (۲) اس سے ان دیگر حنفی حضرات کا رد ہوا جو اونچی اور جہری آواز سے ذکر واذکار کو مستحب سمجھتے ہیں اور صوفیاء کی تقلید کی وجہ سے اونچی آواز میں مجلس ذکر کا انعقاد کرتے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بسا اوقات آہستہ آواز سے دعا اور ذکر افضل ہے جبکہ بعض اوقات جہری انداز میں ذکر و دعا افضل ہوتی ہے یعنی جب کسی جاہل کو تعلیم دینا مقصود ہو یا سستی دور کرنا یا بدعت سے نفرت دلانا مقصود ہو۔(۳)

(7) اسمائے حسنیٰ کو وسیلہ بنانا:۔ (۴) بہت سی دعاؤں کے آغاز یا اختتام پر اسمائے حسنیٰ کو ساتھ ملایا گیا ہے مثلاً:

☆ ﴿ربنا لاتزغ قلوبنا..... انک انت الوھاب﴾ (آل عمران۔۸) ''اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد اب ٹیڑھا نہ کر اور اپنی جناب سے ہمیں رحمت سے نواز۔ بے شک تو ہی سب سے بڑھ کر نوازنے والا ہے۔

☆ ''یارب! مجھے اپنی جناب سے نیک اولاد عطا فرما بے شک تو دعا سننے والا ہے۔'' (آل عمران۔۳۸)

☆ ''یارب! مجھے معاف فرما دے، میرے بھائی کو بھی اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر لے۔ بے شک تو سب سے بڑھ کو رحم کرنے والا ہے۔'' (الاعراف۔۱۵۱)

☆ ''ہماری توبہ قبول فرما۔ بلاشبہ تو بڑی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔'' (البقرۃ۔۱۲۸)

☆ ''اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں۔ ان ناموں کیساتھ اسے پکارا کرو۔'' (الاعراف۔۱۸۰)

اسمائے حسنیٰ کے ساتھ دعا مانگنے کے دو مرتبے ہیں۔ ایک تو یہ کہ حمد وثنا اور عبادت پر مشتمل دعا ہو اور دوسرا یہ کہ حمد وثنا کے علاوہ صرف مخصوص اسماء کے ساتھ مخصوص دعا مانگی جائے اور اگر غور کیا جائے تو انبیاءؑ کی دعاؤں میں یہ اہتمام نظر آتا ہے۔ (۵) حدیث نبوی ﷺ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام (ایسے) ہیں کہ جو انہیں یاد کرے، وہ جنت میں داخل ہو

(۱) [الفتاوی البزازیۃ (۴۲/۴)]

(۲) [المبسوط للسرخسی (۶/۴)]

(۳) [الفتاوی البزازیۃ (۴۲/۴) الفتاوی عالمگیری (۳۱۸/۵)]

(۴) [اتحاف السادۃ (۴۲/۵)]

(۵) [بدائع الفوائد (۱۶۴/۱) مدارج السالکین (۴۴۸/۱)]

جائے گا۔‘‘[۱] اس حدیث کے تین مفہوم ذکر کئے گئے ہیں:۔

(۱) ان الفاظ کو مع تعداد یاد کرے۔ (۲) ان کے معنی و مفہوم کو یاد کر لے۔ (۳) ان کے ساتھ دعا مانگے۔ امام خطابیؒ نے اسی تیسرے مفہوم کو راجح کہا ہے۔[۲] اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا وسیلہ تلاش کرنا آداب دعا کے خلاف ہے کیونکہ اس میں غیر اللہ کی طرف احتیاج کا پہلو پایا جاتا ہے۔ (جو توحید کے منافی ہے) بلکہ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی کبھی اللہ کے رسول ﷺ سے اپنے لئے دعا کروانے کو نہیں کہا البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تبوک کے موقع پر جب زاد راہ ختم ہونے کی وجہ سے نبی ﷺ نے سواری کے اونٹ ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا تو یہ درخواست کی تھی کہ آپ مسلمانوں کے لئے دعا کریں۔[۳] کسی غائب یا میت کو وسیلہ بنانا تو بالکل جائز نہیں۔ اس کی تفصیل آگے ذکر کی جائے گی البتہ اعمال صالحہ کو وسیلہ بنا کر دعا کرنا قرآن مجید کی روشنی میں مستحب ہے مثلاً ’’اے ہمارے رب! ہم نے ایک منادی کو سنا جو ایمان کی طرف بلا رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ۔ سو ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے لہٰذا (اب تو ایمان لانے کی وجہ سے) ہمارے گناہ معاف فرما دے۔‘‘ (آل عمران۔۱۹۳) نیز ’’اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے ہیں لہٰذا ہمارے گناہ معاف فرما دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔‘‘ (آل عمران۔۱۶) اس میں وہ دعائیں بھی شامل ہیں جن میں اسم اعظم کے ساتھ دعا کی قبولیت کی ترغیب دی گئی ہے جس طرح نبی ﷺ نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا ’’یا اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ساتھ اس کے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ تو اکیلا، بے نیاز ہے جس نے نہ کسی کو جنا ہے نہ خود جنا گیا ہے اور جس کا کوئی ہمسر نہیں۔‘‘ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے اللہ تعالیٰ سے اس کے اس نام کے ساتھ سوال کیا ہے کہ جو کوئی اس نام کے ساتھ سوال کرے، اسے دیا جاتا ہے اور جو دعا کرے اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔[۴]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ’’ذوالنون (یونسؑ) کی وہ دعا جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں کی تھی (وہ یہ ہے) ’’تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تو پاک ہے۔ بے شک میں ہی ظالم تھا‘‘ کوئی مسلمان اس دعا کے ساتھ کسی چیز کا بھی سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول کرتے ہیں۔(۵)

---

(۱) [بخاری (۲۷۳۶) مسلم (۲۶۷۷)]

(۲) [الفتح (۳۷۸/۱۳)]

(۳) [مسلم (۲۷)]

(٤) [ابو داؤد (۱٤۹۳) ترمذی (۳٤۷٥) ابن ماجة (۳۸٥۷) احمد (۳٦۰/٥) حاکم (٥۰٤/۱)]

(٥) [ترمذی (۳٥۰٥) صحیح الجامع (۱٤٥/۳)]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو حالت نماز میں یہ کہتے ہوئے سنا ''یا اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ بے شک تیرے لئے ہی ہر قسم کی تعریف ہے، تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، بڑا احسان کرنے والا ہے، ارض وسماوات کو از سر نو پیدا کرنے والا ہے۔ یاذا الجلال الاکرام یا حی یا قیوم'' تو نبی ﷺ نے فرمایا اس نے اللہ تعالیٰ کے اس عظیم نام کے ساتھ دعا کی ہے کہ جب بھی اس نام کے ساتھ دعا کی جائے، وہ قبول کرتا ہے اور جب بھی اس نام کے ساتھ سوال کیا جائے، وہ عطا کرتا ہے۔''(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ تکلیف کے وقت یہ کہتے تھے ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ عظیم ہے، بردبار ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عرش عظیم کا رب ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور عرش کریم کا رب ہے۔(۲)

(8) جامع کلمات کا استعمال:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کو دعا میں جامع کلمات پسند تھے۔ اس کے علاوہ کلمات کو آپ استعمال نہیں کرتے تھے۔(۳) امام خطابیؒ اس کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ دنیا میں کوئی خادم اپنے بادشاہ یا وزیر کے لئے بڑے جچے تلے اور نکھرے ہوئے الفاظ کے ساتھ درخواست کرتا ہے تو ضروری ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک جس کے لئے اعلیٰ مثال ہے، اچھے اچھے اور جامع کلمات کے ساتھ خطاب کیا جائے اور بندہ اپنی انتہائی عاجزی اللہ کے حضور پیش کرے۔ نبی کریم ﷺ جو اللہ کے منتخب اور پسندیدہ نبی ہیں، یہ دعا کرتے ''الٰہی! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اور میں تیری ویسی ثنا بیان کرنے سے قاصر ہوں جیسی تو نے خود اپنی حمد وثنا کی ہے۔''(٤) اسی طرح اعراب (زیر وزبر) کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ اعراب کی تبدیلی سے معنی ومفہوم کی تبدیلی لازم آتی ہے اور بسا اوقات اگر آدمی کا خاص عقیدہ ہو تو اس تبدیلی سے انسان کفر تک جا پہنچتا ہے۔ امام خطابیؒ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا کہ اصمعیؒ ایک آدمی کے پاس سے گذرے جو دعا میں (یاذا کو) یاذوالجلال والاکرام کہہ رہا تھا تو انہوں نے اس کا نام پوچھا، اس نے کہا میرا نام لیث ہے تو اصمعیؒ نے شعر پڑھا کہ۔

''لیث اپنے رب سے لحن (واضح غلطی) کے ساتھ دعا مانگ رہا ہے۔ بھلا یہ دعا کیسے قبول ہو۔''

لہٰذا اعراب کا خیال رکھنا نہایت ضروری اور لازمی ہے مگر اس شخص کے لئے جو اعراب سے واقف ہو اور اعراب سے نابلد حضرات کے لئے گنجائش ہے جیسا کہ ابن صلاحؒ کا خیال ہے۔

---

(۱) [ابو داؤد (۱٤۹٥) ترمذی (۳٥٤٤)]

(۲) [بخاری (٦۳٤٦) مسلم (۲۷۳۰)]

(۳) [ابو داؤد (۱٤۸۲) صحیح الجامع (٤/۲٦٤)]

(٤) [مسلم (٤۸٦)]

(9) قبلہ رخ ہونا:۔ قبلہ ایک فضیلت والی جہت ہے جسے نماز جیسی عبادت کی طرح دعا میں بھی اختیار کیا جاسکتا ہے البتہ آسمان قبلہ نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا غلط نظریہ ہے جس کی تردید آگے بیان کی جائے گی۔ مذکورہ ادب پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں مثلاً جب حالت نماز میں اللہ کے رسول ﷺ کی پیٹھ پر گندگی ڈالی گئی تو آپ نے قبلہ رخ ہو کر کچھ قریشیوں کے لئے بدعا کی۔[1] ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر کے روز جب نبی کریم ﷺ نے مشرکین کو دیکھا تو قبلہ رخ ہو کر دعا شروع کر دی۔''[2] البتہ یہ یاد رہے کہ قبلہ رخ ہونا مستحب تو ہے مگر واجب نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ سے کئی دعائیں بغیر قبلہ رخ ہوئے بھی منقول ہیں۔ اسی لئے امام بخاریؒ اپنی ''صحیح'' میں باب ذکر کرتے ہیں ''دعا، قبلہ رخ کے سوا'' پھر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بارش کے لئے دعا کی حالانکہ قبلہ کی طرف پشت تھی۔(۳)

(10) دعا سے پہلے طہارت:۔ جب سائل اللہ کے حضور مناجات و دعا کے لئے پیش ہونا چاہے تو اس کے لیے ظاہری صفائی مثلاً وضو اور باطنی صفائی مثلاً توبہ و استغفار کا اہتمام کر لینا مستحب ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے ایک مردے کے حق میں استغفار کی درخواست کی گئی تو آپ ﷺ نے پانی منگوایا۔ پھر وضو کر کے دعا مانگی۔''[4] لیکن وضو ضروری نہیں کیونکہ سائل ہر وقت وضو کا اہتمام کر کے دعا نہیں کر سکتا اور نہ ہی نبی کریم ﷺ نے ہر دعا کے لئے وضو کا اہتمام کیا ہے۔

(11) دعا سے پہلے حمد و ثنا اور درود وغیرہ:۔ یہ ایک قدیم ادبی روایت ہے کہ بڑے بڑے لوگوں کی پہلے تعریف و توصیف اور خوشامد کی جاتی ہے۔ پھر ضرورت و حاجت عرض کی جاتی ہے۔ اللہ کے لئے تو اعلیٰ مثال ہے کہ اس کا اہتمام کیا جائے اور اگر قرآن و سنت پر غور کیا جائے تو بکثرت ایسی دعائیں نظر آئیں گی مثلاً ''اے ہمارے رب! جو کچھ تو نے پیدا کیا ہے، یہ باطل نہیں، تو پاک ہے لہٰذا ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔'' (آل عمران ۳:۱۹۱) اس طرح سورۃ فاتحہ میں پہلے خوب حمد و ثنا بیان ہوئی ہے، اسی طرح یوسف کی دعا ذکر کی گئی ہے ''اے میرے رب! تو نے مجھے بادشاہت عطا کی ہے اور خوابوں کی تعبیر سکھائی........'' (یوسف۔۱۰۱) اسی طرح فرشتوں کی دعا کے شروع میں ہے ''اے ہمارے رب! تو علم و رحمت کے ساتھ ہر چیز پر وسعت رکھتا ہے۔'' (غافر۔۷)

اسی طرح نبی ﷺ قیام اللیل میں یہ دعا مانگا کرتے ''یا اللہ! تیرے لئے ہی ہر طرح کی حمد ہے۔ تو ہی آسمانوں اور

---

(۱) [بخاری (۳۹۶۰) مسلم (۱۷۹٤)]

(۲) [مسلم (۱۷٦۳)]

(۳) [بخاری مع الفتح (۱٤۳/۱۱

(٤) [بخاری (٤۲۲۳)]

زمین کو قائم رکھنے والا ہے، تیرے لئے ہی ساری تعریفیں ہیں۔تو ارض وسما کا بادشاہ ہے..........(لمبی حمد وثنا کے بعد فرمایا) تو میرے گناہ معاف فرمادے.........''[1] حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی ﷺ کی اقتدا کرتے ہوئے ہر دعا سے پہلے حمد وثنا پڑھنا مستحب ہے۔[2] نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا دعا کی ایک قسم ہے۔اس لحاظ سے دعا کی دوصورتیں ہیں:۔ (۱) انسان کا اپنی ضروریات اور حاجات کا سوال کرنا۔

(۲) انسان کا یہ سوال کرنا کہ یا اللہ تو اپنے حبیب پر رحمتیں نچھاور فرما اور یقیناً یہ بات اللہ تعالیٰ کو بڑی پسند ہے۔ علاوہ ازیں سائل درود کو اپنی حاجات پر ترجیح دے رہا ہے۔اسی طرح انسان جب کسی بادشاہ کے سامنے جاتا ہے تو اس کے تقرب کے لئے ایسے شخص کی تعریف وتوصیف کرتا ہے جسے بادشاہ پسند کرتا ہے۔علاوہ ازیں نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا خود بھی ایک دعا ہے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر دس مرتبہ رحمتیں بھیجتا ہے۔جس طرح کوئی شخص کسی مسلمان کے لئے دعائے خیر کرے تو فرشتے کہتے ہیں۔آمین اور تجھے بھی وہ چیز مل جائے۔اس لئے سائل نبی ﷺ کے لئے (درود کی) دعا کرے تو یہ اس سے بھی بہتر ہے۔[3] ثابت ہوا کہ درود بھی دعا کی ایک قسم ہے اور اگر اسے دعا سے پہلے پڑھا جائے تو یہ کنجی کا کردار ادا کرتا ہے جس طرح طہارت نماز کی کنجی ہے۔[4] اہل علم کا اتفاق ہے کہ دعا سے پہلے درود پڑھنا مستحب ہے حتی کہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم کے نزدیک درود واجب ہے۔[5] بہت سی احادیث میں دعا سے پہلے حمد وثنا اور درود کی رغبت دلائی گئی ہے جیسے ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سنا کہ ایک آدمی اپنی نماز میں دعا کر رہا ہے مگر اس نے درود نہ پڑھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے جلدی کی۔پھر اسے اور دوسرے لوگوں کو بلا کر کہا کہ جب کوئی دعا کرے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرے۔پھر نبی ﷺ پر درود پڑھے اور پھر جو چاہے دعا کرے۔''[6] ایک روایت میں ہے کہ دعا معلق رہتی ہے حتی کہ نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا جائے۔(۷)

---

(۱) [بخاری (۱۱۲۰)]

(۲) [فتح الباری (۵/۳)]

(۳) [قاعدہ جلیلۃ (۲۱٤)]

(٤) [ایضا (۲۲۷)]

(٥) [الفتح (۱۵۳/۱۱)]

(٦) [ابو داؤد (۱٤۸۱) ترمذی (۵۹۳) حاکم (۲٦۸/۱) صحیح الجامع (۲۳۸/۱)]

(۷) [جلاء الافہام (۱۱) صحیح الجامع (۱۷۳/٤)]

(12) دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا:۔ اکثر اہل علم نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے کو مستحب کہا ہے اور بہت سی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ امام منذریؒ نے مستقل ایک کتاب [1] میں اور امام سیوطیؒ نے ایک رسالے (فض الوعا فی احادیث رفع الیدین فی الدعا) میں انہیں جمع کر دیا ہے اور ان پر تواتر کا حکم لگایا ہے۔ تدریب الراوی میں (امام سیوطیؒ) نے تواتر معنوی کی مثال میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے والی احادیث کو پیش کیا کہ ''دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے کے بارے میں نبی ﷺ سے تقریباً سو کے قریب احادیث منقول ہیں جنہیں میں نے ایک مستقل کتاب میں جمع کر دیا ہے اگر چہ یہ دعائیں مختلف قضایا سے متعلق ہیں مگر ان میں ہاتھ اٹھانا چونکہ قدر مشترک ہے اس لئے میں نے مجموعی اعتبار سے اس پر تواتر کا حکم لگایا ہے۔''[2] ''نظم المتناثر'' کے مصنف نے بھی اس تواتر کی تائید کی ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ''دعائے استقا کے علاوہ بھی نبی ﷺ سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اس کثرت سے ثابت ہے جس کا شمار مشکل ہے۔ میں نے صحیحین (بخاری و مسلم) سے تقریباً تیس احادیث کو جمع کیا ہے۔''[3] امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ''نبی ﷺ سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا اس کثرت سے ثابت ہے کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ نیز فرماتے ہیں کہ اس کی احادیث متواتر ہیں۔[4] بعض لوگ ہاتھ اٹھانا مکروہ سمجھتے ہیں اس لئے وہ ایک انگلی ہی سے اشارہ کرتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہاتھ اٹھانا بارش کی دعا کے لئے خاص ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بارش اور قنوت نازلہ کی دعاؤں میں ہاتھ اٹھائے جا سکتے ہیں۔[5] ان لوگوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل اخذ کی ہے کہ نبی کریم ﷺ صرف دعائے استقاء میں ہاتھ اٹھاتے تھے حتی کہ آپ ﷺ کے بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی۔[6] دعائے نازلہ کو بھی دعائے استقاء پر قیاس کیا گیا ہے اور ہاتھ نہ اٹھانے والوں کی دلیل یہ روایت ہے کہ عمارہ بن رؤیبۃ نے بشر بن مروان کو منبر پر ہاتھ اٹھائے دیکھا تو کہا کہ اللہ تعالیٰ ان ہاتھوں کو برباد کرے۔ میں نے تو اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا ہے، آپ ﷺ صرف انگشت شہادت سے اشارہ کرتے تھے۔(۷)

---

(۱) [الفتح (۱۱/۱٤۲)]

(۲) [تدریب الراوی (۲/۱۸۰)]

(۳) [شرح مسلم (٦/۱۹۰)]

(٤) [الفتاوی (٥/۲٦٥)]

(٥) [قرطبی (۷/۲۲٤)]

(٦) [بخاری (۱۰۳۱)]

(۷) [مسلم (۸۷٤)]

راجح مذہب جمہور کا ہے اس لئے کہ معروف قاعدہ یہی ہے کہ بوقت تعارض جمع (تطبیق) کی کوشش کی جائے، اگر ممکن نہ ہو تو ترجیح کی صورت اختیار کی جائے اور یہاں دونوں صورتیں موجود ہیں۔ جمع اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہاتھ اٹھانے سے منع نہیں کیا گیا بلکہ دعائے استسقاء اور قنوت نازلہ کے سوا عام دعاؤں میں ایک خاص صفت (کہ ہاتھ کھینچ کر اٹھانا حتی کہ بغلیں ظاہر ہوں) کی نفی ہے۔ اسی طرح استسقاء میں ہتھیلیوں کا رخ زمین کی طرف ہوتا ہے جبکہ دوسری دعاؤں میں ہتھیلیوں کا رخ آسمان کی طرف ہوتا ہے۔ عمارہ والی حدیث منبر پر خطبہ جمعہ کے لئے خاص ہے۔ اسی طرح اگر ترجیح والی صورت دیکھی جائے تو ہاتھ اٹھانا ہی راجح ثابت ہوتا ہے۔

(۱) ہاتھ اٹھانے کی روایات متواتر ہیں جبکہ نہ اٹھانے کی غیر متواتر لہٰذا متواتر غیر متواتر پر مقدم ہوتی ہے۔

(۲) ہاتھ اٹھانے کی بروایات مثبت ہیں اور مثبت نفی پر مقدم ہوتا ہے نیز بیان کرنے والی ایک جماعت ہے اور نفی کرنے والا فرد واحد! اور شاید وہ نہ دیکھ سکا ہو۔

ہاتھوں کا چہرے پر ملنا:۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض اسے مستحب کہتے ہیں (۱) بعض مکروہ (۲) اور بدعت سمجھتے ہیں۔ مستحب کہنے والوں نے جتنی احادیث کو دلیل بنایا ہے، ان میں سے کوئی ایک بھی معیار صحت پر پوری نہیں جیسا کہ شیخ البانی اور شیخ بکر بن زید نے بیان کیا ہے۔ (۳) لیکن حافظ ابن حجرؒ نے ایک حدیث کو حسن کہتے ہوئے فرمایا کہ ان احادیث کا مجموعہ ''حسن'' ہونے کا متقاضی ہے۔ (٤) لیکن یہ قول بھی محل نظر ہے اس لئے کہ حسن کا حکم اس وقت لگایا جا سکتا ہے جب ضعف شدید نہ ہو حالانکہ ان میں سے کوئی ایک سند بھی ضعف شدید سے محفوظ نہیں۔

بدعت کہنے والوں کے دلائل یہ ہیں کہ (۱) یہ عبادت ہے اور عبادت کی مشروعیت کے لئے دلیل شرعی ضروری ہے (جو یہاں موجود نہیں) (۲) دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے کی احادیث تو متواترہ ہیں مگر چہرے پر ہاتھ پھیرنے میں ایک روایت بھی صحیح نہیں۔ اسی لئے عز بن عبد السلامؒ فرماتے ہیں کہ جاہل ہی چہرے پر ہاتھ ملتا ہے۔ (٥) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ غیر مندوب ہے۔ (٦) ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ''دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے کے ثبوت میں بے شمار صحیح روایات

---

(۱) [حلیمی اور امام غزالی]

(۲) [مثلاً امام مالکؒ، ابن مبارکؒ، امام احمدؒ اور بیھقی، ابن تیمیہؒ وغیرہ۔]

(۳) [ارواء الغلیل (۱۷۸/۲) ''جزء فی مسح الوجہ'' الشیخ بکر]

(٤) [سبل السلام (١٦٣٠/٤)]

(٥) [فیض القدیر (٣٦٩/١)]

(٦) [شرح المهذب (٤٤١/٣)]

موجود ہیں مگر چہرے پر ہاتھ ملنے میں ایک یا دو روایتیں ہیں مگر وہ بھی قابل حجت نہیں۔ (واللہ اعلم)(۱)

(13) افضل وقت دعا کرنا:۔ اللہ تعالیٰ نے بعض وقتوں کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ اگر ان اوقات کا خیال رکھ کر دعا مانگی جائے تو قبولیت کی غالب امید ہے۔ چند افضل اوقات درج ذیل ہیں:

سحری: احادیث میں رات کے وقت بالعموم اور بوقت سحری بالخصوص قبولیت دعا کا ذکر ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے صالح بندوں کی یہ صفت بیان کی ہے ''وہ سحری کے وقت استغفار کرتے ہیں۔'' (آل عمران۔۱۷) نیز ''وہ رات کو تھوڑا ہی سوتے ہیں اور بوقت سحری بخشش مانگتے ہیں۔'' (الذاریات۔۱۸) حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر اس وقت تشریف لاتے ہیں جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، کون ہے دعا کرنے والا کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ ہے کوئی مجھ سے مانگنے والا جسے میں عطا کروں؟ ہے کوئی بخشش کا طالب کہ میں اسے بخش دوں؟(۲)

یوم جمعہ: جمعہ کے روز ایک قبولیت والی گھڑی ہے جیسا کہ ابو ہریرہ ﷛ سے مروی حدیث میں نبی ﷺ فرماتے ہیں ''جو شخص جمعہ کے روز اس گھڑی کو پالے اور نماز پڑھ رہا ہو تو وہ جو بھی دعا کرے گا، اس کی دعا قبول ہو گی۔''(۳) اس گھڑی کی تعیین میں تقریباً چالیس(۴) اقوال مروی ہیں جن میں سے دو قول ہی سب سے قوی ہیں:

(۱) امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز جمعہ سے فراغت تک۔

(۲) نماز عصر سے تا غروب آفتاب

رمضان المبارک: بالخصوص آخری دس دن اور ان میں بھی شب قدر۔ اللہ تعالیٰ نے بعض مہینوں کو بعض پر شرف فضیلت بخشی ہے۔ انہی میں ایک رمضان کا مہینہ ہے جس میں رحمتوں کی بارش ہوتی ہے جیسا کہ ابو ہریرہ ﷛ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب رمضان کا مہینہ شروع ہو جاتا ہے تو رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں۔

یوم عرفہ: اس دن بھی دعائیں قبول ہوتی ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سب سے افضل دعا عرفہ کے

---

(۱) [الفتاوی (۲۲/۵۱۹)]

(۲) [بخاری (۱۱۴۵) مسلم (۷۵۸)]

(۳) [بخاری (۹۳۵) مسلم (۸۵۲)]

(۴) [فتح الباری (۲/۴۱۶)]

دن کی ہے۔"[1] ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یوم عرفہ کی دعا کی فضیلت ثابت ہوتی ہے نیز اس کی قبولیت کا غالب گمان ہے۔[2] ایک سوال ہے کہ آیا یوم عرفہ کی دعا میدان عرفات کے ساتھ خاص ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث کے عموم کے مطابق یہ عرفات کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس دن جہاں کہیں بھی دعا کی جائے، اس کی فضیلت متاثر نہیں ہوتی لیکن امام باجی مالکیؒ فرماتے ہیں کہ "یوم عرفہ کی دعا صرف حاجی کے لئے خاص ہے۔"[3] سلف صالحینؒ سے بھی اس موقف کی تائید ہوتی ہے لیکن ابن عباس، عمرو بن حریث اور دیگر صحابہ ﷺ بصری اور مدنی عرفہ کے دن دوسرے شہروں میں دعا کرتے تھے (اگرچہ دوسرے لوگ ان پر تنقید کرتے) جس کی وجہ سے مذکورہ موقف کی حیثیت دھندلا جاتی ہے۔(۴)

اذان اور اقامت کے درمیان: اذان کے وقت شیاطین دور بھاگتے ہیں اور لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں نیز اس وقت دعا کی قبولیت کی کافی امید ہوتی ہے جیسا کہ حضرت انس ﷺ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا "اذان اور اقامت کے دوران دعا رد نہیں ہوتی۔"(۵)

(14) افضل جگہ پر دعا کرنا:۔ مثلاً مساجد، مقدس مقامات، مشعر حرام، جمرہ صغری اور وسطی کے پاس، کعبہ میں، صفا و مروہ پر۔ کیونکہ یہ ایسے مقامات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خصوصی فضل و شرف بخشا ہے اور یہاں دعا دوسرے مقامات کی بہ نسبت جلد قبول ہوتی ہے حتی کہ مشرکین و کفار بھی دور جاہلیت میں یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ مکہ میں دعا قبول ہوتی ہے۔ عبداللہ بن مسعود ﷺ فرماتے ہیں کہ جب کفار نے نبی کریم ﷺ کی پشت پر نماز میں اوجھ ڈالی تو ان پر نبی ﷺ کی بددعا گراں گزری کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ شہر مستجاب الدعوات ہے۔[6] لہٰذا ہر مسلمان کو ان مقامات مقدسہ میں دعا کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔

(15) افضل حالت میں دعا:۔ انسان پر مختلف احوال گذرتے رہتے ہیں۔ اس لئے کبھی انسان انتہائی

---

(۱) [احمد (۲/۲۱۰) ترمذی (۳۵۸۵)]

(۲) [التمهيد (٦/٤١)]

(۳) [المنتقى شرح الموطا (۱/۳۵۸)]

(٤) [اقتضاء الصراط (۳۱۰)]

(٥) [احمد (۳/۱۵۵) ترمذی (۲۱۲)]

(٦) [بخاری (۲٤٠)]

خشوع وخضوع کی حالت میں ہوتا ہے اسی طرح بعض افضل اوقات بھی انسان کی حالت پر اثر انداز ہوتے ہیں مثلاً تہجد کا وقت۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ''رات کے آخری حصہ میں لوگوں کے دلوں پر جو قلب ورقت اور توجہ الی اللہ کی کیفیت طاری ہوتی ہے وہ کسی دوسرے وقت کم ہی نصیب ہوتی ہے۔ عرفہ کی شام حاجی کے دل پر ایمان، رحمتِ وبرکت اور نور الٰہی کا جو نزول ہوتا ہے، وہ بیان سے باہر ہے۔''(١) افضل اوقات کے افضل حالات پر اثر انداز ہونے کی وجہ سے بعض اہل علم نے حالات کو اوقات سے اور بعض نے اس کے برعکس اوقات کو حالات سے تعبیر کر دیا ہے جیسا کہ ابن قیمؒ نماز کے بعد، اذان واقامت کے درمیان کو اوقات سے تعبیر کرتے ہیں۔(٢) جبکہ حلیمیؒ اور غزالیؒ اسے احوال سے تعبیر کرتے ہیں۔(٣)

دراصل حالت تو ایک وصف ہے جس سے انسان متصف ہوتا ہے اور زمان ومکان اس کے ظرف ہیں۔ انسان اضطراری حالت میں پوری دلجمعی سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اسی لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے ''مجبور کی پکار کو کون سنتا ہے کہ جب وہ اسے پکارے اور وہ (اللہ تعالیٰ) اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں۔'' (النمل۔٦٢) اسی طرح حالت سجدہ میں انسان اپنے رب کے لئے انتہائی خشوع وخضوع کا مظاہرہ کرتا ہے تبھی تو اپنی جائے شرف (پیشانی) قدموں کی جگہ رکھ دیتا ہے۔ حضرت ابو ہریرۃ ﷛ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حالت سجدہ میں انسان اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے لہٰذا (ایسی حالت میں) بکثرت دعا کیا کرو۔''(٤) ابن عباس ﷛ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خبردار! میں تمہیں رکوع وسجود میں تلاوت قرآن سے منع کرتا ہوں لہٰذا رکوع میں رب تعالیٰ کی عظمت بیان کرو اور سجدے میں دعا کا اہتمام کرو کیونکہ سجدے میں دعا کی قبولیت کا امکان ہے۔(٥)

***

(١) [الفتاوی (٥/٥_٣٧٣)]

(٢) [الجواب الكافي (١٠)]

(٣) [الاحیأ (٣٦٢/١) المنهاج (٥٣٨/١)]

(٤) [مسلم (٤٨٢)]

(٥) [مسلم (٤٧٩)]

مبحث ثالث

دعا کی قبولیت کی اقسام

قبولیت کے لئے عربی میں لفظ ''اجابۃ'' جو باب افعال کا مصدر ہے، استعمال ہوتا ہے اس کا اسم فاعل مجیب ہے جو اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام بھی ہے یعنی دعا قبول کرنے والا۔ اجابت کی طرح استجابت کا بھی یہی معنی ومفہوم ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے (۱) ''مجھے پکارو میں تمہاری پکار قبول کرتا ہوں۔'' (غافر۔۶۰) (۲) ''ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔'' (۳) ''وہ ان لوگوں کی دعا قبول کرتا ہے جو ایمان لاکر نیک عمل کرتے ہیں اور وہ انہیں اپنے فضل سے مزید نوازتا ہے۔'' (الشوریٰ۔۲۶)

شروع میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ دعا کی دو قسمیں ہیں۔ دعائے عبادت اور دعائے حاجت اور ان کے مقابلے میں قبولیت کی بھی دو قسمیں ہیں یعنی دعائے عبادت کی قبولیت اجر وثواب اور دعائے حاجت کی قبولیت عطیات کی شکل میں ہوتی ہے۔ امام ابن قیمؒ سے بھی اسی طرح دو قسمیں منقول ہیں۔[1] قبولیت کی ایک صورت ''سننا'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی دعا سنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا سننا اس کے علم واحاطہ اور قبولیت پر مشتمل ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے سائل بندے کی دعا کو سنتے ہیں اور اسے قبول کرتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دعا کرنے کا اور خود اسے قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

☆ ''جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں تو بے شک میں قریب ہوں اور دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں کہ جب وہ مجھ سے دعا کرے۔'' (البقرۃ۔۱۸۶)

☆ ''اور تمہارے رب نے کہا کہ مجھے پکارو، میں تمہاری پکار قبول کروں گا۔'' (غافر۔۶۰)

☆ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے۔'' (آل عمران۔۹)

یقیناً ایک مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی کبھی خلاف ورزی نہیں فرماتے بلکہ جب کوئی معزز شخص بھی وعدہ کرتا ہے تو وہ پورا کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ تو سب سے معزز اور وسیع رحمت کے مالک ہیں (اللہ کے لئے اعلیٰ مثال ہے) ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ اپنے وعدے میں سچے ہیں تو پھر بہت سے لوگوں کی دعا قبول کیوں نہیں ہوتی؟[2]

غور وخوض سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کی ہر دعا اور خواہش کسی نہ کسی حکمت کی بنا پر قبول نہیں ہوتی کیونکہ انسان کا علم

---

(۱) [زاد المعاد (۲۳۵/۱)]

(۲) [طبری (۱۶۰/۲) بغوی (۱۵۵/۱)]

محدود ہے جس کی وجہ سے کبھی وہ ایسی دعا کرتا ہے جو اس کے یا کسی اور انسان کے حق میں ضرر رساں ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے شر بھی اسی طرح جلد (مہیا) کر دیتے جس طرح وہ خیر کو جلد از جلد چاہتے ہیں تو ان کی مدت کا فیصلہ چکا دیا جاتا۔'' (یونس۔۱۱) نیز ''اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کرتا تو آسمان وزمین تباہ ہو جاتے۔'' (المؤمنون۔۷۱) قرآن مجید کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بسا اوقات اپنے انبیاء کی بعض دعائیں بھی قبول نہیں فرمائیں بلکہ انہیں باخبر کیا کہ یہ حکمت خداوندی کے خلاف ہے مثلاً:

''(اے نبی ﷺ!) آپ کو کچھ اختیار نہیں کہ وہ ان کی توبہ قبول کرے یا انہیں عذاب سے دوچار کرے۔'' (آل عمران۔۱۲۸) یہ آیت جنگ احد میں اس وقت نازل ہوئی جب کافروں نے آپ کو سخت اذیت پہنچائی اور آپ کے ساتھیوں کو شہید کیا تو آپ نے ان کے لئے بددعا کی (مگر آپ کو منع کر دیا گیا)۔''[1] اسی طرح جب حضرت موسیٰ نے اپنے رب کے دیدار کا سوال کیا تو جواب ملا ''تو ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتا۔'' (اس دنیا میں) (الاعراف۔۱۴۳) حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے کی نجات کے لئے عرض کیا۔ ''اے میرے رب! میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے۔ تو سب سے سچا حاکم ہے (اللہ نے) کہا: اے نوحؑ! یہ تیرے اہل سے نہیں، اس کے عمل صالح نہیں۔ لہٰذا تو مجھ سے ایسا سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں۔'' (ھود۔۴۶۔۴۵) اس سے ثابت ہوا کہ بندے کی ہر دعا کا قبول ہونا ضروری نہیں بلکہ کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ کسی حکمت کی وجہ سے اپنے بندے کی کوئی ایسی دعا قبول نہیں کرتے جس کے ساتھ اسے شرمندگی یا مصیبت کا سامنا کرنا پڑے اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے سے محبت ورحمت کی نشانی ہے۔(۲)

گذشتہ سوال کے کچھ اور جواب بھی منقول ہیں۔ ایک تو یہ کہ مذکورہ آیات مطلق ہیں جنہیں ایک اور آیت سے مقید کیا گیا ہے یعنی ''آپ کہہ دیں کہ اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب آجائے یا قیامت آپہنچے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ اگر تم سچے ہو؟ بلکہ اسی (اللہ) کو تم پکارو گے اور اگر وہ چاہے گا تو تمہاری دعا کے مطابق (تنگی) دور کر دے گا۔''

(الانعام۔۴۱۔۴۰)

اس آیت میں مطلق کو اللہ کی مشیت کے ساتھ مقید کر دیا گیا۔ یہ جو (اصول فقہ کے) مقرر قاعدے کی رو سے درست ہے۔ دوسرا یہ کہ مذکورہ دو آیت میں دعا کی قبولیت کا عموم ہے جبکہ اسے اس بات کے ساتھ خاص کر لیا جائے گا کہ دعا اس وقت قبول ہوگی جب وہ تقدیر کے مطابق ہو، سائل کے حق میں مفید ہو اور تمام شروط قبولیت کے ساتھ ہو لہٰذا اس میں عام کو

---

(۱) [بخاری (۴۰۷۰)]

(۲) [مدارج السالکین (۷۹/۱)]

خاص کرنے کا قاعدہ جاری ہوگا جس کی کئی مثالیں احادیث میں موجود ہیں مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''بندے کی دعا اس وقت تک قبول ہوتی رہتی ہے جب تک وہ گناہ، قطع رحمی اور جلد بازی سے مبرا ہو۔''[۱] ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جن آیات میں دعا کی قبولیت کا بالعموم ذکر ہوا ہے، انہیں کچھ شرائط کے ساتھ خاص کیا جائے گا۔ ایک اور آیت میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر اللہ چاہے تو تمہاری دعا کو قبول کرے۔ اسی طرح احادیث میں دعا کی قبولیت کی کچھ شرائط ذکر ہوئی ہیں مثلاً حرام کھانے پینے سے بچنا ،غفلت اور سستی کا مظاہرہ نہ کرنا، جلد بازی سے گریز کرنا۔[۲] اس کی ایک قوی دلیل یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ اپنی امت کے لئے تین دعائیں فرمائیں جن میں سے ایک قبول نہیں ہوئی۔[۳] امام حلیمیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ کہا ہے کہ ''مجھے پکارو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا، اس کا مطلب ہے کہ میری رحمت کے مطابق دعا مانگو۔ اپنی خواہشات خواہ غلط ہی ہوں، کے شکار ہوکر دعا نہ کرو کیونکہ دوسری آیات سے اس آیت کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے مثلاً ''اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کرتا تو آسمان وزمین میں فساد برپا ہوجاتا۔'' (المؤمنون ۔۷۱) اس سے ثابت ہوا کہ دعا اس وقت قبول ہوتی ہے جب وہ تمام شرائط سے بھرپور ہو اور بندے کے حق میں اس کی قبولیت بہتر ہو کیونکہ اگر وہ بندے کے حق میں باعث نفع نہ ہو تو تمام شرائط کے اہتمام کے باوجود بھی قبولیت سے رہ سکتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہر دعا کا قبول ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر دعا شرائط ،حکمت اور منفعت کے خلاف ہو تو وہ قبول نہیں ہوتی۔

ایک تیسرا قول یہ بھی ہے کہ آیات کا عموم باقی ہے یعنی ہر دعا قبول ہوتی ہے مگر قبولیت کی مختلف اقسام ہیں بعض اوقات اس دعا کا کوئی عوض مل جاتا ہے یا اس کے بدلے اجر وثواب جمع کردیا جاتا ہے یا پھر اس کی برکت سے کوئی آنے والی مصیبت ٹل جاتی ہے یا دعا کی بدولت کسی مصیبت پر صبر حاصل ہوجاتا ہے یعنی کسی نہ کسی صورت میں انسان کی دعا قبول ہوکر رہتی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ پر کذب وافترا کا بہتان صادق آتا ہے (معاذ اللہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جب کوئی مسلمان اپنے نفس کو اللہ کے تابع فرماں بنا کر دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے نوازتے ہیں۔ یا تو جلدی عطا کردیتے ہیں یا پھر اس کے لئے ذخیرہ آخرت بنادیتے ہیں۔''[٤]

(۱) [مسلم (۲۷۳۵)]

(۲) [التمھید (۲۹٦/۱۰) مسلم (۱۰۱۵)]

(۳) [مسلم (۲۸۸۹)]

(٤) [احمد (٤٤٨/۲)]

دوسری حدیث میں ہے کہ جو مسلمان کوئی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے پورا کرتے ہیں یا اس جیسی کوئی برائی ٹال دیتے ہیں جب تک کہ دعا گناہ اور قطع رحمی پر منحصر نہ ہو۔"(۱) حضرت ابو سعید ﷛ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا "جو مسلمان بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اس کی دعا اگر گناہ اور قطع رحمی سے مبرا ہو تو اسے تین چیزوں میں سے کسی ایک سے نوازا جاتا ہے۔ یا تو اس کی دعا جلد (دنیا میں) قبول ہو جاتی ہے یا آخرت کے لئے ذخیرہ اجر بن جاتی ہے یا پھر اس کے برابر کوئی مصیبت سائل سے ٹال دی جاتی ہے۔ صحابہ ﷡ نے کہا کہ پھر تو ہم بکثرت دعا کریں گے! آپ نے فرمایا کہ اللہ تو سب سے زیادہ (دینے والا) ہے۔(۲)

ایک اعتراض ہے کہ دعا کی قبولیت کا وعدہ عام ہے جسے دوسرے دلائل نے خاص کر دیا ہے لہٰذا جب دعا پوری شرائط کے ساتھ مانگی جائے تو اس کی قبولیت کی تین صورتیں ہوں گی لیکن اگر دعا شرائط کے مطابق نہ ہو تو وہ بالکل قبول ہونے کے قابل نہیں۔ مؤطا کے شارح امام باجیؒ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ جب کوئی مسلمان جائز دعا کا مطالبہ کرے تو وہ تین حالتوں سے خالی نہیں۔ یا تو قبول ہو یا آخرت کے لئے ذخیرہ اجر وثواب ہو یا پھر اس کے ذریعے بعض گذشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔(۳) دعا کے علاوہ باقی نیک اعمال کی مقبولیت بھی صرف اسی صورت ممکن ہے کہ جب وہ اپنی شرائط ومقتضیات کے ساتھ متصف ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "بلاشبہ اللہ تعالیٰ صرف متقی لوگوں سے قبول کرتے ہیں۔" (المائدہ۔۲۷)

چوتھا جواب یہ ہے کہ دعا سے مراد دعائے عبادت ہے اور اس کی قبولیت سے مراد اجر وثواب کا حصول ہے جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ ہے "دعا ہی عبادت ہے" اور دعائے عبادت پر صرف اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے مگر اس پر یہ ٹھوس اعتراض وارد ہوتا ہے کہ دعا کی ایک دوسری قسم دعائے حاجت بھی ہے جسے حذف کر دینا کسی صورت بھی جائز نہیں۔

پانچواں جواب یہ دیا گیا ہے کہ آیت میں قبول کرنے کا وعدہ نہیں بلکہ یہ وعدہ ہے کہ میں سنتا ہوں اور جس طرح بعض مرتبہ ایک والد بچے کی سن لیتا ہے مگر اسے پورا نہیں کرتا مگر اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ دعائے حاجت میں سننے کا معنی ہے کہ حاجت پوری کی جائے۔ صرف سننے پر اکتفا کافی نہیں۔ پھر والد اپنی اولاد کے وعدے سے خلاف ورزی اور جھوٹ کا ارتکاب بھی کر لیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس سے بلند وعالی ہیں۔

---

(۱) [احمد (۳۲۹/۵) ترمذی (۳۵۷۳)]

(۲) [احمد (۱۸/۳) حاکم (۴۹۳/۱) ابن ابی شیبہ (۲۰۱/۱۰) البزار (۴۰/۴)]

(۳) [المنتقی للباجی (۳۶۰/۱)]

چھٹا جواب یہ ہے کہ قبولیت کا وعدہ صرف سچے مسلمانوں کے ساتھ ہے جس طرح ایک حدیث میں ہے کہ ''اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو میں اسے پناہ دوں اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں۔''[(۱)] اسی طرح نوافل کے ساتھ انسان اللہ کے انتہائی قریب ہو جاتا ہے کہ پھر اس کی دعا رائیگاں نہیں جاتی۔ معتزلہ کا خیال ہے کہ قبولیت کا وعدہ صرف سچے مسلمانوں کے ساتھ ہے جنہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (شرک) کی ملاوٹ نہیں کی کیونکہ انہی لوگوں کی دعا قبول ہوتی ہے جس طرح کسی نیک شخص کے لئے کہا جاتا ہے کہ وہ مستجاب الدعوۃ (جس کی دعا قبول ہو) ہے۔ اسی طرح فاسق کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی کیونکہ وہ صرف بوقت حاجت پکارتا ہے لیکن صالح اور فاسق مؤمن کا یہ فرق و امتیاز درست نہیں کیونکہ

(۱) اللہ تعالیٰ اپنے احسان سے مشرکوں کی پریشانی بھی دور فرما دیتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''کون ہے جو مضطر (مجبور) کی پکار سنے؟ کہ جب وہ اسے پکارتا ہے اور وہ برائی دور کر دیتا ہے۔'' (النمل۔ ۶۲) اس آیت کے سیاق سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب مشرکین سے ہے۔ (۲) دعا کو قبول کرنا دائرہ ربوبیت میں شامل ہے اور ربوبیت میں کافر و مومن سب شامل ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''ارض و سما کی ہر چیز اس سے سوال کرتی ہے۔'' (الرحمٰن۔ ۲۹)

(۳) اللہ تعالیٰ نے تو ابلیس کی دعا بھی قبول فرمائی تھی۔ سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ کسی کو اس کا نفس دعا مانگنے سے منع نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنی مخلوق میں سب سے بدتر ابلیس لعین کی دعا بھی قبول کر لی تھی۔

(۴) قبولیت دعا اور قبولیت حاجت میں دراصل لغوی یا شرعی اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔ (۵) ایسا امتیاز جو خود اللہ تعالیٰ نے نہیں کیا، ایک مذموم تاویل ہے۔ (۶) یہ بات درست نہیں کہ فی الواقع ہر دعا قبول ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات تو انبیاء کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوئیں۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ انبیاء کی تمام دعائیں قبول ہوتی تھیں وہ اس صحیح حدیث سے غفلت کا شکار ہے کہ جس میں نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میری دو دعائیں قبول ہوئیں اور ایک قبول نہ ہو سکی۔''[(۲)] لہٰذا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اپنے یقین علم و حکمت کی بناء پر بسا اوقات دعا رد فرما دیتے ہیں۔

***

---

(۱) [بخاری (۶۵۰۲)]

(۲) [فتح الباری (۱۱/۹۷)]

1
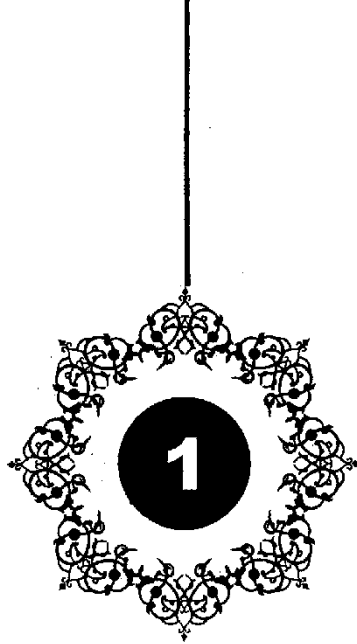
باب دوم

* عقائد میں دعا کی قدر و منزلت
* مسلہ ءتقدیر

فصل اول:

دعا توحید وایمان اور وجود باری پر دلالت میں تقویت کا باعث ہے

اس فصل میں دو مباحث ہیں اور (درج ذیل) پہلا مبحث دو پہلوؤں پر مشتمل ہے :۔

(1) دعا ایمان اور توحید میں اضافے کی موجب ہے:۔

دعا انسان کے ایمان اور توحید باری تعالیٰ میں تقویت بہم پہنچاتی ہے اور ہر وہ انسان جو مجبوری ولاچاری سے دوچار رہا ہو، اسے اس کا خاصا تجربہ ہوگا کہ ایسی حالت میں کس طرح اللہ کے حضور گریہ زاری کی جاتی ہے۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ (دعا) اللہ تعالیٰ پر ایمان، اس سے محبت، اس کی معرفت توحید وغیرہ سے ہے اور اس طرح سائل کا دل منور ہو جاتا ہے جو اس کے لئے اپنی حاجت مطلوبہ سے زیادہ نفع مند ہے۔''[1] واضح دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ اطاعت و فرمانبرداری سے بالعموم اور دعا سے بالخصوص ایمان بڑھتا ہے۔ چونکہ جب سائل ضرورت کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے تو اسے کسی مشکل کشا کی تلاش ہوتی ہے اور انسانی فطرت اسے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ کرتی ہے جس سے اسے اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت اور قدرت کا اندازہ ہوتا ہے اور اس کے دل میں اخلاص پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بکثرت دعا کرنے اور ہر وقت اسی کی طرف متوجہ رہنے سے ایمان میں اضافہ یقینی ہے اور فطرت انسان بھی صیقل ہوتی ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنے سے انسان کو روحانی تسکین اور ایمانی لذت بھی حاصل ہوتی ہے اور یہ حالت اس کے لئے اس کی ضرورت سے کہیں زیادہ مفید ہے اگرچہ اس سے پہلے وہ اس مقام سے آشنا نہیں تھا۔

انسان اللہ تعالیٰ کی طرف اس وقت رجوع کرتا ہے جب اسے یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مشکل کشا نہیں۔ وہی دعا کو سننے اور قبول کرنے والا حاجت روا ہے اور (تمام) انسان عاجز ولاچار ہیں۔[2]

ان دو باتوں کی معرفت کہ انسان انتہائی عاجز ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر مطلق ہے، عقیدے کی بنیادی اینٹیں ہیں۔ جب انسان اپنی عاجزی سے اچھی طرح واقف ہو جاتا ہے تو پھر وہ اپنے مشکل کشا وحاجت روا (اللہ تعالیٰ) کی صفات سے واقفیت کی جستجو کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دعا، اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی صفات وغیرہ کو ضمن

---

(۱) [الفتاوی (۱۰/۵۹٦)]

(۲) [روح المعانی (۸/۱۳۹) تفسیر رازی (۱٤/۱۳۵)]

میں لئے ہوئی ہے جیسا کہ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر درود اور دوسری دعائیں ضمناً ایمان کو شامل ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے وجود، علم، سمع، قدرت وارادہ اور صفات وکلام وغیرہ کو بھی شامل ہیں..........اسی طرح تمام دعائیں بالخصوص مسنون دعائیں ارکان ایمان پر مطابقی، تضمنی یا التزامی طریق سے دلالت کرتی ہیں۔

اگر کوئی سائل دعا کے معنی ومفہوم سے آگاہ نہ ہو تو پھر بھی دعا کی حقیقت متاثر نہیں ہوتی البتہ اسے چاہیے کہ دعاؤں کے مفاہیم سے آگاہی حاصل کرے اور بوقت دعا انہیں اپنے قلب ونفس میں جگہ دے۔ حافظ ابن قیمؒ رقمطراز ہیں کہ ''سائل پر حق ہے کہ دعائے فاتحہ کے وقت اپنے واجبی عقیدے پر شعور پیدا کرے جس کے بغیر اس کا ایمان ناقص ہے کیونکہ دعا عبادت کا مغز ہے اور مغز ہڈیوں میں جبکہ ہڈیاں گوشت اور خون (کے مرکب) میں ہوتی ہیں، نیز دعا میں حمد وثنا بھی شامل کرے۔ بعض علماء نے یہ صراحت کی ہے کہ دعا مختلف اعتقادی اور علمی طریق سے توحید باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہے مثلاً قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے دعا کا حکم دیا ہے اور اپنی کتاب میں اپنی مخلوق کو دعا سکھائی ہے جبکہ نبی ﷺ کو اپنی امت کے لئے دعا سکھائی ہے۔ اس میں تین چیزیں شامل ہیں، توحید کا علم، لغت کا علم اور امت کے لئے نصیحت۔''[1] امام زرکشی دعا کے عبادت کا مغز ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''دعا اس لیے عبادت کا مغز ہے کہ یہ ضمناً توحید پر مشتمل ہے کیونکہ سائل جب دعا مانگتا ہے تو دراصل توحید باری تعالیٰ کا پرچار کرتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی داتا نہیں،''[2] ابنِ عقیل حنبلیؒ سے بھی اس طرح کا قول مروی ہے،[3]

گذشتہ بحث سے واضح ہوا کہ دعا سائل کے ایمان، توحید اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، سمع وبصر اور علم وقدرت پر اعتقاد کو تقویت دیتی ہے۔

---

(۱) [الفتوحات الربانية (۱۷/۱)]

(۲) [اتحاف السادة (۲۹/۵)]

(۳) [الآداب الشرعية (۲۹۲/۲)]

(2) دعا وجود باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہے:۔

اللہ تعالیٰ کے وجود کا اعتراف ایک بدیہی امر ہے جس کے لیئے بڑے بڑے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ انسانی فطرت خود اس پر گواہ ہے بشرطیکہ شیاطین اور جنات انسانی فکر ونظر کو گدلا نہ کریں۔اسی لیئے قرآن مجید میں اس موضوع پر بڑی مناظرانہ دلیلیں قائم کی گئی ہیں۔بہر حال ہم اپنے موضوع کی طرف مراجعت کرتے ہیں۔قرآن مجید میں ایسے دلائل مذکور ہوئے ہیں جن سے اللہ کی توحید ربوبیت اور الوھیت پر دلالت ہوتی ہے۔مجبور و بے کس کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

☆ ''لا چار کی دعا کون سنتا ہے کہ جب وہ اسے (اللہ کو) پکارے اور وہ (اللہ تعالیٰ) مصیبت دور کرتا ہے اور تمہیں زمین میں خلیفہ بناتا ہے۔کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ بہت کم تم نصیحت پکڑتے ہو۔'' (النمل۔۶۲)

☆ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے ارض وسماوات کو پیدا کیا، آسمان سے پانی نازل کیا جس سے تمہارے لئے پھل پیدا کیئے، تمہارے لئے کشتیاں مسخر کر دیں جو اس کے حکم سے سمندروں میں تیرتی ہیں، تمہارے لئے دریا، سورج اور چاند مسخر کیئے ہیں جو برابر چل رہے ہیں اور تمہارے لئے اس نے دن رات مسخر کر دیئے ہیں۔اسی نے تمہیں تمہاری منہ مانگی تمام چیزیں بخشی ہیں۔اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے۔یقیناً انسان بڑا ناشکرا اور نافرمان ہے۔'' (ابراھیم۔۴۔۳۲)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے شمس وقمر کی تسخیر لیل ونھار کی فرمانبرداری، رزق کا بندوبست وغیرہ تمام چیزوں کی نسبت صرف اپنی طرف کی ہے جو وجود باری تعالیٰ پر بڑی بھاری دلیلیں ہیں۔پھر ان کے بعد قبولیت دعا کا ذکر فرمایا جس سے دعا کی عظمت بھی ثابت ہوتی ہے۔اسے وہی شخص پہچان سکتا ہے جو مشکلات سے دوچار ہو کر اللہ کے حضور سربسجود ہوا اور اس کی دعا قبولیت سے ہمکنار ہوئی ہو تو اس کے نتیجے میں اسے وجود باری تعالیٰ پر ''علم ضروری'' حاصل ہوگا۔

اسی طرح وجود وصفات باری تعالیٰ پر دعا اس طرح دلالت کرتی ہے کہ جب کوئی انسان کسی خاص چیز کا متقاضی ہو مگر وہ اسے ظاہری اسباب کی موجودگی اور رسائی کے باوجود حاصل نہ ہو سکے یا کسی چیز سے بچاؤ کے مواقع ہونے کے باوجود تدبیر کارگر نہ ہو تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ کوئی طاقت ایسی ہے جو ان اسباب کو ناکارہ بنا دیتی ہے مثلاً مسلمانوں کو بارش کی ضرورت ہو مگر ظاہری اسباب بارش کے ہر امکان کو مسترد کر رہے ہوں تو مسلمان عاجزی وانکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے نماز استسقا ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے اسی دن یا اس کے قریب قریب بارش کا نزول فرما دیتے ہیں۔یہ ایک مشاہدے پر مبنی مثال ہے۔صحیح احادیث

میں بھی ایک قصہ ہے کہ ایک آدمی آیا جبکہ نبی کریم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو اس نے آپ ﷺ سے بارش کے لیے دعا کی درخواست کی۔ (آپ نے دعا فرمادی اور) آپ ﷺ ابھی منبر سے اترنے نہ پائے تھے کہ (آپ ﷺ کی دعا کے نتیجے میں) خوب بارش ہوئی حالانکہ اس سے پہلے مدینے میں بادل یا ہوا کے آثار بھی نہیں تھے۔

لہٰذا یہ قابل غور پہلو ہے کہ کس ذات نے بادلوں کو چند لمحات میں اکٹھا کر کے بارش کو ممکن بنا دیا؟ اس کا یہی جواب ہے کہ وہ ذات بابرکات اللہ رب العزت ہیں۔ بعض مفسرین نے اس آیت ''جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو آپ فرما دیں کہ میں قریب ہوں۔'' (البقرہ۔۱۸۶) کی تفسیر میں کہا کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سائل کے اغراض ومقاصد سے آگاہ ہوتے ہیں ورنہ وہ سائل کی پکار کیسے سنتے اور جواب کیسے دیتے؟[1] ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ ''سائل کے سوال کے فوراً بعد اس کے مطالبے کا پورا ہونا دراصل اللہ تعالیٰ کے ہر چیز پر عالم ہونے کی دلیل ہے جو اپنے بندوں کی سنتا ہے۔ پھر ان کی ضروریات کو پورا فرماتا ہے اور ان پر شفقت ورحمت فرماتا ہے۔''[2] ویسے بھی ظاہری اسباب کی عدم موجودگی میں کسی امر کا وقوع کسی ایسے زبردست قادر مطلق کے وجود پر دلالت کرتا ہے جو حسب منشا ہر تدبیر وتصرف پر رسائی رکھتا ہے۔

فقر وحاجت ہر انسان کی بنیادی اور لازمی ضرورت ہے جس کے لئے اسے مضبوط حاجت روا (اللہ تعالیٰ) کی ضرورت رہتی ہے اور یہی چیز وجود باری تعالیٰ کا اعتراف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ (۱) ''کیا اللہ کے بارے میں شک ہے؟'' (ابراھیم۔۱۰) (۲) ''اگر آپ ان (کافروں) سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور جواب دیں گے، اللہ تعالیٰ نے۔'' (الزخرف۔۸۷) یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ وجود باری تعالیٰ کا اعتراف انسانی فطرت میں شامل ہے۔ اگرچہ آسودگی اور خوشحالی اس فطرت پر وقتی غلبہ بھی پالیتی ہے مگر تنگی اور مصیبت کے وقت یہ فطرت دوبارہ نکھر آتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ ''جب سمندر میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ گم ہو جاتے ہیں جنہیں تم پکارتے تھے البتہ ایک وہی (اللہ تعالیٰ کے سوا)۔'' (الاسرا۔۶۷) لہٰذا انسانی فطرت سے استشہاد منہج قرآنی ہے اور اہل منطق نے بھی اس سے استفادہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں انسان کی مجبوری کی منظر کشی فرماتے ہیں:۔

☆ ''مجبور کی پکار کون سنتا ہے کہ جب وہ پکارے۔'' (النمل۔۶۲)

☆ آپ کہہ دیں کہ تمہیں بر وبحر میں ظلمات سے کون نجات دلاتا ہے؟'' (الانعام۔۶۳)

---

(۱) [تفسیر رازی (۱۰۴/۵)]

(۲) [مدارج السالکین (۳۵۵/۳)]

وجود باری تعالیٰ کی معرفت کے حصول میں سب سے اچھا استدلال اللہ تعالیٰ کے افعال سے استشہاد ہے لیکن ان افعال سے پہلے فطرت کی احتیاج اور مخلوق کا اضطرار ضروری ہے کیونکہ جس قدر اضطرار اور عجز وانکساری زیادہ ہوگی، اسی قدر یقین واعتماد بحال ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

☆ ''جب سمندر میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ (تم سے) گم ہو جاتے ہیں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو البتہ ایک اللہ (ایسے وقت یاد آتا ہے)'' (الاسراء۔۶۷)

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ''دل اللہ تعالیٰ کی ذات کا دو طرح محتاج ہے۔

(۱) عبادت کے لئے جو اصل حقیقت ہے۔

(۲) توکل وتعاون کے لئے جو ایک ذریعہ ہے۔

دل کی اصلاح، فلاح خوشی، طمانیت وغیرہ صرف اسی صورت ممکن ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت وانابت کی طرف راغب ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی اعانت کے بغیر ممکن نہیں اور اس کے لئے انسان ہمیشہ محتاج رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو اسی سے مدد طلب کرے کیونکہ وہی ایسا معبود برحق ہے جس کے بغیر کوئی سچا معبود نہیں۔

''﴿ایّاک نعبد و ایّاک نستعین﴾ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔''

❋❋❋

مبحث ثانی:۔

دعا کا توحید کی اقسام ثلاثہ سے تعلق

(1) توحید ربوبیت اور دعا:۔ توحید ربوبیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے تمام افعال میں یکتا مان لیا جائے اور دعا قبول کرنا بھی ان افعال میں شامل ہے کیونکہ توحید ربوبیت میں یہ اقرار کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا رب ہے، وہی نافع اور دافع ہے اور بوقت مصیبت صرف وہی پریشانی دور کرنے والا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے؟ اور تمہیں زمین کا خلیفہ بنا دیتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ اور معبود ہے؟'' [النمل:۶۲][1] لہٰذا یہ اقرار توحید ربوبیت میں شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی دعا کو قبول کرنے والا ہے کیونکہ ربوبیت کا لازمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نعمتوں سے نوازیں، انکی ضرورتیں پوری کریں، مصائب و آلام کا مداوا کریں چنانچہ ربوبیت میں انسانوں کی تخلیق و تدبیر، اصلاح و تربیت، جلب منفعت و دفع مضرت وغیرہ شامل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تامہ، فضل و کرم، وسیع رحمت اور علم بندوں کے احوال کو محیط ہے۔ ان کی دعائیں شرف قبولیت پاتی ہیں۔[2] شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ اس توحید کے بھی مستحق ہیں جو دعا اور خالص عبادت پر مشتمل ہے۔ دعائے عبادت محبت و انابت، اطاعت، خوف خدا اور امید وغیرہ جیسے معانی پر محیط ہے اور دعائے حاجت، توکل، التجا اور سوال وغیرہ پر مشتمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید ربوبیت کے متقاضی ہیں۔ اسی لیے شریعت میں توحید عبادت کے لیے لفظ ''اللہ'' اور سوال (دعا) کے لیے ''رب'' مستعمل ہوا ہے جس طرح نمازی اور ذاکر، اللہ اکبر، سبحان اللہ، الحمدللہ، لا الٰہ الا اللہ پکارتے ہیں اور اذان کے کلمات اللہ اکبر وغیرہ میں بھی ایسے ہی ہے۔ اب ہم یہ راز سمجھ سکتے ہیں کہ انبیا و رسل کی دعاؤں میں صرف لفظ رب کیوں استعمال کیا جاتا رہا چنانچہ

حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کی دعا میں ہے :۔''اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم نقصان اٹھانے والے ہو جائیں گے۔'' (الاعراف:۲۳)

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا:۔ ''یا رب! مجھے بخش دے، میرے والدین کو اور جو مومن میرے گھر میں داخل ہو (اسے بھی بخش دے)'' (نوح:۲۸)

---

(۱) [تیسیر العزیز الحمید (۳۳)]

(۲) [بدائع الفوائد (۲/۲۴۷)]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا:۔ ''یا رب اس شہر کو امن والا بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے محفوظ رکھ۔ یا رب! انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے لہٰذا جو شخص میری تابعداری کرے، وہ مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو بے شک تو بخشنے والا رحم کرنیوالا ہے۔ اے میرے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد اس بے کھیتی کے جنگل میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسائی ہے۔ اے ہمارے پروردگار! یہ اس لیے کہ وہ نماز قائم رکھیں۔ پس تو کچھ لوگوں کے دلوں کو انکی طرف مائل کر دے اور انہیں پھلوں کی روزیاں عنایت فرما تا کہ یہ شکر گزاری کریں'' (ابراہیم: ۳۵ تا ۴۱) حضرت ابراہیمؑ کی ایک اور دعا میں چار مرتبہ ''رب'' کا لفظ مستعمل ہے: ''اور جب ابراہیمؑ نے کہا، اے میرے رب! اسے امن والا شہر بنا دے......اے میرے رب! ان میں رسول بھیج......'' (البقرۃ۔۱۲۶ تا ۱۲۹)

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا:۔ اے میرے رب! مجھے جیل پسند ہے اس چیز سے جس کی طرف وہ مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو نے ان کا مکر و فریب مجھ سے دور نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔ (یوسف۔۳۳) ''یا رب! تو نے مجھے ملک عطا کیا اور تو نے مجھے خواب کی تعبیر سکھلائی، آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا والی ہے۔ تو مجھے مسلمان حالت میں فوت کرنا اور مجھے صالح لوگوں کے ساتھ ملا دے۔'' (یوسف۔۱۰۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا:۔ ''اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو زیبائش و اموال سے نوازا ہے اسی دنیا کی زندگی میں اے ہمارے رب! تا کہ وہ تیرے راستے سے گمراہ کریں، اے ہمارے رب! ان کے مال تباہ کر دے۔'' (یونس۔۸۸) ''اے میرے رب! میرا سینہ کھول دے، میرے لئے میرا کام آسان بنا دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔'' (طٰہٰ ۲۵ تا ۲۷)

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا:۔ یا رب! مجھے تنہا نہ چھوڑ اور تو ہی بہترین وارث ہے۔ الانبیاء۔۸۹) ''یا رب! بیشک میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور میرے سر نے بڑھاپے کو ظاہر کر دیا ہے جبکہ میں اے میرے رب! تجھ سے دعا مانگنے میں کبھی بد بخت نہیں ہوا۔ (مریم۔۴)

حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت کی دعا:۔ اس دعا میں چار مرتبہ لفظ رب استعمال ہوا ہے۔ ''اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور تیری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلّف نہیں ٹھہراتے۔ اس (نفس) کے لئے ہے جو اس نے کمایا اور اس پر ہے جو اس نے (برا) کمایا۔ اے ہمارے رب! ہماری

بھول چوک اور خطا معاف فرما اور ہم پر بوجھ نہ ڈال جس طرح تو نے ان لوگوں پر ڈالا جو ہم سے پہلے تھے۔ اے ہمارے رب! ہم پر اتنا بوجھ نہ ڈال جو ہماری طاقت سے باہر ہے۔'' (البقرۃ۔۲۸۵۔۲۸۶)

اسی طرح بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں اپنے ''رب'' سے فریاد کرتے ہیں۔ مذکورہ دلائل سے ثابت ہوا کہ دعا اور توحید ربوبیت میں چولی دامن کا تعلق ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ کے تمام اسما کے مقابلے میں لفظ رب کو دعا مانگنے میں ممتاز مقام حاصل ہے حالانکہ اسمائے باری تعالیٰ میں لفظ اللہ کو جلالت وعظمت حاصل ہے۔ امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کے تمام ناموں میں سب سے مشہور یہ لفظ (اللہ) ہے جسے ذکر اور دعا میں ایک مقام حاصل ہے۔

لفظ اللہ کو ذکر میں منفرد مقام حاصل ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ البتہ دعا میں یہ بات محل نظر ہے کیونکہ گذشتہ انبیا کی دعاؤں میں لفظ رب کا استعمال ہی مناسبت کا مستحق ہے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں ''الٰہ (اللہ) عبادت کا مستحق ہے اور رب وہ ہے جو اپنے بندے کی پرورش اور تربیت کرتا ہے اس لئے عبادت کا تعلق لفظ اللہ سے اور دعا کا تعلق لفظ رب سے ہے ...... تمام مشروع اذکار میں لفظ اللہ شامل ہے مثلاً اذان کے کلمات اللہ اکبر وغیرہ، تشہد کے کلمات جیسے التحیات للہ اور تسبیح وتحمید جیسے سبحان اللہ، الحمد للہ اور لا الٰہ الا اللہ وغیرہ اور سوال ودعا میں لفظ رب بکثرت مستعمل ہے جیسے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کی دعا ...... امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں یہ بات ناپسند کرتا ہوں کہ آدمی اپنی دعا میں اے میرے مالک! یا اے بخشنہار وغیرہ کے ساتھ دعا کرے بلکہ انبیا کی دعا کی روشنی میں یارب، اے میرے رب! کے ساتھ دعا کرنی چاہیے لہٰذا جب بندے کے دل میں سوال کرنے کا ارادہ ہو تو لفظ رب پکارنا چاہیے اور جب عبادت کی نیت ہو تو لفظ اللہ کو استعمال کیا جائے۔[1] ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ ''فعل وقدرت، جلب منفعت، دفع مضرت، تدبیر خلقت اور اتمام قوت جیسی صفات صرف لفظ ''رب'' کے ساتھ خاص ہیں۔''[2] مذکورہ معانی کی مناسبت کی وجہ سے بعض اہل علم نے لفظ رب کو اسم اعظم قرار دیا ہے۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ ''بعض اہل علم نے اسے اسم اعظم کہا ہے کیونکہ اس کے ساتھ بکثرت دعا مانگی جاتی ہے جیسا کہ آل عمران اور سورۃ ابراہیم وغیرہ سے واضح ہوتا ہے اسی لئے لفظ رب اور مربوب (بندے) کے درمیان لطف وکرم اور احتیاج کی مناسبت پائی جاتی ہے۔''[3]

---

(۱) [الفتاوی (۲۸٤/۱۰) (۱۲/۱٤)]

(۲) [مدارج السالکین (۳۳/۱)]

(۳) [تفسیر قرطبی (۱۳۷/۱)]

گذشتہ بحث سے ثابت ہوا کہ دعا اور ربوبیت میں خاصی مطابقت پائی جاتی ہے اور دعا کی قبولیت توحید ربوبیت کو متقاضی ہے۔اس کی دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ توحید ربوبیت میں اللہ تعالیٰ کے حاکم مطلق اور قادر مطلق ہونے کا خاصہ پایا جاتا ہے اور مدعو (جس سے دعا مانگی جائے) کے لئے ایسی صفات ناگزیر ہیں لٰہذا داعی اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ اس کا مدعو مصیبت دور کرنے، تکلیف ہٹا دینے، تنگی کو کشادگی میں بدلنے پر پوری قدرت رکھتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا یہ عیب بیان کیا کہ ''کیا وہ انہیں شریک بناتے ہیں جو کچھ پیدا کرنے کی قدرت بھی نہیں رکھتے بلکہ وہ تو خود پیدا شدہ ہیں۔ یہ ان کی کچھ مدد نہیں کر سکتے بلکہ اپنی مدد سے بھی عاجز ہیں اور اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ بھی تو تمہاری بات نہ مانیں۔تم پر برابر ہے کہ تم انہیں پکارو یا خاموش رہو۔'' (الاعراف ۱۹۱ تا ۱۹۳) مطلق قدرت وحکومت دو ایسی صفات ہیں جو اللہ رب العزت کے لئے خاص ہیں لٰہذا دعا صرف اللہ تعالیٰ سے کی جائے بصورت دیگر شرک لازم آئے گا۔توحید ربوبیت میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نفع ونقصان کا مالک سمجھا جائے اور دعا کے لئے بھی ضروری ہے کہ مدعو نفع ونقصان کا مالک ہو۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مشرک لوگوں کی تردید فرمائی کہ ''وہ اللہ کے سوا انہیں پکارتے ہیں جو نفع ونقصان کے مالک نہیں۔ یہ تو دور کی گمراہی ہے۔'' الحج۔۱۲) ''وہ اللہ کے سوا انہیں پکارتے ہیں جو انہیں نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان'' (یونس۔۱۸) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول نقل کیا ''اس نے کہا، کیا تم اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نفع دے سکتا ہے نہ نقصان؟ افسوس تم پر اور جس کی وجہ سے تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو، کیا تمہیں عقل نہیں؟'' (الانبیاء۔۶۶، ۶۷)

غیر اللہ کو نفع نقصان کا مالک ومختار سمجھ کر پکارنا:۔ بعض لوگ اللہ کے سوا مردوں وغیرہ کو اس عقیدے کے ساتھ پکارتے ہیں کہ وہ ان کی پکار نہ صرف سنتے ہیں بلکہ اسے پورا کرنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔(معاذ اللہ) ہم یہ شرکیہ عقیدہ ایسے لوگوں کی معتبر کتابوں سے پیش کریں گے۔اس سلسلے میں کچھ لوگوں نے بذات خود تصرف وقدرت کا اظہار واقرار کیا جب کہ بعض کو ان کے مریدوں نے یہ ''رتبہ'' عطا کر دیا مثلاً ایک نے کہا :

''اگر سیاہ رات میں سیاہ چیونٹی کسی ساکن چٹان پر حرکت کرے اور مجھے سنائی نہ دے تو پھر مجھے دھوکہ دیا جا رہا ہے (یعنی میں اسے ضرور سن سکتا ہوں)۔

دوسرے نے کہا ''میں یہ (مذکورہ) کیسے کہہ سکتا ہوں کیونکہ میں ہی اسے حرکت دیتا ہوں۔''(۱)

(نعوذ باللہ) پہلے نے دعویٰ کیا کہ میں ہر چیز کو سننے والا ہوں۔ جب دوسرے نے اس پر مزید گرہ لگائی کہ میں تصرف

(۱) [الانسان الکامل (۱۲۲/۱) العلم الشامخ (۵۵۶)]

مطلق کا مالک ہونے کی وجہ سے اسے حرکت بھی دیتا ہوں۔لوگوں نے تصرف وقدرت کے اختیارات کے ساتھ اپنے اولیاء کے مختلف طبقات ودرجات وضع کرر کھے ہیں کوئی قطب ہے تو کوئی غوث اعظم! کوئی ابدال، امام اوراوتاد کے درجے میں ہے تو کوئی نجیب ونقیب ہے۔قطب کو کبھی غوث کا درجہ مل جاتا ہے اور یہ وہ بندہ ہے جسے ہر زمانے میں اللہ اپنا منظور نظر بنا کر طلسم اعظم سے نوازتے ہیں اور یہ ہر ظاہر وباطن ذات میں روح کی طرح سرایت کر جانے کا اختیار رکھتا ہے اور اس کے پاس فیض وبرکات ہوتی ہیں.......۔[1] کائنات میں دو امام ہیں۔ایک قطب کے دائیں جانب ملکوت پر نظر رکھے ہوئے ہیں اور وہ شیشے کی طرح ہے جس سے قطب کا مرکز عالم روحانی کی امداد کے لئے متوجہ ہوتا ہے اور دوسرا امام بائیں جانب دنیا پر نظر رکھے ہوئے ہے اور محسوسات کی اطلاع کا شیشہ نما ہے اور قطب کی موت کے بعد یہ اس کا منصب سنبھالتا ہے۔[2] دنیا کے چاروں اطراف یعنی شرق وغرب اور شمال وجنوب میں چار اوتاد ہیں جو اس کی چاروں اطراف سے حفاظت پر مامور ہیں۔

نجیب بھاری بھرکم اشیاء کی نقل وحمل میں مشغول رہ کر انسانیت کی خدمت بجالاتے ہیں۔نقیب لوگوں کے درمیان علاقوں میں رہائش پذیر ہو کر خفیہ معلومات تک رسائی رکھتے ہیں۔[3] یہ چھ مختلف اولیاء ایک دیوان خاص میں ہر رات جمع ہو کر کائنات کی تدبیر میں صلاح ومشورہ کرتے ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ یہ اجتماع غار حرا میں ہوتا ہے پھر وہ آئندہ چوبیس گھنٹوں میں ہونے والے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں۔[4]

اگر کائنات کے کرتا دھرتا ہی یہی ہیں تو اللہ تعالیٰ چہ معنی دارد؟؟ جب یہ غلط بلکہ شرکیہ عقیدہ ایک عام آدمی پر ٹھونس دیا جائے تو کیا وہ شرک سے محفوظ رہے گا؟ مذکورہ شرکیہ نظریات کے موجد ومدعی ابن الفارض[5] اور ابن العزلی ہیں۔[6] ابراہیم دسوقی سے مروی ہے کہ البدوی سے (کچھ) پوچھا گیا تو اس نے کہا: دنیا چار حصوں میں تقسیم ہے: ایک حصہ میرے لئے، ایک احمد رفاعی کے لئے، ایک پیر جیلانی کے لئے اور ایک حضرۃ بدوی کے لئے۔ ہر ایک اپنے حصے میں مختار کل ہے البتہ البدوی کی ایک خصوصیت ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے ارض وسما کے درمیان ایک کرسی سے نواز رکھا ہے اور وہ پوری کائنات

---

(۱) [التعریفات للجرجانی (۱۷۷)]

(۲) [ایضاً]

(۳) [ایضاً الفتوحات المکیۃ (۲/۷)]

(۴) [الابریز للدباغ (۲/۲ تا ۹)]

(۵) [دیوان ابن الفارض (۵۲)]

(۶) [العلم الشامخ (۵۵۸)]

میں تصرف کرتا ہے۔[1] شعرانی نے بدوی سے اس کا دعوی نقل کیا کہ وہ سمندر میں جانوروں کو ایک دوسرے کے نقصان سے بچاتا ہے۔ نیز وہ ایمان وعلم بھی سلب کر سکتا ہے۔[2] مقبلی بیان کرتا ہے کہ ''ہم اہل حق کے نزدیک کوئی ولی اس وقت تک ولی نہیں جب تک کہ ساری کائنات اس کی ہتھیلی میں رائی کے دانے کی طرح نہ سما جائے یعنی وہ کائنات میں جو چاہے تصرف کر سکے۔[3] بعض نے کہا کہ بڑے بڑے اولیا اپنی قبروں میں بیٹھے کائنات میں تصرف کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کا دروازہ تو کھلا ہے کہ جو حاجت مند بھی آئے، وہ درود پڑھے، پھر اپنی حاجت کا سوال کرے۔[4] آلوسی فرماتے ہیں کہ یہ سب اولیاء اپنی قبروں میں تصرف پر قادر ہیں البتہ ان کا تصرف ان کے درجے کے مطابق ہے جبکہ بعض علماء تصرف کو صرف چار یا پانچ اہل قبور کے لئے محدود مانتے ہیں۔[5]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ولی، اللہ کا قرب حاصل کرتے کرتے اس مقام تک جا پہنچتا ہے کہ اسے عالم کائنات میں مکمل تصرف کے اختیارات مل جاتے ہیں حتی کہ وہ مردے کو زندہ کرنے اور کوڑھ، برص جیسے موذی امراض کو دور کرنے کی اہلیت پا لیتے ہیں۔ جب ولی خلت (محبت کا آخری درجہ) حاصل کر لیتا ہے تو اس کے جسم کے اعضا سے اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں، کبھی ''کُــنْ'' (ہو جا) کہہ کر چیز کو عدم سے وجود بخش دیتا ہے، کبھی اپنے ہاتھ سے کرشمے دکھاتا ہے، کبھی ہوا میں چلنے لگتا ہے حتی کہ ہر طرح کی صورت اختیار کرنے میں کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔[6]

اگر کوئی ولی ایسا درجہ حاصل کر کے اختیارات سنبھال لیتا ہے تو پھر اللہ تعالی کی کیا ضرورت؟ (معاذ اللہ) مندرجہ کچھ حوالے ہی ایسے گندے شرکیہ عقیدے کی قباحت کے لئے کافی ہیں جنہیں کتاب وسنت پر ایمان رکھنے والے مسلمان کے علاوہ کوئی عام عقلمند بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ امام شعرانی کی کتاب ''الطبقات الکبری'' جو مسئلہ ہذا میں خاصی معتبر گردانی جاتی ہے ،صرف اس کتاب میں صحابہ کرامؓ کے علاوہ تقریبا تین سو اولیاء کی ایسی عجیب وغریب اور عقل ونقل سے کوسوں دور خرافات بیان کی گئی ہیں۔ اسی طرح علی حرازم کی کتاب ''جواھر المعانی'' ہے جس میں تیجانی (ولی) کی خرافات وکرامات ذکر کر کے

---

(۱) [ایضا (۵۷۱)]

(۲) [الطبقات الکبری (۱۶۲/۱)]

(۳) [الارواح النوافخ (۵۲۹)]

(٤) [شواھد الحق (۱٤۹)]

(٥) [روح المعانی (۲۱۳/۱۷) غایة الامانی (۲٤۷/۱)]

(٦) [الانسان الکامل (۱٤٥/۲)]

اسے اللہ کا نائب اور تمام معاملات میں اس کا جانشین ثابت کیا گیا ہے نیز اس میں اللہ کی صفات کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ گویا وہی اللہ ہے! [1] (نعوذ باللہ من ذلک) اسی طرح بریلوی حضرات کی بہت سی کتابوں میں ایسے شعبدے اور من گھڑت کرامتیں بیان کی گئی ہیں جس طرح پیر عبدالقادر جیلانی کی طرف یہ دعویٰ منسوب ہے کہ وہ ایسا غوث ہے جسے ''کن فیکون'' کی قدرت حاصل ہے اور لوگوں کے دل اس کے ہاتھ میں ہیں کہ جسے چاہے ہدایت دے، لوح محفوظ میں بھی اسے اہم مقام حاصل ہے اور اگر وہ چاہے تو کسی عورت کو مرد بھی بنا سکتا ہے۔ (نعوذ باللہ) [2] اسی طرح رافضی (شیعہ) لوگوں کی کتابوں میں ایسے ولیوں کا تذکرہ ہے جن میں ربوبیت کی صفات ثابت کی جاتی ہیں۔ (معاذ اللہ) [3]

حاصل کلام: قبولیت دعا توحید ربوبیت کا خاصہ ہے جس میں بلا استثنا مسلم و کافر ساری خلقت شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ارض وسما کی ہر چیز اسی سے سوال کرتی ہے۔ ہر روز وہ کسی حالت میں ہوتا ہے۔'' (الرحمٰن۔۲۹) اللہ تعالیٰ سے ہر فرمانبردار، گنہگار، کافر و منافق مانگتا ہے اور وہ ہر روز عطا کرتا ہے، مصیبت دور کرتا ہے، گناہ بخشتا ہے جیسا کہ مجاہد (تابعی) وغیرہ سے منقول ہے۔ [4] اللہ تعالیٰ فرمانبردار اور گنہگار ہر ایک کو بقدر زندگی مہلت دیتے ہیں: ''ہر ایک کو ہم مہلت دیتے ہیں۔ انہیں بھی اور اُنھیں بھی، تیرے رب کی عطا سے اور تیرے رب کی عطا ممنوع نہیں۔ (الاسرا۔۲۰) بلکہ جب ابلیس لعین نے بھی کہا ''یارب! مجھے قیامت تک مہلت دے'' (الحجر۔۳۶) تو اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی حالانکہ وہ ساری مخلوق میں بدترین تھا۔ ''کہا، جا تجھے ایک معلوم وقت تک مہلت دی جاتی ہے۔'' (الحجر۳۷۔۳۸)

لہٰذا ثابت ہوا کہ دعا کی قبولیت ہر خاص و عام کے لئے یکساں ہے اور اختیار قبولیت صرف اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق اور اس کی ربوبیت کے مترادف ہے لہٰذا دعا مانگتے وقت پورے خلوص و یقین سے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جائے اور شرک کی آمیزش سے اپنے نفس کو بچایا جائے البتہ اگر کوئی مسلمان کسی وقت توحید ربوبیت کا تصور کئے بغیر اللہ سے دعا مانگتا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ شرک کر رہا ہے۔ اگرچہ صفات ربوبیت کا تصور ضروری ہے لیکن اگر کوئی شخص غیر اللہ کو صفات ربوبیت سے متصف تصور کئے بغیر بھی اس سے دعا کرے گا تو وہ مشرک ہے۔

---

(۱) [جواهر المعانی (۱۴۵/۲)]

(۲) [تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کی کتاب "البریلویة" (۷۲)]

(۳) [الکافی (۲۰۴/۱ تا ۲۱۴) وغیرہ]

(۴) [طبری (۱۳۵/۲۷)]

(2) توحید اسماء وصفات اور دعا:۔ دعا کا توحید اسماء وصفات سے بھی بڑا گہرا تعلق ہے کیونکہ اس توحید میں ان صفات کا اقرار کیا جاتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو متصف کیا ہے مگر ان صفات کی تشبیہہ وتمثیل، تعطیل وتکییف اور تحریف وتاویل سے اجتناب کیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں یکتا ومنفرد ہے۔ صفات باری تعالیٰ کا شمار تو ممکن نہیں مگر ہم بعض چیدہ چیدہ صفات کا جائزہ لیں گے مثلاً علم، سمع وبصر، صفت معیت، ارادۃ، حیات، قیومیت، سخاوت، رحمت، علو۔ ایک داعی کو بوقت دعا مذکورہ صفات باری تعالیٰ کا اعتقاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان صفات سے متصف ہوسکتا ہے اور اس کے علاوہ کسی دوسرے کو ان صفات سے متصف سمجھا جائے تو شرک والحاد کا دروازہ کھلے گا۔

(۱) صفت علم: سوال کرنے والے کو یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا، حالت، کرب والم اور ہم وغم سے بخوبی آگاہ ہے ورنہ دعا بے فائدہ ہے کہ انسان ایسی ذات سے مانگ رہا ہے جسے کوئی علم وخبر نہیں۔ اس لئے یہ پختہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ظاہر وباطن ہر چیز کو جاننے والا ہے، ارض وسما میں حرکت کرنے والا ذرہ بھی اس کے علم میں ہے، دل کے خیالات سے وہ آگاہ ہے اور داعی پر گذرنے والی ہر ہر مصیبت، تنگی اور پریشانی اس کے دائرہ علم میں داخل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، وہ بحر وبر کی ہر چیز سے آگاہ ہے، ہر گرنے والا پتہ اس کے علم میں ہے، زمین کی تاریکیوں میں چھپا ہر دانہ اس کے سامنے ہے اور ہر خشک وتر اس کی کھلی کتاب میں ہے۔'' (الانعام۔ ۵۹) نیز'' آپ کہہ دیں کہ ارض وسما کی پوشیدہ اشیا اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ کب وہ اٹھائے جائیں گے۔'' (النمل۔ ٦۵) نیز'' غیب کو جاننے والا ہے اور غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا مگر اپنے کسی رسول کو..........۔'' (الجن۔ ۲٦)

لہٰذا دعا کے لئے یہ بات ذہن نشین رہنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کل کائنات کے ظاہر وباطن سے بخوبی آگاہ ہیں اور سائل کی ضرورت، مصیبت، تنگی، پریشانی، کرب والم اور ہر پل سے مطلع ہے وگرنہ سائل کس یقین اور اعتماد سے دعا کرے گا؟ اس لئے دعا اور اللہ تعالیٰ کی صفت علم میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ مسئلہ مشرکین کے رویے سے بھی سمجھا سکتا ہے کہ وہ اپنے ولیوں وغیرہ کو پکارنے کے ساتھ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کے ولی ان کے احوال سے باخبر ہیں بلکہ اکثر اولیاء خود یہ دعوی کرتے تھے جیسا کہ طوسی اپنی کتاب ''اللمع'' میں بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی شیخ سے سنا کہ وہ شبلی (ابوبکر) کے پاس آیا جو اسے اور اپنے زائرین سے کہا کرتا تھا'' تم میری رعیت میں جہاں کہیں بھی ہو، میں تمہارے ساتھ ساتھ ہوں۔'' (۱)

(۱) [اللمع (٤٧٨)] تلبیس ابلیس (۳٤۸)]

یہ بالکل صریح علم غیب کا دعوی ہے جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔قشیری حضرت خضر سے روایت کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مدینے میں اپنے سے بڑے ولی سے ملے تو کہنے لگے،اب مجھے علم ہوا کہ اللہ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جنہیں میں نہیں جانتا۔[1] شعرانی کسی ولی کی حکایت نقل کرتے ہیں کہ

''میں نے عالم ارواح ہی میں اپنے شاگردوں کو پہچان لیا تھا کہ میرے دائیں، بائیں کون ہے اور اس دن سے آج تک میں ان کی تربیت کرتا رہا ہوں اگر چہ وہ اپنے باپوں کی صلبوں میں تھے مگر مجھ سے پوشیدہ نہ تھے۔''[2] یعنی حضرت موصوف اپنے شاگردوں کی پیدائش سے پہلے ہی ان کے مربی بن چکے تھے!!

مذکورہ واقعات میں تو اولیاء نے خود عالم الغیب ہونے کا دعوی کیا۔اب ان لوگوں (ولیوں) کے واقعات ملاحظہ ہوں جن کے مریدوں نے انہیں عالم الغیب اور مختار کل بنا دیا۔صاحب الجواہر اپنے شیخ تیجانی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

''حضرت رضی اللہ عنہ کے کمال، ربانی بصیرت اور نورانی فراست کی پہنچ اس قدر ہے کہ وہ ساتھیوں کے حالات ومضمرات سے بخوبی آگاہ رہتے ہیں نیز تمام پوشیدہ باتیں، ضروریات اور ان کے نتائج اور فوائد ونقصانات وغیرہ سب کچھ ان کے سامنے موجود ہوتا ہے۔''[3] بلکہ صاحب الجواہر نے تو اپنے ولی کے لئے علم لدنی کا بھی دعوی کیا چنانچہ وہ اس آیت ''اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے علاوہ کسی پر غیب ظاہر نہیں کرتے.........'' کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کسی پر غیب ظاہر نہیں کرتے سوائے رسول کے یا صدیق کے یا ولی کے!''[4] (نعوذ باللہ)

قرآن مجید میں تحریف کرتے ہوئے ان لوگوں نے شرم وحیا کی تمام حدیں پھلانگ دیں اور اپنے اولیاء کے لئے ایسے شرکیہ دعوے کیے کہ وہ لوح محفوظ کا لکھا پڑھ لیتے ہیں، ان کے دل پر کشف ہوتا ہے اور وہ ہر حاجت مند کی پکار سے آگاہ رہتے ہیں۔مسلمانوں میں ایسے شرکیہ عقیدے صوفیاء اور (رافضی غالی شیعہ) حضرات سے درآمد ہوئے کیونکہ ان لوگوں نے اپنے ائمہ میں علم غیب کی صفات کو داخل کیا جیسا کہ ایک منہ پھٹ اپنے جعلی امام مھدی کا قول لکھتا ہے

''ہم اگر چہ تم ظالموں سے بہت دور ہیں مگر تمہاری پل پل کی خبروں سے ہم واقف ہیں۔ہم تمہیں مہلت ورعایت دے رہے ہیں اور ہم تمہیں بھولے نہیں ورنہ تم پر مصائب کے پہاڑ توڑ دیئے جاتے۔''[5] ان لوگوں کا خیال باطل

---

(١) [الرسالة (٦٨٥/٢)]

(٢) [الطبقات الكبرى (١٨٣/١)]

(٣) [جواهر المعانى (٦٣/١)]

(٤) [ايضا (٢١٨/١)]

(٥) [الاحتجاج للطبرسى (٤٩٧/٢)]

ہے کہ حضرت علی ﷺ نے امام مھدی کو یوں مخاطب کیا ''تو گفتگو سنتا ہے، جماعت کو سلام کرتا ہے اور تو دیکھتا ہے مگر ہمیں نظر نہیں آتا۔''(۱) اسی طرح ایک نے کہا ''اگر چہ وہ لوگوں سے مخفی ہے اور اس تک کسی کو رسائی نہیں مگر ہم پر یہ بات مخفی نہیں کہ وہ ہر اس پریشان حال کے پاس پہنچ کر اس کی مدد کرتا ہے جس سے دنیا کے اسباب ووسائل منقطع ہو چکے ہوں، جس کے لئے دنیا والوں کے تمام دروازے بند ہو چکے ہوں تو وہ اپنی کرامات ومعجزات سے اس کی خصوصی مدد کرتا ہے....اسی لئے ایسے عاجز ولاچار اپنی پریشانی میں اسی سے مدد مانگتے ہیں۔''(۲) (معاذ اللہ)

(۲) صفت سماعت وبصارت: دعا کے لوازمات سے ہے کہ داعی یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی گڑگڑاہٹ کو سنتے ہیں اور اس کی عاجزی وگریہ زاری کو دیکھ رہے ہیں اگر چہ کائنات میں ہر طرف سوالیوں اور محتاجوں کا ہجوم ہے مگر اللہ تعالیٰ بیک وقت ان سب سے واقف ومتنبہ ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کا یہ عیب بیان کیا کہ وہ جنہیں پکارتے ہیں، وہ تو ان کی پکار سے غافل ہیں ''کہا کیا وہ تمہاری پکار سنتے ہیں یا تمہیں نفع یا نقصان دے سکتے ہیں؟'' (الشعراء۔۷۲۔۷۳) لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی ساری مخلوق کی دعا اور پکار کو سننے کی قدرت رکھتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی میٹنگیں اور سرگوشیاں نہیں سنتے؟ کیوں نہیں؟ اور ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس لکھتے ہیں۔'' (المجادلۃ۔۷) اس آیت سے ثابت ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ساری کائنات کی مخلوقات کی دعائیں سننے کی قدرت رکھتا ہے اور اس صفت سمع وبصر میں کسی کو اللہ کا شریک بنانا ناقابل معافی جرم (شرک) ہے۔

(۳) صفت معیت وقربت: دعا اللہ تعالیٰ کی صفت معیت پر واضح دلالت کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو (آپ کہہ دیں کہ) میں قریب ہوں۔ پکارنے والے کی پکار قبول کرتا ہوں۔'' (البقرہ۔۱۸۶)

شان نزول: کہا گیا ہے کہ ایک سائل نے حضور ﷺ سے سوال کیا، اے محمد ﷺ! کیا رب ہمارے قریب ہے کہ ہم اس سے سرگوشی کریں یا دور ہے کہ ہم اسے پکاریں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔(۳) اللہ تعالیٰ کا انسان کے ساتھ ہونا ایک صفت ہے جس کی کیفیت اور کنہ وحقیقت ہم نہیں جانتے۔ حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں اور جب وہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔''(۴) حافظ ابن کثیرؒ

---

(۱) [الغيبة للنعماني (ص١٤٤)]

(۲) [المهدي للشاهرودي (ص٣٣٦)]

(۳) [طبري (١٥٨/٢) ابن كثير (٢١٨/١) بغوي (١٥٥/١)]

(٤) [بخاري (٧٤٠٥) مسلم (٢٠٦٧)]

اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ "یہ قرآن مجید کی ان آیات کی طرح ہے" بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقوی اختیار کیا اور وہ نیکی کرنے والے ہیں۔" (النحل۔۱۲۸) نیز" بے شک میں تم دونوں (حضرت موسیٰ اور ھارون علیہما السلام) کے ساتھ ہوں میں سنتا اور دیکھتا ہوں۔ (طٰہٰ۔۴۶) اس معیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا مانگنے والے کی دعا اور پکار سے غافل یا لا پرواہ نہیں بلکہ وہ دعا کو سننے والا ہے لہٰذا ان (آیات وحدیث) میں دعا کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ کے نزدیک دعا ضائع نہیں کی جاتی۔"[1] لہٰذا اللہ تعالیٰ تک دعا پہنچانے میں کسی ذریعے اور واسطے کی ضرورت نہیں بلکہ خود خلوص دل سے دعا مانگنے والے کو اللہ تعالیٰ کا قرب خاص نصیب ہوتا ہے۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ ﴿واذا سئالک عبادی ......﴾ اس آیت کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ دعا قرب الٰہی کے حصول کا سب سے بہترین ذریعہ ہے۔[2] حافظ ابن قیمؒ[3] اور ابن تیمیہؒ نے بھی دعا کو قرب خاص کا ذریعہ قرار دیا ہے۔[4] اس لئے دعا مانگنے والے کو یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اس کے ساتھ ہے اور اس کی دعا کو سنتا ہے بلکہ جو لوگ اللہ کے سوا کسی سے دعا مانگتے ہیں، وہ اللہ کی ان صفات کو اپنے معبودوں میں ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۴) صفت حیات وقیام: چونکہ مردہ ذات تو اپنے نفس میں حرکت پیدا کرنے سے عاجز ہوتی ہے تو پھر اس سے دعا مانگنے کا کیا فائدہ؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر یہ عیب لگایا کہ وہ انہیں پکارتے ہیں جن میں زندگی کی کوئی رمق ہی نہیں "اور وہ لوگ جو اللہ کے سوا (کسی کو) پکارتے ہیں وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ تو خود پیدا کئے گئے تھے (اور اب) مردہ ہیں۔ زندہ نہیں اور وہ یہ شعور نہیں رکھتے کہ کب وہ اٹھائے جائیں گے۔" (النحل۔۲۰،۲۱) اس کے علاوہ بھی بہت سی صفات ایسی ہیں جو دعا کے ساتھ مربوط ہیں اگر چہ داعی ان صفات پر توجہ نہ رکھے مگر وہ صفات دعا کے ساتھ لازمی ربط ضروری رکھتی ہیں۔ ہم "صفت علو" کو قدرے تاخیر سے بیان کرنے پر اکتفا کریں گے۔

خلاصہ کلام: دعا کے لوازمات سے ہے کہ "مدعو" کمال وجلال جیسی صفات سے متصف ہو جیسے علم کلی، سماعت وبصارت، معیت وقربت، حیات وقیام، جود وکرم وغیرہ ہیں اور صرف باری تعالیٰ ہی ان صفات سے متصف ہے لیکن اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے ان صفات کو ثابت کرتا ہے تو فی الحقیقت وہ اسماء وصفات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔

---

(۱) [ابن کثیر (۲۱۸/۱)]

(۲) [قطر الولی (۳۹۹)]

(۳) [طریق الھجرتین (ص۲۰۲)]

(٤) [الفتاوی (۱۲۹/۵)]

علماء کے اقوال

کچھ علماء نے دعا کے ساتھ ذات باری تعالیٰ کی صفات کے لزوم کو ثابت کیا ہے مثلاً حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر درود (جو دعا کی ایک قسم ہے اور ایمان کو ضمنی طور پر شامل ہے) اللہ تعالیٰ کے وجود، علم، سماعت، قدرت، ارادہ اور صفات وکلام کو ضمناً شامل ہے۔(۱) امام رازی استعاذہ (اس کی بحث گذر چکی ہے) کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ استعاذہ کا اتمام صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان دفع مضرت وجلب منفعت میں اپنے آپ کو عاجز سمجھے اور اللہ تعالیٰ کو اس پر قادر مطلق سمجھے نیز اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ انسان کے قلب پر تواضع وانکساری کا دخول ہوگا۔ امام رازی مزید قمطراز ہیں کہ استعاذے کا لازمہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو تمام موجودات کا عالم سمجھے وگرنہ استعاذے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے علاوہ ازیں انسان اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قادر خیال کرے وگرنہ انسان کی حاجت براری کیسے ممکن ہے؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو سخی و کریم سمجھے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) بخیل سمجھا جائے تو پھر استعاذہ واستغاثہ چہ معنی دارد؟

رازیؒ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ مذکورہ لوازمات کو دعا کے لئے ضروری نہیں سمجھتے حالانکہ یہ بڑی فضول بات ہے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو یہ طعنہ دیا ''کیوں تم ان کی عبادت کرتے ہو جو سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی تمہارے کام آسکتے ہیں؟'' (مریم۔۴۲) لہٰذا اگر انسان یہ سمجھے کہ معبود عالم وقادر نہیں تو پھر اس سے سوال کرنا ایسا ہی ہے جیسے ان مشرکوں کا اپنے ان معبودوں سے ہوا کرتا تھا جو ان صفات سے کورے تھے۔(۲) امام زبیدیؒ نے بھی اسی طرح کی بات کی ہے کہ ''دعا سے اللہ کی قدرت اور بندے کی عاجزی ظاہر ہوتی ہے۔''(۳) ابن ابی العزؒ فرماتے ہیں کہ ''دعا کے فوری فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کو اپنے رب کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اللہ سمیع، قریب، قدیر، علیم اور رحیم ہے اور بندہ اپنی عاجزی، لاچاری اور درماندگی کا بھی اقرار کر لیتا ہے۔(٤) امام زرکشیؒ فرماتے ہیں کہ دعا سے معرفت باری تعالیٰ اور بندے کی عاجزی ومسکینی کی معرفت جیسے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔(٥)

(۱) [جلاء الافهام (ص ۲۷۰) مدارج السالكين (۳/۳۵۵)]

(۲) [تفسير رازى (۱/۷۲-۷۳)]

(۳) [اتحاف السادة (٥/۲۹)]

(٤) [شرح الطحاوية (ص ٤٦١)]

(٥) [الازهية (ص ۳۸)]

ابن رجب فرماتے ہیں کہ سوال کرنے سے ذلت و مسکینی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اقرار حاصل ہوتا ہے علاوہ ازیں نقصانات سے بچاؤ اور منافع کا حصول ہوتا ہے۔(۱) ابن عقیل حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دعا کو مندوب قرار دیا ہے جس میں وجود (باری تعالیٰ) غنا، سمع، کرم، رحمت اور قدرت کے معانی داخل ہیں اور ان کا منکر دعا نہیں کرتا بلکہ طبائع اور ستاروں میں تاثیر کو معتبر سمجھتا ہے حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''ہر چیز کے خزانے صرف ہمارے پاس ہیں۔'' (الحجر۔۲۱) لہٰذا صرف اللہ تعالیٰ سے ہر مطالبہ کیا جائے۔(۲) علماء کی مذکورہ تصریحات سے ثابت ہوا کہ دعا کا صفات باری تعالیٰ کے ساتھ گہرا ربط ہے اور اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی صفات کو کسی بھی نفس (غیر اللہ) کے ساتھ خاص کرے تو گویا اس نے توحید اسماء وصفات میں شرک جیسے ناقابل معافی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

کچھ ایسے علماء کے اقوال جنہوں نے واضح کیا کہ غیر اللہ سے دعا مانگنے والے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات سے متصف گردانتے ہیں

(۱) مفسر قرآن علامہ آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) رقمطراز ہیں کہ: جو شخص غیر اللہ کو اس طرح مخاطب کرے ''یا فلاں! میری مدد کرو'' تو گویا وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس کا مدعو زندہ اور غائب ہے یا مردہ اور غائب ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ غیب پر مطلع ہے، پکار سنتا ہے، بذات خود یا کسی ذریعے سے مدد کرنے پر قادر ہے اور تکلیف و پریشانی بھی دور کر سکتا ہے وگرنہ سائل اسے کبھی نہ پکارتا۔(۳) اسی طرح علامہ آلوسی مزید فرماتے ہیں کہ ﴿**وما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون**﴾ ''اللہ تعالیٰ پر اکثر لوگ ایمان لانے کے باوجود شرک کرتے ہیں۔'' (یوسف۔۱۰۶) تو اس آیت کے مطابق وہ لوگ مشرک ہیں جو قبروں والوں کی عبادت کرتے ہیں، ان کے لئے نذریں پیش کرتے ہیں اور انہیں نفع نقصان کا مالک خیال کرتے ہیں۔(٤)

(۲) شاہ محمد اسماعیل دہلوی شہیدؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اس طرح پکارتے ہیں ''اے ہمارے آقا! ہمارے لئے اللہ سے دعا کریں۔'' اور وہ اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ ہم نے ان سے حاجت برائی کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ انہیں

---

(۱) [جامع العلوم والحكم (ص ۱۸۱)]

(۲) [الآداب الشرعية (۲/۲۹۲) شرح الطحاوية (ص ٤٥٩)]

(۳) [روح المعاني (۱۲۸/٦)]

(٤) [ايضا (٦٧/۱۳)]

ذریعہ بنا کر اللہ سے مشکل کشائی کا مطالبہ کیا ہے.......... یہ طریقہ بھی باطل ہے اس لئے کہ انہوں نے ''ندا'' میں شرک کیا ہے کیونکہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ (مردے اور زندے) دور سے بھی ہماری بات اور پکار اسی طرح سن لیتے ہیں جس طرح قریب سے سنتے ہیں۔[1]

(۳) شیخ عبدالرحمٰن بن عبداللطیف امام بوصیری کے اس شعر پر نقد کرتے ہیں

یا أکرم الخلق مالي من ألوذ به سواك عند حدوث الحادث العمم

''اے سب مخلوق سے افضل! مجھے تیرے سوا کسی اور کے پاس مصائب وآلائم سے پناہ لینے کی کیا ضرورت؟''

شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ بوصیریؒ نے نبی کریم ﷺ سے پناہ مانگ کر یہ عقیدہ ثابت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ قادر مطلق اور عالم الغیب ہیں بلکہ ہر وہ شخص جو غیر اللہ کو پکارتا ہے، اس کے پس پردہ یہی عقیدہ کارفرما ہوتا ہے حالانکہ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے کہ وہی قادر مطلق، مختار کل اور عالم الغیب ہے لہٰذا اس کے سوا کوئی ان صفات سے متصف نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا در چھوڑ کر کسی دوسرے کا (خواہ وہ نبی ورسول ہی کیوں نہ ہو) در کیوں پکڑا جائے؟[2]

(۴) شیخ عبدالحی حنفی لکھنویؒ رقمطراز ہیں کہ اس مشہور ورد سے احتیاط کی جائے ''یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ'' شیخ عبدالقادر جیلانی خدا کے لئے کچھ کیجئے، بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک اس جملے کو ادا کرنے والا کافر ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں مردوں کو پکارنے کا عقیدہ پایا جاتا ہے جو شرع کے خلاف ہے کیونکہ کسی شرعی دلیل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اولیاء کو دور دراز سے (بلا وسائل) سننے (یا مدد کرنے) کی قدرت بخشی گئی ہو۔'' پھر موصوف فرماتے ہیں کہ غیر اللہ کو حاظر وناظر اور ہر جلی وخفی سے ہر وقت آگاہ ہونے کا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے لہٰذا شیخ عبدالقادر جیلانی کے بارے میں یہ خیال رکھنا کہ وہ اپنے مریدوں کے جمیع احوال سے ہر وقت آگاہ رہتے ہیں اور ان کی پکار سنتے ہیں، شرکیہ عقیدہ ہے۔''[3]

(۵) شیخ محمد بشیر شہسوانی فرماتے ہیں'' قبر سے دور کسی میت کو پکارنا یا کسی غیب کو پکارنا اس اعتقاد کے مترادف ہے کہ وہ میت یا غیب، عالم الغیب ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ مردوں اور غائب حضرات سے مدد کی درخواست کرنے والے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ان کی دعا اور پکار کو سنتے ہیں حالانکہ اس سے تو ان کے عالم الغیب ہونے کا اثبات ہوتا ہے۔[4]

---

(۱) [رسالة التوحيد (ص٦٦/٦٧)]

(۲) [مصباح الظلام (٢٠٠)]

(۳) [مجموع فتاوى عبدالحى (٢٦٤/١)]

(٤) [صيانة الانسان (ص٣٧٣)]

(۶) شیخ حافظ الحکمیؒ فرماتے ہیں کہ توحید کی اقسام ثلاثہ باہم اس طرح مربوط ہیں کہ انہیں جدا نہیں کیا جا سکتا اور ان میں سے کسی ایک میں شرک دراصل تمام میں شرک کے مترادف ہے مثلاً ہمارے زمانے میں کوئی قبر کا پجاری کسی قبر والے کو یوں پکارتا ہے، اے آقا! میری مدد کریں یا میرا فلاں مسئلہ حل کریں اور وہ اسے دور دراز سے پکار رہا ہے جبکہ قبر والا منوں مٹی تلے مٹی ہو چکا ہے اور اسے پکارنا توحید عبادت میں شرک ہے کیونکہ دعا عبادت کا مغز ہے اور اس سے حاجت برآئی اور مشکل کشائی کا سوال کرنا توحید ذات (ربوبیت) میں شرک ہے کیونکہ یہ چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں۔ پھر دعا کرنے والا یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ صاحب قبر ہر جگہ سے اس کی دعا اور پکار کو سنتا ہے تو یہ اسماء وصفات میں شرک ہے کیونکہ اس نے اللہ کی صفات ان میں شامل کر دی ہیں۔(۱)

(۷) شیخ علی محفوظ حنفیؒ کتاب الابداع کے مصنف رقمطراز ہیں کہ ''عوام کو بحر و بر میں کہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اولیاء کو مثلاً بدوی، دسوقی، زینب وغیرہ کو پکارنا شروع کر دیتے ہیں'' پھر لکھتے ہیں کہ ''ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ غیر اللہ اختیارات کے مالک ہیں حالانکہ اگر یہ لوگ ایک اللہ کو پکاریں تو وہ ضرور ان کی تکلیفیں دور کرے۔''(۲) حاصل کلام یہی ہے کہ دعا کے ساتھ داعی کو لازماً یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مذکورہ صفات سے متصف ہے اور ان صفات کو غیر اللہ میں ماننا یا غیر اللہ سے دعا مانگنا ''شرک فی التوحید'' ہے۔

دعا اور صفت علو:۔ تمام بنی نوع آدم کا اپنے بیسیوں اختلافات کے باوجود یہ عقیدہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالی (بلند) ہیں اور یہ ایک فطری امر ہے جبکہ اللہ کے مستوی علی العرش ہونے کا عقیدہ سماعی ہے جو دلائل سے ثابت ہوتا ہے۔(۳) نوع بشر کا اپنے دیگر اختلافات کے باوجود اس فطری امر پر اتفاق رہا ہے۔ اسی لئے ہر کافر و مسلم، عالم و جاہل، عربی و عجمی اس امر فطرت کی بنیاد پر آسمان کی طرف متوجہ ہو کر یا ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا رہا ہے چنانچہ آپ اپنے گرد و پیش میں یہ مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ جب کسی شخص کو کسی آفت کا سامنا ہو گا تو وہ ظاہر و باطن ہر حال میں بلندی کی جانب متوجہ ہو کر دعا کرے گا۔ کسی اور طرف متوجہ نہیں ہو گا لہٰذا عام انسانوں کا یہ رویہ ہو گا کہ وہ فطرت پر قائم رہیں گے جبکہ کچھ لوگ جو شیطان انس و جن یا شکوک و شبہات کے شکار ہو جانے پر اپنے فطری رویئے سے اختلاف کریں گے جیسا کہ حدیث قدسی ہے ''میں نے اپنے تمام بندوں کو دین حنیف پر پیدا کیا اور ان کے پاس شیطان آئے جنہوں

---

(۱) [معارج القبول ۴۳۵/۱)]

(۲) [الابداع (۲۱۲)]

(۳) [منهاج السنة (۳۲۷/۲)الفتاوی (۱۲۲/۵)]

نے انہیں ان کے دین (حنیف) سے گمراہ کیا۔"[۱]

اس کے باوجود آپ دیکھیں گے کہ جب کوئی انسان کسی سخت آفت سے دوچار ہوگا تو وہ اپنی فطرت کی طرف لوٹ آئے گا اورصرف باری تعالیٰ سے مخاطب ہوتے ہوئے آسمان کی طرف ہاتھ پھیلائے گا۔ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق سے جدا اور بلند ہونا ایک ایسا فطری عمل ہے جسے تمام بنی آدم بلا استثنا مانتے ہیں بلکہ جو شخص جس قدر عارف باللہ اور ذاکر و داعی ہوگا،اس کا یہ فطری رویہ اسی قدر مضبوط ہوگا۔فطرت انسان کی مجمل راہنمائی کرتی ہے جبکہ شریعت انسان کی تفصیلی راہنمائی کرتی ہے۔[۲] اس لئے اللہ تعالیٰ نے انبیا کو اس فطرت کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا،انہیں تبدیل کرنے کے لئے نہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے" اپنے چہرے کو دین حنیف کے لئے سیدھا کرلے (یہ) اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں۔یہی دین قائم ہے۔(الروم۔۳۰)

اسی طرح شریعت نے دعا میں ہاتھ بلند کرنے کے ساتھ آسمان کی طرف متوجہ ہونے کی فطرت کی تکمیل کر دی ہے کیونکہ انسان بوقت دعا اپنے پاؤں تلے متوجہ نہیں ہوتا بلکہ آسمان کی طرف رخ کرتا ہے۔[۳] کثرت دعا سے مقصود یہی ہے کہ انسان کی فطرت سلیمہ مزید صیقل ہو اور اس کا علوِ باری تعالیٰ پر ایمان مضبوط ہو چنانچہ مومن کا ایمان بڑھتا ہے جبکہ غیر مومن میں یہ تبدیلی ناقص رہتی ہے۔امام جوینیؒ رقمطراز ہیں کہ"جب بندہ اللہ تعالیٰ کے آسمانوں پر مستوی علی العرش ہونے پر بلا تکییف و تمثیل یقین کر لیتا ہے تو اس کا دل اپنی نماز،توجہ اور دعا کے لئے ایک قبلہ (جہت) حاصل کر لیتا ہے اور جب اپنے رب کے مستوی ہونے کو نہیں پہچان پاتا تو وہ اپنے معبود کی کوئی جہت حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔" امام جوینی کی عبارت سے مترشح ہوا کہ جو انسان ذات باری تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے،اسے اطمینان نصیب ہو جاتا ہے جبکہ دیگر افراد کو وہ قلبی سکون نصیب نہیں ہوتا۔شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس مسئلہ پر اجماع و اتفاق نقل کرتے ہیں کہ توحید عبادت میں کامیابی پانے والا مطمئن ہے جبکہ اس میں ناکام رہنے والا پریشانیوں کے بحر بے کنار میں غوطہ زن رہتا ہے۔بہت سے علماء نے اس مسئلہ پر اتفاق و اجماع کا دعویٰ کیا ہے جن کا ملخص یہ ہے :۔[٤]

علوِ باری تعالیٰ کا علم ایک فطری امر ہے جس میں بلا تفریق تمام نوع انسان شامل ہے۔جس طرح تمام لوگوں کا بوقت

---

(۱) [مسلم (۲۸٦۵)]

(۲) [الفتاوی (٤٥/٤)]

(۳) [أیضا (۲۰۹/۵)]

(٤) [درء تعارض العقل والنقل (۵/۷۔ ۱۳۲) الصواعق المرسلة (۱۳۰٦/٦)]

حاجت اللہ کی طرف متوجہ ہونا ایک ضروری امر ہے۔ اسی طرح لوگوں کے دلوں کا اللہ تعالیٰ کی بلند اور علو کا قصد وتوجہ کرنا بھی بدیہی امر ہے۔ لہٰذا لوگ اپنی ضروریات کے وقت بلندی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، پستی کی طرف التفات نہیں کرتے۔ جس طرح حسابی قاعدے کی رو سے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے عالی ہونے میں کوئی شک نہیں بلکہ اسے ماننا نہایت ضروری ہے کیونکہ انسان باری تعالیٰ کا محتاج ہے۔ لہٰذا جس کی فطرت سلیم ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے عالی ہونے پر غیر متزلزل یقین رکھتا ہے اور جسے اس امر میں شک ہے دراصل اس کی فطرت میں نقص وضعف ہے۔ ساری دنیا کے لوگوں کا کسی جھوٹے امر پر مجتمع ہونا عادۃً محال ہے اور مسلمانوں کا اجماع حجت ہے تو پھر ساری دنیا کے مختلف انواع لوگوں کا (اس حقیقت پر) اجماع حجت کیوں نہیں!

دعا اور صفت علو کے متعلق علما کے صریح اقوال

امام ابوحنیفہؒ سے سوال کیا گیا کہ جو آدمی یہ کہے ''مجھے علم نہیں کہ عرش آسمان میں ہے یا زمین میں تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ وہ کافر ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے آسمان میں ہونے سے انکار کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ علیین سے بھی اوپر ہے اور اسے بلندی کی طرف پکارا جاتا ہے نہ کہ پستی (نیچے) کی طرف۔''[1]

ابومحمد عبداللہ بن سعید بن کلاب سے منقول ہے کہ ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے لوگوں کی فطرت میں علو' (پر یقین) راسخ کر دیا ہے اور کوئی چیز بھی اس سے زیادہ واضح اور مؤکد نہیں کیونکہ جب آپ کسی بھی شخص سے اللہ کے بارے میں سوال کریں خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر تو وہ جواب دے گا کہ اللہ آسمان میں ہے یا پھر آسمان کی طرف ہی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہے البتہ جھمیہ اللہ تعالیٰ کو 'فی کل مکان'' سمجھتے ہیں۔ ابن کلاب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ''اوپر'' ہونا ایک ایسا فطری امر ہے جو بندوں کی فطرت میں پیدا کیا گیا ہے اور اس پر سوائے چند معدودہ افراد کے عام وخاص سب کا اتفاق ہے۔[2]

ابن قتیبہؒ علوِ باری تعالیٰ کے اثبات میں رقمطراز ہیں ''اگر یہ سب اپنی فطرت کی طرف لوٹ آئیں کہ جن پر ان کی تخلیق ہوئی تھی تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی عالی اور بلند ہیں......دعا میں اسی کی طرح ہاتھ بلند کئے جاتے ہیں........عرب وعجم یعنی ساری امت کو اگر فطرت پر چھوڑ دیا جائے اور کسی طرح کی تعلیم نہ دی جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے علو کا اقرار کئے بغیر نہ رہے گی۔[3]

---

(۱) [درء تعارض العقل (۲۶۳/۶) الفتوی الحمویة (ص۲۸)]

(۲) [درء تعارض العقل (۱۹٤/٦) الفتاوی (۳۲۰/۵)]

(۳) [تاویل مختلف الحدیث (ص ۲۷۱) الفتاوی (۳۷۰/۵)]

عثمان دارمیؒ فرماتے ہیں کہ ”تمام مسلمانوں اور کافروں کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہیں حتیٰ کہ چھوٹے نابالغ بچے بھی اس کا اعتراف واظہار کرتے ہیں لیکن بشر مریسی اور اس جیسے گمراہ لوگ ہی اس بات کا انکار کرتے ہیں۔“(۱)

ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں کہ ”ساری مخلوق کا عملی اجماع ہے کہ وہ دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتی ہے لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ آسمان میں نہ ہوتے تو لوگ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا نہ مانگتے۔“(۲)

ابن خزیمہؒ فرماتے ہیں کہ ”اس بات کی وضاحت کے بیان میں کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے جیسا کہ قرآن مجید، حدیث شریف اور فطرت سلیم سے ثابت ہے، عالم وجاہل، آزاد وغلام، مرد وزن، صغیر وکبیر ہر کوئی بوقت دعا آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے۔“(۳)

امام شعرانیؒ (جن کی طرف اشاعرہ فرقہ منسوب ہے اور ان کے آخری مذہب میں انہوں نے اختلاف کیا ہے) علو کے بارے میں دلیل ذکر کرتے ہیں کہ ”ہم نے مسلمانوں کو بوقت دعا آسمان کی طرف ہی ہاتھ اٹھاتے دیکھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر عرش پر مستوی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی نہ ہوتے تو لوگ ہاتھ اٹھا کر یوں دعا نہ مانگتے۔“(۴)

امام خطابیؒ فرماتے ہیں ”مسلمانوں میں ہر عام وخاص بوقت دعا آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندی کی طرف ہیں۔“ امام خطابیؒ نے تو صرف مسلمانوں کے لئے اسے خاص کیا ہے ورنہ یہ بات تو کافروں میں بھی پائی جاتی ہے۔“(۵)

امام ابو یعلیٰؒ فرماتے ہیں کہ ”ہر عاقل خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، بوقت دعا آسمان کی طرف ہی ہاتھ اٹھاتا ہے۔“(۶)

ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ ”اللہ عزوجل سات آسمانوں کے اوپر عرش پر ہیں اور عرب وعجم کے تمام موحدین کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب انہیں کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہے تو وہ آسمان کی طرف متوجہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں اور اس پر کسی کو انکار نہیں۔(۷)

ابوبکر اشعریؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ کہیں کہ کیا تم کہتے ہو کہ وہ (اللہ) ہر جگہ موجود ہے؟ کہا گیا: اللہ کی پناہ بلکہ وہ تو عرش پر مستوی

---

(۱) [درء تعارض العقل (۵۹/۲)]

(۲) [کتاب العرش (ص ۵۱)]

(۳) [کتاب التوحید (۱۱۰)]

(۴) [الابانة (ص ۱۰۷) الفتاوی (۲۲۵/۳)]

(۵) [تلبیس الجهمیه (۴۳۷/۲)]

(۶) [ابطال التاویل (۱۶۷)]

(۷) [التمهید (۱۳۴/۷) الفتاوی (۲۲۰/۳)]

ہے........اگر کہا جائے کہ وہ ہر جگہ ہے تو اس کا معنی یہ ہوا کہ وہ انسان کے پیٹ اور منہ میں بھی ہے، جانوروں اور ناپاک جگہوں پر بھی ہے.........ہمارے دائیں، بائیں، اوپر نیچے ہر طرف ہے حالانکہ یہ بات مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے۔"(۱)

ابن قدامہ، یحییٰ بن عمار وغیرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔(۲)

محمد بن علی ابوھمدانیؒ فرماتے ہیں کہ امام جوینیؒ سے اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی موجود تھا جب عرش نہیں تھا تو وہ منہ دیکھتا رہ گیا۔ میں نے پوچھا: حضرت! آپ کا اشارہ تو میں نے سمجھ لیا مگر اس حیلے کا کیا مطلب؟ کہنے لگے کیا سمجھے ہو؟ میں نے کہا: جب کوئی عارف، یارب کہتا ہے تو ہونٹ کو حرکت دینے سے پہلے اس کے دل میں ایک تصور جاگزیں ہوتا ہے جو دائیں بائیں نہیں بلکہ بلندی کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ اگر آپ کے پاس اس تصور کے بارے میں کوئی حیلہ ہے تو بتا دیں تا کہ ہم دائیں بائیں، اوپر نیچے کے چکر سے خلاصی پالیں؟ یہ کہہ کر میں نے رونا شروع کر دیا اور میرے ساتھ سب لوگ رونے لگے بلکہ استاد نے بھی اپنا ہاتھ چارپائی پر مارا اور چیخنے لگا اور مسجد میں قیامت برپا ہوگئی۔ پھر میں نے اس کے ساتھیوں سے سنا کہ شیخ یہ کہتا تھا کہ مجھے ھمدانی نے حیران کر دیا۔"(۳)

شیخ ہمدانی نے ایسا قوی استدلال پیش کیا کہ امام جوینیؒ جیسا عالم بھی اس کا جواب نہ دے سکا۔

دعا اور صفت علو پر شبہات

کچھ لوگوں نے صفت علو پر شبہات پیدا کئے ہیں جو چار اقسام پر منحصر ہیں:۔

(۱) آسمان کی طرف اس لئے توجہ کی جاتی ہے کہ آسمان میں سورج، چاند، ستارے، ہوا، بارش جیسے ذرائع ہیں جن سے رزق حاصل ہوتا ہے اس لئے ہم آسمان کے محتاج ہوتے ہیں۔

(۲) آسمان دعا کا قبلہ ہے جس طرح کعبہ نماز کا قبلہ ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے آسمان کے درمیان اپنے بندوں کی مصلحت کے لئے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جن کی طرف ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں نہ کہ اللہ کی طرف۔

(۴) جس طرح زمین پر ماتھا ٹیکنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ زمین میں ہے اسی طرح آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانے کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے۔

علمائے محققین نے ان شبہات کے تفصیلی جواب دیئے ہیں(۴) جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:۔

---

(۱) [التمهيد للباقلاني (۲٦۰)]

(۲) [اثبات صفات العلو (ص٦۳)]

(۳) [الفتاوى (۳/۲۲۰) منهاج السنة (۲/٦٤۲) تلبيس الجهمية (۲/٤٤٦)]

(٤) [تلبيس (۲/٤۳۱ـ۵۰۲)]

پہلے شبہہ کا جواب:(۱) اگر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانے کی وجہ یہ ہے کہ آسمان میں رزق کے وسائل ہیں تو پھر زمین اس کی زیادہ محتاج ہے کیونکہ اس میں آسمان کی بہ نسبت زیادہ وسائل موجود ہیں اور نماز میں بھی آسمان کی بجائے زمین کی طرف توجہ رکھی جاتی ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔(اس لیے حقیقت یہ ہے کہ) دعا میں آسمان کی طرف ہاتھ اس لئے اٹھائے جاتے ہیں کہ آسمانوں پر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔جس طرح ہر داعی اپنے مدعو کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے، شمس وقمر کا پجاری ان کی طرف اور قبر وصنم کا پجاری ان کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے۔(اسی طرح اللہ کی عبادت کرنے والا اللہ کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے)۔

دوسرے شبہہ کا جواب:(۲) (۱) دعا کے لئے آسمان کو قبلہ قرار دینے کے بارے میں کسی سلفی عالم سے کوئی ثبوت نہیں ملتا نہ ہی اس کی کوئی دلیل شرعی ہے۔لہٰذا یہ اجماع امت کے خلاف ہے۔(۲) دعا کے لئے بھی وہی قبلہ ہے جو نماز کے لئے قبلہ ہے جیسا کہ آداب دعا میں ہم قبلہ رخ ہونیکے استحباب کو بیان کر آئے ہیں اور نماز میں بھی دعائیں مانگی جاتی ہیں لہٰذا قبلہ صرف ایک ہے۔(۳) نماز میں آدمی قبلے کی طرف رخ کرتا ہے جبکہ آسمان کی طرف صرف ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں، مکمل رخ نہیں کیا جاتا۔(۴) قبلہ ایک ایسا امر واقع ہے جس کے ذریعے مختلف امتوں میں امتیاز کیا جاتا رہا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اگر آپ اہل کتاب کے پاس ہر نشانی لے آئیں تو پھر بھی وہ آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ ہی آپ ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہیں۔'' (البقرۃ۔۱۴۵) جبکہ آسمان کی طرف بلا استثنا ہر شخص بلا اختلاف توجہ کرتا رہا ہے۔(۵) قبلے کی طرف رخ کرنا ایک توقیفی (شرعی) حکم ہے جبکہ آسمان کی طرف رخ کرنا صرف فطری امر ہے۔

تیسرے شبہہ کا جواب:(۳) (۱) انسان جب کسی چیز کی طرف اشارہ کرتا ہے تو وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ مشار الیہ اس سے متوجہ ہے ورنہ وہ اس کی طرف اشارہ ہی نہ کرے جبکہ اللہ تعالیٰ سے خلوص دل سے دعا مانگنے والوں کو فرشتوں کو متوجہ کرنے کا خیال بھی نہیں ہوتا۔(۲) فرشتوں کی طرف متوجہ ہو کر دعا مانگنا تو شرک ہے خواہ وہ دعا اللہ ہی سے مانگی جائے۔(۳) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے بھی دعا مانگنا جائز نہیں بلکہ شرک ہے خواہ وہ فرشتے ہوں یا کوئی اور!!

---

(۱) [بیان تلبیس الجهمیة (۴۴۸/۲)]

(۲) [أیضا (۴۵۲/۲ ـ ۴۶۳)]

(۳) [بیان تلبیس الجهمیة (۴۴۹/۲)]

چوتھے شبہہ کا جواب: [1] (۱) زمین پر ماتھا ٹیکنے اور سجدہ ریز ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ یہاں کوئی ہستی ہے بلکہ اس میں کسی ہستی کے حکم کے سامنے عاجزی کا اظہار ہے اور بوقت دعا آسمان کی طرف متوجہ ہونے میں اللہ تعالیٰ سے کسی غرض کا ارادہ پنہاں ہوتا ہے اور وہ غرض بیٹھے، کھڑے اور لیٹے ہر حال میں پائی جاتی ہے۔

(۲) جو کوئی قبر پرست یا بت کا پجاری اپنے معبود کی بندگی کا قصد کرتا ہے تو وہ اپنی جہت اور توجہ اسی کی طرف پھیر لیتا ہے جس طرح عیسائیوں کے گرجاؤں میں تصاویر کی طرف رخ کرنے کا مشاہدہ کیا گیا ہے، اسی طرح جب کوئی شخص آسمان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور بلندی کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو اس کا معنی بھی یہ ہوتا ہے کہ معبود آسمان میں ہے۔

(۳) حالت سجدہ میں جب انسان خوب غور وخوض سے دعا میں مشغول ہوتا ہے تو اس کا دل بلندی کی طرف پرواز کر رہا ہوتا ہے اگرچہ اس کا جسم زمین پر جھکا ہوا ہے تو ثابت ہوا کہ اصل چیز وہی توجہ اور قصد ہے جو بلندی کی طرف کیا جاتا ہے لیکن اس کے لئے بدن کبھی سجدے کی حالت میں ہوتا ہے تو کبھی قیام وقعود کی حالت اور کبھی آسمان کی طرف رخ ہوتا ہے مگر مقصد ایک ہی ہے۔

(3) دعا اور توحید عبادت:۔

دعا کا توحید عبادت سے گہرا تعلق ہے بلکہ دعا کی دونوں قسمیں حدیث نبوی ﷺ کے مطابق عبادت ہیں۔توحید عبادت یہ ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور دعا عبادت ہے لہٰذا صرف ایک اللہ سے دعا کی جائے۔اگر کسی نے غیر اللہ سے دعا کی تو گویا اس نے توحید عبادت میں شرک کیا۔دعا ہی ایسی عبادت ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں تخلیق فرمایا۔قرآن مجید کا آغاز واختتام دعا کے ساتھ ہے۔سورۃ فاتحہ میں دعائے عبادت اور دعائے حاجت دونوں موجود ہیں۔پھر قرآن مجید کے اختتام پر سورۃ اخلاص اور معوذتین ہیں جن میں سورت اخلاص دعائے عبادت پر اور معوذتین دعائے حاجت پر مشتمل ہیں۔شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ''سورۃ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے اور معوذتین میں انسان اپنے رب سے پناہ کی دعا مانگتا ہے۔ثناء کو بھی دعا قرار دیا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ فاتحہ میں پہلا نصف حمد وثناء اور دوسرا نصف بندے کی دعا پر محیط ہے لہٰذا قرآن مجید حقیقت ایمان پر مکمل ہوا یعنی اللہ کا ذکر اور اس سے

---

(۱) [ایضا درء تعارض (۲۱/۷)]

دعا ہی ایمان کی حقیقت ہے اور انسان کی حقیقت ''گفتگو'' سے عبارت ہے جس کی دو قسمیں ہیں خبر اور انشاء۔ اور سب سے اچھی خبر وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بیان کی جائے جس طرح سورۃ فاتحہ کے آغاز اور سورۃ اخلاص میں ہے اور سب سے بہترین انشاء سوال ہے اور سب سے نفع مند اور ضروری سوال وہی ہے جو انسان اپنے رب سے مانگتا ہے جس طرح سورۃ فاتحہ کے اختتام اور معوذتین میں موجود ہے۔''(۱)

مفسر قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ ''بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دعا کو سب سے بڑھ کر عظمت بخشی ہے جیسا کہ سورۃ فاتحہ جس کا نصف اول حمد وثناء اور نصف ثانی دعا پر مشتمل ہے جو کسی بھی سائل کے لئے سب سے بہترین دعا ہے کیونکہ یہ دعا اللہ کے کلام سے عبارت ہے اور حدیث نبوی ﷺ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دعا سے بڑھ کر کوئی چیز عزیز نہیں۔''(۲)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف دعا مانگنے والوں کا تذکرہ فرمایا مثلاً:۔

☆ ''جب موجیں اندھیروں کی طرح انہیں ڈھانپ لیتی ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے دین کو خالص کر کے پکارتے ہیں۔'' (لقمان۔۳۲)

☆ ''جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کے لئے دین کو خالص کرتے ہیں۔'' (العنکبوت۔۶۵)

☆ ''وہی ذات (باری تعالیٰ) تمہیں بحر و بر میں چلاتی ہے یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور اسے اچھی پیاری ہوا ہانکتی ہے تو یہ خوش ہوتے ہیں۔ پھر تند و تیز ہوا چلتی ہے اور ہر طرف سے موجیں آنا شروع ہو جاتی ہیں اور انہیں گمان ہو جاتا ہے کہ ان کا احاطہ ہو چکا تو وہ اللہ کے لئے دین خالص کر کے پکارتے ہیں کہ اگر تو نے اس (مصیبت) سے ہمیں نجات بخشی تو ہم ضرور شکر گذاری کریں گے۔'' (یونس۔۲۲)

☆ ''اللہ تعالیٰ کے لئے دین کو خالص کر کے پکارو اگرچہ کافر ناپسند کریں۔'' (غافر۔۱۴)

☆ ''وہ زندہ ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اسے پکارو دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو جہانوں کا پروردگار ہے۔'' (غافر۔۶۵)

☆ ''آپ کہہ دیں کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے اور تم اپنے چہرے سیدھے رکھو ہر مسجد کے پاس اور اسے پکارو دین کو اسکے لئے خالص کرتے ہوئے۔ جس طرح تمہیں پیدا کیا، اسی طرح تم لوٹو گے۔'' (الاعراف۔۲۹)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے دعا کو دین سے تعبیر کیا یعنی پہلی تین آیات میں یہ بتایا گیا کہ کافر اور مشرک بوقت مصیبت

---

(۱) الفتاوی (۴۷۸/۱٦)]

(۲) [تفسیر قرطبی (۱٤۷/۱)]

صرف اللہ سے دعا کرتے ہیں لہٰذا یہاں دعائے حاجت کا بیان ہے پھر آخری تین آیات میں خالصۃً اللہ سے دعا کرنے کا حکم ہوا ہے۔ان آیات میں دعا کو دعائے عبادت اور دعائے حاجت دونوں پر مشترک چسپا کیا جا سکتا ہے۔لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ لفظ دین (بمعنی دعا) تمام اعمال دین پر حاوی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''بلاشبہ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔'' (آل عمران۔۱۹)

حدیث جبریلؑ میں نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ ''وہ (جبریل) تمہارے پاس اس لئے آئے تھے کہ تمہیں تمہارا دین سکھائیں۔''[(۱)] اس میں دین، اسلام، ایمان اور احسان تینوں کو مشتمل ہے۔لہٰذا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دین ان تینوں چیزوں پر محیط ہے اور اس کے عموم میں دعا بدرجہ اتم موجود ہے اس لئے کہ دعا بھی عبادت ہے بلکہ تمام عبادتوں سے افضل ہے۔قرآن مجید اور احادیث میں بے شمار مقامات پر دعا کو عبادت سے موسوم کیا گیا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

☆ ''(ابراہیمؑ نے کہا کہ) میں تمہیں اور جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، کو چھوڑتا ہوں اور میں اللہ کو پکارتا ہوں۔ امید ہے کہ اپنے رب کو پکارنے میں میں بدبخت نہیں ٹھہروں گا۔ (مریم۔۴۸)

☆ ''تمہارے رب نے کہا کہ مجھے پکارو، میں تمہاری پکار قبول کروں گا۔یقیناً جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، وہ عنقریب جہنم میں داخل ہو کر ذلیل ہوں گے۔'' (غافر۔۶۰)

☆ ''میں نے انس و جن کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔'' (الذاریات۔۵۶)

☆ ''اور وہ اپنے ہاتھ قبض کرتے ہیں۔'' (التوبۃ۔۶۷)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی جو دعا نہیں مانگتے۔مجاہدؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو راہ خدا میں مال خرچ نہیں کرتے۔قتادہؒ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو خیر کے لئے ہاتھ کشادہ نہیں رکھتے۔[(۲)] دعا میں کچھ ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو کسی اور عبادت میں موجود نہیں[(۳)] مثلاً:۔

(1) دعا زندگی اور موت کے بعد بھی نفع مند ثابت ہوتی ہے۔جس طرح میت کے لئے اس کے رشتہ داروں اور دوستوں (مومنوں) کی دعا باعث نفع ہوتی ہے۔حدیث نبوی ﷺ ہے ''جب انسان فوت ہوتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں البتہ تین عمل جاری رہتے ہیں:۔

(۱) [بخاری (۵۰) مسلم (۹)]

(۲) [طبری (۱۰/۱۷٤)]

(۳) [اتحاف السادۃ (٤/٥)]

(۱) نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہے۔ (۲) صدقہ جاریہ (۳) نفع مند علم۔''(۱)

قرآنی دعا۔﴿ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان﴾ (الحشر۔۱۰)''یارب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے ہیں۔نماز جنازہ بھی دراصل ایک دعا ہے جو میت کے لئے کی جاتی ہے۔لہٰذا یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ میت کو دعا کا ثواب ضرور پہنچتا ہے۔

(2) دعا اور ذکر کے لئے زمان ومکان وغیرہ کی کوئی ایسی شرط نہیں جو دوسری عبادات کے لئے مقرر کی گئی ہیں۔

(3) دعا میں انسان پوری دلجمعی اور یکسوئی سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے حالانکہ نماز، روزہ اور دوسری عبادات میں اکثر غفلت طاری ہو جاتی ہے، اسی لئے دعا کو عبادت کا مغز قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس سے حضور قلبی اور اللہ کی فرمانبرداری کا ایک عظیم دروازہ کھل جاتا ہے۔

(4) دعا میں انسان اپنی عاجزی ومسکینی کا اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا عظیم الشان مظاہرہ کرتا ہے۔دعا میں بہت سی دوسری عبادات بھی شامل ہو جاتی ہیں۔مثلاً :۔

(۱) مدعو (اللہ) کی طرف قلبی لگاؤ۔

(۲) دعا کی قبولیت کے لئے اللہ تعالیٰ سے سچی امید ورغبت اور غیر اللہ سے ناامیدی کا اظہار۔

(۳) عدم قبولیت کا خوف اور خشیت الٰہی۔

(۴) حاجت برآئی اور مشکل کشائی کے لئے اللہ تعالیٰ پر توکل واعتماد۔

(۵) اللہ کے حضور عاجزی، گریہ وزاری اور خشوع وخضوع کا مظاہرہ۔

(۶) زبان سے ذکر الٰہی اور دعا اور ظاہر وباطن میں اس کے آثار۔

(۷) اللہ سے شدید محبت کا حصول کیونکہ احسان کرنے والے کے ساتھ انسان خصوصی محبت رکھتا ہے۔

(۸) اپنی قوت وطاقت سے عاجزی کا اظہار۔

(۹) رونا اور آسمان (اللہ) کی طرف ہاتھ اٹھانا۔

---

(۱) [مسلم (۱٦٣١)]

ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے: لہٰذا ہم قرآن مجید میں غیر اللہ سے دعا مانگنے سے متعلقہ آیات پر غور و فکر کرتے ہیں تو درج ذیل باتیں مترشح ہوتی ہیں:۔

(۱) یہ وہ عظیم مسئلہ ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیشہ ان مشرکین کی مخالفت فرمائی جو غیر اللہ کو پکارتے اور ان کی عبادت کرتے تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کے نفع ونقصان کے مالک نہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔'' (یونس۔۱۸) اللہ کے رسول ﷺ اسی شرکیہ عقیدے کی بیخ کنی کے لئے تشریف لائے تھے۔شرک فی العبادات ہی وہ مرکزی مسئلہ ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ مشرکین کی مخالفت کرتے جبکہ توحید ربوبیت اور اسماء وصفات میں اس کی مثالیں نادر الوقوع ہیں۔

(۲) پہلے مشرکین جن کی طرف انبیا مبعوث کیے گئے، ان کا یہ شرک فی الدعا دوسری اقسام شرک سے کئی گنا زیادہ تھا یعنی غیر اللہ کے لئے نذر ونیاز، ذبح، رکوع وسجود اور طواف وغیرہ کی بہ نسبت غیر اللہ سے دعا بکثرت مانگی جاتی تھی کیونکہ دعا زمان ومکان کی قیود سے آزاد ہے ویسے بھی انسان فقیری اور کمزوری جیسے لوازمات کا محتاج ہے جن سے خلاصی کے لئے وہ اپنے معبودوں سے فریاد رسی کی امید کرتے ہوئے سب سے پہلے انہیں پکارتے ہیں اور باقی عبادات اس کے بعد بجالاتے ہیں۔اسی لئے اللہ کے رسول ﷺ نے سب سے زیادہ دعا لغیر اللہ کی مخالفت پر زور دیا۔

(۳) شرک فی الدعا باقی اقسام شرک کی بہ نسبت چونکہ بہت زیادہ واقع ہوتا رہا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں باقی اقسام شرک کی بجائے شرک فی الدعا کو مبالغے کے ساتھ بیان فرمایا اور اگر شرک کی دیگر اقسام کے متعلق واردشدہ آیات کا شرک فی الدعا کی آیات کے ساتھ موازنہ کریں تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جائے گی۔شیخ احمد بن ناصر بن معمرؒ فرماتے ہیں کہ ''ہم کفر وشرک کی کسی ایسی قسم سے واقف نہیں جس میں نصوص بکثرت وارد ہوئی ہوں البتہ دعا لغیر اللہ ایسا مسئلہ ہے جس کے بارے میں بکثرت وعید سنائی گئی ہے۔''

بلکہ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی حکمتوں اور رازوں کے پیش نظر دعا لغیر اللہ کو بکثرت بیان کیا کیونکہ لوگ اسی شرک میں سب سے زیادہ مبتلا ہونے والے تھے۔بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ساری عبادات طلب وسوال کے گرد گھومتی ہیں اور دعا بالعموم ہر قسم کی طلب پر مشتمل ہے اسی لئے شرک فی العبادات کی تمام اقسام کی بہ نسبت دعا میں شرک سے سب سے زیادہ ڈرایا گیا ہے جس سے دعا کی اہمیت میں گراں قدر اضافہ ہوگیا ہے۔

(۴) ساری کائنات میں پھیلے ہوئے شرک کی جڑ ہی یہ ہے کہ مردوں اور ولیوں کو اپنی حاجت برآئی کے لئے پکارا جاتا ہے۔ابن قیمؒ شرک کی اقسام بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں ''شرک کی ایک قسم یہ ہے کہ مُردوں سے مشکل کشائی

کی درخواست کی جاتی ہے اور یہی ساری دنیا کے شرک کی بنیاد ہے۔"[1] قرآن مجید کے دلائل کے بعد اب ہم مختلف علمائے کرام کے نکتہ ہائے فکر بیان کرتے ہیں جنہوں نے اس مسئلے پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔

غیر اللہ سے دعا مانگنے کے بارے میں علماء سلف کے اقوال

ملت اسلامیہ کے کچھ چیدہ چیدہ علماء جو صحیح اسلامی عقائد پر کاربند رہے، انہوں نے اس مسئلہ میں خاصی بحث فرمائی ہے جن میں ابن تیمیہؒ اور محمد بن عبدالوهابؒ بڑے نمایاں ہیں۔ ابن تیمیہؒ نے اس مسئلے میں بیشتر کتب تصنیف فرمائی ہیں جن میں کتاب الاستغاثة (الرد علی البکری) اور القاعدة الجليلة فی التوسل والوسيلة شامل ہیں۔ شیخ محمد بن عبدالوهابؒ کی تصانیف کا محور بھی یہی مسئلہ رہا ہے لیکن کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ائمہ اربعہ یا محدثین اور مفسرین نے مسئلہ ہذا کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔ اس کا کافی وشافی جواب ملاحظہ فرمائیں:۔

(۱) گذشتہ صفحات میں ہم قرآن مجید کی روشنی میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ قرآن نے اس مسئلہ پر خصوصی توجہ فرمائی ہے لہٰذا قرآن سے زیادہ کسے ترجیح دی جاسکتی ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿أو لم يكفهم أنا انزلنا عليك الكتاب يتلى عليهم ......﴾ (العنکبوت۔۵۱) "کیا انہیں کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر وہ کتاب نازل کی جو ان پر تلاوت کی جاتی ہے۔" لہٰذا قرآن مجید جیسے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ دلائل کے بعد کسی توضیح وتشریح یا اجتہاد وقیاس کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

(۲) امت مسلمہ کے صحیح العقیدہ علماء صرف انہی مسائل پر لب کشائی کرتے رہے ہیں جو انہیں اپنے دور میں پیش آتے رہے لہٰذا فرضی باتوں پر انہوں نے مطلق التفات نہیں کیا۔ غیر اللہ سے دعا مانگنے اور انہیں پکارنے کا مسئلہ قرون اولی میں اسلام کی سربلندی اور غلبے کی وجہ سے پیش نہیں آیا بلکہ یہ بہت بعد کی پیداوار ہے کہ لوگوں نے غیر اللہ سے دعا مانگنے کو ضروری اور قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھ کر اختیار کر لیا۔

ائمہ سلف نے صرف انہی بدعات کے قلع قمع پر توجہ مرکوز رکھی جو انہیں درپیش تھیں۔ اسی لئے انہوں نے اپنے دور میں قدریہ، جہمیہ، خوارج وغیرہ کی بدعات پر ضرب کاری لگائی۔[2] شیخ عبدالرحمٰن بن حسنؒ فرماتے ہیں کہ "مردوں کے بارے میں غلط اعتقادات امام احمدؒ اور ان کے دور کے فقہاء، محدثین اور مفسرین کے بعد پروان چڑھنا شروع ہوئے تھے۔"[3] اس کی تائید

---

(۱) [مدارج (۳٤٦/۱)]

(۲) [منهاج السنة (۳۰۸/۱)]

(۳) [القول الفصل (ص۱۵)]

ابن تیمیہؒ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے [1] کہ ''قدریہ کی تین قسمیں ہیں: (۱) تقدیر کو جھٹلانے والے۔ (۲) تقدیر کی وجہ سے امر ونہی کو دور کرنے والے (۳) اور اس تقدیر کے ذریعے اللہ رب العزت پر طعنہ زنی کرنے والے۔ کہ تقدیر بھی لکھ دی اور نیک کاموں کا حکم بھی دیا۔ البتہ ان میں سے پہلے گروہ کی ائمہ سلف نے خوب خبر لی کیونکہ باقی دو گروہ تو شاذ ونادر تھے اس لئے ان کے متعلق کم ہی مکالمے نظر آتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس دور میں شرک کی بیخ کنی کی وجہ سے غیر اللہ سے دعا مانگنے کا مسئلہ مفقود ہونے کے برابر تھا۔ اس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔ ان شاء اللہ۔

ائمہ سلف نے بھی اس مسئلہ پر بحث کی ہے

(۱) علماء ایسے مسائل پر بہ نسبت دوسرے مسائل کے زیادہ توجہ دیتے اسی لئے شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نے اپنی کتاب ''مسائل الجاھلیۃ'' اسی مسئلے سے شروع فرمائی اور یہ داضح کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اسی مسئلے میں جاہلیت کی سب سے زیادہ مخالفت فرمائی۔ اسی طرح شیخؒ فرماتے ہیں کہ ''جس توحید کی طرف رسولوں نے دعوت دی، وہ توحید عبادات تھی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ ﴿وأنَّ المساجد لله فلاتدعو مع الله أحدًا﴾ (الجن۔۱۸) ''بلاشبہ مساجد اللہ کے لئے ہیں لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔'' [2] نیز فرماتے ہیں کہ ''اللہ تم پر رحم کرے، یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے نماز، روزہ کی فرضیت سے بھی پہلے تمہیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ توحید عبادت پر ایمان رکھو اور اللہ کے سوا کسی کو مت پکارو۔'' .... ''پہلے مشرکین کا شرک یہی تھا کہ وہ اللہ کو بھی پکارتے تھے اور ان کے ساتھ بتوں اور صالحین کو بھی پکارتے تھے۔'' [3] نیز رقمطراز ہیں کہ ''اگر پوچھا جائے کہ توحید عبادت کی وہ کون سی اقسام ہیں جو صرف ایک اللہ کے لئے خاص ہیں تو میں جواب دوں گا کہ وہ یہ ہیں: دعا، استعانت (مدد طلب کرنا) استغاثہ......'' [4]

شیخ موصوف کی تحریریں اکثر اس نکتے پر گھومتی تھیں کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارا جائے۔ امیر صنعانیؒ نے بھی دوسری عبادات کے مقابلے میں دعا کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا ''دعا کے بغیر توحید عبادت ناقص ہے۔'' [5]

شیخ حمد بن ناصرؒ: عبادت ہر اس چیز کو شامل ہے جسے اللہ پسند کریں.......... جلب منفعت اور دفع مضرت کے لئے دعا صرف ایک اللہ سے مانگنا جائز ہے۔''

---

(۱) [منہاج (۸۲/۳)]

(۲) [مسائل الجاھلیة (ص ٤) الرسائل الشخصیة (ص١٦٦)]

(۳) [رسالة فی توحید العبادة (ص٣٩٨)]

(٤) [الاصل الجامع لعبادة الله (ص٣٧٩)]

(٥) [تطهير الاعتقاد (١٦)]

شیخ سعد بن حمدؒ: توحید عبادات میں سب سے عظیم ''دعا'' ہے۔''

ابن تیمیہؒ: توحید کی حقیقت یہ ہے کہ ہم صرف ایک اللہ کی بندگی کریں، اسی سے دعا مانگیں اور اسی کی خشیت رکھیں۔''[1] نیز ''یہ اللہ کا حق ہے جس میں کسی کو شریک بنانا جائز نہیں کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور اسی سے دعا کریں۔''[2] لہٰذا ثابت ہوا کہ اس مسئلہ میں علماء نے خصوصی توجہ فرمائی ہے۔

(۲) علماء ''شرک فی العبادۃ'' کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ یہ شرک دعا کی دونوں قسموں میں ہوسکتا ہے یعنی دعائے عبادت اور دعائے حاجت میں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ''شرک کی دو قسمیں ہیں...... شرک فی العبادت یہ ہے کہ انسان دعائے عبادت یا دعائے حاجت میں غیر اللہ کو پکارے۔''[3]

محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں کہ ''سب سے زیادہ اس شرک سے ڈرایا گیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی غیر کو پکارا جائے۔''[4] نیز فرماتے ہیں کہ توحید عبادت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پکارا جائے نہ کسی سے مدد طلب کی جائے نہ کسی اور کے لئے ذبح کیا جائے.........۔'' نیز رقمطراز ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے جن لوگوں سے قتال کیا، وہ اللہ کے سوا ولیوں کو پکارتے تھے۔''[5]

علماء فرماتے ہیں کہ شرک کی دو قسمیں ہیں، شرک اکبر اور شرک اصغر۔ شرک اکبر یہ ہے کہ اللہ خالق و مالک کے ساتھ کسی غیر کو اس طرح شریک سمجھ کر پکارا جائے جس طرح اللہ تعالیٰ کو پکارا جاتا ہے اور اس سے اس طرح خوف وابستہ کیا جائے جس طرح اللہ سے کیا جاتا ہے۔[6]

شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر سعدی فرماتے ہیں کہ ''شرک اکبر یہ ہے کہ بندہ کسی عبادت کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرے مثلاً غیر اللہ سے دعا، خوف یا امید کرے۔''[7]

---

(۱) [منهاج السنة (۳/۴۹۰)]

(۲) [قاعده التوسل (ص۱۵۸)]

(۳) [اقتضاء الصراط (ص۳۵۷)]

(٤) [مؤلفات شيخ قسم العقيدة (ص۳۸۱)]

(٥) [ايضا (ص٣٦٦)]

(٦) [مجموعة الرسائل (٤/٥٦٤)]

(۷) [الدرر السنية (۸/۲۱۸)]

شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ ''شرک یہ ہے کہ انسان غیر اللہ کو پکارے یا کسی کے بارے میں یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ ہر اس کام پر قدرت رکھتا ہے جس پر صرف اللہ تعالیٰ ہی قادر ہیں۔''(۱)

لہٰذا ثابت ہوا کہ غیر اللہ سے دعا مانگنا شرک اکبر ہے اور علماء نے اس سے بچنے کے لئے خصوصی توجہ فرمائی ہے۔

(۳) توحید خالص کے دعوے داروں اور ان کے مخالفوں کے درمیان یہی جھگڑا رہا ہے کہ غیر اللہ سے دعا شرک ہے یا نہیں۔ اصلی توحید پرست تو اسے دلائل کی روشنی میں شرک قرار دیتے رہے ہیں جب کہ ان کے مخالفین اسے قرب الٰہی کا وسیلہ گردانتے رہے ہیں اور ان کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ رکوع وسجود کی طرح عبادت نہیں کہ اس پر شرک کا حکم لگایا جائے (اس کی مزید تفصیل اگلے صفحات میں ملاحظہ کیجئے گا) جبکہ توحید کے دعوے دار ہر اسلوب سے اسے شرک ثابت کرتے ہیں۔ شیخ عبداللہ بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ دونوں گروہوں کے درمیان دو باتوں میں اختلاف رہا ہے۔

(ا) توحید کا مستحق صرف اللہ عزوجل ہے اور تمام عبادات کی روح دعا ہے اور شرک وہ ہے جس کے خلاف اللہ کے رسول ﷺ نے قتال کیا ہے۔

(ب) امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔(۲)

شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں کہ ''انبیا یا صالحین جو فوت ہو چکے ہیں، ان سے دعا مانگنا یا غائب حضرات کو پکارنا اور شفاعت کی امید رکھنا بالکل صریح شرک ہے..... قرآن مجید سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔''(۳)

نیز فرماتے ہیں کہ شیخ محمد بن عبدالوھابؒ کی دعوت اور جہاد اسی مسئلہ پر منحصر تھا۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کو غیروں کی مخالفت کا اس لئے سامنا کرنا پڑا کہ شیخ صالحین کو پکارنے کی بجائے اللہ کو پکارنے کی تلقین کرتے اور قبروں پر بنی عمارتوں کو منہدم فرماتے۔''(٤)

***

(۱) [الدر النضيد (ص١٨)]

(۲) [الهدية السنية (ص٢٧)]

(۳) [مصباح الظلام (ص٣٠١)]

(٤) [أيضا (ص٣٥٤) الدرر السنية (٢٨/١)]

فصل ثانی:

دعا اور تقدیر میں تعارض نہیں

مبحث اول:۔

دعا کے بارے میں لوگوں کے مذاہب ونظریات اور دلائل پر تبصرہ

دعا کے بارے میں لوگوں میں مختلف نظریات اور آراء پائی جاتی ہیں جن پر دیگر علماء نے بسط وتفصیل سے مناقشہ کیا اور ہر گروہ نے دلائل کے ساتھ اپنے مذہب کو صحیح اور دوسرے مذہب کو باطل ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اسی طرح دعا اور حکم تقدیر میں موافقت ایسا مسئلہ ہے جس میں بہت سے لوگ الجھے رہ گئے ہیں۔ اللہ کی توفیق سے ہم ان سب مذاہب کا بالاختصار مناقشہ پیش کریں گے اور جس بہتری تک ہماری رسائی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسے پیش کریں گے۔

مسئلہ ہذا میں لوگوں کے مذاہب کا ملخص:

(۱) دعا بے معنی بے فائدہ چیز ہے لہٰذا اللہ سے دعا کرنا سعی لاحاصل ہے۔
(۲) دعا کا نفع یا نقصان سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ محض عبادت ہے۔
(۳) دعا حصول مطلوب کا سبب نہیں بلکہ اس کے لئے ایک نشانی اور دلیل ہے۔
(۴) دعا تقدیر کو بدل سکتی ہے اور فیصلوں میں تغیر کرنے کی بھی اہل ہے۔
(۵) دعا صرف چند ایک کاموں میں مفید ہے۔
(۶) دعا دیگر اسباب کی طرح ایک سبب ہے جو تقدیر میں داخل ہے۔

مذکورہ مذاہب میں سے ہر ایک مذہب میں کئی ایک مختلف توجیہات پائی جاتی ہیں گو کہ یہ نتائج میں متفق ہیں لہٰذا اب ہم ہر مذہب کا مفصل احاطہ کرتے ہیں۔

پہلا مذہب:۔ اس میں مختلف آراء اور توجیہات پائی جاتی ہیں۔

(1) فلاسفہ اور غالی صوفیا:(۱) ان لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم وقضا کی بنا پر فیصلے کر رکھے ہیں کہ فلاں کو فلاں چیز حاصل ہوگی اور فلاں کو فلاں چیز حاصل نہیں ہوگی لہٰذا دونوں صورتوں میں دعا لایعنی ہے کیوں اول الذکر صورت میں دعا کے بغیر بھی مطلوب حاصل ہو کر رہے گا جبکہ مؤخر الذکر صورت میں دعا بے فائدہ

---

(۱) [اقتضاء الصراط المستقیم (۳۵۸) منہاج السنة (۳۶۲/۵) الفتاوی (۱۳۸/۸)]

ہے۔ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) ''زمین کو اور تمہاری جانوں کو کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر اس سے پہلے کہ ہم اسے پیدا کریں، وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔یہ کام اللہ پر بالکل آسان ہے۔'' (الحدید۔۲۲)

(۲) ''بلاشبہ ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے (تقدیر) سے پیدا کیا ہے۔'' (القمر۔۴۹)

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانہ جہنم یا جنت میں اللہ تعالیٰ نے لکھ رکھا ہے۔''[1] اسی طرح کی دیگر احادیث سے ان لوگوں نے استشہاد کیا ہے۔

(2) ارسطو وغیرہ کی توجیہات: ان کے نزدیک اللہ سے دعا نہ کی جائے کیونکہ ''وہ کچھ کرتا ہے نہ چاہتا ہے نہ جانتا ہے نہ پیدا کرتا ہے لہٰذا کس بناء پر اس کا شکر یا اس کی حمد وعبادت کی جائے۔''[2] اور کس بناء پر اس سے نفع کے حصول اور تکلیف ومصیبت سے بچاؤ کے لئے دعا کی جائے؟ کیونکہ ''اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے کچھ نہیں کرتا بلکہ حوادث حرکتِ فلک سے مربوط ہیں اس لئے انہوں نے ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ سوال کا جواب دیتے ہیں نہ کوئی کام کرتے ہیں۔''[3] لہٰذا اللہ سے دعا کرنے کا کچھ فائدہ نہیں۔ (نعوذ باللہ من ذٰلک)

(3) ابن عربی وغیرہ کا نظریہ: ان لوگوں کے نزدیک بھی دعا مانگنے کا کچھ فائدہ نہیں کیونکہ ان کے عقیدہ ''وحدۃ الوجود''[4] کے مطابق داعی خود مدعو (جسے پکارا جارہا ہے) ہے لہٰذا انسان کے اپنے آپ سے سوال کرنے کی کیا تک ہے؟[5] (معاذ اللہ)

ارسطو وغیرہ کے نزدیک دعا کی تاثیر: جب ان لوگوں کو مختلف قوموں کی دعا کی قبولیت کے تجربات اور عقل وفطرت سے اس کی تائید کا سامنا کرنا پڑا تو ایسے بہت سے فلاسفہ، صوفیا، صابئین، ملحدین اور فارابی اور ابن سینا جیسے فلاسفہ نے اس حقیقت کو اپنے نظریات کا پہناوا دے کر اسے مسخ کرنے کی ناکام کوشش کی۔انہوں نے کہا کہ دعا کائنات میں تصرف کی تاثیر تو رکھتی ہے مگر اللہ تعالیٰ دعا کو قبول نہیں کرتے لہٰذا ان کے نزدیک دعا بشری نفوس میں

---

(۱) [بخاری (۶۶۰۵) مسلم (۲۶۴۷)]

(۲) [الفتاوی (۱۹۵/۸)]

(۳) [الرد علی البکری (۶۳)]

(٤) [وحدۃ الوجود خالصۃً ایک شرکیہ عقیدہ ہے جسے ابن عربی وغیرہ نے عین توحید پر مبنی قرار دینے کی سعی لاحاصل کی۔اس شرکیہ عقیدے کے مطابق ہر محسوس چیز میں ''خدا'' ہے خواہ وہ چیز انسان ہو، حیوان ہو یا گندگی کا ڈھیر ہو (معاذ اللہ)]

(۵) [فصوص الحکم (۱۸۳/۱)]

پر تاثر ہے مگر اللہ چونکہ فعل وارادے سے مبرہ ہیں لہٰذا وہ کوئی فعل بھی انجام نہیں دیتا! ان کے ہاں علت غائی یہی ہے کہ یہ نظام کائنات فلکی، طبعی اور عقلی قویٰ (طاقت) سے محوگردش ہے۔" یہ اللہ سے کسی فعل کا قصد نہیں کرتے اور نہ ہی اللہ سے کسی چیز کا مطالبہ ہی کرتے ہیں بلکہ اپنے نفوس کو تقویت دے کر اسے ہی فاعل گردانتے ہیں۔" حالانکہ یہ تو عرب کے مشرک لوگوں سے کئی گنا بڑے مشرک ہیں۔

علامہ ابن تیمیہؒ رقمطراز ہیں کہ "اہل کتاب کی طرف عرب کے مشرک اللہ کو بھی پکارتے اور کہتے کہ وہ ان کی دعا کو سنتا اور قبول کرتا ہے جبکہ یہ (فلاسفہ) خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کائنات سے بے خبر ہے اور وہ کسی کی دعا سنتا ہے نہ قبول کرتا ہے اور نہ ہی کائنات میں تغیر کرسکتا ہے بلکہ یہ تغیر وتبدل فلکی حرکات کے ساتھ ہوتا ہے اور دعا صرف اسی تغیر میں مؤثر ہو سکتی ہے۔" ان لوگوں نے غیر اللہ اور قبروں وغیرہ سے دعا کرنے کو جائز قرار دیتے ہوئے کہا کہ ارواح اور مظاہر کائنات رب سے فیض پاتے ہیں۔ جب کوئی شخص دعا وغیرہ کے ذریعے ان تک رسائی پالے تو وہ بھی بالاتصال رب سے فیض پالیتا ہے خواہ وہ شمس وقمر کی زیارت کرے یا قبروں وغیرہ کو شفاعت کے عقیدے سے پکارے۔ اس کی مثال یہ دی جاتی ہے کہ ایک شیشے پر سورج کی شعاعیں پڑنے کے بعد منعکس ہوکر کسی دوسری جگہ کو بھی روشن کرتی ہیں جبکہ اصل کرنیں آئینہ پر وارد ہوتی ہیں تو اسی طرح حق کی شعاعیں کسی ولی وغیرہ پر پڑ کر اس کی طرف منعکس ہوسکتی ہیں جو انہیں شفاعت وغیرہ کے لئے پکارے۔ اسی لئے ان کے ہاں قبر پرستی یا غیر اللہ کو پکارنے کی رسوم دیکھی جاسکتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہماری ارواح اہل قبور کی ارواح کے ساتھ وصال پاکر وہ فیض پالیتی ہیں جو ان کی ارواح کو حاصل ہورہا ہوتا ہے لہٰذا قبروں وغیرہ کے پاس دعا اور نماز مساجد کی بہ نسبت افضل ہے۔ ابن عربی کا کہنا ہے کہ "حق سے مطالبے کا حکم دینے والا اور اسے قبول کرنے والا ایک ہی وجود ہے لہٰذا دعا کی قبولیت ضروری ہے اگرچہ اس میں تاخیر ہو۔" مذکورہ عقائد کے حاملین نے دعا کی تاثیر کو اپنے مذاہب کے مطابق ڈھال کر پیش کیا ہے۔ ان لوگوں کے بطلان پر طوالتِ گفتگو بے محل ہے کیونکہ ہر ذی عقل مسلمان ان کے نظریات سے فوری سمجھ لیتا ہے کہ یہ تو تمام آسمانی ادیان کے منکر ہیں۔ دعا ایک سبب ہے جس میں تین بڑے گروہ پیدا ہوئے: (۱) مغضوب (۲) گمراہ (۳) ہدایت یافتہ۔

(۱) مغضوب وہ لوگ ہیں جنہوں نے شرعی اور غیر شرعی اسباب کا بالکلیہ انکار کردیا اور یہ دعویٰ کیا کہ مشروع دعا کبھی مؤثر ہوتی ہے کبھی غیر مؤثر۔

(۲) گمراہ وہ لوگ ہیں جو ہر قریب الخیالی سبب میں وہم پرستی کا شکار ہیں اور فلاسفہ وغیرہ ان اسباب کو فلکی اور طبعی قوائے نفس پر محمول کرتے ہیں۔

(۳) ہدایت یافتہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات پر ایمان رکھتے ہیں اگر چہ وہ (بہت سی چیزیں) پردہ غیب میں ہیں مگر قدرت الٰہی سے باہر نہیں ہیں اور وہ ہر روز کسی نئی آن میں ہوتا ہے اور اپنے بندوں کی دعا قبول کرتا ہے اگر چہ بسا اوقات اپنے انبیاء و اولیاء کے ہاتھوں خرق عادت امور (معجزات و کرامات) کا ظہور بھی صادر فرماتا ہے۔

دوسرا مذہب:۔[۱] بعض صوفیا کا نظریہ ہے کہ دعا محض عبادت ہے جس کا حصولِ نفع یا دفعِ مضرت میں کوئی حصہ نہیں جس طرح شیطان کو کنکر مارنا ایسی ہی دیگر عبادات ہیں لہٰذا دعا لایعنی عمل ہے جس کا حصولِ مطلوب میں کوئی سروکار نہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ہمارے نزدیک دعا کی دو صورتیں ہیں:۔

(۱) ظاہری اعضاء کو دعا کے ذریعے مزین کیا جائے۔

(۲) اللہ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے دعا کی جائے۔

لہٰذا ان کے نزدیک دعا دوسری عبادات کی طرح ایک عبادت ہے جس کا نفع نقصان کے طلب و دفع میں کوئی کردار نہیں۔ان میں سے بعض لوگ صرف عام حالات میں دعا کے قائل ہیں اور خاص حالات میں صرف توکل کو اہمیت دیتے ہیں۔جبکہ بعض خطا و نسیان کی معافی کے لئے دعا کو ترجیح دیتے ہیں جس طرح قرآن مجید میں ہے :''یارب! ہماری بھول چوک اور خطا پر ہمارا مواخذہ نہ فرمانا۔'' (البقرۃ۔۲۸۶) ان کے نزدیک دعا مانگنے والا خوف و امید ہر حالت میں قبولیت دعا میں شک وتردد کا شکار رہتا ہے جبکہ یہ اللہ کی خیر وبرکت میں شک کے مترادف ہے! بعض نے مذکورہ آیت کی روشنی میں قصد و ارادے سے کی جانے والی خطا کی معافی کے لئے دعا کو جائز کہا ہے۔

ایسے ہی مذہب کے ایک پیروکار سے دعا مانگنے پر سوال کیا گیا تو اس نے کہا کہ ''میں اس ڈر سے دعا نہیں کرتا کہ مجھے یہ کہا جائے گا کہ اگر تو نے ہم سے اس کا سوال کیا جو تمہیں ملنے والا تھا تو تو نے ہم پر تہمت لگائی اور اگر تم نے اس کا سوال کیا جو تمہارے نصیب میں نہیں تو پھر تم نے بری دعا کی اور اگر تم اپنی تقدیر پر راضی رہو تو ہم تمہیں ہر اس چیز سے نوازیں گے جو مدتوں سے تمہارے لئے مقدر کر چکے ہیں۔''[۲] ایک نے کہا کہ ''جس نے اللہ کو پہچان لیا، وہ اس سے نہیں مانگے گا کیونکہ اللہ اس کے تمام احوال سے بخوبی آگاہ ہے۔''[۳]

مروی ہے کہ جنیدؒ کے پاس کچھ لوگ آکر کہنے لگے ''ہم رزق کا کس سے مطالبہ کریں؟ اس نے کہا کہ اگر تمہیں اس کی جائے

---

(۱) [الفتاوی (۱۹۲/۸۔ ۵۳۰۔۵۳۱) زاد المعاد (۴۸۱/۳) مدارج السالکین (۱۰۴/۳) الجواب الکافی (۱۴)]

(۲) [الرسالۃ القشیریۃ (۵۳۳/۲)]

(۳) [اللمع (۳۳۲)]

وقوع کا علم ہے تو وہاں سے اسے طلب کرو۔ کہنے لگے کہ اس لئے تو پھر اللہ سے سوال کرتے ہیں؟ کہا: اگر تو تمہیں علم ہے کہ اس نے تمہیں بھلا دیا ہے پھر تو اس سے مانگتے ہوئے اچھے لگو۔ کہنے لگے، پھر ہم گھر میں بیٹھ رہتے ہیں؟ کہا: ایسا تجربہ شک ہوگا۔ کہنے لگے پھر حیلہ کیا کریں؟ کہا، حیلہ چھوڑ دینا ہی حیلہ ہے۔"[1] ایک نے کہا کہ "تمہارا اللہ سے مطالبہ (دعا) کرنا اس پر تہمت لگانا ہے۔"[2] قشیریؒ فرماتے ہیں کہ "کہا گیا ہے کہ عام لوگوں کی دعا قول سے ہے، زاہدوں کی فعل سے ہے ....مبتدی تو زبان سے دعا مانگتے ہیں جبکہ منتہی کی زبان دعا کے لیے گونگی ہوتی ہے۔"[3] ایک نے کہا کہ "فقیر وہ ہے جسے اللہ کی طرف کوئی حاجت وضرورت نہ ہو۔"[4] مذکورہ تمام شبہات کو تین بڑی قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:۔

(۱) اللہ کے علم وتقدیر کے سامنے دعا کی ضرورت نہیں۔

(۲) ابراہیمؑ کی پیروی میں یہ استدلال کرنا کہ "میں سوال نہیں کروں گا کیونکہ وہ میرے حال سے آگاہ ہے۔"[5]

(۳) سوال کرنا تو اللہ پر الزام لگانے کے مترادف ہے کہ وہ مستحق بندے کو اس کا حق نہیں دے گا لہٰذا اس سے حق مانگا جائے۔

پہلے اور دوسرے شبہہ کا ملخص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت سے جو فیصلے کر دیئے ہیں وہ لازماً ہو کر رہیں گے لہٰذا دعا کا کوئی فائدہ نہیں حالانکہ یہی نظریہ اس حد تک بگاڑ پیدا کر دیتا ہے کہ جب اللہ نے جنت یا جہنم میں جانے والوں کا فیصلہ فرما رکھا ہے تو عمل کرنے کا کیا فائدہ؟ حالانکہ اعمال کو موقوف کرنا کفر ہے۔ اسی طرح بعض نے کہا کہ دعا اور توکل غیر مؤثر ہیں۔ یعنی اگر اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ یہ فائدہ فلاں کو حاصل ہوگا تو وہ بلا دعا بھی حاصل ہو کر رہے گا اور اگر یہ مقدر ہے کہ فلاں کو نقصان ہوگا تو دعا بھی اسے دور نہیں کر سکتی۔ اب ہم مذکورہ تینوں شبہات اور ان کے تفصیلی جواب ذکر کریں گے۔

پہلا شبہہ:۔ یعنی مشیت اور تقدیر الٰہی کے سامنے دعا لایعنی ہے۔ اس شبہہ کے نو مختلف جواب ہیں۔

(۱) حصر وتقیید کا دعوی کرنا یعنی جو کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے، اس میں تغیر ممکن نہیں۔ یہ دعوی غلط ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کے عطا کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے تو اسے دعا، توکل یا کسی اور سبب کے ساتھ لازم کر رکھا ہے اور جب وہ سبب پایا جائے گا تو مسبب بھی حاصل ہو جائے گا اور جب وہ سبب (دعا وغیرہ) مفقود ہوگا تو مسبب سے ناممکن الحصول ہوگا۔[6] اگر ہم معترض کا یہ اعتراض تسلیم بھی کر لیں کہ دعا حصول مطلوب میں بے فائدہ ہے تو پھر بھی یہ تسلیم

---

(۱) [الرسالة القشيرية (۴۲۷/۱)]

(۲) [العلم الشامخ (۴۰)]

(۳) [الرسالة القشيرية (۵۳۳/۲)]

(۴) [ایضا (۵۴۵/۲)]

(۵) [تفسير بغوى (۳۵۰/۳) السلسلة الضعيفة (۲۸/۱)]

(۶) [مدارج السالكين (۱۱۹/۲) زاد المعاد (۴۸۱/۳) الفتاوى (۱۳۹/۸)]

نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا کوئی بھی فائدہ نہیں بلکہ دعا کا کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوتا ہے۔ کبھی کسی مصلحت کی وجہ سے کوئی چیز جلد یا بدیر حاصل ہو جاتی ہے، کبھی کوئی نقصان دہ امر دور ہٹا دیا جاتا ہے جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ ہے: ''کوئی بھی تابع فرمان مسلمان اللہ سے سوال کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں جلد یا بتاخیر اسے وہ مطلوب ضرور عطا فرماتے ہیں یا پھر وہ اس کے لئے آخرت میں ثواب بنا (کر روک) دیا جاتا ہے البتہ وہ جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرے۔''(۱) اگر دعا محض عبادت یا معرفت خداوندی کا فائدہ دیتی ہے تو یہ بھی کچھ کم نہیں کہ داعی کو معرفت خداوندی کی دولت نصیب ہو جائے بلکہ یہ تو داعی کے مطلوب سے کئی گناہ زیادہ اہمیت کی حامل ہے کہ اسے دنیاوی فوائد کی بجائے اپنے خالق کی معرفت نصیب ہو جاتی ہے اور اگر غور کیا جائے تو اس معرفت کی بنیادی وجہ دعا ہی ہے یعنی جب کسی انسان کو مصیبت کا سامنا ہوتا ہے تو وہ اللہ کے حضور گریہ وزاری کے ساتھ دعائیں کرتا ہے اور دعا انسان کے دل کو اللہ پر توکل اور خشوع وخضوع سے منور کر دیتی ہے جو انتہائی عظیم عبادات ہیں۔ مزید برآں انسان کو قلبی سکون اور صبر کی نعمت میسر آ جاتی ہے جس کی بدولت اسے اپنی مشکلات برداشت کرنا گراں محسوس نہیں ہوتا۔ بہر صورت دعا کے فوائد کا انکار ممکن نہیں!

(۲) نبی علیہ السلام کے فرمان سے بھی اس شبہہ کی تردید ہوتی ہے جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ ہے ''تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانہ جنت یا جہنم میں (اللہ کو) معلوم ہے تو لوگوں نے کہا: پھر ہم عمل چھوڑ کر تقدیر پر بھروسہ کر لیتے ہیں؟ فرمایا: نہیں! عمل صالح کرتے رہو کیونکہ ہر شخص کے لئے اسی میں آسانی کی گئی ہے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے لہٰذا اگر کوئی نیک بخت ہے تو اس کے لئے نیک بختوں کے اعمال بجالانے میں سہولت رکھی گئی ہے اور اگر کوئی بدبخت ہے تو اس کے لئے بدبختوں والے کام کرنے میں ہی سہولت ہے۔''(۲) یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے، وہ ظاہری اسباب سے ملزوم ومقید ہے لہٰذا کسی کی سعادت مندی اس لئے مقدر کر دی گئی ہے کہ وہ اہل سعادت کے سے اعمال بجالائے گا، نیک بخت رہے گا جبکہ بدبختی کی فہرست میں وہی شامل ہے جو شقاوت والے اعمال انجام دے کر بدبخت بنے گا۔ لہٰذا تقدیر میں ہر عمل اسباب سے مقید ہے یعنی اگر کسی شخص کے لئے اولاد مقدر ہے تو وہ کسی عورت سے شادی کے ظاہری سبب سے عبارت ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اسے بغیر شادی کے اولاد مل جائے!

اس کی تقویت اس حدیث سے بھی ہو سکتی ہے کہ جب آپ ﷺ سے سوال کیا گیا ''یا رسول اللہ! ہم دوا استعمال کرتے ہیں، دم کرواتے ہیں اور پرہیز کرتے ہیں تو کیا یہ چیزیں اللہ کی تقدیر میں باعث تغیر بن سکتی ہیں؟ آپ ﷺ نے

(۱) [أحمد (۲/۴۴۸)]

(۲) [بخاری (۶۶۰۵) مسلم (۲۶۴۷)]

فرمایا کہ یہ چیزیں بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں۔"(۱) لہٰذا ثابت ہوا کہ کسی چیز کے حصول یا بچاؤ میں جو تدابیر اختیار کی جاتی ہیں، وہ بھی اللہ کی تقدیر میں شامل ہوتی ہیں نہ کہ بلا اسباب کوئی چیز حاصل ہو یا دور ہو جائے! لہٰذا دافع، مدفوع اور دفع، یعنی اسباب اور مسبب وغیرہ سب کچھ تقدیر میں لکھا ہے۔

(۳) کوئی انسان یہ علم نہیں رکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں اس کے لئے کیا کچھ لکھ رکھا ہے اور ان چیزوں میں نفع کے حصول یا تکلیف سے بچاؤ کے لئے کون سے اسباب مقرر کر رکھے ہیں لہٰذا انسان کو حتی المقدور ان اسباب کے حصول میں کوشش صرف کرتے رہنا چاہیے۔ ہر عبادت اور اطاعت کی بنیاد خوف یا امید ہے ورنہ کسی نفس کو کسی امر میں بھی حتمی یقین حاصل نہیں کہ وہ مطمئن ہو کر دعا وغیرہ چھوڑ دے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بشری طبائع کی واقفیت کی بنا پر انہیں نفع نقصان میں مختلف اسباب اختیار کرنے پر پابند کر دیا تا کہ ان میں اللہ کا خوف اور اللہ سے امید قائم رہے اور تکلیف پر صبر کریں اور نعمت کے حصول پر شکرگذاری کریں۔ جب انسان کو اپنے نفع نقصان میں ظاہری اسباب کی قید کا حتمی علم نہیں کہ دعا مانگنے سے میرا مسئلہ حل ہو گا یا دعا کے بغیر، تو ایسی صورت میں ہر وقت دعا وغیرہ جیسے اسباب بروئے کار لانے میں ہی خیر وعافیت ہے۔ اس کی مزید وضاحت جواب نمبر۴ میں ملاحظہ کریں۔

(۴) اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اللہ کی تقدیر کو اس کے مقدر کیے ہوئے اسباب کے ساتھ پورا کرنے میں محنت کریں یعنی شر کو خیر سے دور کریں، کفر کو ایمان سے دور کریں، بدعت کو سنت سے، معصیت کو اطاعت سے دور کریں۔ اسی طرح امر بالمعروف ونھی عن المنکر یا جہاد وغیرہ جیسے اسباب ہیں جو موقع محل سے بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ البتہ یہ سب چیزیں بھی اللہ کی تقدیر کا حصہ ہیں اسی لئے جب ملک شام کو جاتے ہوئے راستے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سنا کہ شام میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہے تو واپسی کا ارادہ ظاہر کیا جس پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ اللہ کی تقدیر سے راہ فرار اختیار کرنا چاہتے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ابوعبیدہ کاش تو یہ بات نہ کرتا! ہاں، ہم اللہ کی تقدیر سے فرار ہو کر بھی اللہ کی تقدیر کی طرف جا رہے ہیں (یعنی ہماری واپسی بھی اللہ کی تقدیر میں لکھی ہے) اور آپ کا کیا خیال ہے کہ جب آپ اونٹ چراتے ہوئے کسی ایسی وادی میں جا اتریں جہاں ایک طرف تو سبزہ ہو مگر دوسری طرف بنجر زمین ہو اور آپ سبزہ والی جگہ پر اونٹ چرائیں یا بنجر زمین پر تو یہ (دونوں اقدام) بھی اللہ کی تقدیر سے نہیں؟ لہٰذا انسان اللہ کی تقدیر سے بچاؤ کے لئے بھی اللہ کی تقدیر کا پابند ہے کیونکہ پہلی تقدیر عمل سے مانع نہیں نہ ہی اسی پر بھروسہ کر لینا واجب ہے بلکہ جدوجہد ضروری ہے۔

---

(۱) [ترمذی (۲۰٦٥) ابن ماجة (۳٤۳۷) احمد (٤۲۱/۳) حاکم (۳۲/۱)]

مذکورہ واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام ﷺ کس قدر گہرے فہم وشعور کے مالک تھے اور صحیح علم پر انہیں رسائی حاصل تھی۔ بلاشبہ انہیں نبی ﷺ کی احادیث سے یہ بات حاصل ہوئی تھی کہ تقدیر کا مخلوق پر عملی نفاذ بلا اسباب ممکن نہیں بلکہ تقدیر اسباب کے ساتھ قائم ہے لہٰذا جب اس تقدیر سے متعلقہ سبب پیش آجاتا ہے تو وہ تقدیر کارگر ہو جاتی ہے مگر اس سبب کے حصول کے لئے حتی الوسع جدوجہد اور سعی وکوشش ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیاوی ضروریات اور معاش کے اسباب کا حصول فطرت انسانی میں ودیعت کر رکھا ہے بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ تمام حیوانات میں یہ اصول ودیعت فرمادیا ہے خواہ وہ حیوان ناطق ہو یا غیر ناطق، چرند ہو یا پرند، اسی لیے نر اور مادہ میں باہمی انتفاع، نومولود کا ماں کا دودھ پینا اور ماں کی پہچان کرنا، اپنے نفع نقصان کو سمجھنا، ان کی جبلت میں داخل ہے حتی کہ شہد کی مکھی کا شہد تیار کرنے کی عجیب محنت کرنا بھی اس کی جبلت میں داخل کر دیا گیا ہے۔ اس طرح چیونٹی، ہدہد، بھیڑیا، لومڑی وغیرہ کی جبلت میں ایسے عجائب ودیعت ہیں کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

''کہا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز پیدا فرمائی اور اسے راہ دکھائی۔'' (طٰہٰ۔۵۰) مسلمان نفع کے حصول اور ضرر کے دور کرنے پر مامور ہے اگرچہ اس کے اسباب بھی تقدیر میں لکھے جا چکے ہیں لہٰذا انسان کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک حالت وقوع تقدیر سے پہلے والی ہے کہ انسان وقوعِ تقدیر سے قبل حتی المقدور اپنے لئے خیر ومنفعت کے حصول کی کوشش کرے اور دوسری حالت تقدیر کے واقع ہو جانے کے بعد والی ہے جس میں صبر کے سوا چارہ نہیں کیونکہ یا تو وہ اللہ کی طرف آزمائش ہے یا انسان کے گناہوں کی سزا ہے جس پر استغفار کرنا چاہیے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے ''قوی مومن ضعیف مومن سے بہتر اور اللہ کا محبوب ہے اور دونوں کے لئے خیر ہے۔ اللہ سے مدد مانگتے رہو تھکو نہیں، اگر کوئی مصیبت پہنچے تو ایسے نہ کہو کہ کاش! میں ایسے یا ایسے کر لیتا! (تو بچ جاتا) بلکہ یوں کہو: اللہ کی تقدیر ہے، جو اس نے چاہا کر دیا کیونکہ کف افسوس شیطان کی کارکردگی کو تقویت پہنچاتا ہے۔''(۱)

اس حدیث میں مسلمان کو نفع کے حصول اور استعانت باللہ کی تلقین کی گئی ہے اور جب تقدیر کے مطابق مصیبت پہنچے تو اس پر صبر کا حکم دیا گیا ہے۔ تقدیر کا تقدیر کے ساتھ دو طرح دفاع کیا جاتا ہے:۔

(ا) اسباب جمع کر کے کسی امر کے وقوع سے قبل مدافعت کرنا مثلاً جنگ کے ذریعے دشمن سے دفاع کرنا، سردی گرمی سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرنا وغیرہ۔ (ب) وقوع پذیر تقدیر سے بچاؤ کی تدبیر کرنا مثلاً بیماری میں دوا وغیرہ کا حیلہ کرنا یا گناہ کے بعد توبہ کر لینا یا نیکی کر کے برائی مٹانا وغیرہ۔ صحیح الاعتقاد مسلمانوں کا یہی وطیرہ رہا ہے بلکہ اسباب کو اختیار نہ

---

(۱) [مسلم (۲٦٦٤)]

کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا، ہاں اگر کوئی حیلہ کارگر ثابت نہ رہے تو پھر تمام کوششوں کے بعد صبر اور رضائے تقدیر کا حکم ہے یعنی وہ اس میت کی طرح ہو جائے جسے غسل دینے والا جیسے چاہے حرکت دیتا ہے۔

(۵) ابن جوزی شبہ ہذا کا جواب یوں ذکر فرماتے ہیں ''یہ شبہ تو تمام شریعتوں کو رد کرنے اور انبیا کی تعلیمات کو پس پشت ڈالنے کے مترادف ہے کہ کسی شخص کو نماز کے لئے کہا جائے اور وہ مضحکہ خیز جواب دے کر چلتا بنے کہ اگر میں نے جنت میں جانا ہی ہے تو پھر نماز پڑھے بغیر بھی چلا جاؤں گا اور اگر نہیں جانا تو نماز پڑھنا بے سود ہے!''(۱)

(۶) یہ شبہہ کتاب وسنت، اجماع امت، ائمہ دین اور عقل سلیم سب کے منافی ہے بلکہ حق ومشاہدہ کے بھی برعکس ہے۔اس کی مزید تشریح وتفصیل دعا کی تاثیر کے بیان میں ذکر کی جائے گی۔ ان شاء اللہ

(۷) اس شبہہ میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ومصلحت کی خلاف ورزی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر کو اسباب کے ساتھ اور معلول کو علت کے ساتھ مقدر کیا ہے اور ان کے مابین متناسب ربط وضبط جوڑ رکھا ہے۔''اللہ تعالیٰ نے اشیا کو حکمت کے ساتھ طے کر رکھا ہے۔آدمی کو ہاتھ دیا۔دفاع کے لئے زبان دی۔گویائی کے لئے عقل دی۔ہدایت وراہنمائی کے لئے، غذا اور دوا۔سے نوازا اور جس نے ان اشیا کو بے کار سمجھا، اس نے الٰہی شریعت اور خداوندی مصلحت کا بطلان کیا۔''(۲)

(۸) اس شبہ میں اسباب کو لغو ثابت کیا جاتا ہے جو دراصل نقص عقل ہے جیسا کہ بعض اہل علم کا کہنا ہے ''صرف اسباب کو سب کچھ سمجھ لینا شرک ہے اور ان اسباب سے صرف نظر نقص عقل ہے اور ان سے بالکل اعراض کر لینا شریعت میں طعن ہے۔ یقیناً توکل اور امید توحید، عقل اور شریعت سے مرکب ہے۔''(۳) اسباب کو حقیقی متصرف سمجھنا اس طرح شرک ہے کہ گویا انسان نے قلب وعمل سے اسباب کو خالق ومالک سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ سب مخلوق خدا ہے جو اللہ کی مشیت وقدرت سے معلق ہے۔جب اللہ چاہے تو سبب فائدہ مند ہے ورنہ نہیں اور ہر سبب مزید کئی اسباب سے مل کر کارگر ثابت ہوتا ہے مثلاً بارش تنہا پیداوار کا ذریعہ نہیں بلکہ یہ اپنے ساتھ ہوا، مٹی، روشنی وغیرہ کی محتاج ہے۔خوراک جسم کے دوسرے اعضاء کے بغیر مقوی ثابت نہیں ہوتی لہٰذا ہر سبب مزید کئی اسباب کا محتاج ہے اور یہ امر محال ہے کہ کائنات میں کوئی سبب تنہا مؤثر بھی ہو سکے!

کائنات کے تمام ذرائع واسباب ایک مسبب کے حکم کے فرمانبردار ہیں خواہ وہ بذات خود متحرک الا ارادہ ہیں یا جمادات۔اللہ تعالیٰ ان اسباب کے مسبب ہیں لہٰذا اسی سے امید ہونی چاہیے، اسی پر بھروسہ اور توکل کرنا چاہیے، وہ

---

(۱) [تلبیس ابلیس ص(۳٦٥)]

(۲) [تلبیس ابلیس (۳۰٤)]

(۳) [منهاج السنة (٥/۳٦٦)]

چاہے تو سب کچھ ہو سکتا ہے خواہ ساری دنیا رکاوٹ بن جائے اور اگر وہ نہ چاہے تو ساری دنیا بھی جمع ہو کر کچھ نہیں کر سکتی۔ اسباب کو محض اسباب سمجھ کر کنارہ کشی اختیار کرنا عقل وشرع کے خلاف ہے۔ عقل تو ان کا تقاضہ کرتی ہے اور شریعت انہیں اختیار کرنے کا حکم دیتی ہے البتہ جس کی عقل مانع ہو، وہ عقل سلیم نہیں۔ دعا اور توکل بھی بڑے بڑے اسباب ہیں جنہیں اختیار کرنے کا حکم خداوندی موجود ہے۔ اگر کوئی اسباب کا اس طرح انکار کرے کہ میرا مقدر دعا کرنے کے بغیر بھی مل سکتا ہے تو پھر یہ بھی اقرار کرنا چاہیے کہ اگر میں نے جنت میں جانا ہے تو ایمان لاؤں یا نہیں، بہر صورت جنت چلا جاؤں گا حالانکہ یہ سب سے بڑی گمراہی اور جہالت ہے۔ لہٰذا اسباب کا کلی انکار عقل وشرع کے بھی خلاف ہے۔ ابن جوزیؒ رقمطراز ہیں کہ ''یہ شریعت میں طعن ہوگا اگر کوئی اسباب کے اختیار کرنے سے انکار کرے کیونکہ یہ امر خداوندی ہے جس طرح موسٰی علیہ السلام سے کہا گیا کہ سردار تمہیں قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں تو وہ بھاگ نکلے اور جب بھوک نے تنگ کیا تو آٹھ سال مسلسل محنت کی ....۔''(۱) منکر اسباب درحقیقت اللہ کی رضامندی اور ناراضگی میں تفریق کا بھی منکر ہے جیسا کہ درج ذیل آیات سے واضح ہوتا ہے :۔

☆ کیا برائی کا ارتکاب کرنے والے اس گمان میں ہیں کہ ہم انہیں ایمان اور عمل صالح بجالانے والوں کے ساتھ برابر کر دیں گے کہ ان کا جینا مرنا ایک جیسا ہو جائے! برا ہی یہ فیصلہ کرتے ہیں۔'' (الجاثیۃ ۲۱)

☆ کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کیس اتھ (کھڑا) کریں گے؟ کیا ہے تمہیں کیسے تم (غلط) فیصلہ کرتے ہو۔'' (القلم ۳۵،۳۶)

☆ کیا ہم ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو زمین میں فساد کرنے والوں کیساتھ کریں گے؟ کیا ہم پرہیزگاروں کو گنہگاروں کے ساتھ ملائیں گے؟'' (ص۔۲۸)

☆ آپ کہہ دیں! کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں؟'' (الزمر۔۹)

☆ اندھا اور بینا برابر نہیں اور نہ تاریکی اور روشنی اور نہ چھاؤں اور نہ دھوپ اور زندے اور مردے برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، سنوا دیتا ہے اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔'' (فاطر۔۱۹ تا ۲۲)

☆ اہل نار اور اہل جنت برابر نہیں (بلکہ) اہل جنت ہی کامیاب ہیں۔'' (الحشر۔۲۰)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسباب کے وجود اور عدم وجود میں فرق کیا لہٰذا اسباب کا منکر شریعت میں زبان درازی کرنے والا ہے۔

---

(۱) [تلبیس ابلیس (۲۸۵)]

(۹) مذکورہ شبہہ کا قائل بہت سی قباحتوں کا مرتکب ہوتا ہے مثلاً:۔

(ا) اسے دنیاوی اسباب کو چھوڑتے ہوئے کھانے پینے سے بھی ہاتھ کھینچ لینا چاہیے کہ اگر اس کے لئے سیرابی مقدر ہے تو وہ بغیر کھانے پینے کے بھی سیراب ہو جائے گا! سردی سے بچاؤ مقدر ہے تو بغیر لباس بھی ممکن ہے! اولاد مقدر ہے تو بغیر شادی اور بیوی کے بھی مل جائے گی! بیماری میں دوا بھی ضروری نہیں! لڑائی میں ہتھیار بھی بے کار ہیں! حج کے لئے سفر بھی بے فائدہ ہے! صرف گھر میں (جہاں پیدا ہوا ہو ہیں) بیٹھا رہے! طرفہ تماشا تو یہ ہے کہ بعض گمراہوں نے ان میں سے کئی چیزوں کو اختیار بھی کیا ہے مثلاً شیخ عز بن عبد السلام رقمطراز ہیں کہ بعض ولیوں نے کہا کہ "دوا استعمال کرنا اسباب پر توکل کر لینے کی وجہ سے شرک ہے۔"[۱] لہٰذا انسان نہ کھائے نہ پیے، نہ پہنے نہ سواری کرے نہ قتل سے بچنے کی کوشش کرے نہ اپنے اھل میں زنا فحاشی سے بچاؤ کی تدبیر کرے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کبھی راہ حق کی ہدایت نہیں بخشتے۔

(ب) اگر کوئی ظالم اس کا مال چھینے یا اس کی اولاد کو مار ڈالے یا اسے مارے پیٹے اور گالیاں دے یا اس کی عزت پامال کرے تو پھر اسے کسی حق کا مطالبہ یا مدد اور بدلے کا تقاضہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس پر غصہ کا اظہار بھی نہیں کرنا چاہیے! حالانکہ کوئی بھی سلیم الفطرت یہ برداشت نہیں کرے گا کیونکہ بدلہ لینا انسانی فطرت میں شامل ہے۔[۲]

(ج) ایسے شخص کو کفار سے جہاد وقتال یا حدود شریعہ کے نفاذ کی حمایت نہیں کرنا چاہیے! اور فرعون سمیت سابقہ معتوب قوموں کی ملامت سے بھی گریز کرنا چاہیے! زمین اور معاشرہ میں ہونیوالے فساد کے سامنے چپ سادھ لینی چاہیے!

(د) ایسے شخص کو چاہیے کہ یہ دعوی بھی کر بیٹھے کہ ایمان لانے یا کافر رہنے میں کوئی پابندی نہیں کیونکہ ثواب اور عذاب کی تقدیر تو لکھی جا چکی ہے! حالانکہ ایسے کندہ ناتراش، احمق اور جاہل شخص کو یہ علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر کو اسباب کے ساتھ لازم کر رکھا ہے۔ حیرانی کی بات ہے کہ گذشتہ قباحت زدہ نظریات پر بہت سے لوگ ادھار کھائے بیٹھے ہیں کہ "جن اعمال کا حکم دیا جاتا ہے، انہیں بجالانے کی کوئی تک نہیں کیونکہ جس کی تخلیق جہنم کے لیے ہوتی ہے، وہ ایمان لانے کے باوجود جہنم میں جائے گا اور جس کی تخلیق جنت کے لیے ہوتی ہے، وہ اگر چہ ایمان نہ لائے مگر جنت کا راہی ہوگا!"[۳]

حاصل کلام یہ ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے مگر اسی کو حجت سمجھ بیٹھنا اور اسباب سے کنارہ کشی اختیار کرنا روا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بلا تفریق ہر مسلم و کافر کو اسی جبلت پر پیدا کیا ہے کہ وہ تقدیر کے ساتھ اسباب اختیار کرتا رہے

---

(۱) [فتاوی العزبن عبدالسلام(۹۹)]

(۲) [منهاج السنة(۳/۲۳۔۵۵)

(۳) [جامع الرسائل (۱/۹۲)]

لیکن تقدیر پر بھروسہ کرتے ہوئے ذرائع اور اسباب چھوڑ دینا امر محال ہے، عقل و شرع اس کے خلاف ہے اور اس طرح تو دو آدمی لحہ بھر بھی گزارہ نہیں کر سکتے!''(۱)

گذشتہ شبہہ کا بطلان بالتفصیل آشکارا ہو چکا ہے اور یقینی بات ہے کہ یہ قباحتیں اس وقت جنم لیتی ہیں جب کتاب وسنت اور ائمہ سلف کی راہ کے برعکس فاسد نظریات اپنا لیے جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین پر خلوص اور اتباع کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

دوسرا شبہہ:۔ ''یعنی اللہ کے علم قطعی سے استدلال کرتے ہوئے دعا کو بے فائدہ سمجھنا'' اکثر صوفیاء تو اسے اپنے مذھب کی اساس قرار دیتے ہیں مثلاً طوسی (ابونصر السراج) صوفی سے منقول ہے کہ'' ہماری بنیاد خاموشی اور اللہ کے علم پر اکتفا کر لینا ہے۔''(۲) اس سے ثابت ہوا کہ ان لوگوں کے نزدیک دعا کی کوئی اہمیت و وقعت نہیں۔ ان کے مختلف دلائل گذشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں جن میں ایک دلیل ابراہیمؑ کی طرف منسوب یہ روایت بھی تھی'' اسے میرے حال کا علم ہے لہٰذا مجھے سوال کرنے کی ضرورت نہیں۔''

ان کے شبہ کی بنیاد یہ ہے کہ ان کے ظن کے مطابق محض اللہ کے علم میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز ہو کر رہے گی لہٰذا فاعل کے فعل یا سبب کی بھی ضرورت نہیں۔ حالانکہ یہ ساری بنیاد ہی غلط ہے کہ علم الٰہی فعل یا سبب کا طالب نہیں۔ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں'' یہ تو سوال اور دعا کا دروازہ بند کر دینے کے مترادف ہے جسے محض جہالت سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔'' (۳) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اسے دو طرح سے جہالت ثابت کیا ہے (۴):۔

(۱) علم معلوم کے مطابق ہوتا ہے اور اس کا تعلق اس چیز سے قائم ہوتا ہے جس کے ساتھ یہ وقوع حاصل کرے گی۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی کائنات کا علم ان علل واسباب سے مربوط ہے جن کے ذریعے یہ وجود پاتی ہیں اور جس نے یہ کہا کہ اللہ کا علم بلا اسباب ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا اور اس نے گویا یوں کہا کہ اللہ کے علم میں ہے کہ یہ لڑکا بغیر ماں باپ کے پیدا ہوگا یہ کھیتی بغیر پانی کے ہوگی!

(۲) کسی چیز کا محض علم اس کے معلوم ہو جانے کے لئے کافی نہیں جب تک کہ اس کی صفات، علامات، وغیرہ کا حصول نہ ہو مثلاً ہمیں کسی چیز کا علم ہوتا ہے تو پھر ہم حس و مشاہدہ سے اس کی صفات و علامات ٹٹولتے ہیں تاکہ ہمیں معلوم تک رسائی ہو سکے۔''

---

(۱) [منهاج السنة (۶۵/۳)]

(۲) [اللمع (۲۸۹)]

(۳) [تلبيس ابليس (۳۳۷)]

(۴) [الفتاوى (۱۹۵/۸ ـ ۲۸۰)]

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ کے علم سے مراد یہ ہے کہ فلاں چیز فلاں سبب کے ساتھ اللہ کے علم میں ہے۔ اگر اس سبب کو اختیار کر لیا جائے تو وہ چیز حاصل ہو جائے گی اور اگر وہ حاصل نہ ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اس چیز کا عدم حصول اللہ کے علم میں ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی روایت کو امام بغویؒ نے اپنی تفسیر میں ابی بن کعب ﷺ سے بغیر سند کے روایت کیا ہے اسی لئے ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ''اس کی کوئی سند نہیں لہٰذا یہ حدیث باطل (من گھڑت) ہے۔''[1] صاحب تنزیہ الشریعۃ نے بھی ابن تیمیہؒ کے مطابق اسے نقلی (موضوع) قرار دیا ہے۔[2] شیخ البانیؒ فرماتے ہیں ''اس حدیث کی کوئی اصل (بنیاد) نہیں۔''[3]

صحیح بخاری میں ابن عباس ﷺ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ دعا پڑھی ﴿حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل﴾ مجھے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔'' پھر فرمایا کہ ابراہیمؑ نے یہ دعا اس وقت پڑھی جب انہیں آگ میں ڈالا گیا اور محمد کریم ﷺ نے یہ دعا اس وقت پڑھی جب ''لوگوں نے انہیں کہا کہ سب لوگ تمہارے خلاف جمع ہو گئے ہیں۔ ان سے ڈر جاؤ۔'' (آل عمران۔۱۷۳)[4] حالانکہ اس واقعہ میں دعا کی نفی بالکل مذکور نہیں بلکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کی مختلف دعائیں ذکر فرمائی ہیں جن سے گذشتہ موضوع حدیث کی تردید ہوتی ہے مثلاً جب ابراہیمؑ نے اپنے اہل وعیال کو بے آب وگیاہ وادی میں تنہا چھوڑا تو یہ دعا مانگی: ''یا رب! میں نے اپنی اولاد کو ایسی زمین پر بسایا ہے جو کھیتی والی نہیں ....'' (ابراہیم۔۳۷) ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ ''کسی نے خوب کہا کہ جب تم کوئی ایسی روایت دیکھو جو معقول یا منقول یا اصول (عقیدہ) کے خلاف ہو تو جان لو، یہ بناوٹی (من گھڑت) ہے۔''[5]

ابراہیمؑ کی یہ دعا بھی منقول ہے ''یا اللہ! تو آسمان میں یکتا ہے اور میں زمین پر تنہا ہوں جو تیرا عبادت گزار ہوں۔''[6] پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ابراہیمؑ جو لوگوں کو اللہ کی عبادت، اس پر توکل اور اس سے مانگنے کی تلقین کرنے والے تھے، وہ خود ہی اپنے اقوال ونظریات کی خلاف ورزی کرتے۔

تیسرا شبہ:۔ ''یعنی دعا کرنا اللہ پر الزام دھرنے کے مترادف ہے۔'' اس کا جواب یہ ہے کہ پھر سارے انبیاء اللہ پر (معاذ اللہ) الزام لگاتے اور بہتان باندھتے رہے جو اللہ سے دنیا وآخرت کی بے شمار دعائیں کرتے تھے! شیخ مقبلی یمنیؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ (شبہ) بدعت ہے، کتاب وسنت کے خلاف ہے۔ قرآن مجید کی بیشتر آیات میں انبیا کی

---

(۱) [قاعدہ فی التوسل (۳۵)]

(۲) [تنزیه الشریعة (۱/۲۵۰)]

(۳) [السلسلة الضعیفة (۱/۲۸)]

(٤) [بخاری (٤٥٦٣)]

(٥) [تدریب الراوی (۱/۲۷۷) فتح المغیث (۱/۲٦۹)]

(٦) [حلیة الاولیا (۱/۱۹) ابن کثیر (۳/۱۸٤) مجمع الزوائد (۸/۲۰۱)]

دعائیں مذکور ہیں۔ یہ صوفیاء کا دعویٰ ہے جو بظاہر خوش نما مگر باطناً بدنما اور جھوٹا ہے۔ بھلا انبیاء سے بڑھ کر کے اللہ پر وثوق اور اعتماد ہو سکتا ہے؟'' ابن تیمیہؒ رقمطراز ہیں کہ ''اگر انسان اپنی ذاتی خواہشات ولذات کے لئے دعا کرے تو یہ مباح ہے مگر اللہ تعالیٰ سے عبادت واطاعت، دین پر استقامت اور دشمن پر غلبہ کی دعا واجب اور مستحب ہے لیکن اگر حرام چیزوں کی دعا مانگی جائے تو یہ اپنی جان پر ظلم ہے۔

تیسرا مذہب:۔ دعا حصولِ مطلوب کی ایک علامت ہے جس طرح دلیل اپنے مدلول کے ساتھ ربط رکھتی ہے، اسی طرح دعا حصولِ مطلوب کے ساتھ تعلق رکھتی ہے مثلاً موسم سرما میں ابرآلود آسمان بارش برسانے پر دلیل ہے، اسی طرح نیکی وبدی، ثواب اور عذاب کے ظاہری اسباب ہیں۔ اسی طرح آگ جلنے جلانے میں، آلہ قتل خون خرابے میں، اپنی حسب عادت تاثیر کے ساتھ مؤثر ہوتے ہیں۔ اگر یہ اسباب نہ ہوں تو مسبب بھی نہیں ہوتا۔ ہم واضح کر چکے ہیں کہ اسباب کا کلیۃً انکار عقل وشرع کے منافی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں فرمایا لیکن مذکورہ مذہب میں اسباب کا ظاہری طور پر تو انکار نہیں کیا گیا لیکن قدرے تامل سے واضح ہوگا کہ اس میں بھی فی الحقیقت اسی نظریہ کو تاویلات کے پہناوے میں پیش کیا گیا ہے کہ اشیاء اسباب کے ساتھ وجود رکھتی ہیں اگر اسباب مفقود ہوں تو اشیاء کا وجود بھی معدوم ہوگا۔ اشعری فرقے کا یہی نکتہ نظر معروف ہے۔ اسباب وذرائع کے بارے میں چار طرح کے مختلف خیال پائے جاتے ہیں:

(۱) اسباب کا کلی طور پر انکار کر دینا کہ ان کا وجود اور عدم برابر ہیں اور یہ محض ایک قرینہ ثابت ہوتے ہیں۔ یہ اشاعرہ کا موقف ہے۔

(۲) دہریوں کا نکتہ نظر یہ ہے کہ ہر چیز اپنی علت کے ساتھ مؤثر ہوتی ہے۔

(۳) اہل السنہ والجماعہ اسباب کا اس طرح اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب کو مسببات سے باندھ رکھا ہے یعنی ''انسان اپنے افعال کا بذات خود فاعل ہے۔ اسے قدرت اور اختیار حاصل ہے۔ اس کی قدرت اپنے مقدور میں اسی طرح کارگر ہے جس طرح شرط اپنے مشروط میں یا سبب اپنے مسبب میں۔

پہلے تین اقوال باطل ہیں یعنی معتزلہ اور دہریہ کا بطلان تو بالکل واضح ہے اور اشاعرہ وغیرہ حس وعقل کے منکر ہو کر عجیب دنیا بسائے بیٹھے ہیں حالانکہ حس وعقل خود پکار رہے ہیں کہ وہ اسباب ہیں اور یہ فرق ظاہر کرتے ہیں۔ پیشانی اور آنکھ میں فرق پایا جاتا ہے یعنی صرف آنکھ دیکھنے کی قوت رکھتی ہے اور روٹی اور پتھر میں فرق ہے یعنی صرف روٹی ہی غذا اور مقوی بدن ثابت ہو سکتی ہے۔ علامہ آلوسیؒ رقمطراز ہیں کہ [1]

(۱) [روح المعانی (۸۷/۱)]

جبریہ کا بطلان بدیہی طور پر ثابت ہے۔اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ بندوں کے افعال ایسے ہی ہیں جیسے کپکپی والا مریض ہو اور انسان کی قوت غیر مؤثر ہوتی ہے جس طرح ہاتھ شل ہو کر غیر مؤثر ہو جاتا ہے اور اشاعرہ کے نظریات بھی ان سے مشابہت رکھتے ہیں کہ قدرت اور عدم قدرت برابر ہیں۔معتزلہ کے نزدیک انسان اپنے افعال کا مستقل خالق ہے حالانکہ نصوص شرعیہ ان کی نفی کرتی ہیں۔انسان اپنی مؤثر قوت مگر اللہ کی اجازت سے استعمال کرتا ہے اور یہی نظریہ درست ہے جو جبر وتفویض کے درمیان اس خالص دودھ کی طرح ہے جو گوبر اور خون کے درمیان سے حاصل ہوتا ہے۔علامہ آلوسیؒ کی بات ہی درست ہے اور ہر سلیم العقل اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔اللہ نے قرآن مجید میں واضح کر دیا ہے کہ وہ اسباب کو پیدا کرتا ہے :

☆ ''اور وہی ذات ہواؤں کو چلاتی ہے؟'' (الاعراف۔۵۷)

☆ ''اور جو اللہ تعالیٰ نے اس (قرآن) کے ذریعے اس کو سلامتی کے راستے کی ہدایت سے نوازتے ہیں جو اس کی رضامندی کا تابع ہو۔'' (المائدۃ۔۱۶)

☆ ''یہود کے ظلم کی وجہ سے ہم نے وہ پاکیزہ اشیاء بھی ان کے لئے حرام ٹھہرادیں جو ان کے لئے حلال کی گئی تھیں۔''

☆ ''اس کے ساتھ وہ بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت سے نوازتا ہے۔'' (البقرۃ۔۲۶)

☆ ''آپ کہہ دیں کہ تم ہمارے متعلق دو بھلائیوں میں سے کسی ایک کے منتظر ہو اور ہم تمہارے متعلق اس انتظار میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں عذاب سے دوچار کرے۔ (التوبۃ۔۵۲)

حدیث نبوی ﷺ ہے کہ ''یہ قبریں اپنے مردوں پر تاریک تھیں اور اللہ تعالیٰ نے میری دعا کے ذریعے انہیں منور فرما دیا ہے۔''[1] اہل السنہ والجماعۃ کا موقف ہی درست ہے کہ معلول علت کے ساتھ اور مسبب اپنے سبب کے ساتھ مؤثر ہے اور انہیں یہ تاثیر اللہ تعالیٰ نے عطا کر رکھی ہے۔

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ہر سبب کی ایک ضد ہے اگر وہ ضد (مانع) پائی جائے تو سبب محض ناکارہ ہے۔اگر وہ ضد نہ ہو تو سبب کارگر ہے لیکن یہ ضد اور سبب اللہ کے اختیار وارادے کے پابند ہیں۔ثابت ہوا کہ کوئی بھی علت یا سبب بذات خود کارگر یا مؤثر نہیں بلکہ وہ مشیت خداوندی کے پابند ہیں اور جو اس کے برعکس فلاسفہ اور دہریہ کی پیروی میں اس کا انکار کرے، وہ اہل سنت کے عقیدے سے خارج ہے۔(۲)

گذشتہ شبہ کا ملخص اور اس پر تفصیلی بحث حسب ذیل ہے:۔

(۱) [بخاری (۱۳۳۷) ابو داؤد (۳۲۰۳)]

(۲) [الفتاوی (۱۶۷/۸) منهاج السنة (۱۱۵/۳) بيان تلبيس الجهمية (۴۵۷/۲)]

(۱) ''اسباب کا اثبات صفات ربوبیت والوہیت کے منافی ہے۔'' یہ دعویٰ کئی وجوہات کی بناء پر غلط ہے مثلاً:
یہ دعوی اور اعتراض اس صورت میں ممکن ہے جب اسباب کو حقیقی فاعل سمجھ لیا جائے اور مشیت خداوندی کو پرکاہ کی حیثیت بھی نہ دی جائے حالانکہ ہم اس کے قائل نہیں جیسا کہ شیخ ابن تیمیہؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ ''کائنات میں کوئی بھی علت یا سبب بذات خود مستقل تاثیر کی حامل نہیں بلکہ تمام علل واسباب کچھ لوازمات کے پابند ہونے کے ساتھ مشیت خداوندی کے تابع فرمان ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو وہ کام ہو جائے اور اگر اللہ نہ چاہے تو اسباب وعلل بھی بے سود ہیں!''(۱) ثابت ہوا کہ اسباب کے مؤثر ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ایک تو سبب کا وجود اور دوسرا عدم موانع، پھر ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارادہ بھی ضروری ہے کیونکہ وہی مسبب الاسباب ہے۔

(۲) ''اسباب وعلل کی تائید والی آیات کی تاویل کی جائے گی۔'' یہ دعویٰ بھی کئی وجوہ کی بنا پر قابل تردید ہے کیونکہ قرآن مجید میں ایسی آیات ہزار سے بھی متجاوز ہیں۔ پھر ان کے بالمقابل ایسی آیات بھی موجود ہیں جن میں افعال کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے لہذا ان آیات کو ظاہر پر محمول کیا جائے گا البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہم کسی سبب کو مستقل مؤثر نہیں مانتے بلکہ اللہ کے حکم کا پابند سمجھتے ہیں۔ بعض لوگوں نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ مریمؑ نے کھجور کے درخت کو خود حرکت نہیں دی تھی بلکہ وہ اللہ کی طرف سے تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اسباب کی تاثیر کو حتمی قرار نہیں دیتے بلکہ اگر اللہ چاہیں تو اسباب کی تاثیر بدل سکتی ہے لہٰذا اسے خرق عادت بھی کہا جا سکتا ہے۔

(۳) قوت ایک سبب ہے تو پھر ہمیں دکھائی کیوں نہیں دیتی؟ ضروری نہیں کہ ہر سبب کو دیکھ کر ایمان لایا جائے مثلاً روح، گرمی، سردی وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جنہیں دیکھے بغیر قبول کیا جاتا ہے۔

<u>چوتھا مذہب</u>:۔(۲) یعنی دعا تقدیر کو لوٹانے یا بدلنے میں مؤثر ہے۔ اس مذہب کو راجح قرار دینے والوں نے بہت سی صحیح اور مرفوع احادیث سے استشہاد کیا ہے کہ دعا تقدیر کو ہٹانے یا بری تقدیر سے بچنے میں مؤثر کردار ادا کرتی ہیں۔ تقدیر کو ہٹانے والی چند احادیث درج ذیل ہیں:

✿ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ''تقدیر کو دعا کے سوا کوئی چیز دور نہیں کر سکتی اور نیکی عمر میں اضافے کا باعث ہے۔''(۳)

---

(۱) [الفتاوی (۱٦٧/۸)]

(۲) [شان الدعا (ص۷)]

(۳) [ترمذی (۲۱۲۹)، السلسلة الصحیحة (۷۸/۱)]

✿ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: نیکی عمر میں اضافہ کرتی ہے۔ (بری) تقدیر کو صرف دعا ہی دور کرسکتی ہے اور آدمی اپنے گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کیا جاتا ہے۔"(۱)

✿ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تدبیر تقدیر کے سامنے بے سود ہے البتہ دعا (مصیبت) کے وقوع میں فائدہ دیتی ہے۔ بلاشبہ دعا اور مصیبت تا قیامت نبرد آزما ہیں۔"(۲)

بری تقدیر سے پناہ مانگنے والی احادیث:

✿ دعائے قنوت جس میں یہ لفظ ہیں "اور مجھے اپنے برے فیصلے سے محفوظ فرما۔"(۳)

✿ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "اللہ کے رسول ﷺ انتہائی مصیبت، بدبختی، بری تقدیر اور دشمنوں کے غلبے سے پناہ مانگا کرتے تھے۔"(٤)

استدراک:۔ مذکورہ دلائل کے جواب حسب ذیل ہیں۔

(۱) اگر مذکورہ دلائل کو بالفرض صحیح تسلیم کر کے ان دلائل سے متعارض سمجھا جائے جو تقدیر کے عدم تغیر پر دلالت کرتے ہیں تو عدم تغیر والے دلائل ہی راجح اور قوی تر ثابت ہوں گے۔

(۲) صحیح بات یہ ہے کہ ان میں تعارض نہیں لہٰذا تطبیق کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ تقدیر میں تبدیلی بھی تقدیر میں شامل ہے لہٰذا تقدیر کا وقوع، عدم وقوع یا اس سے بچاؤ سب کچھ اللہ ہی کے قضاء و قدر سے ممکن ہوتا ہے۔

(۳) ان احادیث میں یہ صراحت یا مفہوم مذکور نہیں کہ دعا تقدیر سے خارج ہے۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ دعا تقدیر کو بدل دیتی ہے تو اس کا معنی یہ ہوا کہ تقدیر دعا پر سبقت لے گئی۔ پھر دعا جو ایک سبب ہے، اسے استعمال کیا گیا لہٰذا دعا تقدیر کے تبدل و تغیر میں ایک سبب اور ذریعہ ثابت ہوا، ایسا نہیں ہے کہ دعا نئی تقدیر یا فیصلہ لے آتی ہو۔

پانچواں مذہب:۔ یعنی دعا صرف بعض امور میں نفع مند ہوسکتی ہے۔(۵) ان لوگوں کا کہنا ہے کہ لمبی عمر یا زندگی وغیرہ کی دعا بے سود ہے۔ اس لئے کہ ان کے فیصلے ہو چکے ہیں جیسا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا (زوجہ رسول ﷺ) نے دعا

---

(۱) [ابن ماجة (۲۲) احمد (۲۷۷/۵) حاکم (٤۹۳/۱) الصحيحة (۷۸/۱) البته اس روایت کا آخری جملہ "رزق سے محروم کیا جاتا ہے" بسند صحیح ثابت نہیں۔]

(۲) [حاکم (٤۹۲/۱) صحيح الجامع (۲٤۱/٦) ترمذی (۳۰٤۸)]

(۳) [احمد (۱۹۹/۱) ابو داؤد (۱٤۲۵) ترمذی (٤٦٤)]

(٤) [بخاری (٦۳٤۷) مسلم (۲۷۰۷)]

(۵) [شرح طحاوية (۹۱)]

کی ''یااللہ! مجھے میرے خاوند (جناب رسول اللہ ﷺ) میرے والد ابوسفیان اور میرے بھائی معاویہ سے (طوالت عمر کے ساتھ) فائدہ پہنچا۔'' تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تو نے اللہ تعالیٰ سے ان عمروں کے بارے میں سوال کیا جو طے ہو چکی ہیں، ان دنوں کا جو گنے جا چکے ہیں اور رزق کا جو تقسیم کیا جا چکا ہے لہٰذا ان میں سے کوئی چیز بھی اپنے وقت سے مقدم و مؤخر نہیں ہو سکتی۔ اگر تو اللہ سے جہنم اور قبر کے عذاب سے پناہ مانگے تو یہ تیرے لئے بہتر ہے۔''(١)

امام احمد کی طرف یہ مذہب منسوب کیا جاتا ہے کہ انہوں نے طول عمر کی دعا کو ناپسند کیا ہے اور فرماتے تھے کہ یہ طے ہو چکی ہے۔ اسی طرح کسی نے کہا ہے کہ طول بقا (زندگی) کی دعا عبث ہے۔ امام احمد سے طول عمر کی دعا بھی مروی ہے جو پہلے قول کے منافی ہے۔(٢) شارح طحاویہ نے اس موقف کی تائید کی ہے کہ صلہ رحمی عمر میں اضافہ کرتی ہے مگر طول عمر کی دعا فضول ہے۔

استدراک:

(١) دعا کی افادیت میں تفریق کرنا کہ بعض امور میں نفع مند ہے اور بعض میں نہیں، بلا دلیل ہے بلکہ ہر چیز کی تقدیر لکھی جا چکی ہے۔

(٢) نبی کریم ﷺ سے طول عمر کی دعا منقول ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لئے دعا فرمائی: ''یااللہ! اس کے مال و اولاد میں اضافہ فرما، اس کی عمر لمبی کر اور اس کے گناہ بخش دے۔''(٣) اسی حدیث پر امام بخاریؒ نے یہ باب (عنوان) ذکر کیا: ''نبی کریم ﷺ کی اپنے خادم کے لئے طول عمر اور کثرت مال کی دعا کرنا۔''(٤)

اس باب کے ذریعے امام بخاریؒ نے ان لوگوں کی تردید کی طرف اشارہ کیا ہے جو طول دعا کے منکر ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ابوالیسر کعب بن عمرو کے لئے اس طرح طول عمر کی دعا فرمائی: ''یااللہ! ہمیں اس کے ذریعے فائدہ پہنچا۔'' اور یہ صحابی اس حدیث کو بیان کر کے روتے اور فرماتے ''میری عمر سے فائدہ اٹھالو۔ میں ان (صحابہ) میں آخری (افراد میں سے) ہوں۔''(٥) اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ام قیس رضی اللہ عنہا کے لئے لمبی زندگی کی دعا فرمائی۔ راوی کا کہنا ہے کہ ''ہمیں علم نہیں کہ کسی عورت نے اس عورت سے بڑھ کر عمر پائی ہو۔''(٦)

---

(١) [مسلم (٢٦٦٣)]

(٢) [شرح طحاوية (٩١)]

(٣) [الأدب المفرد (٦٥٣)]

(٤) [فتح الباری (١٤٤/١١)]

(٥) [احمد (٤٢٧/٣) البداية (٨١/٨)]

(٦) [احمد (٣٥٥/٦)]

(۳)　صحابہ کرام سے بھی طول عمر کے واقعات مروی ہیں جس طرح ایک آدمی نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ کہا ''یقیناً سعد لشکر روانہ نہیں کرتا، عدل سے مال تقسیم نہیں کرتا، فیصلے میں عدل نہیں کرتا۔'' تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم میں تین دعائیں ضرور کروں گا۔ یا اللہ اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور ریاکاری کے لئے الزام تراشی کرتا ہے تو اس کی عمر لمبی کر، اس کی فقیری بڑھادے اور اسے فتنوں سے دوچار کردے۔ پھر اس کے بعد جب اس آدمی سے لوگ پوچھتے تو وہ کہتا: میں بوڑھا آفت زدہ ہوں جسے سعد کی بددعا لگ گئی۔ راوی کا کہنا ہے کہ میں نے اسے دیکھا کہ اسے پپوٹے بڑھاپے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کے اوپر گرے پڑے ہیں اور وہ راستوں میں لڑکیوں کو اشارے کرتا تھا۔''(۱)

نبی کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو یہ دعا فرمائی: ''یا اللہ! ہمارے دلوں میں مدینے کی محبت اسی طرح پیدا فرما دے جس طرح مکے کی محبت ہے۔ یا اللہ! ہمارے صاع اور مد (پیانے) میں برکت فرما اور مدینے کی وبا (بخار) کو جحفہ کی طرف منتقل کردے۔''(۲)

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا والی حدیث (جس میں طول عمر سے منع کیا گیا) کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع کردیا گیا ہوگا کہ ابوسفیان، معاویہ اور خود آپ کی عمر میں اضافہ نہیں ہوگا۔ یا آپ ﷺ نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اس دعا میں شدت کرنے کی وجہ سے ٹوک دیا ہوتا یا پھر آپ ﷺ نے اسے اس کی دعا سے بہتر دعا کا مشورہ دیا ہے۔ یعنی دنیا کے فوائد کی بجائے آخرت کے فوائد کے حصول کے لئے عذاب قبر اور عذاب جہنم وغیرہ سے پناہ مانگو۔ صلۂ رحمی اور دوسری دعاؤں میں بلا دلیل تفریق نہیں کی جاسکتی بلکہ صحیح احادیث کی روشنی میں یہ دونوں سبب ہیں جن کی تاثیر کی اہمیت واضح ہوچکی ہے۔

چھٹا اور صحیح مذہب:۔(۳)　یہی جمہور اہل السنہ والجماعۃ کا مذہب ہے جو کتاب وسنت، عقل وفطرت کے مطابق وموافق ہے کہ دعا دوسرے اسباب کی طرح ایک سبب ہے جو حصول مطلوب میں ایک مؤثر اور مشروع ذریعہ ہے۔ نوع انسان کا بڑا حصہ، خواہ وہ یہود ونصاری، یا صائبین اور مشرکین ہی کیوں نہ ہو، اس کا معترف ہے بلکہ یونانی فلسفی بطلیموس سے منقول ہے کہ ''عبادات میں مختلف حاجات کے لئے مختلف فنی لغات کی اصوات کا استعمال، گردش افلاک کے عقدے حل کرنے میں مؤثر ہے۔'' اس فلسفی نے دعا کی تاثیر کو قبول کیا ہے اگرچہ اسے اپنے کواکب پرستی کے

---

(۱) [بخاری (۷۵۵)]

(۲) [بخاری (۱۸۸۹) مسلم (۱۳۷۶)]

(۳) [منہاج (۳۶۲/۵) زاد (۴۸۱/۳)]

عقیدے میں رنگ دیا ہے۔

دعا بھی تقدیر میں داخل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر میں ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے لہٰذا اس کی تقدیر سے کوئی چیز خارج نہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کے وقوع یا عدم وقوع میں اسباب مقرر کر رکھے ہیں جنہیں اختیار کرنا بھی ضروری ہے اور دعا بھی ان اسباب میں سے ایک سبب ہے بلکہ یہ باقی سب اسباب کی بہ نسبت زیادہ وقیع ہے۔ نبی کریم ﷺ نے شر سے بچاؤ کے لئے نماز، دعا، ذکر و استغفار، توبہ، صدقہ وغیرہ کا حکم دیا ہے کہ تا کہ بلا دور ہو۔

حدیث نبوی ﷺ ہے "اللہ تعالیٰ اس امت کی ان کے کمزوروں، ان کی دعاؤں، نمازوں اور اخلاص وغیرہ سے مدد فرماتے ہیں۔"(۱) لہٰذا دعا تقدیر کے بدلنے میں مؤثر سبب ہے اور یہ سبب بذات خود تقدیر کا حصہ ہے جس طرح ڈھال تلوار کے وار سے بچاؤ کا ذریعہ ہے یا پانی کھیتی کے لئے سبب ہے، اسی طرح دعا بھی جلب منفعت اور دفع مضرت کا ہتھیار ہے مگر اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ دشمن سے بچاؤ وغیرہ کے لئے ہتھیار استعمال نہ کئے جائیں بلکہ انہیں اختیار کرنا بھی امر الٰہی ہے "انہیں چاہیے کہ اپنا دفاع اور اسلحہ تھامے رکھیں۔" (النساء۔۱۰۲)

قرآن مجید سے دلائل:۔

☆ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور تمہارے رب نے کہا کہ مجھے پکارو، میں تمہاری پکار قبول کرتا ہوں۔" (غافر۔۶۰)

(۱) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قبولیت کو دعا کے ساتھ لازم کر دیا ہے یعنی دعا ایک سبب ہے جس میں وہ سبب موجود ہوگا تو مسبب بھی حاصل ہو جائے گا ورنہ اللہ تعالیٰ دعا کا حکم نہ دیتے۔

(۲) مذکورہ آیت میں شرط و جزا کا استعمال ہے اور یہ دونوں باہم لازم و ملزوم ہیں یعنی جب شرط ہوگی تو مشروط مؤثر ہوگا اور اگر شرط کے باوجود مشروط غیر مؤثر ہو تو یہ بے معنی بات ہے اور اللہ کا کلام اس سے بری ہے۔

(۳) اس آیت میں یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ دعا کرو گے تو مسئلہ حل ہوگا اور اگر دعا کرنا یا نہ کرنا برابر ہوتا تو اس وعدے کا کیا معنی؟

(۴) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دعا کا حکم دیا ہے اور اللہ کا کوئی حکم فائدے سے خالی نہیں!

(۵) دعا نہ کرنے پر سخت وعید ہے جس سے دعا کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

☆ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ "جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں قریب ہوں (اور) پکارنے والے کی پکار کو قبول کرتا ہوں کہ جب وہ مجھے پکارے۔" (البقرہ۔۱۸۶)

(۱) یہ آیت دعا کے ضمن میں نازل ہوئی اور اگر دعا غیر نافع ہوتی تو بوقت ضرورت اس حقیقت سے پردہ اٹھا دیا جاتا!

---

(۱) [بخاری (۲۸۹۶)]

(۲) اس آیت میں بھی قبولیت کو دعا کی شرط سے مشروط کر دیا گیا۔

(۳) اس آیت میں قبولیت دعا کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اور یہ وعدہ اسی صورت میں پورا ہوگا جب دعا کی جائے اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

☆ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''جو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، اس کی آرزو نہ کرنا۔ مردوں کا اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو۔'' (النساء۔۳۲)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حسد و بغض سے منع فرماتے ہوئے یہ حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے فضل حاصل کرنے کے لئے دعا مانگو اور اگر دعا غیر نافع چیز ہوتی تو اس کا حکم کیوں دیا جاتا؟

☆ ''اس نے تمہیں ہر وہ چیز عطا کی جس کا تم نے اس سے سوال کیا اور اگر تم اللہ کے انعامات گننا چاہو تو ان کا شمار ناممکن ہے۔'' (ابراھیم۔۳۴)

اس آیت میں بھی انعامات کو سوال اور دعا سے مربوط کیا گیا ہے۔

☆ ''لاچار جب پکارتا ہے تو اس کی پکار کون سنتا ہے اور اس کی برائی (کون) دور کرتا ہے۔'' (النمل۔۶۲)

اس آیت میں بے کسی اور لاچاری کو قبولیت دعا کا سبب گردانا گیا۔ اسی طرح قرآن مجید کی بیسیوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک ولیوں اور نبیوں کی وہ دعائیں ذکر فرمادی ہیں جو انہوں نے پریشانی اور لاچاری کی حالت میں انتہائی گریہ وزاری سے اللہ کے حضور پیش کیں اور اگر دعا بے فائدہ اور لغو و باطل چیز کا نام ہوتا تو انبیاء سے کم از کم ایسے ''لغو'' عمل کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ذیل میں ہم بطور مثال چند ایک کی آیات پیش کرتے ہیں۔

(1) حضرت نوحؑ کی دعا:۔ ﴿ولقد نادٰنا نوح فلنعم المجیبون﴾ (الصافات۔۷۵) ''اور نوح نے ہمیں پکارا تو (دیکھ لو) ہم کیسے اچھے دعا قبول کرنے والے ہیں۔''

اس آیت کا دعا کے موثر ہونے پر دلالت کرنا اظہر من الشمس ہے نیز اللہ تعالیٰ نے نوحؑ کے واقعہ میں ارشاد فرمایا ہے:

''اور نوحؑ نے جب ہمیں اس سے پہلے پکارا تو ہم نے اس کی پکار سنی اور اسے اور اس کے اھل کو بہت بڑی مصیبت سے نجات بخشی اور ہم نے اس کی ایسی قوم کے مقابلے میں مدد کی جس نے ہماری آیات کی تکذیب کی تھی، بلاشبہ وہ بدبخت قوم تھی لہٰذا ہم نے ان سب کو غرق آب کر دیا۔'' (الانبیاء ۷۷۔۷۶) اس آیت میں درج ذیل نکات کی وجہ سے دعا کے مؤثر ہونے پر استشہاد ہوتا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کی دعا کی قبولیت کو دعا کرنے کے سبب پر موقوف ٹھہرایا یعنی جب حضرت نوحؑ نے

اللہ کے حضور دعا مانگی تب اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انہیں نجات دیتے ہوئے کافروں کو تہہ تیغ کر ڈالا لہٰذا ان آیات میں ''ف'' سبب کے لئے ہے جس طرح دیگر کئی آیات میں فا سببیہ مستعمل ہوا ہے مثلاً (فوکزہ موسیٰ فقضی علیہ) اس (موسیٰ علیہ السلام نے اسے ایک گھونسا مارا۔ پس اس کا کام تمام کر دیا۔ (القصص۔۱۵)
(آدمؑ نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لئے پس اس نے ان پر رجوع کیا) (البقرۃ۔۳۷)

(۲) اس آیت میں ''فاستجبنا'' (ہم نے قبول کیا) استعمال ہوا ہے جس کا معنی ہے، سوالی کو عطا کرنے کا ہم نے فیصلہ کر لیا

(۳) اسی طرح ''فنجیناہ'' (ہم نے اسے نجات دی) مستعمل ہے یعنی ہم نے اس کی دعا قبول کرتے ہوئے اسے بہت بڑی مصیبت سے نجات دی۔ نجات اور قبولیت معلول ہیں جن کی علت دعا ہے۔

(2) حضرت ایوبؑ کی دعا:۔ ''اور ایوب نے جس وقت اپنے رب کو پکارا کہ بے شک مجھے ضرر پہنچا ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ پس ہم نے اس (کی دعا) کو قبول کیا اور اس کی تکلیف دور کر دی اور اسے اس کا اہل خانہ اور ان کے مثل ہی مزید اپنی طرف سے رحمت کرتے ہوئے عطا کر دیا اور نصیحت ہے عبادت گزاروں کے لئے۔'' (الانبیاء۔۸۳،۸۴) ان دونوں آیات میں بھی قبولیت کو دعا کے سبب سے مفید کر کے بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت ایوبؑ نے دعا کی تب اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت عطا کیا۔

(3) کسی گذشتہ امت مسلمہ کی دعا:۔ ''اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکر کے سامنے ہوئے تو کہا، اے ہمارے ربّ! ہم پر صبر ڈال دے، ہمارے قدم ثابت رکھ اور کافر قوم پر ہماری نصرت فرما۔ پس انہوں نے انہیں (دشمن کو) اللہ کے حکم سے شکست دی اور داوٗد نے جالوت کو قتل کیا۔'' (البقرہ۔۲۴۹،۲۵۰)

(4) ان کی بس یہی پکار تھی کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے، ہمارے معاملات میں ہماری زیادتی معاف کر دے، ہمیں ثابت قدمی عطا کر اور کافروں کی قوم پر ہماری مدد فرما۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا اور آخرت کا بہتر ثواب عطا کیا اور اللہ تعالیٰ نیکوں کو پسند کرتے ہیں۔'' (آل عمران۔۱۴۷،۱۴۸)

(5) جنگ بدر میں حضور ﷺ اور صحابہ ؓ نے دعا کی:۔ جب تم اپنے رب سے دعا کرتے تھے، پس اس نے تمہاری دعا قبول کر لی کہ میں ایک ہزار پے در پے فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کروں گا۔ (الانفال۔۹)
اس آیت میں روز روشن کی طرح یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ دعا نصرت الٰہی کا سبب ہے۔

(6) حضرت یونسؑ کی دعا:۔ مچھلی والے (حضرت یونسؑ) کو یاد کرو! جبکہ وہ غصہ سے چل دیا اور خیال کیا کہ ہم اسے نہ پکڑ سکیں گے۔ بالآخر وہ اندھیروں کے اندر سے پکار اٹھا کہ الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک

ہے، بے شک میں ظالموں میں ہو گیا، تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات دے دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچالیا کرتے ہیں۔(الانبیاء۔۸۷،۸۸)

اس آیت میں بھی بہت سے پہلوؤں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعا نہایت پر تاثیر اور نصرت الٰہی کے لئے مرکزی سبب ہے۔اور اگر حضرت یونسؑ دعا نہ کرتے تو تا قیامت مچھلی کے پیٹ میں رہتے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

''اگر وہ (یونس) تسبیح کرنے والا نہ ہوتا تو تا قیامت اس (مچھلی) کے پیٹ میں ٹھہرا رہتا۔''(الصافات۔۱۴۳،۱۴۴)

(7) حضرت یوسفؑ کی دعا:۔ ''یوسف نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! جس بات کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں، اس سے تو مجھے جیل خانہ بہت پسند ہے، اگر تو نے مجھ سے ان کا فنِ فریب دور نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور بالکل نادانوں سے جا ملوں گا۔اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی اور ان عورتوں کے داؤ پیچ اس سے پھیر دیئے۔یقیناً وہ سننے والا جاننے والا ہے۔''(یوسف۔۳۳،۳۴)

اس آیت میں بھی دعا کی تاثیر پر بڑی صراحت سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

(8) حضرت زکریاؑ کی دعا:۔ ''وہاں زکریاؑ نے اپنے رب سے دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے اپنی جناب سے صالح اولاد عطا فرما۔ بلاشبہ تو دعا سننے والا ہے۔پس فرشتوں نے اسے آواز دی جبکہ وہ (زکریاؑ) محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ تجھے یحییٰ (بیٹے) کی خوشخبری دیتے ہیں۔''(آل عمران۔۳۸،۳۹)

''یہ ہے تیرے پروردگار کی اس مہربانی کا ذکر جو اس نے اپنے بندے زکریاؑ پر کی تھی جبکہ اس نے اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی تھی۔''(مریم۔۲،۳) اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضرت زکریاؑ کو اللہ کی رحمت اس وقت حاصل ہوئی جب انہوں نے اللہ کے حضور دست دعا بلند کئے تھے جیسا کہ دوسری آیات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ

''(زکریاؑ نے کہا) لیکن میں کبھی بھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا۔''(ایضاً۔۴)''اور جب زکریا نے اپنے رب کو پکارا کہ اے رب! مجھے تنہا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہترین وارث ہے۔پس ہم نے اس کی دعا کو قبول کیا......... بلاشبہ وہ نیک کاموں میں مسابقت کرنے والے اور امید اور خوف میں ہم سے دعا کرنے والے ہیں۔''(الانبیاء۔۸۹،۹۰)

(9) حضرت موسیٰؑ کی دعا:۔ ''کہا یا رب! میرا سینہ کھول دے اور میرا کام میرے لئے آسان بنا دے ...... (اللہ تعالیٰ نے کہا) اے موسیٰ! بلاشبہ تیرا سوال پورا ہوا۔''(طٰہٰ۔۲۵،۳۶)

(10) حضرت موسیٰ اور ھارون علیہما السلام کی دعا:۔ ''موسیٰ نے کہا، اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے وزیروں کو زینت اور مال و دولت سے نوازا ہے۔اس دنیا کی زندگی میں، اے ہمارے رب! تا کہ وہ تیرے راستے سے (لوگوں

کو) گمراہ کریں! اے ہمارے رب! ان کے مال تباہ کردے اور ان کے دلوں پر سختی کردے تاکہ وہ دردناک عذاب دیکھنے سے پہلے ایمان نہ لائیں۔ (اللہ تعالیٰ نے) کہا کہ بلاشبہ تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی ہے......'' (یونس۔۸۸،۸۹)

مذکورہ آیات کے بعد تو دعا کے مؤثر سبب ہونے میں شک کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ قرآن مجید سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دعا مصائب و آلام اور عذاب الٰہی سے بچاؤ کا بہت بڑا ہتھیار ہے جبکہ دعا نہ کرنا ان تمام عذابوں کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

''آپ کہہ دیں! تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر اللہ کا عذاب یا قیامت تم پر آن پہنچے .... ہم نے آپ سے پہلے بھی امتوں کی طرف رسول بھیجے، پھر ہم نے انہیں تنگی اور مصیبت میں گرفتار کیا تاکہ وہ گریہ وزاری کرتے۔ پھر کیوں نہ جب ہمارا عذاب آیا تو انہوں نے گریہ وزاری کی؟ لیکن ان کے دل سخت ہوگئے اور شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال مزین کردیئے۔'' (الانعام۔۴۰،۴۳) حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ

(فأخذناهم بالبأساء......) ہم نے انہیں فقروفاقہ اور ''ضرا'' یعنی بیماریوں، مصیبتوں اور تکلیفوں سے جھوڑا تاکہ وہ اللہ سے دعا کرتے، اس کی طرف آہ وزاری کرتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''پس کیوں نہ ایسی حالت میں انہوں نے گریہ وزاری کی'' یعنی جب ہم نے انہیں آزمایا تو وہ ہماری طرف کیوں نہ پلٹ آئے۔ (۱)

یعنی اگر وہ لوگ دعائیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان سے عذاب پھیر دیتے جس طرح حضرت یونسؑ کی قوم سے عذاب ٹال دیا گیا لیکن انہوں نے دعا نہ کی اور عذاب الٰہی سے دوچار ہوئے۔ لہٰذا دعا کا مؤثر ہونا بالکل واضح ہے۔ مذکورہ آیات سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے :۔ ''اگر وہ چاہے تو اس (عذاب) کو تمہاری دعا کی وجہ سے دور کردے۔''

''کہہ دیجیے! اگر تمہاری دعا التجا (پکارنا) نہ ہوتی تو میرا رب تمہاری مطلق پروا نہ کرتا۔ تم تو جھٹلا چکے۔ اب عنقریب اس کی سزا تمہیں چمٹ جانے والی ہوگی۔'' (الفرقان۔۷۷)

اللہ تعالیٰ نے بتوں کی یہ بے بسی بیان کی ہے کہ وہ دعا نہیں سنتے جبکہ اللہ تعالیٰ پکارنے والے کی پکار سنتے ہیں جیسا کہ ابراہیمؑ نے بتوں کے بارے میں کہا : ''کیا جب تم پکارتے ہو تو یہ (بت) تمہاری دعا سنتے ہیں؟'' (الشعراء۔۷۲)

اور اللہ تعالیٰ کا وصف بیان کیا کہ ''بے شک میرا رب دعا کو سننے والا ہے۔'' (الرعد۔۱۴)

اللہ تعالیٰ نے استغفار اور توبہ کو مال و دولت کی فراوانی، بارش کے نزول اور باغ و بہار اور اولاد میں ترقی کا سبب قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔ میں نے کہا کہ اپنے رب سے بخشش مانگو۔ بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا ہے، وہ تم پر موسلادھار بارش

---

(۱) [تفسیر ابن کثیر (۱۳۲/۲)]

برسائے گا، تمہارے مال واولاد میں اضافہ کرے گا اور تمہارے لئے باغات اور دریا بنادے گا۔'' (نوح۔۱۰،۱۲)اے میری قوم! اپنے رب سے بخشش مانگو اور اس کی طرف توبہ کرو، وہ تم پر موسلا دھار مینہ برسائے گا، تمہاری قوت میں اضافہ کردے گا..........۔'' (ھود۔۵۲) اللہ تعالیٰ نے استغفار کو عذاب سے بچنے کا سبب گردانا ہے:

''اور اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہیں دیں گے جبکہ وہ استغفار کرتے رہیں۔'' (الانفال۔۳۳)

لہٰذا ثابت ہوا کہ استغفار، توبہ اور دعا بہت سے دینی و دنیاوی فوائد کے لئے معاون ہیں جبکہ ان اوصاف حمیدہ سے بے رخی بہت سے نقصانات کو دعوت دیتی ہے۔ قرآن مجید شروع سے آخر تک بڑی صراحت سے یہ بات ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات کو اسباب کے ساتھ مربوط کر رکھا ہے اور یہ بات قرآن مجید میں تقریباً ہزار سے زائد مقامات پر بیان ہوئی ہے۔[1] بلکہ ابن قیمؒ ایک جگہ رقمطراز ہیں کہ اگر قرآن وسنت کا تتبع کیا جائے تو بلا مبالغہ دس ہزار سے زائد مقامات پر یہ بات دکھائی دے گی۔[2]

احادیث میں غور وفکر کیا جائے تو دو بنیادی باتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ نبی کریم ﷺ سے دعا مانگنا ثابت ہے اور دوسرا یہ کہ آپ ﷺ نے لوگوں کو دعا مانگنے کی بڑی رغبت دلائی ہے۔ امام کتانیؒ نے اپنے رسالے میں ان دونوں باتوں کے ثبوت پر متواتر کا حکم لگایا ہے۔ بغرض اختصار ہم چند ایک احادیث سے استشہاد کئے چلتے ہیں:۔

✿ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر نبی کے لئے ایک دعا ہے جو اس نے اپنی امت کے لئے کر لی جبکہ میں نے اپنی وہ (مخصوص) دعا اپنی امت کی شفاعت کے لئے محفوظ رکھی ہے۔'' ایک روایت میں ہے کہ ''ہر نبی نے ایک ایسی دعا مانگی جو اللہ نے ضرور قبول کی جبکہ میں نے اپنی دعا روز قیامت اپنی کسی شفاعت کے لئے محفوظ کر رکھی ہے۔''[3]

✿ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ! مویشی، مال ہلاک ہو گئے، اہل وعیال فاقہ میں مبتلا ہیں، راستے منقطع ہیں لہٰذا آپ اللہ سے بارش کی دعا کریں چنانچہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ ایک روایت میں ہے کہ

''اللہ کی قسم! آسمان پر ایک بدلی بھی نہ تھی لیکن آپ ﷺ کے ہاتھ اٹھاتے ہی پہاڑوں کی طرح بادل چھا گئے اور آپ ﷺ منبر سے اترے بھی نہ تھے کہ آپ ﷺ کی داڑھی سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ پس ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک

(۱) [الجواب الکافی (۱٦)]

(۲) [شفاء العلیل (۳۹۷)]

(۳) [بخاری (٦۳۰۵) مسلم (۲۰۰)]

ہم پر بارش ہوتی رہی۔ پھر آئندہ جمعہ وہی آدمی یا کوئی اور آیا اور کہنے لگا کہ گھر تباہ ہونے لگے اور راستے کٹ گئے ہیں لہٰذا اب بارش کے بند ہونے کی دعا کریں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور کہا کہ یا اللہ! ہمارے اردگرد بارش برسا۔ ہم پر بارش نہ برسا اور آپ اپنے ہاتھ سے جس بادل کو اشارہ کرتے وہی دور ہو جاتا۔''(۱)

✿ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ رب العزت ہر رات آسمان دنیا پر اس وقت نزول فرماتے ہیں جب آخری تہائی رات باقی ہوتی ہے اور کہتے ہیں'' ہے کوئی جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا سنوں؟ ہے کوئی جو مجھ سے سوال کرے، میں اسے عطا کروں؟ ہے کوئی جو مجھ سے بخشش طلب کرے، میں اسے بخش دوں؟''(۲)

دعا کے مؤثر ہونے پر فطری دلائل: ۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ ناز و نعم اور آسائش و کشائش میں رب بھولنے لگتا ہے اور جب حالات سخت ہوتے ہیں تو رب یاد آنے لگتا ہے اور فطرت اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ خلوص دل سے اللہ تعالیٰ سے دعا اور فریاد کی جائے کیونکہ وہی بگڑی بنانے والا، دعا قبول کرنے والا، تنگی دور کرنے والا، مصیبت سے بچانے والا اور ہر آفت سے پناہ دینے والا ہے۔ فطرت ایک قوی دلیل اور واضح حجت ہے جسے تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں کیونکہ بڑے سے بڑا ملحد، بے دین اور فاسق بھی حالات کی تنگی اور سختی میں فطرت کا تابع بن کر اللہ کے حضور گریہ زار ہو جاتا ہے اور اس کی طرف ہاتھ اٹھا کر یارب! یارب! کہنے لگتا ہے ورنہ انسان ایسی حالت میں کبھی اللہ کے حضور سر بسجود نہ ہوا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس فطرتی خصلت کو کئی آیات میں بیان کیا ہے مثلاً :۔

☆ ''اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے۔ لیٹے بھی بیٹھے بھی، کھڑے بھی۔ پھر جب ہم اس کی تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے اپنی تکلیف کے لئے جو اسے پہنچی تھی، کبھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ ان حد سے گزرنے والوں کے اعمال کو ان کے لئے اسی طرح خوش نما بنا دیا گیا ہے۔'' (یونس۔۱۲)

☆ ''اور انسان کو جب کبھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خوب رجوع ہو کر اپنے رب کو پکارتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اسے اپنے پاس نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اس سے پہلے جو دعا کرتا تھا، اسے (بالکل) بھول جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے شریک مقرر کرنے لگتا ہے جس سے (اوروں کو بھی) اس کی راہ سے بہکائے۔'' (الزمر۔۸)

☆ ''اور جب ہم انسان پر اپنا انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور کنارہ کش ہو جاتا ہے اور جب اسے مصیبت پڑتی ہے تو بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا بن جاتا ہے۔'' (فصلت۔۵۱)

---

(۱) [بخاری (۹۳۲) مسلم (۸۹۷)]

(۲) [بخاری (۱۱٤٥) مسلم (۷۵۸)]

☆ تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں، سب اس کی دی ہوئی ہیں۔اب بھی جب تمہیں کوئی مصیبت پیش آ جائے تو اس کی طرف نالہ وفریاد کرتے ہو۔'' (النحل۔۵۳)

☆ ''وہ اللہ ایسا ہے کہ تم کو خشکی اور دریا میں چلاتا ہے۔یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور وہ کشتیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ ان سے خوش ہوتے ہیں، ان پر ایک جھونکا سخت ہوا کا آتا ہے اور ہر طرف سے ان پر موجیں اٹھتی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ (بُرے) آ گھرے (اس وقت) سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارتے ہیں کہ اگر تو ہم کو اس سے بچالے تو ہم ضرور شکر گزار بن جائیں گے۔'' (یونس۔۲۲)

☆ ''اور سمندروں میں مصیبت پہنچتے ہی جنہیں تم پکارتے تھے سب گم ہو جاتے ہیں۔صرف اللہ باقی رہ جاتا ہے۔پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو۔اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔'' (الاسراء۔۶۷)

☆ ''اور جب ان پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ (نہایت) خلوص کے ساتھ اعتقاد کر کے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں۔پھر جب وہ (باری تعالیٰ) انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچاتا ہے تو کچھ ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی کرتے ہیں جو بد عہد اور ناشکرے ہوں۔ (لقمٰن۔۳۲)

دعا کے مؤثر ہونے پر عقل سلیم سے دلالت:۔ عقل سلیم جس طرح وجود باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہے، اسی طرح دعا کے مؤثر ہونے پر بھی معترف ہے۔عقلِ سلیم اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو اسباب وعلل کے ساتھ مربوط کر رکھا ہے کہ جب وہ اسباب وعلل موجود ہوں تو وہ اشیا بھی مؤثر کردار ادا کرتی ہیں۔شریعت ایسی باتیں پیش نہیں کرتی کہ جسے عقل سلیم تسلیم نہ کر سکے۔یہ الگ بات ہے کہ بسا اوقات عقل ان اشیا کی کنہ وحقیقت تک رسائی میں تدراک سے قاصر رہتی ہے بلکہ عقل تو بہت سے محسوسات کے ''کما حقہ'' ادراک سے عاجز ہو جاتی ہے تو پھر غیر محسوس چیزوں کے بارے میں کیا خیال ہے![1] عقل اس بات کا مشاہدہ کرتی رہی ہے کہ اکثر و بیشتر دعا کے ساتھ کرب ومصیبت دور ہو جاتی ہے۔پھر بارہا ایسا ہی ہوتا ہے تو عقل اس سبب کی تاثیر پر حکم لگا کر اس کی تصدیق کر دیتی ہے۔

تاریخی واقعات سے دلالت:۔ تاریخی طور پر اس حقیقت سے مفر نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے عاجز ولاچار بندوں کی مشکلات، تکلیفات اور مصائب وآلام ان کی دعاؤں، آہ وبکاؤں اور گریہ زاریوں کے سبب دور کرتے رہے ہیں۔بطور امثلہ چند ایک درج ذیل ہیں:۔

(۱) قرآن مجید میں انبیا ورسل مثلاً حضرت نوح، ابراہیم، ایوب، یونس علیہم السلام وغیرہ کی دعاؤں کی قبولیت کا

---

(۱) [درء تعارض العقل والنقل (۳۲۷/۷) الفتاوی (۳۳۹/۳) شرح طحاویة (۳۹۰)]

تذکرہ موجود ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ہم تفصیلی روشنی ڈال چکے ہیں۔

(۲) غار والوں کی دعا اور پھر غار سے نجات کا واقعہ تو زبان زد عام ہے۔(۱)

(۳) اویس قرنی ؒ کا واقعہ بھی احادیث میں موجود ہے جن کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا ''یمن سے اویس نامی ایک آدمی تمہارے پاس آئے گا، وہاں صرف اس کی اکیلی ماں ہے اور اویس کو کچھ سفیدی ہوگی لیکن وہ اللہ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں عافیت دیں گے البتہ ایک درہم برابر (نشانی) باقی رہے گی لہٰذا تم میں سے جو شخص اسے ملے، وہ اپنے لئے اس سے دعائے مغفرت کروائے۔''(۲)

(۴) جریج راہب کا واقعہ بھی خاصا مشہور ہے کہ جب ان پر تہمت لگی تو انہوں نے نماز پڑھ کر دعا مانگی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نومولود بچے کے ذریعے ان کی براءت فرمائی۔(۳)

(۵) کتب تواریخ سے اس طرح کے بیشتر واقعات پیش کئے جاسکتے ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

آسمانوں اور زمین میں جو کوئی ہے وہ اسی (اللہ) سے سوال کرتا ہے۔'' (الرحمٰن۔۲۹)

اسی طرح مذکورہ موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں دعا اور اس کی قبولیت کے بیسیوں واقعات نقل کئے گئے ہیں جنہیں رد کرنا آسمان پر تھوکنے کے مترادف ہے بقول شاعر ؎

ولیس یصح فی الأذھان شئ اذا احتاج النھار الی دلیل

''جب دن کے دن ہونے کی بھی دلیل مانگی جائے تو سمجھ لو کہ عقل کو ہسپتال داخل کروانے کی ضرورت ہے!''

امتوں کے تجربات سے دلالت:۔ دنیا میں بسنے والی مختلف اقوام وملل کا ازل سے یہ تجربہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تقرب، رضا وخوشنودی، اس کے حضور گریہ وزاری وغیرہ ایسے اسباب ہیں جو بڑے سے بڑے نفع کے پیش خیمہ بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی مخلوق پر احسان ایسے ذرائع ہیں جن سے رحمت باری جوش میں آتی ہے اور اسے ہر خاص وعام بلا استثنا ہمیشہ سے تسلیم کرتا آیا ہے کیونکہ یہ تجربے سے ثابت ہے۔ شاہ ولی اللہؒ مشرکین کے مسلمہ اصول ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ......... ''یہ لوگ اپنے بزرگوں اور فرشتوں کو اس لئے پکارتے تھے کہ یہ دعا کو کسی نہ کسی طرح مؤثر سمجھتے تھے لیکن ان کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ جس طرح بادشاہ تک رسائی کے لئے وزیروں، مشیروں کی سفارش ضروری ہے، اسی طرح اللہ تک رسائی کے لئے ولیوں اور فرشتوں کی سفارش ضروری

---

(۱) [بخاری (۲۲۱۵) مسلم (۲۷۴۳)]

(۲) مسلم (۲۵۴۲)

(۳) [بخاری (۳۴۳۶) مسلم (۲۵۵۰)]

ہے۔''[1] مشرکین دعا کے مؤثر ہونے پر اعتقاد رکھتے تھے۔اس کے لئے ہم صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں :۔

(ا) ''بیت اللہ میں مشرکین مکہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی پیٹھ پر بحالت سجدہ اونٹ کی اوجھ ڈال دی، نماز کے بعد آپ ﷺ نے ان کے خلاف تین مرتبہ بددعا کی۔ جب قریش نے بددعا سنی تو مارے ڈر کے خاموش ہوگئے۔'' ایک روایت میں ہے کہ ''انہیں علم تھا کہ اس شہر میں کی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے۔'' ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک مکہ مستجاب الدعوات شہر تھا۔[2] حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ''ممکن ہے یہ اعتقاد شریعت ابراہیمی میں سے ہو جو ان کے پاس محفوظ رہا۔''[3]

(ب) جب حضرت خبیب کو کافروں نے قتل کیا تو انہوں نے قتل سے پہلے دو رکعت نماز ادا کی اور یہ دعا مانگی کہ ''یا اللہ ان (کافروں) کو گن لے، ان سب کو الگ الگ قتل کر اور ان میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ چھوڑ۔'' ابوسفیان نے یہ دعا سن کر اپنے بیٹے معاویہ کو زمین پر لٹا دیا مبادا کہ وہ بددعا کا شکار نہ ہو کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ جس آدمی پر بددعا کی جائے اور وہ پہلو کے بل زمین پر لیٹ جائے تو بددعا نہیں لگتی۔[4]

حس و مشاہدہ سے دلالت :۔ روزمرہ کے مشاہدے سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جب کوئی دکھوں، تکلیفوں کا مارا اللہ کے حضور پوری عاجزی کے ساتھ دعا مانگنے کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ خالی نہیں لوٹاتے اور ہر انسان کے ذاتی مشاہدے میں بیسیوں مرتبہ یہ عمل گزرا ہوگا لیکن چونکہ انسان جھگڑالو ہے، اس لئے وہ اس دلیل کو قبول کرنے سے گریز کرتا ہے ...... بہر حال اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا ہی کی جاسکتی ہے۔

گذشتہ مباحث کی روشنی میں پورے وثوق سے یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ دعا جلب منفعت اور دفع مضرت کا ایک مؤثر ہتھیار ہے جس سے کوئی بھی سلیم العقل انکار نہیں کرسکتا اور دعا اور تقدیر میں بھی منافات نہیں بلکہ دعا بھی تقدیر میں پہلے سے طے شدہ ہوتی ہے۔کوئی بندہ اس شک میں مبتلا نہ ہو کہ دعا اللہ تعالیٰ میں اثر کر جاتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تو مقدس ذات ہے۔البتہ دعا حصول مطلوب میں مؤثر کردار ادا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو دعا کی توفیق اور سہولت عطا کر دیتے ہیں اور تمام رکاوٹیں ہٹا دیتے ہیں چنانچہ بندے کی دعا فوراً قبول کر لی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے پر لطف وکرم کا ارادہ کر لیتے ہیں، اسے دعا مانگنے کا اسی طرح الہام کر دیتے ہیں جس طرح بھوکے کو کھانے کا اور پیاسے کو پینے کا الہام کرتے ہیں۔ جسے معاف کرنا چاہتے ہیں، اسے توبہ کا اور جسے جنت میں داخل کرنا چاہتے

---

(١) [حجته الله البالغة (١٢٥/١)]

(٢) [بخاری (٢٢٠) مسلم (١٧٩٤)]

(٣) فتح الباری (٣٥١/١)]

(٤) [بخاری (٣٧٩/٧) سیرت ابن ھشام (١٧٣/٣) فتح الباری (٣٨٣/٧)]

ہیں، اسے نیک عمل کا الہام وتوفیق بخش دیتے ہیں۔ دعا ایسے ہی ایک مؤثر سبب ہے جس طرح اولاد کے لئے جماع مؤثر سبب ہے یا علم کے لئے تعلیم ایک سبب ہے۔ ابو حازم اعرج کا کہنا ہے کہ ''مجھے دعا کرنے سے محروم کیا جانا اس بات سے گراں گزرتا ہے کہ دعا کی قبولیت سے مجھے محروم کیا جائے۔''(۱) تمام معاملات کا آغاز اور انجام کار صرف اللہ تعالیٰ کے حکم وتدبیر کا مرہون منت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

☆ ''وہ آسمان سے معاملات کی تدبیر کرکے زمین کی طرف (نازل) کرتا ہے۔ پھر وہ (معاملہ) اسی کی طرف پہنچتا ہے۔ ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ہزار سال کے برابر ہے۔'' (السجدہ۔۵)

مطرف بن عبداللہؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ ''میں نے اس معاملے میں غور وخوض کیا تو معلوم ہو کہ ہر امر کی ابتدا وانتہا من جانب اللہ ہے اور اس کی بنیاد دعا ہے۔''(۲) ابن عمر رضی اللہ عنہما حدیث مرفوع ذکر کرتے ہیں کہ ''جس کے لئے دعا کا دروازہ کھول دیا جائے، اس کے لئے درحقیقت رحمت کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔''(۳)

مذکورہ بحث کتاب وسنت کے اصول اور تقدیر کے موافق ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کے خالق ہیں۔ اگر اللہ چاہیں تو کچھ ہوتا ہے، اگر اللہ نہ چاہیں تو کچھ ممکن نہیں جبکہ قدریہ نے بندے کو تمام افعال کا خالق بنا دیا اور اللہ کی مشیت کو پس پشت ڈال دیا یعنی بندہ جو کچھ چاہے، صرف وہی ہوسکتا ہے اگرچہ قدریہ نے یہ دعوی اس لیے کیا کہ ان کے نزدیک بندے کا تقدیر کا پابند ہونا ظلم تھا اور وہ اس ظلم سے بچانے کے لئے اس سے بھی بڑے ظلم اور قباحت کی نظر ہو گئے (کہ اللہ کو معطل کر بیٹھے) بلکہ جو کوئی بھی کتاب وسنت سے تجاوز کی راہ اختیار کرے گا، اس کا انجام یہی ہوگا۔ جس طرح معطلہ نے اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی صفات کی مشابہت سے بچانے کی کوشش کی تو معدوم کی صفات کی مشابہت میں گرفتار ہوئے چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ سب لوگ ایک چیز سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس جیسی کسی دوسری چیز یا اس سے بھی شنیع اور قبیح میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور تحریف وتاویل کا گناہ الگ سے وصول کرتے ہیں۔''(۴) گمراہی سے بچنے کے لئے بہر صورت کتاب وسنت اور منہج سلف کو اہمیت دینا ہوگی اور کتاب وسنت کے جو مفاہیم ائمہ سلف نے اختیار کئے، انہی کو ترجیح دینے میں ہی نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر گامزن فرمائے۔ (آمین)

❊ ❊ ❊

---

(۱) الرسالة القشيرية (٢/٥٢٧۔ ٥٣٤)]

(۲) [شرح اصول الاعتقاد (١٢٥٧)]

(۳) [ترمذی (٣٥٤٨) ضعیف فتح الباری (١١/١٤١) حاکم (١/١٤٩٠)]

(٤) [الفتاوی (١٤/٣٨٣)]

فصل ثالث

مبحث اول

علما کے اقوال، حکم دعا کے بارے میں

دعا مانگنے کا کیا حکم ہے؟ اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے تو واجب کہا ہے بعض نے مستحب اور بعض نے کچھ اور حکم لگایا ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

(1) دعا مانگنا واجب بلکہ سب واجبات سے ضروری اور سب فرائض سے اہم ہے۔[1] ان کے چند ایک دلائل درج ذیل ہیں:۔

(۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے ''تمہارے رب نے کہا کہ مجھے پکارو۔ میں تمہاری پکار قبول کرتا ہوں۔ یقیناً جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔'' (غافر۔۶۰)

(ا) اس آیت میں دعا مانگنے کا حکم (امر) دیا گیا ہے اور حکم وجوب کے لئے ہوتا ہے جبکہ وجوب سے پھیرنے والا کوئی قرینہ بھی نہیں۔

(ب) دعا کو چھوڑنا تکبر اور کفر ہے جس سے اجتناب بہر صورت ضروری ہے۔

(۲) ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اور اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو۔'' (النساء۔۳۲) اس آیت میں بھی صیغہ امر ہے جبکہ قرینہ صارفہ بھی معدوم ہے۔

(۳) ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ ''اپنے رب کو عاجزی اور پوشیدگی سے پکارو۔ یقیناً وہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (الاعراف۔۵۵) اس میں بھی دعا کا حکم دیا گیا ہے جس پر عمل کرنا فرض ہے۔

(۴) ''اللہ سے رزق مانگو اور اسی کی عبادت کرو۔'' (العنکبوت۔۱۷) اس آیت میں بھی رزق مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا ہر امر میں اللہ تعالیٰ سے دعا اور فریاد ضروری ہے۔

(۵) حدیث نبوی ﷺ ہے۔ ''جو اللہ سے سوال نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوتے ہیں۔''[2]

اس حدیث میں دعا مانگنے کے وجوب کی پوری صراحت مذکور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اسی چیز کے ترک کرنے پر غضبناک ہوتے ہیں جو واجب ہو۔[3] امام شوکانیؒ دعا کے وجوب کے قائل ہیں اور امام زرکشی نے بھی بعض ائمہ سے دعا کی

---

(۱) [تحفة الذاکرین (ص۱۲۸)]

(۲) [ترمذی (۳۳۷۳) ابن ماجة (۳۸۲۷) احمد (۴۴۲/۲) حاکم (۴۹۱/۱) فتح الباری (۹۵/۱۱) ابن کثیر (۸۵/٤) صحیح ابن ماجة (۳۰۸۵)]

(۳) [جلاء الافهام (۲۱۳)]

وجوبیت کو نقل کیا ہے[۱] امام خطابیؒ نے بھی دعا کے وجوب پر کلام کیا ہے مگر ان کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دعا نہ مانگنے والوں کے مقابلے میں دعا مانگنے کو مؤکد اور مستحب گردانتے ہیں۔[۲] امام ابن قیمؒ نے بھی دعا کی بعض صورتوں کو واجب کہا ہے۔ تفصیل آگے ملاحظہ ہو۔

(2) بعض علماء نے دعا کو مستحب کہا ہے جیسا کہ امام نوویؒ نے اسے جمہور علماء کا مذہب قرار دیا ہے کہ "یاد رکھو کہ فقہاء، محدثین اور ہر طائفہ کے جمہور علما کا سلف وخلف میں یہی مذہب رہا ہے کہ دعا مستحب ہے اور یہی مختار مذہب ہے۔"[۳] اس مذہب کے قائلین کے دلائل بھی وہی ہیں جو ابھی ذکر ہوئے ہیں البتہ یہ امر کو استحباب پر محمول کرتے ہیں۔ یہی مذہب صحیح ہے جیسا کہ تفصیل اپنی جگہ آ رہی ہے۔

(3) کچھ علماء کے نزدیک پہلے گروہ کے بالکل برعکس دعا نہ کرنا اور تقدیر پر صابر وشاکر رہنا ہی بہتر ہے۔[٤]

(4) ایک گروہ کا کہنا ہے کہ زبان سے دعا کی جائے اور دل سے تقدیر پر رضامندی رکھی جائے۔[٥]

(5) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بسا اوقات دعا مانگنا اور بسا اوقات نہ مانگنا ہی افضل ہے اور دعا کا فیصلہ حالات و اوقات کے مطابق ہوگا۔ مثلاً :

(۱) جس چیز میں مسلمانوں کا حصہ ہو اور وہ اللہ کے ذمے ہو تو اس کے لئے دعا مانگنا افضل ہے لیکن اگر صرف ایک نفس کے لئے فائدہ ہو تو پھر سکوت ہی بہتر ہے۔

(۲) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر دل دعا کی طرف اشارہ کرے تو دعا کر لی جائے اور اگر سکوت پر اشارہ کرے تو سکوت ہی بہتر ہے۔ امام قشیری کا یہ نکتہ نظر ہے جس کی حافظ ابن حجرؒ نے تردید کی ہے۔

(۳) دعا صرف اطاعت کے حصول اور خوف سے بچاؤ کے لئے مانگی جائے۔ اگر اس کے سوا کسی مقصد کے لئے دعا مانگی تو وہ حد رضا سے متجاوز ہے۔ یعنی دنیاوی معاملات کے لئے دعا نہ مانگی جائے۔

یہ اقوال صوفیاء سے منقول ہیں جن کا مناقشہ بعد میں پیش کیا جائے گا۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ایک مریضہ کا ذکر ہے جسے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "اگر تو اس (مصیبت) پر صبر کرے تو تیرے لئے جنت ہے اور اگر تو چاہے تو

---

(۱) [تحفة الذاكرين (۲۸) الازهية (۳۳)]

(۲) [شان الدعا (۸)]

(۳) [الأذكار (۳۵۳) شرح مسلم (۳۰/۱۷)]

(٤) [الرسالة القشيرية (۵۲۷/۲)]

(٥) [ايضا]

میں تیرے لئے اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے عافیت بخشے تو وہ عورت کہنے لگی کہ میں صبر کروں گی البتہ دورہ پڑنے پر میرا ستر کھل جاتا ہے۔آپ یہ دعا کر دیں کہ میرا ستر نہ کھلے تو نبی کریم ﷺ نے اس کے لئے دعا کر دی۔"[1]

اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قبا والوں نے نبی کریم ﷺ سے بخار کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہتے ہو کہ میں اللہ سے تمہارے لئے دعا کردوں تا کہ وہ تم سے تکلیف دور کر دے اور اگر چاہتے ہو تو یہ (بخار) تمہارے لئے (گناہوں سے) باعث طہارت بن جائے؟ وہ کہنے لگے اے اللہ کے رسول! کیا بخار ایسا کر سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں! تو کہنے لگے، پھر دعا نہ کیجئے۔"[2] اسی طرح اس حدیث سے بھی استشہاد کرتے ہیں کہ "جسے میرے ذکر نے دعا کرنے سے مشغول رکھا، اسے میں دعا کرنے والوں سے بڑھ کر عطا کروں گا۔"[3]

گذشتہ مباحث کا مناقشہ:۔ دعا کو واجب کہنے والوں کی پہلی دلیل یہ آیت ہے ﴿وقال ربکم ادعونی استجب لکم﴾ اس آیت میں دعا (ادعونی) بمعنی عبادت ہے لہٰذا یہ دعائے عبادت کا بیان ہے۔دعائے حاجت (سوال) کا نہیں کیونکہ اس آیت ہی میں یہ وضاحت ہے کہ "جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں...." یعنی دعا کو عبادت سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ بھی امکان ہے کہ دعا بمعنی دعائے عبادت اور حاجت دونوں پر محمول ہو اور قبولیت کا دارومدار پکارنے اور دعا کرنے کی شرط سے مشروط ہو اور آیت کے آخر میں جو وعید ہے، یہ اس شخص کے لئے ہے جو ازراہ تکبر دعا کرنا ہی چھوڑ دے۔ کچھ لوگوں نے دعا کو ترک گناہ پر محمول کیا ہے اور یہ قول شاذ ہے۔لہٰذا اس آیت میں مختلف احتمالات کی وجہ سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔اسی طرح دعا کے وجوب پر جو دوسری آیات سے استشہاد کیا گیا ہے، ان کا معنی یہ ہے کہ دعا خالصۃً اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے اور شرک کی آمیزش سے اجتناب کیا جائے۔علمائے سلف میں سے کوئی بھی دعا کے محض وجوب پر قائل نہیں۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ "اکیلے فرد پر بنیادی طور پر دعا واجب نہیں البتہ ذکر وثناء کے دوران فاتحہ کی طرح دعا واجب ہے۔تشہد کے بعد کی جانے والی دعا میں اختلاف ہے بہر حال دعا محض واجب نہیں۔"[4] صوفیاء اور ان کے معتقدین کے نزدیک تو دعا کرنا تقدیر کے منافی ہے اور دعا تقدیر میں کوئی رد و بدل نہیں کر سکتی اس لئے صرف تقدیر پر صبر وشکر کیا جائے۔ یہی رضا ہے جیسا کہ کسی صوفی کا قول ہے کہ "اللہ کی رضا (کا حصول) یہ ہے کہ اس سے جنت کا

---

(۱) [بخاری (۵۶۵۲) مسلم (۲۵۷۶)]

(۲) [احمد (۳/۳۱۶)ابو یعلیٰ (۳/۴۰۸) حاکم (۱/۷۳)]

(۳) [ترمذی (۲۹۲۶) دارمی (۱۳۵۹) السلسلة الضعيفة (۴/۵۰۹)]

(۴) [الفتاوی (۲۲/۳۸۱)]

سوال کیا جائے نہ جہنم سے پناہ مانگی جائے۔"(۱)

اور ایک قول یہ منقول ہے کہ "رضا یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ داہنی جانب جہنم کر دیں تو اس کے بائیں جانب کروانے کا مطالبہ بھی نہ کیا جائے۔" (۲) نیز "توکل علی اللہ کی حقیقت وہی ہے جو حضرت ابراہیمؑ پر واضح ہوئی جبکہ جبریلؑ نے ان کے لئے کہا کہ ان کا نفس اللہ کے ساتھ اس طرح متصل ہو چکا ہے کہ وہ اللہ کا غیر معلوم ہی نہیں ہوتے۔" اور ابراہیمؑ کا یہ قول تھا کہ "جب اللہ میرا حال جانتا ہے تو پھر اس سے دعا کرنے کی ضرورت نہیں۔"(۳) ابن ابی جمرۃ نے اسی موقف کی تائید میں یہ نکتہ بھی اجاگر کیا کہ نبی ﷺ نے دعائے استسقا اس وقت کی جب لوگوں نے آپ سے مطالبہ کیا اور آپ ﷺ نے دعائے استسقا اسی لئے مؤخر رکھی کہ دعا نہ کرنا ہی افضل تھا۔"

شیخ ابن بازؒ نے اس کی تردید فرمائی ہے کہ "اس دعوے میں نظر ہے اور درست بات یہی ہے کہ اسباب کو اختیار کرنا، دعا مانگنا اور مصائب میں اللہ سے مدد طلب کرنا ہی افضل ہے اور سیرت نبوی ﷺ اور عمل صحابہ رضی اللہ عنہم اسی پر شاہد ہیں البتہ مذکورہ دعا میں کسی سبب کی بناء پر دعا میں تاخیر کی ہوگی اور جب آپ کی توجہ دعا کی طرف کروائی گئی تو آپ ﷺ نے بلا تاخیر دعا کی اور یہ سب کچھ باذن اللہ تھا کیونکہ آپ کا فرمان تو وحی پر مبنی ہوتا ہے۔"(۴) مریضہ عورت اور انصار سے متعلق حدیث کا یہ جواب ممکن ہے کہ ان لوگوں میں بے صبری تھی اور آپ ﷺ نے صبر کی خو ڈالنے کے لئے انہیں دعا نہ کروانے پر ترغیب دلائی جسے انہوں نے قبول کر لیا۔ زرکشیؒ اور زبیدیؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ صوفیاء کے مذکورہ نکتہ نظر سے درج ذیل خرابیاں در آتی ہیں:۔

(1) اللہ تعالیٰ نے بیشتر مقامات پر دعا مانگنے کا حکم دیا ہے اور اسے عبادت قرار دیا ہے لیکن اگر دعا نہ مانگی جائے تو حکم الٰہی کی خلاف ورزی لازم آتی ہے! دعا مانگنے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی شرط بھی عائد نہیں کی بلکہ فرمایا "اللہ سے اس کا فضل مانگو۔" (النساء۔۳۲) اور یہ کہنا کہ قلبی اشارہ اگر اجازت دے تو دعا مانگی جائے ورنہ نہیں تو کیا پتہ شیطان وساوس پیدا کر کے دعا سے محروم رکھے بلکہ اکثر و بیشتر شیطان قلب میں وسواس پیدا کئے رکھتا ہے اور دعا مانگنے کا اشارہ تو شاذ و نادر ہی کسی دل میں پیدا ہوتا ہوگا۔ علاوہ ازیں نبی کریم ﷺ کا دعا مانگنا تواتر سے ثابت ہے اور اگر دعا نہ مانگی جائے تو اسوۂ رسول ﷺ کی بھی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ صوفیاء کے بنیادی شبہات دو ہیں۔

---

(۱) [الرسالة القشيرية (۱/٤٢٤)]

(۲) [الرساله القشيرية (۱/٤٢٤)]

(۳) [ايضا]

(٤) [حاشيه فتح الباری (۲/٥٠٧)]

(۱) عالم کائنات کی تمام تدابیر پر رضامندی کا اظہار کر لیا جائے تا کہ اللہ تعالیٰ کے تکوینی احکامات پر رضامندی کے ذریعے اللہ کی رضامندی تک رسائی حاصل ہو سکے۔

(۲) صوفیاء نے واجب اور مستحب دعاؤں میں تفریق کو بھی مدنظر نہیں رکھا۔

یہ دونوں شبہات محض غلط ہیں کیونکہ اللہ کی رضامندی تو اس میں ہے کہ جس چیز کے بجالانے کا اللہ حکم دے، اس پر عمل کیا جائے اور جس سے منع کر دے، اس سے اجتناب کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا قطعاً حکم نہیں دیا کہ کائنات میں جو کچھ حوادثات وقوع پذیر ہوتے رہیں، ان پر سرِ تسلیم خم ہی رکھا جائے بلکہ بہت سے امور جن کا ظہور ہمارے سامنے ہے، کو اللہ تعالیٰ نے بالکل پسند نہیں کیا۔ اس لئے اللہ کی محبت اور ولایت اسی صورت ممکن ہے کہ ان چیزوں کو پسند کیا جائے جنہیں اللہ نے پسند کیا ہے اور ان سے بغض رکھا جائے جن سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتے ہیں۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ نے کسی مقام پر دعا کا حکم دیا ہے تو وہاں دعا کے ذریعے ہی اللہ کی رضامندی حاصل کی جا سکتی ہے۔

''اللہ کی قضا و قدر تو اللہ کا ایسا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے البتہ مقضی و مقدور (جس کا فیصلہ کیا گیا) اللہ سے جدا چیز ہے لہٰذا قضا و قدر تو عین عدل پر مبنی ہے اور اس پر ہم راضی ہیں البتہ مقدور کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جسے پسند کیا گیا ہے اور دوسرے کو پسند نہیں کیا گیا۔''[۱] ان لوگوں کو علم ہی نہیں کہ دعا، توکل اور علاج وغیرہ تو ایسے اسباب ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مشروع قرار دیا ہے اور انہیں اختیار کرنا عین اللہ کے حکم و قضا سے ہے اس لئے کہ دوا بیماری کا اور خوراک بھوک کا مداوا کرتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ایسی خلقت تخلیق کر دیتے جسے ان ضروریات کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔''[۲] (جس طرح فرشتے ہیں)

حاصل کلام یہ ہے کہ دعا تقدیر و توکل کے منافی نہیں البتہ یہ تقدیر کے منافی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے محاکمانہ انداز میں دعا کرے اور اسے علم بھی نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس انداز کو پسند بھی کرتے ہیں یا نہیں یعنی انسان کسی شخص کی ولایت یا مال و دولت یا حاجت براری کی (محاکمانہ اور قطعی انداز سے) دعا کرے تو یہ تقدیر پر رضامندی کے منافی ہے کیونکہ اس بات کا قطعی علم نہیں کہ اللہ کی رضامندی اس امر میں ہے یا نہیں۔[۳]

---

(۱) [شرح الطحاویة (ص۲۲۷) منهاج السنة (۲۰۹/۳)]

(۲) [تلبیس ابلیس (۲۸۷)]

(۳) [مدارج السالکین (۲۳۸/۲)]

مبحث ثانی

راجح مسئلہ

راجح بات یہ ہے کہ دعا کسی وقت واجب ہوتی ہے کبھی مستحب، کبھی مباح، کبھی مکروہ اور کبھی حرام ہوتی ہے۔ یہ پانچوں احکامات اپنے موقع محل کے مطابق ہوتے ہیں اور عام حالات میں دعا مستحب اور مندوب ہوتی ہے جیسا کہ امام نوویؒ اور ابن تیمیہؒ کے اقوال ہیں۔ قرافیؒ فرماتے ہیں کہ ''یاد رکھو کہ دعائے طلب جو بحیثیت ذات اللہ سے مطالبے کا نام ہے، یہ مندوب امر ہے جس میں بندہ اپنی عاجزی اور مسکینی رب کے حضور پیش کرتا ہے اور کبھی ایسے حالات پیش آجاتے ہیں کہ دعا کرنا واجب یا حرام بھی ہو جاتا ہے اور امر حرام تو کبھی کبھی کفر تک لے جاتا ہے۔''[1] شیخ ابن تیمیہؒ کا دعائے مفرد کو واجب نہ کہنا امام قرافی کے قول کی تائید کرتا ہے۔[2] نیز موصوفؒ فرماتے ہیں کہ ''شرع کا قاعدہ یہی ہے کہ دعا اگر واجب یا مستحب ہو تو وہ ایسا پسندیدہ عمل ہے جس پر داعی کو ثواب ملتا ہے اور اگر دعا حرام ہو جیسے دعا میں زیادتی حرام ہے تو اس کے ارتکاب پر گناہ ہوتا ہے۔ اگر مکروہ دعا مانگی جائے تو آدمی کا مرتبہ کم ہوتا ہے اور اگر مستحب دعا مانگی جائے تو اس کا مانگنا اور نہ مانگنا برابر ہے۔''[3] ثابت ہوا کہ دعا میں پانچ احکامات جاری ہوتے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہیں:۔

دعا کا واجب ہونا:۔ واجب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جس پر سب کا اتفاق ہے اور دوسری مختلف فیہ ہے۔ متفق صورت میں دعائے فاتحہ، دعائے توبہ اور استغفار شامل ہیں اور دعائے مختلف فیہ میں تشہد کی آخری دعا، مسجد میں داخل ہونے کی دعا اور نبی ﷺ پر درود پڑھنے کی دعا شامل ہے۔

دعائے فاتحہ:۔ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز میں فاتحہ پڑھنا واجب ہے البتہ مقتدی کا فاتحہ پڑھنے میں اختلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ کو ہر مسلمان پر واجب کیا ہے اور ہر مسلمان دن رات میں تقریباً سترہ (۱۷) مرتبہ فرائض میں اس سورت کی تلاوت کرتا ہے۔ نوافل وغیرہ اس کے ماسوا ہیں۔ نماز سب سے افضل عمل ہے جس کے ذریعے انسان اپنے رب کا تقرب حاصل کرتا ہے۔ ''نماز طیب کلمات اور عمل صالح سے مرکب ہے۔ سب سے افضل کلمات تو قرآن کے ہیں اور سب سے افضل صالح عمل سجدہ ہے۔''[4] قرآن مجید سے سورۃ فاتحہ کی تلاوت ہر نمازی پر

---

(۱) [الفروق (۲۵۹/٤)]

(۲) [الفتاوی (۳۸۱/۲۲)]

(۳) [ایضا (۲۸۹/۱۰)]

(٤) [الفتاوی (٥/١٤)]

فرض ہے جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ ہے ﴿لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب﴾ ''جس (نمازی) نے سورۃ فاتحہ کی قرأت نہ کی، اس کی نماز ہی نہیں۔''(۱)

حضرت ابوہریرۃ حدیث قدسی روایت کرتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے نماز اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر رکھی ہے اور میرے بندے کے لئے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے لہٰذا جب بندہ کہتا ہے کہ ﴿الحمد لله رب العالمين﴾ ''تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری حمد بیان کی اور جب بندہ کہتا ہے ﴿الرحمن الرحيم﴾ تو اللہ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری ثناء بیان کی اور جب بندہ کہتا ہے ﴿مالك يوم الدين﴾ تو اللہ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری عظمت بیان کی اور جب بندہ کہتا ہے ﴿اياك نعبد و اياك نستعين﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لئے ہے جو وہ مانگے۔ پس جب بندہ کہتا ہے ﴿اهدنا الصراط المستقيم... ولا الضالين﴾ تو اللہ فرماتے ہیں یہ میرے بندے کے لئے ہے اور وہ بھی جس کا وہ مجھ سے سوال کرے۔''(۲)

اس حدیث میں لفظ صلوٰۃ کو قرأت کی جگہ استعمال کیا گیا ہے جس طرح اس آیت میں بھی ہے:۔ ﴿ولا تجهر بصلاتك﴾ (الاسراء۔۱۱۰) یعنی اپنی قرأت جہری نہ کرو جیسا کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے۔(۳) جس طرح صلوۃ کہہ کر قرأت مراد لی گئی اسی طرح قرأت کہہ کر صلوۃ مراد لینا بھی ثابت ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے ﴿وقرآن الفجر....﴾ (الاسراء۔۷۸) فجر کی قرأت کے وقت یعنی نماز فجر کے وقت جیسا کہ صحیحین میں مروی ہے کہ اس وقت دن اور رات کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔(٤) لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ نماز میں قرأت (فاتحہ) ایک لازمی اور اہم جزو ہے۔

علاوہ ازیں اس سے سورۃ فاتحہ کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اور بندے کے درمیان تقسیم کیا ہے۔ اسی لئے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ فاتحہ نصف حمد و ثناء اور نصف دعا پر مبنی ہے یعنی اس میں دعائے عبادت اور دعائے استعانت (حاجت) دونوں موجود ہیں اور یہ دونوں قسمیں صرف اور صرف اللہ رب العزت کے ساتھ خاص ہیں۔ اگر کسی اور کے لئے بجالائی جائیں تو شرک ہوگا۔'' اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کر دیا ہے کہ ہم اس سے سرگوشی

---

(۱) [بخاري (٧٥٦) مسلم (٣٩٤)]

(۲) [مسلم (٣٩٥)]

(۳) [بخاري (٤٧٢٢)]

(٤) [ابن كثير ١١/١) بخاري (٦٤٨) مسلم (٦٤٩)]

کریں، اس سے دعا کریں اور ہر نماز میں اس سورۃ کی تلاوت کریں۔ اس سورۃ کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں اور اس سے استعانت طلب کریں اور ہمارا قلب و بدن، ظاہر و باطن اس وجوبی حکم پر عمل پیرا ہو جائے۔''[1]

انسان دعا کا محتاج ہے:۔ انسان ہمیشہ ہدایت کا محتاج رہتا ہے۔ ہر لمحہ اور ہر لحظہ اس بات کا پابند رہتا ہے کہ وہ اللہ کی ہدایت کے مطابق عمل کرے، اس کا حکم بجالائے، منہیات سے باز رہے لیکن کسی حکم پر عمل پیرا ہونے یا اجتناب کرنے سے پہلے ہدایت الٰہی اور امر الٰہی کا حصول ضروری ہے وگرنہ وہ عمل ضلالت میں تبدیل ہوسکتا ہے اس لئے ہمہ وقت حصولِ ہدایت کی دعا ضروری ہے اور اگر بندہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے تو وہ کامیاب ہوسکتا ہے مگر اسلام لانے کے باوجود ہدایت پر ثابت قدمی اور صراط مستقیم پر گامزنی ضروری ہے اور اس کا حصول ہدایتِ خداوندی کا مرہون منت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان کے بعد اپنے حبیب سے فرمایا ''اور وہی (خدا) آپ کو صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔'' (الفتح۔۲) جب خاتم النبیین بھی ہمہ وقت ہدایتِ خداوندی کے محتاج ہیں تو کسی اور کے لئے اللہ کی ہدایت کس قدر ضروری ہوگی؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ھارون علیہما السلام کے متعلق فرمایا ''ہم نے ان دونوں کو واضح کتاب بخشی اور ہم نے ہی انہیں سیدھے راستے کی ہدایت سے نوازا۔'' (الصافات۔۱۱۷، ۱۱۸)

مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے اور آخری رسول ہیں، قرآن بھی حق ہے مگر اس کے باوجود ان میں اعتقادی اور عملی بے شمار اختلافات موجود ہیں اور اگر یہ بھی صراط مستقیم پر گامزن ہوتے تو اس اختلاف کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اس لئے مسلمانوں کی اکثریت اس وقت صراط مستقیم سے دور ہے اور اگر وہ صراط مستقیم کی ہدایت پالیں تو پھر کتاب و سنت سے سرمو انحراف نہ کریں۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازتے ہوئے اپنا دوست بنایا، وہ اپنی ہر نماز میں یہ دعا (سورۃ فاتحہ) کرتے رہے ہیں کہ یا اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا اور مستقبل میں بھی ہدایت کے لئے لوگ دعائے ہدایت کے محتاج رہیں گے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو ہر نماز کے لئے فرض کر دیا ہے اور جب انسان کو ہدایت مل جائے تو رزق و نصرت وغیرہ کا حصول بھی دور نہیں رہتا۔ مال و دولت اور رزق و نصرت کا تعلق انسان کی مادی زندگی سے ہے۔ اگر یہ وسائل میسر نہ ہوں تو زندگی منقطع ہو جاتی ہے جبکہ ہدایت کا تعلق حیات اور حیات بعد الممات سے بھی ہے۔ اگر ہدایت زہے نصیب نہ ہو تو دنیا ہی کیا آخرت بھی برباد ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لئے ہدایت کی ضرورت باقی تمام ضروریات سے بڑھ کر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

''اور جو شخص اللہ سے ڈر جائے، اللہ اس کے لئے نجات کا ذریعہ بنادیں گے اور اسے وہاں سے رزق دیں گے جہاں اس کا

---

(۱) [الفتاوی (۸/۱٤)]

گمان بھی نہ ہوگا۔'' (الطلاق۔۲،۳)

ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص علم کے ساتھ گمراہ ہوا، وہ یہود کے اور جو جہالت کی وجہ سے گمراہ ہوا، وہ نصاری کے مشابہ ہے اور جسے ان دونوں شبہات کا علم ہوگیا تو اس نے اپنی ضرورت کو جان لیا یعنی اسے یہ معلوم ہوگیا کہ دعا سے بڑھ کر کوئی نفع مند چیز نہیں اور اس کی ضرورت تو رزق کی حاجت سے بھی زیادہ ہے کیونکہ رزق مفقود ہونے کی صورت میں انسان صرف زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے لیکن ہدایت نہ ہونے کی صورت میں انسان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بدبختی کو سینے سے لگا لیتا ہے لہٰذا ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت سے نواز دے۔''[1] (آمین)

اس آیت ﴿اهدنا الصراط المستقيم﴾ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مسلمان تو پہلے ہی ہدایت پا چکا ہے لہٰذا اب ہدایت کا سوال چہ معنی دارد؟[2] تو اس کا معنی یہ ہے کہ یا اللہ! اب ہدایت پر ہمیں ثابت قدم رکھ۔ بعض نے اس کا ترجمہ یوں کیا کہ ہمارے دلوں پر ہدایت کو لازم کر دے اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے ہمیں مزید ہدایت بخش۔ لہٰذا ایسا اعتراض وہی شخص کر سکتا ہے جسے صراط مستقیم کا صحیح تصور نہ ہو۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ دعائے فاتحہ سب سے افضل و انفع دعا ہے جو بندہ اپنے رب سے کرتا ہے، اس میں سب سے عظیم، ضروری اور لازمی چیز (ہدایت) کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ ''اور جب انسان کو ہدایت سے بہرہ مند کر دیا جائے تو پھر اسے کسی چیز کی حاجت نہیں رہتی کیونکہ ہدایت میں تمام بھلائیاں داخل اور ہر قسم کا شر خارج ہے۔''[3]

عز بن عبدالسلامؒ فرماتے ہیں کہ ''ہدایت تمام افعال و اقوال اور احوال سے افضل ہے اور ہدایت اللہ کا سب سے عظیم احسان ہے۔''[4] ''اس دعا میں ثناء اور طلب دونوں چیزوں کو احسن صیغوں کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے یعنی فاتحہ میں بندے کو سوال کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ مانگنے سے پہلے اللہ کی حمد و ثناء اور عظمت بیان کی جائے اور یہ سائل کی اعلیٰ ترین خوبی ہے کہ پہلے مسؤل کی تعریف و توصیف کرے۔ پھر اپنی حاجت کا مطالبہ کرے۔ فاتحہ میں عبادت کا بھی تذکرہ ہے اور ان دونوں وسیلوں یعنی اللہ کی اسماء و صفات اور اس کی عبادت کے ذریعے کی جانے والی دعا رائیگاں نہیں ہوتی۔''[5] ثابت ہوا کہ دعائے فاتحہ فرض ہے اور کوئی بھی دعا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

---

(۱) [بدائع الفوائد (۳۲/۲)]

(۲) [تفسیر طبری (۷۲/۱) الفتاوی (۱۰۶/۱۰)]

(۳) [الفتاوی (۴۰/۱۴)]

(۴) [قواعد الاحکام (۱۹۱/۲)]

(۵) [ابن کثیر (۲۶/۱)]

دعائے توبہ واستغفار:۔ علماء کا اتفاق ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنا انسان پر واجب ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

☆ ''اے ایمان والو! اللہ کی طرف سچی توبہ کرو۔'' (التحریم ـ ۸)

☆ ''تم اپنے رب سے بخشش طلب کرو اور اس کی طرف توبہ کرو۔'' (ھود ـ ۳)

☆ ''میں کہتا ہوں کہ تم اپنے رب سے استغفار (تو) کرو۔ بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا ہے۔'' (نوح ـ ۱۰)

ان آیات میں امر کا صیغہ مستعمل ہے جو عدم قرینہ صارفہ کی وجہ سے وجوب پر دلالت کرتا ہے لہٰذا توبہ واستغفار گناہگار پر واجب ہے اور یہ دعا کی ایک قسم ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

ابن قیمؒ درود کے منکر کا مناقشہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ''تمہارا یہ دعوی باطل ہے کہ دعا واجب نہیں بلکہ دعا کی کچھ صورتیں واجب ہیں مثلاً گناہوں سے توبہ واستغفار کی دعا اور ہدایت ومعافی کی دعا وغیرہ۔''[۱] کچھ دعائیں ایسی ہیں جن کے وجوب میں علماء کا اختلاف ہے مثلاً:۔

(۱) نماز کے اخیر میں دعا کرنا: نبی کریم ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس کا حکم دیا کرتے تھے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ہمیں یہ دعا اس طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن کی سورۃ سکھاتے تھے اور آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ''کہو، یا اللہ! ہم جہنم کے عذاب، قبر کے عذاب، مسیح دجال کے فتنے اور زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ پکڑتے ہیں۔''[۲] طاؤسؒ (تابعی) کے نزدیک یہ دعا واجب ہے جیسا کہ امام مسلم اس حدیث کے بعد فرماتے ہیں کہ ''مجھے یہ خبر پہنچی کہ طاؤس نے اپنے بیٹے سے کہا، کیا تو نے اپنی نماز میں یہ دعا پڑھی ہے؟ اس نے کہا نہیں! تو طاؤس نے کہا کہ پھر اپنی نماز دہراؤ۔''[۳] کچھ فقہاء جن میں امام احمدؒ بھی شامل ہیں، نے طاؤس کی موافقت کی ہے۔[٤] ابن حزمؒ کا خیال ہے کہ نمازی دونوں تشہدوں میں یہ دعا ضرور پڑھے اگرچہ کچھ روایات میں آخری تشہد کی تقیید بھی ہے مگر دیگر روایات عام ہیں جو ہر قسم کے تشہد کو شامل ہیں۔[٥]

امام ابن حزم کا دعوی مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے قائدے کے خلاف ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ابن حزمؒ کے تشہد اول میں اس دعا کے وجوب کو زیادتی سے موسوم کیا ہے۔ جو لوگ اس دعا کے عدم وجوب کے قائل ہیں، وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں کہ ''پھر وہ (نمازی) جو چاہے دعا اختیار کرے۔''[٦]

---

(۱) [جلاء الافهام (۳۱۲)]

(۲) [مسلم (۵۹۰) بخاری (۸۳۲)]

(۳) [مسلم (۴۱۳/۱)]

(٤) [الفتاوی (۷۱۳/۱۰)]

(٥) [المحلی (۲۷۱/۳)]

(٦) [بخاری (۸۳۱) مسلم (۴۰۳)]

ابن منذر فرماتے ہیں کہ ''اگر اس حدیث میں اختیار والی بات نہ ہوتی تو میں اس دعا کو واجب قرار دیتا۔'' ممکن ہے کہ مذکورہ (چار چیزوں سے) پناہ والی دعا کے بعد کسی اور دعا کا اختیار دیا گیا ہو جبکہ چار چیزوں سے پناہ والی دعا کو واجب کہا گیا ہو۔ البتہ اس دعا کا مؤکد ہونا بہر حال واضح ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ''اس بات میں بالکل شک نہیں کہ یہ سب سے مؤکد دعا ہے۔ نبی ﷺ نے تشہد کے بعد صرف اسی دعا کا حکم دیا ہے اور سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ آپ کا حکم انتہائی تاکید کا حامل ہے کہ اسے بجالایا جائے۔''[1]

(۲) مسجد میں داخل ہونے کی دعا بھی مختلف فیہ ہے:۔ ابن حزمؒ کے نزدیک یہ دعا واجب ہے اور جو شخص یہ دعا پڑھے بغیر مسجد میں داخل ہوا، اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ گو اس کی نماز صحیح ہے۔[2] ابن حزمؒ نے آپ کے حکم کی وجہ سے اس دعا کو واجب کہا ہے وگرنہ ان کے نزدیک دعائے استفتاح واجب نہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ''ہم اسے فرض نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ یہ حضور ﷺ کا فعل ہے، حکم نہیں اور آپ کے فعل (اسوہ) کی پیروی مستحسن امر ہے۔''[3]

مسجد میں داخل ہونے والی حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ''جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو وہ کہے ﴿اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ﴾ یا اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب مسجد سے باہر نکلے تو یہ دعا کہے۔

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ﴾ ''یا اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں۔''[4]

(۳) نبی کریم ﷺ پر درود کی دعا بھی مختلف فیہ ہے:۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں علما کے دس اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک تو واجب ہے۔ بعض کے نزدیک عمر بھر میں ایک مرتبہ واجب ہے، بعض کے نزدیک آخری تشہد میں، بعض کے نزدیک بلا تعیین ہر نماز اور بعض کے نزدیک ہر دعا میں واجب ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے بھی اس مسئلہ پر تفصیلی بحث سپرد قلم کی ہے۔[5] ہم صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ بہر حال یہ دعا بھی وجوب یا عدم وجوب میں مختلف فیہ ہے۔

مستحب دعائیں بہت سی ہیں مثلاً نیند اور بیداری کی دعائیں، وضو کے بعد، اذان اور اقامت کے درمیان اور دعائے استخارہ بلکہ نماز استخارہ کا حکم بھی دیا گیا ہے لیکن اس حکم کے باوجود علماء اس دعا کے وجوب کے قائل نہیں۔

---

(۱) [بغية المرتاد (ص ٥١٣)]

(۲) [المحلى (٦٠/٤)]

(۳) [ايضا (٩٧/٤)]

(٤) [مسلم (٧١٣)]

(٥) [جلاء الافهام (٢٢٩، ٢٤٠)]

ممکن ہے کوئی قرینہ صارفہ ثابت ہو۔

ممنوع دعاؤں کی دو قسمیں ہیں:۔ ایک تو کسی چیز کا مطالبہ ہی ممنوع ہو اور دوسرا یہ کہ اس کے مطالبے کا طریقہ ممنوع ہو بذات خود وہ چیز ممنوع نہ ہو۔ پہلی قسم میں ایسی دعائیں ہیں مثلاً اللہ سے دنیا یا آخرت میں نقصان کی دعا کرنا یا کوئی ایسی دعا کرنا جس سے منع کیا گیا ہے اور دوسری قسم یہ ہے کہ غیر اللہ سے دعا کی جائے یا دعا کرنے میں زیادتی کی جائے۔ امام قرافیؒ نے دعائے ممنوع کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) ایسی ممنوع دعا جو کفر تک لے جائے۔ (۲) ایسی ممنوع دعا جو باعث کفر نہ ہو۔ پھر ان دونوں کی مزید اقسام بیان کیں جن میں پہلی قسم کی مزید چار ذیلی قسمیں بیان کی ہیں اور دوسری قسم کی دس مزید قسمیں کیں۔ پھر ان سب کی مثالیں ذکر کی ہیں لیکن قرافی کی ان تقسیمات میں چونکہ عقل و منطق کو دخل حاصل ہے اس لئے اس نے بہت سی غلطیاں کی ہیں جن کی علماء نے نشاندہی بھی کر دی ہے۔ مثلاً قرافیؒ فرماتے ہیں کہ ''قسم ثالث جو کفر نہیں مگر ممنوع ہے، وہ یہ ہے کہ بندہ کسی ایسی چیز کی نفی کا سوال کرے جس کی نفی پہلے ہی کر دی گئی ہے مثلاً وہ کہے ''یا اللہ میری بھول چوک پر میرا مواخذہ نہ کر'' حالانکہ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ ''بھول چوک اور جبر کو اللہ تعالیٰ نے میری امت سے معاف کر دیا ہے۔''(۱) لہٰذا یہ سوءادب ہے۔''(۲) مگر قرافی کی یہ بات درست نہیں کیونکہ ایسی دعا تو قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ اگر یہ ممنوع ہوتی تو قرآن میں کیوں ذکر کی جاتی۔ پھر یہ کتاب و سنت اور اجماع امت کے بھی منافی ہے کیونکہ مسلمان ہمیشہ سے یہ دعا کرتے آئے ہیں بلکہ یہ تو افضل ترین دعا ہے۔(۳) پھر یہ قاعدہ کئی دوسری آیات سے متناقض ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

''اے ہمارے رب! ہمیں وہ کچھ عطا کر جس کا تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے ہم سے وعدہ کر رکھا ہے۔'' (آل عمران۔۱۹۴)

اور فرشتوں کی دعا ہے: ''اے ہمارے رب! انہیں جنت عدن میں داخل کر جس کا تو نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے اور ان کی صالح اولاد کو بھی۔'' (غافر۔۸) حدیث نبوی ﷺ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کو دو آیتوں سے ختم کر کے مجھے اپنے عرش تلے کا خزانہ عطا کر دیا ہے۔ لہٰذا تم انہیں یاد کرو اور اپنی بیویوں اور بچوں کو بھی یہ یاد کرداؤ کیونکہ یہ نماز، قرآن اور دعا ہیں۔''(٤)

---

(١) الفروق [(٢٦٠/٤ تا ٢٦٥)]

(١) [صحيح الجامع (١٧٩/٣) الارواء (١٢٤/١)]

(٢) [مدارج السالكين (١١٩/٣)]

(٣) [حاكم (٥٦٢/١) مرسل]

مکروہ دعا:۔ ہر ایسی دعا مکروہ ہے جس میں بڑا تکلف، تصنع اور قافیہ بندی کی جائے مثلاً یہ کہنا ''یا اللہ مجھے جنت کے داہنی جانب سفید محل عطا کر.........''

دعا میں زیادتی کی بحث گذر چکی ہے جس میں بعض قسمیں حرام اور بعض مکروہ تھیں۔

مباح دعا:۔ کسی ایسی چیز کی دعا کرنا کہ جس کے نہ کرنے میں بھی کوئی معصیت کا پہلو نہ ہو۔اگر اس دعا کے ذریعے اللہ کی استعانت یا استعاذہ مطلوب ہو تو یہ مندوب ہے وگرنہ مباح ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دعا میں احکام خمسہ جاری ہوتے ہیں لہٰذا کچھ دعائیں ممنوع ہونے کے ساتھ باعث کفر بھی بن سکتی ہیں اور کچھ باعث کفر تو نہیں مگر حرام ضرور ہیں ان کی تفصیل آئندہ باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

❋ ❋ ❋

باب سوم

غیر مشروع دعا کا بیان

فصل اول

غیر اللہ سے دعا اور اس کے مفاسد

اس میں دو بحثیں ہیں:۔

مبحث اول:۔ غیر اللہ سے دعا کرنا اور اسے پکارنا عقل و شرع ہر دو لحاظ سے ایک قبیح و شنیع عمل ہے اور علمائے امت کا اجماع ہے کہ غیر اللہ کو پکارنے والا مشرک اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اسی لئے کتاب وسنت میں تواترت کے ساتھ اس شنیع عمل سے روکا گیا ہے جس کا کوئی بھی صاحب فہم انکار نہیں کر سکتا اور یہ شریعت اسلامیہ ہی کا خاصہ نہیں بلکہ تمام آسمانی شریعتوں میں غیر اللہ سے دعا کو شرک کہا گیا ہے۔ تورات میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو مردوں کو پکارنے سے منع کیا اور اسی طرح دیگر اقسام شرک سے روکا اور انہیں بتایا کہ یہ عمل قبیح عذاب الٰہی کو دعوت دیتا ہے۔ احادیث سے بھی ثابت ہے کہ انبیا کا دین ایک ہی ہے اگرچہ ان کے شرعی احکامات متفاوت رہے ہیں۔ حدیث نبوی ﷺ ہے "کہ ہم انبیا کی جماعت کا دین ایک ہی ہے۔"(1) لہٰذا انبیا کے بنیادی اصول ہمیشہ متفق رہے ہیں اور تمام نبوتوں میں یہ شامل رہا کہ "غائب اور مردے سے دعا کرنا اور انہیں پکارنا حرام ہے خواہ شفاعت کے عقیدے ہی سے کیوں نہ پکارا جائے۔"(2) لہٰذا تمام شریعتوں میں یہ اصول جاری و ساری رہا اور آخری شریعت جو سب شریعتوں کا کامل ایڈیشن ہے، اس میں توحید خالص کی مضبوط چار دیواری کر دی گئی تاکہ شرک کی کوئی دراڑ اس میں پیدا نہ ہو۔ اسی لئے دعا کی دونوں اقسام کو خالصتاً اللہ کے لئے لازم کر دیا گیا کیونکہ انسان کی تخلیق کا بنیادی مقصد ہی خلوص و عبادت بجالانا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ہم نے انس و جن کو محض اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔" (الذاریات۔۵۶) اس روشن شریعت نے ہر اس قول و فعل کے آگے بند باندھ دیا ہے جو توحید کے قلعے میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہو۔ ان میں چند ایک اہم مسائل زینت قرطاس کئے جاتے ہیں۔

(1) غیر اللہ کو پکارنے سے ممانعت کے قرآنی دلائل:۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بکثرت غیر اللہ سے دعا کرنے یا انہیں پکارنے سے منع کیا ہے۔ اس ممانعت میں اللہ تعالیٰ نے ہر اسلوب بیان سے متعدد مقامات پر سب سے زیادہ اسی بات سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے کیونکہ عالم ارضی پر پھیلے ہوئے

(۱) [بخاری (۳٤٤۲) مسلم (۲۳٦۵)]

(۲) [قاعدہ فی التوسل (۱۵۳)]

شرک کی سب سے بڑی بنیاد ہی غیر اللہ کو پکارنا ہے۔ جس قدر یہ شرک اس دنیا میں لوگوں کے درمیان پھیلتا رہا، اسی قدر اللہ تعالیٰ نے اس سے بچنے کے لئے احکامات وہدایات جاری فرمائیں۔ قرآن مجید کی چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں:۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مخاطب فرما کر جابجا یہ حکم دیا کہ غیر اللہ کو کبھی نہ پکارا جائے حالانکہ رسول تو معصوم ہوتا ہے مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اپنے رسول کو تنبیہ فرمائی لہٰذا جب رسول کو اتنی تاکید کی جائے تو باقی امت کے لئے اس اہمیت کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ کے علاوہ اسے نہ پکارو جو تمہیں نفع دے سکتا ہے نہ نقصان اور اگر تو نے یہ اقدام (قبیح) کیا تو تو ظالموں میں سے ہو جائے گا۔'' (یونس۔۱۰۶) اس آیت میں غیر اللہ کو پکارنے پر بڑی سخت وعید سنائی گئی کہ نبی بھی ظالموں سے کر دیا جائے گا اور دوسری آیت میں ہے کہ ''شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔'' (لقمان۔۱۳) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارو گرنہ تو عذاب پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔'' (الشعراء۔۲۰۳) ''اللہ کے ساتھ کسی الٰہ کو مت پکار! صرف وہی سچا اللہ ہے۔ اس کے چہرے کے سوا ہر چیز (دنیا کی) ہلاک ہو جائے گی۔ اسی کے لئے حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔'' (القصص۔۸۸) ان دونوں آیتوں میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ کو پکارنے کے ساتھ اگر کسی غیر کو بھی شامل کر لیا تو وہ اتنا گھناؤنا جرم ہے اور اگر غیر اللہ ہی کو خالص ہو کر معبود بنا لیا جائے تو یہ کتنا بڑا جرم ٹھہرے گا!

(۲) کچھ آیات ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کو غیر اللہ کو پکارنے سے منع فرمایا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ ''اور یقیناً مساجد اللہ کے لئے ہیں لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی کو بھی نہ پکارو۔'' (الجن۔۱۸)

اس آیت میں اللہ کے ساتھ کسی غیر کو شریک بنا کر پکارنے کی سخت ممانعت کی گئی ہے جب کہ طرہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ اللہ کو چھوڑ خالصتاً غیر اللہ کی جھولی میں جا بیٹھے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ماسوا ہر کسی کو پکارنے کی عمومی نفی کر دی ہے خواہ وہ کوئی مقرب فرشتہ ہو یا افضل رسول ہو۔ کلینی رافضی اپنی سند کے ساتھ علی رضا سے بیان کرتا ہے کہ اس آیت میں سے ہم (مستثنیٰ ہو کر اللہ کے) وصی ہو گئے ہیں۔ حالانکہ یہ واضح تحریف ہے اور نص قرآنی سے صریح متعارض ہے جبکہ بہت سے لوگ ان تحریفات پر آنکھیں بند کئے امنا وصدقنا کہہ رہے ہیں!

(۳) کچھ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بالخصوص اپنی عبادت اور اللہ ہی کو پکارنے کو حکم دیا ہے جس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ غیر اللہ کو کسی صورت بھی نہ پکارا جائے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو کوئی حکم دیا یا کسی کام سے منع کیا ہو مثلاً آپ نے دعا کا حکم دیا ہے تو یہ واجب ہے یا مستحب ہے اور اس پر عمل کرنا عبادت ہے جبکہ عبادت صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لئے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''جب تو فارغ ہو تو اٹھ کھڑا

ہو اور اپنے رب کی طرف رغبت کر۔" (الانشراح۔۷،۸) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ نماز، جہاد وغیرہ سے فارغ ہو تو صرف ایک اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اس سے دعا اور سوال کرے۔

اسی طرح دیگر کئی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے مثلاً "آپ کہہ دیں کہ میں فلق (پو پھٹنے) کے رب سے پناہ مانگتا ہوں۔" اور "آپ کہہ دیں کہ میں لوگوں کے رب سے پناہ مانگتا ہوں۔" نیز "جب آپ قرآن کی تلاوت (کا ارادہ) کریں تو اللہ تعالیٰ سے شیطان مردود کی پناہ مانگ لیا کریں۔" (النحل۔۹۸) "آپ کہہ دیں کہ میں چوکے لگانے والے شیطان سے، میرے رب! تیری پناہ مانگتا ہوں۔" (المومنون۔۹۷)

ان آیات میں یہ صراحت کر دی گئی ہے کہ نبی بھی صرف ایک اللہ سے پناہ طلب کرے جبکہ مخلوق سے پناہ طلب کرنا حکم خداوندی کے خلاف ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے کچھ آیات میں یہ حکم دیا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے۔ لہٰذا غیر اللہ سے دعا مانگنا اس کے منافی ہونے کی وجہ سے ممنوع قرار پائے گا کیونکہ کسی چیز کا حکم اس کی ضد سے مانع ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اس کو پکارو اسی کے لئے عبادت کو خالص کرتے ہوئے۔" (الاعراف۔۲۹) "وہی زندہ ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اسی کے لئے دین (عبادت) کو خالص کرو۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔" (غافر۔۶۵) "اپنے رب کو عاجزی اور پوشیدگی سے پکارو۔ بلا شبہ وہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ کرو اور اس کو خوف اور طمع سے پکارو۔ بے شک اللہ کی رحمت نیکوں کے قریب ہے۔" (الاعراف۔۵۵۔۵۶) "تمہارے رب نے کہا کہ مجھے پکارو، میں تمہاری پکار قبول کروں گا۔" (غافر۔۶۰) "اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو۔" (النسا۔۳۲) "اور اللہ تعالیٰ ہی سے رزق تلاش کرو۔" (العنکبوت۔۱۷)

اس میں رزق کا مطالبہ صرف اور صرف اللہ کے لئے محصور کر دیا گیا ہے جیسا کہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ رزق کو عند اللہ سے مقدم نہیں گیا تا کہ حصر و اختصاص باقی رہے یعنی "رزق تلاش نہ کرو مگر صرف اللہ تعالیٰ سے۔"[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "آپ کہہ دیں کہ میری نماز، میری قربانی (مناسک) میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔" (الانعام۔۱۶۲) اس آیت میں صراحت کے ساتھ مُردوں سے دعا کرنے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "اور اللہ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں لہٰذا ان کے ساتھ اس (اللہ) کو پکارو۔" (الاعراف۔۱۸۰) اس آیت میں اللہ کے اسمائے حسنیٰ کے وسیلے سے دعا مانگنے کا حکم دیا گیا اور یہ شرط بھی ہے کہ اچھے ناموں سے سوال کرو۔ جب برے ناموں سے سوال کرنا روا نہیں تو غیر اللہ سے سوال کرنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے!

---

(۱) [العبودية (ص۹۲)]

کلینی اپنی سند سے جعفر صادق سے نقل کرتا ہے کہ اس آیت کے اسمائے حسنیٰ سے مراد ہم (امام) ہیں جن کے سوا اللہ اپنے بندوں کی دعا قبول نہیں کرتا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون و معاذ اللہ)

یہ قول بذات خود اس بات کی تکذیب کر رہا ہے کہ جعفر صادق ایسی گستاخانہ اور شرکیہ بات نہیں کر سکتے۔!!

(۵) کچھ آیات میں غیر اللہ کو پکارنے والوں کی زجر و توبیخ بیان کی گئی ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کہہ دیجئے کیا ہم اللہ کے سوا انہیں پکاریں جو ہمارے نفع یا نقصان کے مالک نہیں اور ہم اپنی ایڑھیوں سے پھر (کر مرتد ہو) جائیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت سے نوازا ہے (اور) اس کی مانند (ہو جائیں) جسے شیطان نے زمین میں حیران کر دیا ہے۔'' (الانعام۔۷۱) ''اور جو لوگ اللہ کے سوا کسی کو پکارتے ہیں وہ تو ان کے لئے کسی چیز کا جواب نہیں دیتے مگر اس کی مانند جو اپنی ہتھیلیوں کو دور سے پانی کی طرف پھیلا دیتا ہے تاکہ وہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ (پانی) اس تک پہنچنے والا نہیں اور کافروں کی پکار تو نری گمراہی ہے۔'' (الرعد۔۱۴) ''ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کے سوا ''ولی'' بنا رکھے ہیں۔ مکڑی کی مانند ہے جو گھر بناتی ہے اور بلاشبہ سب گھروں سے کمزور مکڑی کا گھر ہے اگر یہ جان لیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جس کسی کو بھی یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔'' (العنکبوت۔۴۱،۴۲)

(۶) کچھ آیات میں ان لوگوں کی بے بسی کا مشاہدہ کرایا گیا ہے جنہیں لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں حالانکہ ان میں ان کی پکار قبول کرنے کی کوئی ایک بھی صفت نہیں پائی جاتی مثلاً اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے مدعوین کا ذکر کیا جو سمع و بصر سے عاری ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

''آپ کہہ دیں، کیا وہ تمہاری (پکار) سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو یا وہ تمہیں نفع پہنچاتے ہیں یا نقصان ہی!'' (الشعرا۔۷۲) ''اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ تو ایک دھاگے کے بھی مالک نہیں۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اور اگر سن بھی لیں تو کبھی جواب نہ دیں اور روز قیامت تمہارے شرک کا وہ انکار کریں گے۔'' (فاطر۔۱۳،۱۴) ''اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو اللہ کے سوا اسے پکارے جو تا قیامت اس کو جواب نہیں دے سکتا اور وہ تو ان کی پکار سے غافل ہیں اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت سے انکار کریں گے۔'' (الاحقاف۔۶،۷) ''اور وہ لوگ (جنہیں) اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ تو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ تو خود پیدا کئے گئے ہیں (اور اب) مردہ ہیں۔ زندہ نہیں (رہے) اور انہیں تو یہ بھی شعور نہیں کہ کب وہ اٹھائے جائیں گے۔'' (النحل۔۲۰،۲۱)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرما دیا ہے کہ اس کے اختیارات میں کوئی بھی شریک نہیں لہٰذا انہیں سفارشی سمجھنے کی کوئی تک نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''آپ کہہ دیں کہ جنہیں تم کچھ سمجھتے ہو اللہ کے سوا، انہیں پکارلو۔ وہ تو ایک ذرہ برابر کے بھی مالک نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ ہی زمینوں میں اور ان کے لئے ان دونوں میں کوئی شریک نہیں اور نہ اس کے لئے کوئی مددگار ہے اور اس کے پاس کسی سفارشی کی سفارش کارگر نہیں البتہ جسے وہ خود اجازت دے۔'' (سبا۔۲۲،۲۳)
ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو واضح فرمادیا ہے کہ اس کے ملک، شراکت، معاونت یا شفاعت میں کوئی غیر شریک نہیں لہٰذا جب ان چاروں صفات کی غیر اللہ سے نفی کر دی گئی تو پھر عقل ونقل کے مطابق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو پکارنا ہی درست ہے۔ ''آپ کہہ دیں کیا خیال ہے تمہارا! جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ تو سہی کہ انہوں نے زمین میں کیا پیدا کیا ہے یا ان کے لئے آسمانوں میں کون سا حصہ ہے؟'' (الاحقاف۔۴) ''آپ کہہ دیں (اے کافرو!) تمہارا اپنے شرکاء کے بارے میں کیا خیال ہے جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ تو سہی انہوں نے زمین میں کچھ پیدا کیا یا آسمان میں ان کے لئے کوئی حصہ ہے؟'' (فاطر۔۴۰)

(۷) کچھ آیات ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے ان مدعوین کی یہ حالت زار بیان کی ہے کہ یہ تو اپنے نفع نقصان کے مالک نہیں پھر تمہارے نفع نقصان کے مالک کیسے بن گئے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے، ذرا غور سے سنو! بے شک جو لوگ اللہ کے سوا کسی کو پکارتے ہیں وہ تو ایک مکھی بھی ہرگز پیدا نہیں کر سکتے خواہ سارے ہی جمع ہو جائیں اور اگر وہ مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو یہ (سب) اس سے چھڑا نہیں سکتے (کس قدر) کمزور ہے طلب کرنے والا اور جس سے طلب کیا جا رہا ہے۔'' (الحج۔۷۳) اور جن لوگوں کو تم اس (اللہ) کے سوا پکارتے ہو یہ تو تمہاری نصرت پر قادر نہیں اور نہ ہی یہ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔'' (الاعراف۔۱۹۷)
''آپ کہہ دیں! تمہارا کیا خیال ہے ان کے بارے میں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اگر اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانے کا ارادہ کرلیں تو کیا یہ اس کے نقصان کو ٹال سکتے ہیں یا وہ میرے ساتھ رحمت کا ارادہ کرلے تو کیا اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیں کہ مجھے اللہ ہی کافی ہے اور اسی پر بھروسہ کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں۔'' (الزمر۔۳۸) ''آپ کہہ دیں کہ جنہیں تم اس (اللہ) کے سوا کچھ (کرنی والا) سمجھے بیٹھے ہو، وہ تو تم سے کوئی تکلیف دور کرنے یا بدلنے کے بھی مالک نہیں۔'' (الاسراء۔۵۶)

(۸) کچھ آیات میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ جنہیں وہ معبود بنا کر پکار رہے ہیں، یہ مدعوین تو خود اللہ تبارک وتعالیٰ کو پکارنے والے موحدین تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔
''یہ لوگ (مشرک) جنہیں پکارتے ہیں، وہ تو (خود) اپنے رب کی طرف وسیلہ پکڑتے کہ ان میں سے کون (اللہ کا)

قریبی ہے اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور عذاب سے خوف رکھنے والے تھے۔'' (الاسرا۔۵۶،۵۷)

''عیسیٰ ہرگز اللہ کے بندے ہونے سے اعراض نہیں کریں گے اور نہ ہی مقرب فرشتے........'' (النساء۔۱۷۲)

(۹) کچھ آیات میں صراحت کے ساتھ غیر اللہ کو پکارنے کو کفر وشرک سے موسوم کر کے اس قبیح فعل کے مرتکبین کو مشرک وکافر قرار دیا گیا ہے۔اس کی تفصیل ''غیر اللہ کو پکارنے کا حکم'' کے مبحث میں آئے گی۔

(۱۰) کچھ آیات میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ غیر اللہ کو پکارنا کھلی جہالت اور صریح گمراہی ہے۔مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وہ اللہ کے سوا انہیں پکارتے ہیں جو ان کے نفع ونقصان کے مالک نہیں۔یہ تو دور کی گمراہی ہے۔وہ اسے پکارتے ہیں جس کا نقصان اس کے نفع سے قریب ہے۔البتہ یہ برا ولی اور برا ساتھی ہے۔'' (الحج۔۱۲،۱۳) ''یقیناً کچھ انسانی مَردوں نے ''جن مَردوں'' سے پناہ مانگنا شروع کردی تو انہوں نے ان (جنوں) کو مزید سرکش بنا دیا۔'' (الجن۔۶)

(۱۱) کچھ آیات میں اہل ایمان کی یہ اچھی صفت بیان کر کے کہ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ زار ہو کر اپنی مشکلات وتکلیفات کا مداوا کراتے ہیں،مشرکین کی توبیخ کی کہ تم اللہ کا دربار کیوں چھوڑے بیٹھے ہو! مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

''اور وہ (مومن لوگ) اللہ کے ساتھ کسی معبود کو نہیں پکارتے۔'' (الفرقان۔۶۸) ''جب وہ کھڑے ہوئے تو ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے۔پس وہ کہنے لگے کہ ہمارا رب تو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ہم ہرگز اس کے سوا کسی معبود کو نہیں پکاریں گے وگرنہ ہم نے تو نہایت ہی قبیح بات کہی۔'' (الکہف۔۱۴)

(۱۲) کچھ آیات میں یہ بات وضاحت کی گئی ہے کہ نہایت سنگین حالات میں یہ پکارنے والے اپنے تمام معبودوں اور ولیوں کو بھول کر صرف اللہ تعالیٰ کو پکارنا شروع کر دیتے ہیں کیونکہ انہیں علم ہے کہ اب اللہ تعالیٰ ہی آسانی پیدا کر سکتے ہیں تو اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کی زجر وتوبیخ کی جو عام حالات میں اللہ تعالیٰ کو بھول کر پھر غیروں کی چوکھٹ پر جانے لگتے ہیں! ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

''اور جب سمندر میں تمہیں ضرر پہنچتا ہے تو ایک اللہ کے سوا تمہیں وہ سب بھول جاتے ہیں جنہیں تم پکارتے تھے اور جب ہم تمہیں خشکی کی طرف نجات دلاتے ہیں تو تم منہ پھیر لیتے ہو!'' (الاسرا۔۶۷) ''اور جس دن وہ (اللہ) انہیں پکارے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں تو وہ جواب دیں گے کہ ہم نے تو تجھے کہہ سنایا ہے کہ ہم میں سے کوئی اس کا گواہ نہیں۔اور یہ جن کی بھی پرستش اس سے پہلے کرتے تھے،وہ ان کی نگاہ سے گم ہو گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب ان کے لئے کوئی بچاؤ نہیں۔'' (فصلت۔۴۷،۴۸)

''پھر ان سے کہا جائے گا کہ جنہیں تم شریک کرتے تھے، وہ کہاں ہیں؟ جو اللہ کے سوا تھے، وہ کہیں گے کہ وہ تو ہم سے بہک گئے بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی کو بھی پکارتے ہی نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے۔''

(غافر۔۷۳،۷۴) ''آپ کہہ دیں کہ تمہارا کیا خیال ہے اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب آئے یا تمہارے پاس قیامت آن پہنچے تو کیا غیر اللہ کو پکارو گے، اگر تم سچے ہو بلکہ اسی (خدا) کو پکارو گے۔ پس اگر وہ چاہے تو اس حالت کو دور کر دے جس کے لئے تم اسے پکارو گے اور تم اپنے شریکوں کو بھول جاؤ گے۔'' (الانعام۔۴۰،۴۱) ''حتیٰ کہ جب ان کے پاس ہمارے نمائندے آتے ہیں کہ انہیں فوت کریں تو ان سے کہتے ہیں، وہ کہاں ہیں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو تو وہ کہیں گے کہ وہ ہم سے بہک گئے اور وہ اپنے آپ پر یہ گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔'' (الاعراف۔۳۷) ''اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا تو انہیں ان کے معبودوں نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا بلکہ انہوں نے ان کا نقصان ہی بڑھایا۔'' (ھود۔۱۰۱)

(۱۳) کچھ آیات میں غیر اللہ کو پکارنے والوں کو وردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے مثلاً:

''اللہ کے ساتھ کسی غیر نہ پکار، وگرنہ تو عذاب پانے والوں سے ہو جائے گا۔'' (الشعراء۔۲۱۳)

(۱۴) بہت سی آیات میں مختلف اسالیب سے غیر اللہ کی عبادت کی وعید سنائی گئی ہے اور دعا کی ایک قسم عبادت میں شامل ہے لہذا دعا، ندا اور پکار صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔

***

غیر اللہ سے دعا کرنے کی حرمت احادیث کی روشنی میں

بہت سی احادیث میں غیر اللہ کو پکارنے اور ان سے فریاد کرنے سے ڈرایا گیا ہے مثلاً

(۱) احادیث میں سوال کرنے اور لوگوں سے مانگنے کی کافی مذمت بیان کی گئی ہے اگرچہ یہ سوال ایسی اشیاء کے متعلق ہے جو صاحب حیثیت لوگوں کی اپروچ میں ہوتی ہیں مگر اس کے باوجود اسے پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھا گیا چہ جائیکہ ایسا سوال کیا جائے جس پر خدا کے سوا کوئی قادر نہیں! عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی آدمی جو ہمیشہ سوالی بن کر مانگتا رہے، قیامت کے روز آئے گا مگر اس کے چہرے پر گوشت ہی نہیں ہوگا۔"[۱] ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا کہ "تم میں سے کوئی آدمی صبح کو نکلے اور اپنی کمر پر لکڑیاں لاد کر لائے۔ پھر (انہیں بیچ کر) غنی بنے اور صدقہ کرے تو اس شخص سے بہتر ہے جو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور وہ اسے دے یا نہ دے۔ بے شک اوپر (دینے) والا ہاتھ، نیچے (مانگنے) والے ہاتھ سے بہتر ہے۔"[۲] اسی طرح حضرت عوف کی حدیث میں ہے کہ "تم لوگوں سے کچھ نہ مانگو۔"[۳]

(۲) کچھ احادیث میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ غیر اللہ کو پکارنا جہنم میں جانے کا سبب ہے اور یہ کبیرہ گناہوں میں داخل ہے مثلاً حدیث نبوی ﷺ ہے کہ "جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بناتا تھا تو وہ آگ میں داخل ہوگا۔"[٤] ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "تیرا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا حالانکہ اس (اللہ) نے تجھے پیدا کیا ہے۔"[٥]

(۳) کچھ احادیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارو جس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ غیر اللہ کو بہر صورت نہ پکارو مثلاً حدیث نبوی ﷺ ہے :۔"جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر اور جب تو مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ۔"[٦] حضرت ابوذر نبی ﷺ سے حدیث قدسی روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو

---

(۱) [بخاری (۱٤۷٤) مسلم (۱۰٤۰)]

(۲) [بخاری (۱٤۷۰) مسلم (۱۰٤۲)]

(۳) [مسلم (۱۰٤۳)]

(٤) [بخاری (٤٤۹۷) مسلم (۹۲)]

(٥) [بخاری (٦۸٦۱) مسلم (۸٦) احمد (۱/۳۸۰۔ ٤۳۱۔ ٤٦۲)]

(٦) [ترمذی (۲٥۱٦) احمد (۱/۲٦۳) صحیح]

البتہ جسے میں ہدایت دوں ۔لہٰذا مجھ سے ہدایت طلب کرو۔ میں تمہیں ہدایت سے نوازوں گا۔اے میرے بندو تم سب بھوکے ہوالبتہ جسے میں کھانا کھلاؤں لہٰذا مجھ سے کھانا طلب کرو۔ میں تمہیں کھانا دوں گا........ ''[1]

(۴) کچھ احادیث میں اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے اور ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ استعاذہ دعا کی ایک قسم ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ اور اس کے کلمات سے پناہ پکڑنی چاہیے۔ اسی سے امام احمدؒ یہ استدلال کرتے ہیں کہ اللہ کا کلام (قرآن مجید) غیر مخلوق ہے کیونکہ کلام اللہ سے پناہ پکڑنا جائز ہے جبکہ مخلوق سے پناہ پکڑنا جائز نہیں ۔[2] امام بخاری کے استاد نعیم بن حماد نے بھی یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی پناہ پکڑنے کا حکم دیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے بھی اللہ کی پناہ پکڑنے کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے اسمائے حسنیٰ اور کلام کے ذریعے پناہ مانگنا جائز ہے لہٰذا کلام اللہ (قرآن) مخلوق نہیں کیونکہ مخلوق اور جن وانس یا ملائکہ کے کلام سے پناہ مانگنا شرک ہے۔[3] امام خطابیؒ نے بھی امام احمد کے استدلال کو گرہ لگائی ہے کہ قرآن مخلوق نہیں ۔[4]

حدیث نبوی ﷺ ہے کہ ''جب تم میں سے کوئی کسی مقام پر پڑاؤ کرے تو یہ دعا کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ سے،اس کی مخلوق کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں تو بلاشبہ وہاں سے کوچ کرنے تک اسے کوئی چیز نقصان نہیں دے گی۔''[5]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت حسن وحسین کو دم کرتے اور فرماتے کہ تمہارے باپ (ابراہیم) بھی ان کلمات کے ساتھ حضرت اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کو دم کرتے تھے۔ وہ کلمات یہ ہیں:

﴿أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَةٍ وَمِنْ كُلِ عَيْنٍ لَامَّةٍ﴾ میں اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کے ساتھ ہر شیطان ، چوکے لگانے والے اور ہر نظر بد سے پناہ پکڑتا ہوں۔''[6] بہت سے علمائے سلف نے ان احادیث سے یہ استشہاد کیا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ مخلوق نہیں مثلاً امام احمد ابن حنبلؒ، نعیم بن حمادؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ۔[7] اسی طرح سوار بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مریض کے ہاں گیا اور اسے دم کرنے لگا،اس نے کہا کہ

---

(۱) [مسلم (۲۵۷۷)]

(۲) [منهاج السنة (۳۷٤/۲) اقتضاء (٤١٨)]

(۳) [خلق افعال العباد (ص٥٧)]

(٤) [معالم السنن (٣٣٢/٤)]

(٥) [مسلم (٢٧٠٨) احمد (٣٧٧/٦)]

(٦) [بخاری (٣٣٧١)]

(٧) [خلق افعال العباد (٤٣٨)فتح الباری (٣٨١/١٣)]

قرآن مخلوق نہیں کیونکہ جس نے بھی مجھ پر دم کیا، اس نے یہی کہا کہ میں تجھے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں، اس کے قرآن کی پناہ میں دیتا ہوں۔ لہٰذا قرآن مخلوق نہیں۔[1] امام بخاریؒ نے اپنی کتاب ''خلق افعال العباد'' میں یہ عنوان ذکر کیا کہ ''اس چیز کے بیان میں کہ نبی کریم ﷺ اللہ کے کلمات سے پناہ پکڑتے تھے، کسی اور کے کلام سے نہیں'' پھر نعیم بن حماد کا گذشتہ کلام ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کا کلام مخلوق نہیں، باقی کلام مخلوق ہیں۔'' پھر انہوں نے اللہ کے کلمات کے ساتھ پناہ پکڑنے والی روایات کو بیان کیا ہے۔ امام احمدؒ کے شاگرد رشید ابو بکرؒ ان احادیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ''یہ کہنا جائز نہیں کہ میں تجھے آسمان، پہاڑوں، نبیوں، فرشتوں، زمین یا عرش وغیرہ کی پناہ میں دیتا ہوں کیونکہ یہ مخلوق ہیں البتہ اللہ تعالیٰ یا اس کے کلام کے ساتھ اس کی پناہ پکڑی جائے۔''

امام ابن خزیمہؒ رقمطراز ہیں کہ یہ محال ہے کہ نبی کریم ﷺ غیر اللہ سے پناہ پکڑنے کا حکم دیں! کیا تم نے کسی عالم سے سنا ہے کہ وہ کعبہ سے یا صفا و مروہ یا عرفات اور منیٰ سے پناہ پکڑنے کو جائز قرار دے؟ بلکہ کوئی بھی مسلمان جو دین کی معرفت رکھتا ہو، وہ کسی صورت بھی غیر اللہ سے پناہ کی اجازت نہیں دے گا۔''[2] ابن خزیمہؒ کے دور میں تو لوگ توحید پر گامزن تھے مگر آج شرک اس قدر عام ہو چکا ہے کہ لوگ اس کی اجازت تو کجا، اسے قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھ رہے ہیں۔ امام ابن بطہ عکبریؒ استعاذہ بکلمات اللہ کی احادیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ''اللہ تم پر رحم کرے، ان احادیث کو سمجھو۔ بھلا نبی کریم ﷺ مخلوق سے پناہ مانگنے اور پھر اس کا حکم دینے کا اقدام کر سکتے تھے؟ کیا کسی بھی انسان کے لئے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ آسمان، پہاڑوں، نبیوں یا عرش اور کرسی یا زمین وغیرہ۔ سے پناہ پکڑے؟ اگر یہ جائز ہے تو پھر انسان خود اپنے آپ کو اپنے نفس کی پناہ میں کیوں نہیں دیتا؟[3]

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ''ان کلمات کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ نے خود پناہ پکڑی اور صحابہ ؓ کو بھی پناہ پکڑنے کا حکم دیا....... لہٰذا مخلوق اپنے جیسی مخلوق سے کیسے پناہ مانگ سکتی ہے۔''[4] مذکورہ علمائے سلف کے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے دور میں بھی غیر اللہ کو پکارنے کی صورتیں پیدا ہوتی رہیں جن کا انہوں نے خوب قلع قمع کیا۔ البتہ یہ بات قطعی غلط ہے کہ صرف امام ابن تیمیہؒ ہی نے اس مسئلہ کو اجاگر کیا بلکہ بے شمار علمائے سلف ڈنکے کی چوٹ اس مسئلہ

(١) [السنة لعبد الله (١٧٢)]

(٢) [كتاب التوحيد (١/١٠٤)]

(٣) [الابانة (٢/٤٨٠)]

(٤) [الاسماء والصفات (ص ٢٤١)]

کی تردید کرتے رہے اور آج اس کی تردید کی ضرورت پہلے سے بڑھ چکی ہے۔

(۵) کچھ احادیث ایسی ہیں جن میں وہ تمام راستے مسدود کر دیئے گئے ہیں جو شرک کی طرف لے جانے والے ہیں۔ ایسی کچھ احادیث کا تذکرہ آئندہ کیا جائے گا۔ گذشتہ بحث کا ملخص یہ ہے کہ

(ا) علمائے امت کا اجماع ہے کہ غیر اللہ کو پکارنا صریح کفر ہے۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن مجید میں ایک بھی دعا ایسی ذکر نہیں کی جس سے غیر اللہ کو پکارنے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے حالانکہ تمام دلائل اس کی تردید ہی کرتے ہیں۔

(ج) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ہر بھلائی سے بہرہ مند فرمایا اور ہر شر سے محفوظ رکھا اور آپ کی احادیث میں سے ایک بھی صحیح حدیث ایسی نہیں جس میں آپ نے غیر اللہ سے استغاثہ یا استعاذہ کیا ہو!

(د) دین اسلام میں تواتر کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ دعائے غیر اللہ نہ واجب ہے نہ مستحب (بلکہ حرام ہے) اور یہ بات سابقہ آسمانی شریعتوں میں بھی تھی۔[۱]

(ر) نبی کریم ﷺ نے دعائے غیر اللہ کو مشروع قرار دینے کی بجائے حرام قرار دیا ہے۔ اسی طرح قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے بھی منع کر دیا۔[۲]

(ذ) اسمائے حسنیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے میں بھی یہ بات واضح کر دی گئی کہ ان اسماء سے سوال نہیں کرنا[۳] یعنی اے اللہ کے علم! مجھے علم دے یا اے اللہ کے رزق! مجھے رزق دے بلکہ اسمائے حسنیٰ کے ساتھ اللہ سے سوال کیا جائے یعنی فادعوہ بھا یعنی اللہ کو ان ناموں کیساتھ پکارو نہ کہ ان ناموں کو پکارو! لہٰذا جب ان ناموں کو پکارنا جائز نہیں تو مردوں، قبروں اور غائبوں کو پکارنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔!

دعائے غیر اللہ کے مفاسد:۔ دعا ہی وہ سب سے عظیم نزاعی مسئلہ تھا جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے سب سے زیادہ مشرکین کی مخالفت کی کیونکہ ''وہ اللہ کی سوا ان کی عبادت کرتے جو انہیں تکلیف پہنچا سکتے تھے نہ نفع اور وہ (مشرک) کہتے کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔'' (یونس۔۱۸) جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے اس مسئلہ میں مخالفت کی اور انہیں دعا سمیت ہر عبادت میں اللہ کے لئے خلوص پیدا کرنے کی دعوت دی۔ یہی وہ سب سے بڑا مسئلہ ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے مشرکین کی مخالفت کی اور اسی کے ذریعے کافر و مسلم کی تفریق اور عمل

(۱) [الفتاوی (۱/۱۵۹)]

(۲) [قاعدة فی التوسل (۲۱)]

(۳) [وضاحت کے لئے دیکھئے : الرد علي البكری (۷۹) شان الدعا (ص۱۷)]

جہاد مشروع ہوا۔'' لہٰذا اگر کوئی شخص دعائے غیر اللہ کے جواز میں گرفتار ہوا تو وہ دراصل ایسے مفاسد کا شکار ہوگا جو اس کے عقیدے کو متزلزل کر کے اسے دائرہ اسلام سے خارج کر دیں گے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر تمام انبیاؑ بالعموم اور خاتم النبیین ﷺ بالخصوص اس کی مخالفت میں اٹھے اور ابن تیمیہؒ اور ابن عبدالوھابؒ کے علاوہ بیسیوں علماء نے اس مسئلہ کی مخالفت میں خدمات انجام دیں مگر جو خدمات ابن تیمیہؒ اور محمد بن عبدالوھابؒ کے حصہ میں آئیں، وہ کسی اور عالم کے مقدر نہ تھیں۔ دعائے غیر اللہ کے چند ایک مفاسد اللہ کی توفیق سے پیش کرتے ہیں۔

(۱) دعائے غیر اللہ میں اقتضائے ربوبیت اور مفاہیم عبودیت مفقود ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو عبدیت کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا ہے حتیٰ کہ جناب محمد ﷺ کو بھی جب اعلیٰ ترین معجزہ معراج سے بامشرف کرنے کا خیال ظاہر کیا تو آپ کو عبد (بندہ) سے پکارا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے کچھ حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی۔'' (الاسراء۔۱) دیگر کئی آیات میں آپ کے لئے عبد کے لفظ کا استعمال عبدیت کی اہمیت اجاگر کرتا ہے مثلاً: ''بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) نازل کیا تاکہ وہ جہانوں کے لئے ڈرانے والا بن جائے۔'' (الفرقان۔۱) ''اور اگر تم کسی شک میں مبتلا ہو اس چیز کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی۔'' (البقرۃ۔۲۳)

عبد سے عبودیت ہے جس میں عبادت کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اسی عبادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے (عبد) کو اعلیٰ واشرف مقام عطا فرمایا ہے مگر جب انسان اس عبودیت کو غیر اللہ کی طرف منسوب کر دے تو پھر وہ اشرف المخلوقات اور افضل الخلق کی بجائے ارذل الخلق قرار پاتا ہے۔ شیخ حسنؒ فرماتے ہیں کہ اگر داعی (بندہ) غیر اللہ کو پکارنے لگے تو گویا اس نے معنیٰ عبودیت اور تقاضۂ ربوبیت کو ضائع کر دیا۔[1] لہٰذا غیر اللہ کو پکارنے والا ایک اہم ترین قلبی عبادت کو گویا غیر اللہ کے لئے بجالاتا ہے جس سے اللہ کی محبت، خوف، امید، توکل، رجوع وغیرہ جیسی عبادات میں بھی نقص واقع ہوتا ہے جس سے دعائے غیر اللہ کی شناعت وقباحت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات کا شرف بخشا ہے لیکن جب انسان اپنے ہی جیسی کسی مخلوق سے نفع نقصان کا عقیدہ وابستہ کر لے جبکہ وہ مخلوق تو اپنے نفع نقصان کی بھی مالک نہیں چہ جائیکہ کسی دوسرے کا نفع نقصان اس کے ہاتھ میں ہو تو اس حماقت کی وجہ سے اس انسان سے اس کا شرف عالی چھین لیا جاتا ہے لہٰذا جس طرح غیر اللہ کو پکارنے سے حقوق اللہ

---

(۱) [معارج الالباب (۱۹۵)]

(۲) [اغاثۃ اللفھان (۱/۰۵)]

میں نقص آتا ہے، بعینہ اسی طرح خود انسان کا ذاتی حق بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ ابن رجبؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے میں ذلت وفقر کا اظہار پایا جاتا ہے اور یہ غیر اللہ کے لئے بجالانا جائز نہیں کیونکہ یہی عبادت کی حقیقت ہے۔ امام احمدؒ فرماتے تھے ''یا اللہ! جس طرح تو نے میرے چہرے کو غیر اللہ کے لئے سجدہ ریز ہونے سے محفوظ رکھا، اسی طرح مجھے غیر اللہ کو پکارنے سے بھی بچائے رکھ۔ بلاشبہ تیرے سوا کوئی بھی نفع نقصان کا مالک نہیں۔[1]

(۲) انسان کا غیر اللہ کو پکارنا گویا اللہ ارحم الراحمین کی شکایت ہے جو وہ غیر اللہ کے سامنے کر رہا ہے حالانکہ غیر اللہ تو خود محتاج ہے لہٰذا ہر طرح کا سوال، شکوہ وشکایت اللہ کے حضور پیش کیا جائے۔ حضرت یعقوبؑ نے کہا: ''میں اپنے غم اور پریشانی کا شکوہ صرف اللہ سے کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ (کچھ) جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔'' (یوسف۔۸۶) فضیل بن عیاض نے دیکھا کہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے کوئی شکوہ کر رہا ہے تو کہنے لگے: ارے تم اس رحیم وکریم کا شکوہ اس کے سامنے کرتے ہو جو رحم نہیں کرسکتا؟ بقول شاعر۔

جب تو نے ابن آدم سے شکایت کی تو گویا تم نے رحیم کا غیر رحیم کے سامنے شکوہ کیا!

اسی طرح ایک آدمی نے ان کے سامنے اپنی کوئی شکایت کی تو وہ کہنے لگے: کیا تم اللہ کے علاوہ بھی کسی کو مدبر سمجھتے ہو؟[2] کسی چیز کو اس کے محل سے ہٹا دینا ہی ظلم ہے لہٰذا یہ ظلم ہے بلکہ سب سے بڑا ظلم ہے کہ انسان اپنے دکھ اور تکلیف کی شکایت اللہ کی بجائے ان کے سامنے کرتا پھرے جو نفع ونقصان، سمع وبصر وغیرہ سے محروم ہیں! نہ وہ زندگی موت کے مالک ہیں اور نہ ایک ذرے کے خالق! حالانکہ اللہ تعالیٰ خالق کلّ شي اور ان اللّٰہ علی کل شي قدیر ہے!

(۴) غیر اللہ سے دعا مانگنا گویا اللہ کے بارے میں سوئے ظنی ہے کیونکہ کوئی بھی انسان جو غیر اللہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے خواہ اسے مختار کل سمجھتا ہو یا وسیلہ، اس نے گویا اللہ کے بارے میں یہ گمان کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انتظامات کے لئے وزیر ومشیر کا محتاج ہے! حالانکہ وہ تو اپنے سوا ہر کسی سے غنی اور لاپرواہ ہے۔ یا اس نے یہ سوچ رکھا ہے کہ اللہ کی قدرت شرکاء کی قدرت کی محتاج ہے یا اللہ تعالیٰ کو اس وقت تک علم نہیں ہوتا جب تک کہ کسی وسیلے سے اللہ کو باخبر نہ کیا جائے یا اللہ تعالیٰ اس وقت تک رحم نہیں کرتے جب تک کہ رحم کا واسطہ نہ ڈلوایا جائے یا اللہ تعالیٰ تنہا بندے کی کفایت نہیں کرتا یا اس وقت تک بندے کے ارادے کی تکمیل نہیں فرماتا جب تک کہ کسی سردار (ولی) یا بادشاہ کی سفارش نہ کروائی جائے یا پھر اس وقت تک دعا قبول نہیں کرتا جب تک کہ مخلوق (غیر اللہ) کی طرف توجہ اور وسیلہ نہ

---

(۱) [جامع العلوم والحکم (ص ۱۸۱)]

(۲) [الرد علی البکری (۱۰۲)]

پکڑ لیا جائے جس طرح بادشاہوں تک پہنچنے کے لئے وسیلہ پکڑا جاتا ہے۔[1] (یہ سب شرک ہے اور اس سے بڑا شرک کیا ہوسکتا ہے؟)

(۵) غیر اللہ کو اس اعتقاد کے ساتھ پکارنا کہ جس طرح بادشاہوں تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کیا جاتا ہے، اسی طرح غیر اللہ کے ذریعے اللہ تک رسائی حاصل کی جاتی ہے تو یہ خالق کو مخلوق کے ساتھ مشابہت دینے والی بات ہے حالانکہ اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں وہ سمیع وبصیر (اور بندوں کے تمام احوال سے ہر وقت مطلع) ہے جبکہ دنیاوی بادشاہ ان اوصاف سے عاجز ہوتا ہے۔[2]

(۶) غیر اللہ کو پکارنا ان عیسائیوں کی مشابہت کرنے کے مترادف ہے۔[3] جو حضرت عیسیٰ، حضرت مریم اور ان کے حواریوں کو پکارتے ہیں۔ اسی طرح یہ ان مشرکین کی بھی مشابہت ہے جو نیک لوگوں کو پکارتے تھے۔ پھر ان کے بت تیار کر لیے اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ ہم شرک نہیں کر رہے۔ اس کی تفصیل آ رہی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ ''مجھے اس طرح مبالغانہ انداز میں پیش نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا ہے لہٰذا تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ﷺ ہی کہو۔''[4] اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس شخص نے رسول ﷺ کی ذات عبدیت میں مبالغہ کیا تو اس نے عیسائیوں کی مشابہت کی۔'' اسی طرح جس شخص نے اللہ کے سوا کسی مرد یا عورت کو پکارا تو اس نے ان (عیسائیوں) کی مشابہت کی جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنالیا۔''

(۷) غیر اللہ کو پکارنا یہود و نصاریٰ کے کفر و شرک سے بھی بڑا کفر و شرک ہے جو انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔[5] غیر اللہ کو پکارنے والے سے یہود و نصاریٰ کی طرح جزیہ بھی وصول نہیں کیا جائے گا، نہ اس کا ذبیحہ حلال ہے، نہ مسلمان عورت سے شادی کر سکتا ہے، اگر مشرکہ عورت ہے تو اس سے موحد مسلمان شادی نہیں کر سکتا اور نہ مشرک اور موحد باہم وارث و موروث بن سکتے ہیں۔ قرافیؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ سارے مفاسد غیر اللہ کو پکارنے سے در آتے ہیں جن کی تلافی صرف اسی صورت ممکن ہے کہ انسان از سر نو کلمہ شہادت کا اقرار کر کے اپنے اسلام کی تجدید کرلے۔''[6]

---

(۱) [الجواب الكافي (۱٤۳)]

(۲) [تجريد التوحيد (۲۷)]

(۳) [الرد على البكري (۱۰۳)]

(٤) [بخاري (٦٨٣٠)]

(٥) [مؤلفات الشيخ (۱/۳۸۹)]

(٦) [الفروق (٤/٢٦٥)]

لہٰذا دعائے غیر اللہ کو معمولی سمجھنے والوں کو سوچ لینا چاہیے کہ یہ معاملہ (شرک) ایسا نہیں جیسا وہ سمجھ بیٹھے ہیں!

(۸) لوگوں سے سوال کرنا بنیادی طرح پر تین ظلموں کی وجہ سے حرام ہے۔ ایک تو اللہ کے حق میں ظلم (شرک)، دوسرا اس کے لئے جسے پکارا جارہا ہے اور تیسرا خود انسان کے لئے جو غیر اللہ کی عبادت کا مرتکب ہورہا ہے البتہ کسی زندہ انسان سے مشروع (تحت الاسباب) سوال اس کے منافی نہیں۔[۱] لہٰذا جب غیر مشروع سوال کسی زندہ انسان سے کرنا بھی جائز نہیں تو پھر مُردوں سے پوری عاجزی، مسکینی اور محبت سے مانگنا کیسے جائز ہے؟ یہ تو مذکوہ مظالم سے بھی بڑا ظلم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو اس کی مخلوق کے سپرد کیا جائے حالانکہ مخلوق تو اپنے نفع نقصان کی بھی مالک نہیں پھر نیک لوگ (نبی، ولی وغیرہ) تو روز قیامت ان پکارنے والوں سے بھی ناراضگی کا اظہار کریں گے!

(۹) مخلوق کی بجائے خالق سے سوال کرنا ہی شرف انسانی کے لائق ہے[۲] ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب﴾ جب تو فارغ ہو تو عبادت میں محنت کر اور اپنے پروردگار ہی کی طرف دل لگا۔'' (الانشراح۔۷،۸) حضرت یعقوبؑ نے کہا ''بلا شبہ میں اپنی پریشانی اور غم کا شکوہ صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں۔'' (یوسف۔۸۶) نبی کریم ﷺ نے ابن عباس سے کہا ''جب تو سوال کرے تو اللہ تعالیٰ سے سوال کر اور جب تو مدد مانگنا چاہے تو اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ۔''[۳] اسی لئے بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اللہ کے رسول ﷺ سے اپنی ذات کے لئے مال وغیرہ کسی قسم کا سوال نہیں کیا خواہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوں یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ بلکہ سابقہ انبیا کے حالات میں بھی ایسی چیز نظر نہیں آئے گی۔ اگرچہ انبیا کے ساتھیوں کو کتنی ہی شدید ضروریات کیوں نہ ہوں مگر وہ انبیا سے سوال نہیں کرتے تھے لہٰذا غیر اللہ سے سوال کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اس جرم کے مرتکب کے مشرک ہونے میں بھی شک نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے شرک سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

***

(۱) [الرد علی البکری (۱۰۳)]

(۲) [ایضاً]

(۳) [ترمذی (۲۵۱۶) صحیح]

مبحث ثانی

مسلمانوں میں دعائے غیر اللہ کیسے پھیلی؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور کتابیں دنیا میں اس لئے نازل فرمائیں کہ لوگوں کو توحید پر گامزن کیا جائے تاکہ وہ صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک کو پکاریں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دعائے غیر اللہ کا خوب قلع قمع کیا ہے حتٰی کہ یہ اسلام کی پہچان بن گیا مگر جب اسلام کمزور پڑتا گیا تو یہ شرک مسلمانوں میں زور پکڑتا گیا لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ان اسباب و وجوہات کی نشاندہی کی جائے جن کی وجہ سے یہ شرک پھیلتا گیا کیونکہ جب کسی معاملے کو حل کرنا ہو تو پہلے اس کے تمام اسباب تلاش کئے جاتے ہیں کیونکہ ''جب مرض اور اس کا سبب پہچان لیا جائے تو اس کے مداوا کرنے میں تعاون مل جاتا ہے۔''[1] کوئی بھی عقلمند جانتا ہے کہ کسی امت کا کسی امر پر مجتمع ہونے کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے[2] لہٰذا یہ قاعدہ اس بات کا متقاضی ہے کہ دعائے غیر اللہ پر امت مسلمہ کے بڑے حصے کا جمع ہو جانے کا یقیناً کوئی سبب ضرور ہے جسے تلاش کرنا نہایت ضروری ہے۔ دراصل دعائے غیر اللہ کے قوی، ضعیف، خاص، عام جیسے بیسیوں اسباب ہیں ہم ان میں سے اہم اسباب کو بالترتیب سپرد قلم کرنے سے پہلے اللہ کی توفیق کا سوال ضرور کرتے ہیں اور صرف اسی سے مدد طلب کی جاسکتی ہے۔

(1) جہالت اور قرآن وسنت سے اعراض:۔[3] رسول اللہ ﷺ سے پہلے لوگ جہالت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے بتوں کی عبادت کرتے تھے کیونکہ یہ لوگ سابقہ انبیا کی لائی ہوئی تعلیمات کو یکسر فراموش کر چکے تھے۔ پھر ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کو دین حق کے ساتھ مبعوث کیا تاکہ اس جہالت اور کفر و شرک کی بیخ کنی کی جاسکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ ''اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا ہے کہ ان میں ایک رسول انہی جیسا (انسان) مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ (اصلاح) کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔'' (آل عمران۔۱۶۴)

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اصحاب کو مکمل دین سکھلایا، ہر طرح کے اچھے اور برے کام سے باخبر کیا۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہی عمل اپنے بعد آنے والے (تابعین) لوگوں کو اور انہوں نے اپنے بعد آنے والے لوگوں کو پہنچا دیا لیکن اس کے بعد کتاب وسنت کے خالص علم میں کدورت پیدا ہونا شروع ہوگئی'' اور اسی وجہ سے اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی

(۱) [الرد علی البکری (۸۰)]

(۲) [الفتاوی (۱۷۸/۲۷)]

(۳) [اغاثة اللهفان (۱۶۶/۱۰) زاد المعاد (۷۸۷/۵)]

توحید خالص میں جہل وشرک کی آمیزش ہونے لگی۔ بعد کے لوگوں تک جو علم منتقل ہوا۔شیطان نے اس میں فتنوں کی آمیزش کر ڈالی اور اسی وجہ سے وہ لوگ جہالت کا شکار ہو کر شیطان کے پیروکار بنتے گئے ......'' ثابت ہوا کہ علم صحیح (کتاب وسنت) سے دوری کی وجہ سے یہ شرک لوگوں میں پروان چڑھنے لگا،قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیر میں فکر وتدبر محو ہونے لگا۔ کیونکہ لوگوں نے یہ مشہور کر دیا کہ قرآن فہمی کے لئے صرف ونحو اور فلسفہ ومنطق جیسے بیسیوں علوم حاصل کرنا ضروری ہے۔ پھر اس کے برعکس لوگوں نے شرکیہ امور کے حق میں قرآن مجید ہی سے دلائل وضع کرنے شروع کر دیئے اور یہی وہ یہودیانہ روش تھی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

''اور ان میں سے بعض ان پڑھ ایسے بھی ہیں کہ جو کتاب کے صرف ظاہری الفاظ ہی کو جانتے ہیں اور صرف گمان اور اٹکل ہی پر ہیں۔'' (البقرۃ ۔۷۸) ''جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا، پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا، ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت کتابیں لادے ہو۔'' (الجمعۃ ۔۵) اس لئے مشرک لوگوں نے قرآن کی تلاوت کو مردوں ،قبروں اور درباروں کی زینت بنا دیا، اس کی کتابت کو تعویذ گنڈوں کی نذر کر دیا، قرآن بطور تبرک حفظ کئے جانے لگا۔اس طرح قرآنی احکامات کی تفسیر وتفہیم کے برعکس جہالت عام ہونے لگی۔

شیخ ابوبکر الجزائری مسلمانوں کے متاخر دور کی یوں منظر کشی کرتے ہیں کہ ''قرآن کو زندوں کی بجائے مُردوں پر پڑھا جانے لگا، اس کا ترجمہ اور تفسیر گناہ قرار پانے لگا بلکہ قرآن کی درست تفسیر بھی کفر قرار پائی۔قرآن نے کہا ''مسجدیں اللہ کے لئے ہیں لہٰذا اس کے ساتھ کسی غیر کو نہ پکارو'' لیکن لوگوں نے مسجدوں میں قبریں بنائیں۔ پھر بآواز بلند پکارنے لگے یا غوث، یا علی، اے امام بری.......لیکن کسی کو اتنی جرأت نہیں کہ انہیں قرآنی آیات کی خلاف ورزی (اور شرک اکبر) سے منع کر سکے۔''[1] ان لوگوں نے ستم بر ستم یہ کیا کہ اپنے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی قرآن فہمی سے روکنا چاہا اور کہا ''کہ اگر تفسیر میں کوئی غلطی ہوگئی تو سارے شہر پر عذاب الٰہی کا کوڑا برسے گا۔ حالانکہ یہ فضول بات ہے جو صرف شیطان نے ان کے ذہنوں میں راسخ کر دی ہے۔''[2]

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو آسان فہم، اس کی آیات کو واضح اور اس پر غور وفکر کو آسان بنا دیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے ''بتحقیق ہم نے آپ کی طرف واضح آیات کو نازل کیا ہے اور ان سے انکار صرف فاسق ہی کر سکتا ہے۔'' (البقرۃ ۔۹۹) انبیاء لوگوں کو جہالت کی دلدل سے نکالنے کے لئے آسان فہم دین لے کر مبعوث ہوئے ہیں جبکہ قرآن کو مشکل اور ناممکن

---

(۱) ایسر التفاسیر (۱/۵۔۶)]

(۲) [السنن والمبتدعات(۲۱۸)]

الفہم قرار دینا اس کے منافی ہے۔[1] کتاب وسنت سے اس حد تک اعراض کیا جارہا ہے کہ ایک ہمعصر عالم نے بتایا کہ اس نے ایک دینی مدرسہ سے ''شہادت عالمیہ'' حاصل کی۔مگر پورے کورس میں اسے اور اس کے ساتھیوں کو ایک آیت بھی نہیں پڑھائی گئی۔[2] یہ ظلم صرف قرآن تک محدود نہیں بلکہ سنت کے ساتھ بھی اسی طرح کا ظلم روا رکھا جاتا رہا[3] حتی کہ صحیح بخاری جیسی بلند پایہ حدیث کی کتاب کو بھی صرف سختی اور مصیبت کے وقت اور دشمن کے خلاف نصرت کے حصول کے لئے پڑھنے تک محدود کردیا گیا۔[4] اسی طرح کچھ فقہی کتابوں کو بھی بطور تبرک ہی پڑھا جاتا ہے۔[5]

حسین بن مہدیؒ لکھتے ہیں کہ کچھ لوگ زبید شہر میں درس بخاری کا اہتمام کرتے۔پھر اختتام کے بعد وہاں کسی ٹیلے (آستانے) کے پاس پورے ادب واحترام اور متانت وسنجیدگی کے ساتھ معتکف بن کر بیٹھ جاتے (پھر فرماتے ہیں) ''کیا یہ عمل انہیں بخاری وغیرہ سے حاصل ہوا ہے کہ اس طرح کریں؟؟''[6]

دراصل سبب یہ ہے کہ یہ لوگ فہم حدیث سے کورے ہونے کے ساتھ اس پر عمل کرنے سے بھی دور ہیں بلکہ ان کے نزدیک صحیح اور موضوع حدیث کی کوئی پہچان نہیں۔یہ تو جاہل شیوخ اور زیادہ سے زیادہ روایتوں کے حصول کے دھوکے میں ہیں اور آداب حدیث سے بے بہرہ ہیں۔[7] ہماری بات کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ یہ لوگ حدیث کی درس وتدریس کا اہتمام نہیں کرتے بلکہ درس وتدریس کا اہتمام ضرور کرتے ہیں اور یہ اہتمام امت میں جاری رہے گا مگر حدیث کے فہم صحیح پر کوئی توجہ نہیں کی جاتی جس کی وجہ سے جہالت پھیلتی ہے اور وہ جہالت اپنے ساتھ مختلف خرافات، بدعات اور شرک کی فوج ظفر موج لئے آتی ہے۔شرک اس قدر پھیل چکا ہے کہ لوگ شرکیہ رسومات کو عین اسلام سمجھ بیٹھے ہیں بلکہ اگر کوئی بندہ اس شرک کے خلاف گفتگو کرے اور توحید خالص کی دعوت دے تو یہ لوگ اسے اسلام کا دشمن قرار دیتے ہیں اور منوں

(۱) [رسالة التوحيد (ص۲۱)]

(۲) [الاتجاه السلفى (ص۲٤۳)]

(۳) [تذكرة الحفاظ (۲/۵۳۰) توضيح الافكار (۲/۳۵۱)]

(٤) [کہتے ہیں جب تاتاریوں نے بخارا پر حملہ کیا تو لوگوں نے بخاری کا ختم دلوانا شروع کردیا اور بوقت مصیبت بخارا کے لوگ اسی طرح کیا کرتے تھے (مگر اس ختم نے کوئی فائدہ نہ دیا اور تاتاریوں نے بخارا کی اینٹ سے اینٹ بجادی) طبقات الشافعيه (۹/۲۱۱)]

(۵) [احناف بوقت مصیبت قدوری کا ختم کروایا کرتے تھے۔ دیکھئے كشف الظنون (۲/۱۲۳۱) مقالات الكوثرى (ص٥٤) الرسالة المستطرفة (ص۱۰٦)]

(٦) [معارج الالباب (۱۷۸)]

(۷) [زغل العلم (ص۲۷)]

مٹی تلے مدفون اور دنیا و مافیہا سے بے خبر لوگوں سے فریاد رسی کو عین اسلام قرار دیتے ہیں! اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے کتاب وسنت کا حق اہمیت، فلسفہ و منطق اور نادر الوقوع فقہی مسائل کو سونپ رکھا ہے اور اسی میں عمریں صرف کی جارہی ہیں حالانکہ ان علوم سے گمراہوں کو راہ ہدایت کیسے دکھائی جا سکتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ شرک (دعائے غیر اللہ) کے پھیلنے کا سبب کتاب وسنت سے جہالت اور عدم واقفیت ہے اور یہ نبی کریم ﷺ کی پیش گوئی تھی جو آج روز روشن کی طرح پوری ہو چکی ہے کہ ''علم قبض کر لیا جائے گا اور جہالت اور فتنے پھیل جائیں گے۔''(۱)

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ ''جہالت بڑھ جانے اور علم مٹ جانے سے شرک غلبہ پا گیا، معروف منکر اور منکر معروف متصور ہونے لگا، سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت کا نام دیا جانے لگا، اسی دور انحطاط میں بچے بڑھاپے کی دہلیز تک جا پہنچے، اسلام اجنبی ہو کر رہ گیا، علماء کم اور جہلاء زیادہ ہو گئے ہیں۔ مگر اس کے باوجود دین حق کی حمایت میں ایک موحد جماعت تا قیامت اقامت دین کا فریضہ انجام دیتی رہے گی۔ ابن قیمؒ مزید رقمطراز ہیں کہ جہالت قبول حق کی راہ میں سب سے بڑا مانع ہے کیونکہ انسان اس چیز کا دشمن ہوتا ہے جس سے وہ جاہل ہو۔(۲) جہالت کے پھیلنے کے دو بنیادی سبب ہیں:۔

(۱) کتاب وسنت سے بے رخی جیسا کہ ابھی بیان کر دیا گیا ہے۔

(۲) یہ زعم باطل کہ مشرکین فنا ہو کر گذر چکے۔ اب شرک کا کوئی خطرہ نہیں۔

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ قرآن میں جا بجا شرک کی جڑیں کاٹی گئی ہیں لیکن اکثر لوگ اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ شرک کرنے والے لوگ دنیا سے جا چکے ہیں لہٰذا اب شرک سے کوئی خطرہ نہیں اور یہی شبہ ان لوگوں کے دلوں اور فہم قرآن کے درمیان حائل ہو چکا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر وہ مشرک قومیں فنا ہو گئی ہیں تو ان کی جگہ دوسری مشرک قوموں نے سنبھال لی ہے جو انہی کے مثل بلکہ ان سے بھی زیادہ شرک میں گرفتار ہیں اور قرآن مجید کے وہی احکامات اب ان موجودہ مشرکین پر صادر ہو رہے ہیں۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''اسلام کی کڑیاں ایک ایک کر کے ٹوٹ جائیں گی اور یہ اس وقت ہوگا جب مسلمان جہالت سے ناواقف ہو کر رہ جائیں گے۔'' اس لئے جب ان لوگوں نے سابقہ لوگوں کی جہالت کو نہ پہچانا تو یہ انہی کے نقش قدم پر چل نکلے اور اسی کو درست سمجھ کر دوسرے لوگوں کو بھی اس کی دعوت دینے لگے حالانکہ انہیں یہ خبر ہی نہ ہو سکی کہ یہی اقدام تو سابقہ جاہل اقوام نے کیا تھا اور اب یہ بھی انہی کے نقش

(۱) [بخاری (۸۵)]

(۲) [زاد المعاد (۵۰۷/۳) هداية الحيارى (۱٦)]

قدم پر چلے جارہے ہیں!''(۱) دین اسلام، توحید اور شرک سے عدم واقفیت کی بنا پر شیطان نے مسلمانوں کو گمراہ کیا اور بہت سے لوگوں کو غیر اللہ کو پکارنے پر ابھارنے کے لئے اسے توسل، شفاعت، اولیا سے محبت وغیرہ کے نعروں سے فریب دیا کیونکہ ''شیطان کے لئے لوگوں پر حملہ آور ہونے کا سب سے وسیع طریق یہی جہالت ہے اسی لئے شیطان جہلاء پر پورے اطمینان سے حملہ آور ہوتا ہے جبکہ علماء پر حملہ آور ہونے کے لئے اسے چور دروازے تلاش کرنے کی دقت ہوتی ہے۔''(۲) امام قرافیؒ نے بھی شرکیہ دعاؤں کا بنیادی سبب ''جہالت'' ثابت کیا ہے۔ وہ حرام اور باعث کفر دعاؤں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''دنیا و آخرت کے تمام فسادات کی جڑ یہی جہل ہے۔ حتی المقدور اس سے بچنے کی کوشش کرو اور دنیا و آخرت کے تمام منافعات کی بنیاد علم ہے اور حتی الوسع اس کے حصول کی کوشش کرو۔''(۳)

(2) دعائے غیر اللہ کے جواز کے باطل شبہات:۔(٤) دعائے غیر اللہ کے پھیلنے کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ کچھ قبوریوں نے اس کے جواز پر کچھ دلائل فراہم کر رکھے ہیں جن کی حقیقت بس یہ ہے کہ کچھ پیاسے لوگ دور چٹیل ریتلی میدان میں ریت کو پانی سمجھ کو اس کی طرف چلے آئیں مگر وہاں آکر متشابہات کی پیروی کرتے ہیں اور ان کے شبہات تین طرح کے ہیں:۔

(۱) متشابہہ نصوص سے غلط استدلال اور قرآنی آیات اور صحیح احادیث سے باطل تاویلات کا سہارا لے کر اپنے موقف کو ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کرنا۔

(۲) ایسی موضوع، من گھڑت اور ضعیف روایات سے استدلال جو انہی جیسے قبر پرستوں نے اپنے موقف کے لئے اللہ کے رسول ﷺ کے ذمے لگا رکھی ہیں۔

(۳) جھوٹے واقعات جو ان قبر پرستوں نے عوام کو گمراہ کرنے کے لئے مشہور کر رکھے ہیں کہ فلاں نے اس قبر پر آکر یہ دعا مانگی اور جناب وہ فوراً پوری کر دی گئی وغیرہ وغیرہ۔ یہ لوگ دنیا میں سب سے جھوٹے ہیں۔

کبھی کبھار ان کے واقعات درست بھی ہوتے ہیں مگر وہ شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں یعنی کوئی مشرک کسی ولی مثلاً حضرت خضر، شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہ کو پکارتا ہے تو شیطان ان کی پکار کا جواب دیتا ہے جبکہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے فلاں حضرت سے بات کی ہے، ہم نے فلاں حضرت کو دیکھا ہے حالانکہ وہ شیطان ہوتا ہے۔(٥) بسا اوقات شیطان

---

(۱) [مدارج السالكين (۳٤۳/۱)]

(۲) [تلبيس ابليس (۱۳٤)]

(۳) [الفروق (۲٦٥/٤)]

(٤) [الجواب الصحيح (۳۱۷/۱) اغاثة اللهفان (۱٦۷/۱)]

(٥) [الجواب الصحيح (۳۱۸/۱) منهاج السنة (٤۸۳/۱)]

ایسے مشرک کا کوئی کام کر دیتا ہے جبکہ انہیں یہ باور کروا دیا جاتا ہے کہ یہ فلاں مردے، صاحب قبر یا ولی کی کرامت ہے حالانکہ یہ سب شیطان کے کرشمے ہوتے ہیں اور یہی وہ سب سے بڑا سبب ہے جس کی وجہ سے ہمیشہ بتوں کی پوجا پاٹ ہوتی رہی ہے اور آج بھی شیطانی کرشموں کی وجہ سے لوگ توہمات کا شکار ہیں کیونکہ شیطان نے قیامت تک کے لئے لوگوں کو گمراہ کرنے کی قسم اٹھا رکھی ہے۔ لیکن جب ایمان کی روشنی پھیلتی ہے اور توحید و نبوت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو کفر و شرک کے گہرے اندھیرے چھٹتے چلے جاتے ہیں اور جب توحید و سنت اور ایمان کمزور ہونے لگتا ہے تو اس کے بالمقابل کفر و شرک زور پکڑ لیتا ہے۔ شیخ ابن تیمیہؒ نے بھی پیروں کی جعلی اور شیطانی حکایات کو شرک کے پھیلاؤ میں ایک مؤثر ہتھیار گردانا ہے یعنی ''جو شخص کسی نبی یا غیر نبی کو پکارتا ہے، اسے ایسے واقعات پہنچتے ہیں جو اس کی گمراہی کو تقویت پہنچانے کا سبب ثابت ہوتے ہیں۔'' [۱] ان شبہات کا جواب باب چہارم میں ذکر کیا جائے گا۔

(3) علمائے سوء کا کردار:۔ دعائے غیر اللہ کو پھیلانے میں علمائے سوء نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا ہے انہی علماء کی وجہ سے بڑے بڑے بادشاہ، امراء اور وزراء راہ حق سے گمراہ ہوتے رہے۔ اگرچہ ان کے مقابلے میں حق کا دفاع اور امر بالمعروف ونھی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والے بیسیوں علماء بھی موجود رہے ہیں مگر علمائے سوء نے اپنی خواہشات اور لوگوں کو خوش کرنے کے لئے ان کے حق میں کتابیں لکھیں۔ شیخ ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب ''الاستقامہ'' میں ان کی کئی مثالیں ذکر کی ہیں۔ [۲] یہ علماء لوگوں کی خواہشات کے مطابق کبھی توسل کے نام پر، کبھی تاویلوں کے ساتھ اور کبھی من گھڑت حدیثوں کے ساتھ جواز فراہم کرتے رہے اور مردوں کو پکارنے پر مستقل کتابیں تصنیف کر کے انہیں گمراہ کرنے کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دعوت تبلیغ کا فریضہ انجام دینے کے لئے انبیا کا وارث بنایا تھا مگر یہ ناخلف ثابت ہوئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ لیا جنہیں کتاب دی گئی کہ تم اسے لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں مگر انہوں نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا اور اس (کتاب) کے ذریعے تھوڑی قیمت مول لی۔ پس بری ہے وہ چیز جو انہوں نے کمائی ہے۔'' (آل عمران۔۱۸۷)

کچھ گمراہ فرقوں کے علمائے سوء نے دعائے غیر اللہ جیسے شرکیہ عقائد کے ثبوت میں باقاعدہ کتابیں تصنیف کی ہیں مثلاً ابن المفید رافضی نے ''الحج الی زیارۃ المشاھد'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں بیشتر دعائیں کذب وافتراء پر مبنی ہیں۔ [۳]

---

(۱) [قاعدة فی التوسل (ص ۳۰)]

(۲) [الاستقامة (۱/۴۳)]

(۳) [منهاج السنة (۱/۴۷٦) الفتاوی (۴/۱۷)]

شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اس بدعت کی کچھ منافق اور زندیق لوگوں نے طرح ڈالی تا کہ وہ لوگوں کو صراط مستقیم سے گمراہ کر سکیں اور ان کے لئے دین اسلام میں فسادات و بدعات کی رخنہ اندازیاں کر کے توحید خالص کے برعکس شرک کو شائع و ذائع کریں۔ ان میں مختلف فلاسفہ، متکلمین، صائبین اور مشرکین وغیرہ شامل ہیں جن کے ساتھ قرامطہ، باطنیہ وغیرہ نے بلاک بنا کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دشمنی میں بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ ان لوگوں نے مساجد کی بجائے مختلف آستانوں کو شرف عزت بخشا اور غلو میں اس قدر بڑھ گئے کہ ان کا حج شروع کر کے شرک کی وہ داستان رقم کرنا شروع کر دی جس کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سخت ممانعت کر رکھی تھی۔ ان لوگوں نے مساجد میں نماز باجماعت اور جمعہ کا خاتمہ کر دیا اور کہا کہ نماز صرف ''معصوم امام'' کی اقتداء میں ادا کی جا سکتی ہے۔

علمائے سو کا کردار بد آپ نے ملاحظہ کر لیا اب دیکھتے ہیں کہ گمراہ علماء نے قبروں کی عبادت اور دعائے غیر اللہ کو مسلمانوں میں پھیلانے میں کیا کردار ادا کیا ہے۔ نبی ﷺ گمراہ علماء سے اپنے خوف کا اظہار ان الفاظ میں کیا کرتے تھے کہ ''میں اپنی امت پر گمراہ علما سے خوف زدہ ہوں۔''(۱) اور عبر التاریخ بے شمار گمراہ باطنی، رافضی اور زندیق علما نے مسلمانوں پر تسلط جمایا کیونکہ مسلمان کتاب و سنت سے تمسک کو کمزور کر چکے تھے۔ کچھ گمراہ علماء نے تو الوہیت کا دعوی کرنے میں بھی کوئی جھجک محسوس نہ کی جس طرح حاکم امر اللہ باطنی عبیدی کی مثال ہے۔ اس نے شہر والوں کو حکم دے رکھا تھا کہ جب میرا ذکر کیا جائے تو سب کے سب سجدہ ریز ہو جائیں خواہ وہ بازاروں ہی میں کیوں نہ ہوں اور عوام بھی جمعات (اور نمازوں) میں اللہ کو سجدہ کرنے کی بجائے حاکم کو سجدہ کرتی تھی۔''(۲)

کچھ لوگوں نے اپنی ذات کے لئے تو الوہیت کا دعوی نہیں کیا مگر اپنے اماموں کو معبود بنانے میں بھی کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ کچھ لوگوں نے ائمہ اہل بیت سے اندھی محبت و عقیدت کا اظہار کیا اور ان کی قبروں پر مزارات تعمیر کر لئے جس کے نشانات آج بھی مسلمانوں کے عقائد بگاڑنے میں پوری طرح چاک و چوبند ہیں۔ اسی طرح کا ایک مزار حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کا باطنی عبیدی فرقے نے قاہرہ میں بنایا جس کے آثار آج بھی باقی ہیں اور وہاں طواف اور عبادت کی جاتی ہے۔(۳) انا للہ وانا الیہ راجعون!

اسی طرح بنو بویہ کے رافضیوں نے اپنے دور حکومت میں اپنے زعم باطل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبر اور اس پر مزار بنایا جس کی عبادت اور طواف آج تک کیا جا رہا ہے۔(٤) مسلمانوں میں شرک پھیلانے والے جاہل علماء اور زندیق

---

(۱) [ابو داؤد (٤٢٥٢) احمد (٢٧٨/٥) السلسلة الصحيحة (١٠٩/٤) مسلم (٢٨٨٩)]

(۲) [البداية والنهاية (١٠/١٢)]

(۳) [رأس الحسين (١٦٨)]

(٤) [ايضا]

حضرات نے پوری مستعدی دکھائی البتہ دعائے غیر اللہ میں زندیق سب سے پیش پیش رہے مثلاً:۔

(۱) ابن جوزیؒ ابن عقیل حنبلیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ جب ملحدین نے دیکھا کہ اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے اور اس کے سامنے ڈٹ کر اس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا تو انہوں نے اسلام کی آڑ میں مختلف حربے استعمال کئے مثلاً پتھروں میں ان کے خواص کو معجزات ثابت کرنے لگے، مختلف شہروں سے خرق عادت مثالیں سنانے لگے، کاہنوں اور نجومیوں کی غیبی خبریں اور پیش گوئیاں لوگوں میں مشہور کردیں تا کہ جب کوئی کم علم انسان ان شعبدوں کو دیکھے تو وہ یہ یقین کرلے کہ انبیاء کے معجزات بھی اسی طرح تھے جو کوئی بڑی بات نہیں!۔[۱]

(۲) اسماعیلی اور قرامطی باطنی فرقوں کے رسائل[۲] کے حوالے سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے کا یہ حربہ استعمال کیا کہ ''اللہ کا تقرب بتوں کی بجائے انبیاء کے توسل سے حاصل کرو۔ اگر انبیا تک رسائی نہ ہو تو ان کے خلفا، ائمہ اور اوصیا کا وسیلہ اختیار کرو اور اس مقصد کے لئے ان کے درباروں، مزاروں اور قبروں پر حاضری دو اور وہاں نماز، روزے، استغفار کا اہتمام کرو اور ان کے ہم مثل بت بنالو تا کہ اللہ کا قرب حاصل ہو سکے!''

(۳) ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ جب اسلام کے دشمن اسلام کا بزور شمشیر مقابلے کرنے سے عاجز آگئے تو انہوں نے اسلام اور مسلمانوں میں رخنہ ڈالنے کے لئے تشیع کو فروغ دیا۔[۳] ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ قرامطہ اور عبیدیوں کو کسریٰ کے خاندان کی ایک جماعت کی پشت پناہی حاصل ہوگئی، ان کے ساتھ کئی مجوسی بھی شامل ہوگئے اور یہ سب اسلام کے دشمن تھے اور اسلام سے اپنی حکومتوں کے تخت وتاراج کا بدلہ لینے کے لئے انہوں نے امامیہ کی مدد کی۔[٤]

(۴) بیان کیا جاتا ہے کہ ایک فرانسیسی نے اسلام قبول کیا۔ پھر ترقی کرتے ہوئے تیونس کی جامع مسجد کا امام بن گیا۔ جب فرانسیسیوں نے تیونس پر یلغار کی تو اس نے ان لوگوں کو مقابلے کی بجائے زیر دست ہو کر صلح کی ترغیب دلائی جسے اہل تیونس نے تسلیم کرلیا۔[٥]

(۵) اسی طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک فرانسیسی خاتون نے اسلام قبول کرکے ایک تیجانی شیخ سے شادی کرلی۔ پھر اس کے فوت ہوجانے کی وجہ سے اس کے بھائی سے شادی کرلی اور اس طرح اس نے فرانسیسی استعمار میں خوب

---

(۱) [تلبیس ابلیس (٦٨)]

(۲) [رسائل اخوان الصفا (٢٠/٤)]

(۳) [الفصل (٢٧٣/٢)]

(٤) [المنتظم (١١٨/٥)]

(٥) [التصوف بین الحق والخلق (٢١١)]

خدمات انجام دیں۔[۱]

(4) آباؤاجداد کی اندھی تقلید:۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو غوروفکر اور بصیرت کے لئے عقل کی دولت سے بہرہ مند فرمایا ہے مگر بہت سے لوگ اس عقل کو استعمال ہی نہیں کرتے بلکہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے آباؤاجداد قبروں کی پوجا کرتے چلے آرہے ہیں تو وہ بھی یہ سوچے سمجھے بغیر کہ یہ عبادت کے مستحق بھی ہیں یا نہیں، ان کی تقلید میں ان کی پرستش شروع کر دیتے ہیں بلکہ اگر کوئی صاحب بصیرت انہیں سمجھانے کی کوشش کرے تو یا اسے وہی جواب دیتے ہیں جو پہلے گمراہ مقلدین دیا کرتے تھے کہ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے (اور آؤ) رسول کی طرف تو یہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو وہی کافی ہے جس پر ہمارے آباؤاجداد تھے۔ اگرچہ ان کے آباؤاجداد نہ کچھ جانتے تھے نہ ہی عقل رکھتے تھے۔'' (المائدۃ۔۱۰۴) ایک دوسری آیت میں ہے ''بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباؤاجداد کو ایک مذہب پر پایا اور ہم انہی کے قدموں پر راہ یافتہ ہیں۔ اسی طرح آپ سے پہلے بھی ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا، وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو (ایک راہ پر اور ایک دین پر) پایا اور ہم تو انہی کے نقشِ پا کی پیروی کرنے والے ہیں۔'' (الزخرف۔۲۲،۲۳)

ابن جوزیؒ رقمطراز ہیں کہ ''ابلیس لعین نے عوام کی اکثریت کو ان کے باپ دادا کی رسوم ورواج کی تقلید پر گامزن کر کے گمراہ کیا ہے۔ انسان بچپن سے دیکھتا آتا ہے کہ اس کے باپ دادا بیسیوں سالوں سے جس گمراہی پر قائم ہیں، یہ بلا سوچے سمجھے اسی پر کاربند ہو جاتا ہے۔''[۲] دعائے غیراللہ کے جواز پر آباؤاجداد کے طور طریقوں سے بڑی گہری دلیلیں حاصل کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں بلکہ کوئی اس کا منکر ہو، اسے اجماع امت کا مخالف بھی گردانا جاتا ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے باپ دادا سے حسن ظن رکھتا ہے اور ان کے ماحول میں زندگی گذارتے ہوئے ان کے اعتقادات کو اپنے اندر جذب کرنے لگتا ہے جس کے نتیجے میں وہ کسی ایسے شخص کی بات سننے کو تیار نہیں ہوتا جو ان کے باپ دادا کے طرزِ عمل پر نکتہ چینی کرتا ہو۔ بالآخر یہ انسان راہ حق سے بھٹک جاتا ہے۔[۳]

ابن جوزی شیطان کی وارداتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''شیطان مقلد کے لئے اس کے گذشتہ طرز عمل ہی کو مزین کر کے یہ بات سمجھاتا ہے کہ دلائل سے شبہات جنم لیتے ہیں لہٰذا سلامتی بزرگوں کی تقلید میں پنہاں ہے۔ اس

---

(۱) [ایضا]

(۲) [تلبیس ابلیس (ص۳۹۹)]

(۳) [العلم الشامخ (۲۸۷)]

طرح بہت سے لوگ شیطان کے حملے کا شکار ہو جاتے ہیں...... حالانکہ مقلدین کی وہ علت جس کی بنیاد پر وہ تقلید کو مستحسن سمجھ لیتے ہیں، اسی سے یہ دلیل مترشح ہوتی ہے کہ جب دلائل کے سامنے تقلید مشکوک ہو جاتی ہے تو پھر اس مشکوک اور گمراہ کن عمل (تقلید) کو چھوڑنا ہی واجب ہے......... انسان ہمیشہ کسی بڑے آدمی کی عظمت وعقیدت کی وجہ سے بلاغور وفکر اس کا متبع بن جاتا ہے جو عقل کی رو سے صریح گمراہی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ''حق لوگوں سے نہیں پہچانا جاتا بلکہ اگر تم حق کو پہچان لو تو پھر اہل حق کو بھی پہچان لوگے۔''(۱)

(5) شریعت نے شرک سے بچاؤ کے جو ذرائع اختیار کئے ہیں، ان کی پیروی نہ کرنا:۔

شریعت نے ہر اس قول وعمل سے بچنے کا حکم دیا جو انسان کو شرک کا مرتکب بنا سکتا تھا۔ اس طرح شریعت نے توحید کی حفاظت اور شرک کی بیخ کنی کا پورا بندوبست فرمایا ہے۔ شرک کے ذرائع اور طرق تو متعدد ہیں، ہم ان میں سے چند ایک کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں مثلاً غیر اللہ کی قسم کھانا وغیرہ۔ حدیث نبوی ﷺ ہے: جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی، اس نے شرک کیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے کہا کہ ''جو اللہ اور آپ چاہیں (وہ ہو سکتا ہے) تو نبی ﷺ نے فرمایا: کیا تم مجھے اللہ کا شریک بنا رہے ہو؟ بلکہ جو صرف اور صرف اللہ چاہے (وہی ہوتا ہے میرے اختیار میں کوئی چیز نہیں)(۲) اس طرح قبر پر عمارت بنانا یا ان کی طرف بقصد ثواب سفر کرنا یا قبروں کو مسجدیں بنانا اور وہاں نمازیں پڑھنا یا دوسری عبادات بجا لانا مثلاً مردوں کو پکارنا یا وہاں جانور ذبح کرنا یا ان کی مورتیاں (تصویریں وغیرہ) بنانا یا وہاں عرس اور میلے منعقد کرنا وغیرہ یہ سب شرکیہ امور اور شرک کے ذرائع ہیں جن سے شریعت نے سختی سے منع کیا ہے مثلاً حدیث نبوی ﷺ ہے کہ

- ''نبی ﷺ نے قبر کو چونا گچ (پختہ) کرنے، اس پر (درباری بن کر) بیٹھنے اور اس پر عمارت (گنبد وغیرہ) تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔''(۳)

- حضرت علی رضی اللہ عنہ ابو ہیاج اسدی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ ''کیا میں تمہیں اس مشن پر روانہ کروں جس پر اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے روانہ کیا تھا۔ (وہ یہ ہے کہ) تم کسی مورت (بت، تصویر وغیرہ) کو باقی نہ رہنے دو اور ہر اونچی قبر کو (دوسری عام قبروں کے) برابر کر دو۔(۴)

- حضرت ابو سعید اور ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''(بغرض ثواب) تین مسجدوں کے سوا کسی مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے (وہ تین یہ ہیں) مسجد حرام (بیت اللہ) مسجد اقصی

(۱) [تلبیس ابلیس (۸۱)]

(۲) [ابو داؤد (۳۲۵۱) ترمذی (۱۵۳۵) حاکم (۱۸/۱) صحیح الجامع (۲۸۲/۵)]

(۳) [مسلم (۹۷۰)]

(۴) [مسلم (۹۶۹)]

(بیت المقدس) اور میری یہ مسجد (مسجد نبوی ﷺ)''(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے مرض الموت میں چادر منہ پر ڈال لیتے۔ جب گھبراہٹ ہوتی تو پیچھے ہٹا دیتے اور فرماتے کہ ''اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول (اپنی امت کو یہود و نصاری کے اس شرکیہ امر سے) ڈرانا چاہتے تھے۔(۲) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کو اپنی وفات کا یقین ہو چکا تھا۔ اسی لئے آپ نے اس حالت میں یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی تاکہ مسلمان بھی کہیں ان کے نقش قدم پر آپ ﷺ کی قبر کو سجدہ گاہ نہ بنالیں۔''(۳)

جندب بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول کی وفات سے پانچ روز قبل یہ ارشاد نبوی ﷺ سنا کہ ''خبردار! تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے۔ تم ایسا نہ کرنا۔ میں تمہیں اس اقدام سے منع کرتا ہوں۔''(٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ام سلمہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہما نے اللہ کے رسول ﷺ سے اس کنیسا کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا اور اس میں تصویریں تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں میں جب کوئی نیک بندہ فوت ہوتا تو یہ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں اس جیسی تصاویر بھی بنا کر آویزاں کر لیتے۔ یہی لوگ اللہ کے ہاں سب مخلوق سے بدتر ہیں۔''(٥) نبی نے بتوں اور تصویروں کے خاتمے کا حکم دیا اور اسی طرح آپ ﷺ نے مطلق طور پر ذی روح کی تصویر سے منع فرما دیا جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ ''قیامت کے روز سب سے سخت عذاب کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کی خلقت سے مشابہت کرتے تھے۔''(٦)

حدیث نبوی ﷺ ہے کہ ''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور میری قبر کو میلہ گاہ نہ بناؤ اور مجھ پر درود بھیجو بے شک تم جہاں کہیں بھی ہوتے ہو، تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔''(٧) نبی کریم ﷺ نے قبروں کی تعظیم، اصحاب قبر کی تصاویر اور بتوں

---

(۱) [بخاری (۱۱۸۸) مسلم (۱۳۹۷)]

(۲) [بخاری (٤۳۵) مسلم (۵۳۱)]

(۳) [فتح الباری (۵۳۲/۱)]

(٤) [مسلم (۵۳۲)]

(٥) [بخاری (٤۲۷) مسلم (۵۲۸)]

(٦) [بخاری (۵۹۵٤) مسلم (۲۱۰۷)]

(٧) [ابو داؤد (۲۰٤۲) احمد (۳٦۷/۲) صحیح الجامع (۱۳۲/٦)]

وغیرہ سے اسی لئے منع فرمادیا کہ یہی وہ امور ہیں جو انسان کو شرک کا مرتکب بنا دیتے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ''بنی آدم میں شرک دو بنیادوں سے پھیلا ہے ایک تو نیک لوگوں کی قبروں کی تعظیم اور ان کی تصویریں اور بت بنا کر تبرک کا قصد کرنا تھا اور یہی سب سے پہلا سببِ شرک ہے جو قوم نوحؑ سے شروع ہوا........ اور دوسرا سبب کواکب پرستی تھا۔''(۱)

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ ''لوگوں میں تصویروں اور قبروں کی وجہ سے سب سے زیادہ شرک پھیلا ہے۔''(۲)

گذشتہ صفحات میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ شریعت نے شرک کے تمام راستے مسدود اور تمام دروازے بند کرنے کی پوری کوشش کی ہے مگر بہت سے مسلمان شریعت کے اقدام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پختہ قبریں، مزار اور دربار تعمیر کرتے ہیں۔ پھر وہاں چراغاں کرتے ہیں، جانور ذبح کرتے ہیں، میلے ٹھیلے منعقد کرتے ہیں، قبر والوں سے مانگتے ہیں اور شریعت نے شرک کے جو دروازے بند کر دیئے تھے، ان سب کو کھول لیا گیا ہے اور جب کوئی مسلمان کسی آستانے اور دربار پر آ کر یہ منظر دیکھتا ہے کہ کس طرح مُردوں کی قبروں کو مزین کر کے خوب چراغاں کا سماں کیا گیا ہے، خوشبوئیں مہک رہی ہیں، لوگ ان کا طواف کر رہے ہیں اور ان سے فریادیں اور دعائیں کر رہے ہیں، کوئی قبر کی مٹی میں لوٹ پوٹ ہو کر تبرک لے رہا ہے، کوئی نذر و نیاز سے تبرک لے رہا ہے، کوئی ''ولیوں'' کی کرامات سنا رہا ہے، کوئی اپنی حاجت برآئی کی داستان سنا رہا ہے، کوئی ولیوں کی مشکل کشائی بیان کر رہا ہے تو وہ دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ یہی اسلام ہے اور وہ بھی اس عملِ بد میں ان کا شریک بن جاتا ہے اور ''وہ ایسا مرعوب ہوتا ہے کہ عقل کو بھی استعمال نہیں کر پاتا کہ یہ قبر والا تو دنیا و مافیھا سے بے خبر ہے اور اس گڑھے سے بھی باہر نہیں آ سکتا تو یہ لوگوں کی بگڑیاں کیسے بنا سکتا ہے؟''(۳)

(۶) صالحین کی محبت میں غلو:۔(٤) صالحین سے اندھی عقیدت، پھر اس میں غلو اور مبالغہ انسان کو شرک کا مرتکب بنا دیتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بالعموم عقائد، اعمال اور عبادات میں اس غلو سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ ''اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ پر سوائے حق کے اور کچھ نہ کہو۔'' (النساء۔۱۷۱)

یہ آیت اگرچہ گذشتہ امتوں کے بارے میں ہے مگر اس کا انطباق اور حکم مسلمانوں پر بھی صادر ہوتا ہے اسی لئے نبی کریم ﷺ نے گذشتہ اقوام و ملل کی پیروی سے سختی سے منع فرمایا ہے بلکہ آپ ﷺ نے پیش گوئی فرمائی کہ ''تم

---

(۱) [الرد علی المنطقیین (ص٢٨٥) فتاوی (٤٦٠/١٧) جامع الرسائل (٥٣/٢) قاعدة فی التوسل (١٧)]

(۲) [زاد المعاد (٤٥٨/٤) اغاثة اللهفان (١٤٥/١)]

(۳) [الابداع فی مصار الابتداع (٢١٣)]

(٤) [اغاثة اللهفان (١٦١/٢)]

(مسلمانوں) اپنے سے پہلے لوگوں کے نقش قدم پر ضرور چل نکلو گے (اور اتنی پیروی کرو گے جس طرح) ہاتھ ہاتھ کے اور بازو بازو کے (ہم مثل ہوتا ہے)۔"(۱) نبی ﷺ نے اپنے بارے میں غلو سے منع کرتے ہوئے فرمایا: "تم مجھے اس طرح نہ بڑھاؤ جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ ابن مریم کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ پس تم (میرے بارے میں) اتنا ہی کہو کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔"(۲) اس ارشاد گرامی کے باوجود بہت سے لوگوں نے آپ کے بارے میں مبالغہ آرائی کی "حتی کہ لوگوں نے یہ اعتقاد بنالیا کہ آپ گناہوں کو بخش سکتے ہیں اور جنت آپ کے ہاتھوں میں ہے کہ جسے چاہیں اس میں داخل کر دیں اور آپ ﷺ کی محبت میں جتنا مبالغہ کیا جائے، اتنا ہی آپ کا قرب نصیب ہوگا حالانکہ یہی لوگ سب سے بڑے نافرمانِ رسول ﷺ ہیں۔"(۳)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "غلو سے بچو! غلو فی الدین نے ہی تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا تھا۔"(٤) یہ حدیث اگرچہ رمی (کنکر مارنے) کے موقع کی ہے مگر اس کے الفاظ کے عموم میں ہر طرح کا غلو شامل ہے جس سے اجتناب ضروری ہے خواہ وہ عقائد میں غلو ہو یا اعمال میں۔ شریعت کے ہر امر و نہی میں یقیناً کوئی نہ کوئی حکمت پنہاں ہوتی ہے۔ اسی طرح صالحین کی محبت وعقیدت میں غلو سے منع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ یہ شرک کا دروازہ ہے جسے شریعت بند رکھنا چاہتی ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "ود"، "سواع"، "یغوث"، "یعوق" اور "نسر" قوم نوح کے صالح لوگوں کے نام ہیں، جب یہ لوگ فوت ہوئے تو شیطان نے ان کی قوم کو کہا کہ انہیں اپنی مجلسوں میں (بت بنا کر) نصب کرلو اور ان بتوں کے نام ان نیک لوگوں کے ناموں پر رکھو چنانچہ قوم نے ایسے ہی کیا مگر ان بتوں کی پوجا نہ کی۔ پھر جب یہ نسل بھی ہلاک ہوگئی اور علم (توحید) ختم ہوگیا تو انہی بتوں کی عبادت کی جانے لگی۔"(٥)

محمد بن قیس سے مروی ہے کہ (٦) بنی آدم میں کچھ نیک لوگ تھے جن کی اقتداء کی جاتی تھی۔ جب وہ فوت ہوگئے ان کے پیروکاروں نے کہا کہ اگر ہم ان کے بت بنالیں تو یہ (بت) ہمیں عبادت کی ترغیب دیتے رہیں گے لہٰذا (اس

---

(۱) [بخاری (۷۳۲۰) مسلم (۲٦٦۹)]

(۲) [بخاری (٦۸۳۰)]

(۳) [الموضوعات للقاری (۱۱۹) البریلویة (۱٤۳)]

(٤) [احمد (۲۱٥/۱) نسائی (۲۱۸/٥) ابن ماجة (۱۰۰۸/۲) ابن خزیمة (۲۷٤/٤) حاکم (٤٦٦/۱) السلسلة الصحیحة (۱۲۸۲)]

(٥) [بخاری (٤۹۲۰)]

(٦) [طبری (۹۸/۲۹)]

نیک مقصد کے لئے) انہوں نے صالحین کے بت بنا لئے۔ پھر جب یہ بھی فوت ہو گئے تو شیطان نے نئی نسل کو ورغلاتے ہوئے کہا کہ وہ (تمہارے بڑے) تو ان کی عبادت کیا کرتے تھے اور ان کی وجہ سے قحط سے محفوظ رہتے تھے (تم بھی ایسا کیا کرو) چنانچہ انہوں نے ان (بتوں) کی عبادت شروع کر دی۔" شیطان مختلف داؤ پیچ اور حیلوں کے ساتھ لوگوں پر حملہ آور ہوتا ہے کیونکہ وہ واضح طور پر شرک کا حکم دے کر لوگوں کو گمراہ نہیں کر سکتا۔ "حتیٰ کہ موحد عبادت گزاروں کو تقرب الی اللہ کے نام پر دھوکہ دیکر شرک تک لے جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اہل حرم جب کسی سفر کے لئے نکلتے تو وہاں سے کوئی پتھر اٹھا کر ساتھ لے جاتے تاکہ سفر میں حرم اور کعبہ کی یاد تازہ رہے پھر انہی پتھروں کے بت بنا کر ان کی عبادت کی جانے لگی۔"[1] جس طرح قوم نوحؑ میں غلو کی وجہ سے شرک پھیلا اسی طرح یہود و نصاریٰ میں بھی غلو کی وجہ سے شرک پھیلا کیونکہ یہود نے حضرت عزیرؑ کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا بنا لیا تھا حالانکہ اللہ کی کوئی اولاد نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

"یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاری نے کہا کہ عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے۔ اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی نقل کرنے لگے۔ اللہ انہیں غارت کرے۔ یہ کیسے پلٹائے جاتے ہیں۔" (توبۃ۔۳۰)

یہود و نصاریٰ نے صرف انبیاء میں غلو نہیں کیا بلکہ اپنے علماء کے بارے میں بھی غلو کا شکار ہوئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ انہیں صرف ایک ہی معبود کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا، اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ وہ پاک ہے ان سے جنہیں یہ شریک ٹھہرا رہے ہیں۔" (توبۃ۔۳۱) عدی بن حاتم نبی کریم ﷺ سے حدیث بیان کرتے ہیں: "وہ لوگ ان (علماء) کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن وہ ان کے حلال وحرام ہی کو حلال وحرام قبول کرتے تھے۔"[2] اس کے علاوہ نصاری میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جان قیستین کی عبادت بھی کرتے ہیں۔[3] لیکن یہ حدیث نبوی ﷺ کے منافی نہیں کیونکہ حدیث میں ان کی عبادت کا ایک پہلو ذکر ہوا ہے۔ تمام انواع واقسام کا احاطہ نہیں کیا گیا اور وہ پہلو علما اور صوفیا کی اندھی عقیدت پر مبنی ہے۔

اسی طرح عرب میں بھی غلو کی وجہ سے شرک پھیلا تھا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "لات" (بت) ایک آدمی تھا جو حاجیوں کے لئے ستو بھگوتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے ستو جو کوئی بھی پی لیتا، وہ موٹا اور صحت مند ہو جاتا

---

(۱) [الارواح النوافخ (۳۹) تلبیس ابلیس (۵۵)]

(۲) [ترمذی (۳۰۹۵) طبری (۱۱۴/۱۰) شیخ ابن تیمیہؒ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ کتاب الایمان (ص ۶۱) اسی طرح البانیؒ نے بھی اسے حسن کہا تخریج الحلال (۶)]

(۳) [الفتاوی (۱۳۵/۱) الجواب الصحیح (۳۱۹/۱)]

تھا جس کی وجہ سے لوگوں نے اس کی عبادت شروع کردی۔[1] امام مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ لات ایک آدمی تھا جو (مہمان نوازی کے لئے) ستو بھگویا کرتا تھا۔ جب یہ فوت ہوگیا تو لوگوں نے اس کی قبر کو نماز گاہ بنالیا۔ امت مسلمہ میں بھی غلو کی وجہ سے شرک پھیلا ہے کیونکہ سب سے پہلے سبائی فرقے میں شرک کا ظہور ہوا اور اس کی بنیاد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اندھی محبت تھی حتیٰ کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا معبود، رب، خالق و رازق قرار دے دیا تھا۔

شریک عامری سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کہ کچھ لوگ مسجد کے دروازے پر بیٹھے ہیں جو آپ کو رب کہتے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں بلوا کر پوچھا تو انہوں نے برملا اظہار کیا کہ آپ ہمارے رب ہیں، خالق و رازق ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ارے کمبختو! میں تو تمہاری طرح انسان ہوں اور خود بھی کھانے پینے کا محتاج ہوں اور اگر میں اللہ کی اطاعت کروں گا تو ثواب پاؤں گا لیکن اگر نافرمانی کروں گا تو مجھے عذاب الٰہی کا خطرہ ہے لہٰذا تم اللہ سے ڈر جاؤ اور توبہ کرلو لیکن وہ انکار کرتے ہوئے چل دیئے۔ دوسرے دن قنبر نے آ کر ان لوگوں کے انہی نظریات کی خبر دی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انہیں بلالاؤ۔ وہ آئے اور اسی طرح اپنے نظریات پر قائم رہے۔ پھر تیسرے روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم نے اپنے نظریات سے توبہ نہ کی تو میں تمہیں قتل کردوں گا مگر وہ لوگ شرکیہ عقائد سے باز نہ آئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خندقیں کھدوا کر آگ روشن کروائی اور انہیں پھر موقع دیا کہ توبہ کرلو مگر وہ باز نہ آئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں جلا دیا اور کہا جو کوئی بھی ان جیسا برا کام کرے گا، اس کا انجام یہی ہوگا۔

حافظ ابن حجر نے اس پورے واقعہ کی روایت کو حسن قرار دیا ہے اور صحیح بخاری میں مختصراً یہ روایت مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو جلا دیا۔ جب ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو وہ فرمانے لگے کہ اگر میں ہوتا تو انہیں کبھی نہ جلاتا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے ''اللہ کے عذاب سے لوگوں کو سزا نہ دیا کرو'' (یعنی آگ اللہ کا عذاب ہے) البتہ میں ایسے لوگوں کو قتل کرا دیتا کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے ''جو اپنا دین (اسلام) بدل دے، اسے قتل کردو۔''[2] ان سبائی لوگوں کی طرح رافضی (کٹر شیعہ) لوگوں نے بھی حضرت علی، ائمہ اور حُبِّ اہل بیت میں اس قدر مبالغہ کیا کہ انہیں صفات ربوبیت سے متصف کردیا۔ صاحب الحکومۃ الاسلامیہ[3] لکھتا ہے کہ ''امام کے لئے مقام محمود اور بلند درجہ ہے۔ امور تکوینیہ بھی اس کی ولایت کے تابع ہیں اور تمام ذرات (کائنات) پر اس کا اقتدار ہے........ ہمارے

(۱) [فتح الباری (۶۱۲/۸)]

(۲) [فتح الباری (۲۷۰/۱۲) آخری حدیث بخاری (۳۰۱۷) میں ہے۔]

(۳) [الحکومۃ الاسلامیہ (ص۵۲) من لا یحضرہ الفقیہ (۳۷۲/۲) اصول الکافی (۱۱۶/۱)]

مذہب کے بنیادی عقائد میں یہ بات شامل ہے کہ امام کے مرتبہ تک کوئی مقرب فرشتہ یا نبی اور رسول بھی رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ ہماری روایات میں ہے کہ تخلیق کائنات سے پہلے انبیاء اور امام اللہ کے عرش کے نور تھے......ان ائمہ کے مقام میں کوئی مقرب فرشتہ یا نبی اور رسول بھی برابر نہیں۔'' اسی طرح کا غلو، کلینی کی کتاب ''کافیہ'' جو شیعہ کی اصولی کتابوں میں شامل ہے، کی کتاب الحجر کی مختلف ابواب بندی میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے مثلاً :

باب :	ائمہ اللہ کے ولی اور اس کے علم کے خزانچی ہیں	(۱/۱۴۸)
باب :	ائمہ اللہ کی زمین پر اس کے جانشین ہیں	(۱/۱۴۹)
باب :	ائمہ اللہ کے نور سے ہیں	(۱/۱۵۰)
باب :	ائمہ زمین کے ارکان ہیں	(۱/۱۵۲)
باب :	نبی اور ائمہ پر اعمال پیش کئے جاتے ہیں	(۱/۱۷۰)
باب :	ائمہ کو علم ہے کہ کب وہ مریں گے اور وہ اپنی مرضی سے جان دیتے ہیں۔	(۱/۲۰۲)
باب :	ائمہ ماضی اور مستقبل کا مکمل علم غیب رکھتے ہیں	(۱/۲۰۳)

ان ابواب میں ایسی ایسی خرافات وبکواسات ہیں کہ کوئی بھی سلیم العقل انہیں تسلیم نہیں کر سکتا مثلاً ''ابو عبداللہ کچھ شیعہ لوگوں کے ساتھ تھا۔ کہنے لگا: کعبہ کے رب کی قسم اور اس عمارت کے رب کی قسم! (تین مرتبہ قسم کھائی) اگر میں موسیٰ اور خضر کے ہمراہ ہوتا تو میں انہیں بتاتا کہ میں تم دونوں سے بڑا عالم ہوں اور انہیں باخبر کرتا کہ تم دونوں کو ماضی کا علم غیب دیا گیا ہے جبکہ مجھے تو تا قیامت مستقبل کا بھی علم دیا گیا ہے۔ اور یہ مجھے نبی ﷺ کی وراثت سے ملا ہے۔''[۱]
اسی طرح قرآن مجید میں ہے ''ہم نے آپ ﷺ کی طرف اپنے حکم سے روح وحی کی'' لکھا ہے کہ یہ روح جبرائیل اور میکائیل سے بڑی مخلوق ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ رہتی تھی اور آپ کے بعد ائمہ کے ساتھ ہوا کرتی تھی۔''[۲]
''**وللہ الاسماء الحسنی** کے تحت جعفر صادق کا قول رقم ہے کہ ہم (ائمہ) وہ اسمائے حسنیٰ ہیں جن کی معرفت کے بغیر دعا قبول نہیں کی جا سکتی۔[۳] اس طرح کی بے شمار واہیات ان کی کتابوں میں موجود ہیں جنہیں عقل ونقل سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ رافضی لوگوں نے سب سے زیادہ غلو کا مظاہرہ کیا۔ پھر صوفیاء آئے تو وہ ان سے بھی بازی لے گئے اور

---

(۱) [الکافی (۱/۲۰٤)]

(۲) [ایضا]

(۳) [الکافی (۱/۱۱۱)]

انہوں نے اپنے شیوخ میں خوب غلو دکھایا۔ ان دونوں فرقوں سے امت مسلمہ میں شرک کی آبیاری ہوتی رہی اور تاریخ اس پر گواہ ہے۔ اسی طرح امام احمدؒ نے بھی قبر حسین کے حوالے سے کئی واہیات پر تذکرہ کیا ہے۔ [1]

مؤرخین نے ۲۳۶ھ کے واقعات میں یہ لکھا ہے کہ متوکل خلیفہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مزار منہدم کر کے یہ اعلان جاری کروادیا کہ تین دن کے بعد جو شخص بھی یہاں دکھائی دے گا، اسے زیر زمین قید خانے میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر وہاں کوئی بشر بھی باقی نہ رہا حتی کہ اس جگہ کاشت کاری شروع ہوگئی۔ (کیونکہ وہاں جعلی قبر بنائی گئی تھی) اخوان الصفا اپنے فسادات سے قطع نظر شیعہ پر یہ الزام لگاتے تھے کہ انہوں نے مزارات کو کمائی کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں کہ ''متاخر صوفیاء میں کشف ومشاہدہ، حلول، وحدۃ الوجود جیسے نظریات باطلہ در آئے اور انہوں نے رافضیوں کے ان نظریات کی مشارکت اختیار کر لی کہ ائمہ معبود ہیں اور معبود ان میں حلول پذیر ہو جاتا ہے۔ پھر انہوں نے رافضیوں کے اقوال کی پیروی کرتے ہوئے ان کے اماموں کے مقابلے میں اپنے قطب، ابدال وغیرہ کھڑے کر لئے اور صوفی بننے والوں کے لئے ٹاٹ وغیرہ کے کپڑے پہننا لازم قرار دے دیا اور بلا تحقیق یہ بات مشہور کر دی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حسن بصریؒ کو ایسا لباس پہننے کا حکم دیا تھا۔'' [2]

شیخ محمد بن عبدالوھابؒ نے امام سویدیؒ کی طرف ایک خط میں یہ بات لکھی کہ ''سب سے پہلے رافضہ نے امت مسلمہ میں شرک کو پھیلانے کا کام کیا کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دعائیں مانگتے اور اپنی حاجات کا مطالبہ کر کے انہیں پکارتے تھے۔'' [3] شیخ اپنی ''کتاب التوحید'' میں لکھتے ہیں کہ ''رافضیوں کی وجہ سے شرک اور قبر پرستی عام ہوئی اور سب سے پہلے انہی لوگوں نے قبر پر مسجد بنائی تھی۔'' [4] ایک ہمعصر شیعہ ان الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ ''درحقیقت غلو اور تصوف کا ہدف مشترک یہ ہے کہ انسان کے لئے الوہیت میں قدم رنجہ فرمانے کی جگہ حاصل ہو جائے اور دین ودنیا کے تصرفات میں کوئی غیبی ذریعہ حاصل ہو جائے۔ اسی مقصد کے پیش نظر ائمہ کو معبود کے درجے تک بڑھایا گیا۔ پھر رؤساء کو نبوت کا مقام دلایا گیا۔ پھر بذات خود الٰہ تک پہنچنے کی تگ ودو کی گئی جبکہ تصوف کا نتیجہ بھی یہی ہے۔'' [5] (گو اس کے طریقہ کار میں اختلاف ہے) اس عبارت میں ایک شیعہ مصنف بھی صریح الفاظ میں اس حقیقت کا برملا اظہار کر رہا ہے۔

---

(۱) [اقتضاء الصراط المستقيم (۳۰۵)]

(۲) [مقدمه ابن خلدون (۳۲۳)]

(۳) [مؤلفات الشيخ الرسائل الشخصية (۳۶)]

(٤) [كتاب التوحيد (۷۳)]

(٥) [الصلة بين التصوف والتشيع (ص۱۲۸)]

صوفیاء کے ہاں بھی اس غلو کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ بہت سے صوفیاء تو اپنی ذات کی طرف بھی عبادت کی دعوت دیتے رہے اور کئی صوفیاء اپنے شیوخ کی الوہیت کو ثابت کرتے رہے ہیں۔ معروف کرخی سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے بھتیجے کو وصیت کی کہ میری قبر پر آ کر مجھ سے دعا کرنا۔(۱) اسی طرح شبلی نے ایک آدمی کو کہا کہ تم جہاں کہیں بھی جاؤ گے، میں تمہارے ساتھ رہوں گا اور تم میری نگرانی میں رہو گے۔(۲) ایک اور قول اس کی طرف منسوب ہے کہ اس نے کہا "محمد ﷺ اپنی امت کی سفارش کریں گے۔ پھر ان کے بعد میں جہنمیوں کی سفارش کروں گا حتیٰ کہ کوئی آدمی بھی آگ میں باقی نہیں رہے گا۔(۳) اسی طرح عبدالسلام بن مشیش سے منقول ہے کہ اس نے شاذلی کو بوقت زیارت کہا کہ "علی! تم ہمارے پاس علم وعمل کے فقیر بن کر آئے تھے۔ اب تم ہمارے پاس سے دنیا وآخرت کا غنٰی حاصل کر کے جارہے ہو۔"

حالانکہ اگر یہ بات صحیح ہے تو اس کی قباحت کا اندازہ کر لیجئے کہ اگر اس بندے کے پاس اتنے اختیارات ہیں کہ وہ دنیا اور آخرت کی سعادتیں بانٹتا پھرتا ہے تو پھر اللہ کے لئے کیا باقی رہ جاتا ہے؟ اسی طرح شبلی سے یہ قول منقول ہے کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ جہنم پر تھوک پھینک دیں تو جہنم بجھ جائے گی۔ اسی طرح ایک (بدبخت) نے کہا کہ "اگر تم بایزید کو ایک مرتبہ دیکھ لو تو یہ اللہ تعالیٰ کو ستر مرتبہ دیکھنے سے بھی افضل ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ صالحین سے اندھی عقیدت اور فرطِ محبت وہ سبب ہے جس کی وجہ سے عالم اسلامی میں شرک پھیلتا چلا گیا اسی لئے شریعت نے اس امت کو اپنے صالحین (اولیاء) سے میانہ روی اختیار کرنے کی اہمیت پر زور دیا ہے یعنی انہیں ان کے مقام ومرتبہ سے نہ بڑھایا جائے اور نہ ہی ان کی شان میں گستاخی کی جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں اس بات کا حکم دیا کہ ہم لوگوں کو ان کے مقام ومرتبہ پر فائز رکھیں۔"(٤)

اہل السنۃ صالحین (اولیاء) کی محبت، احترام، عقیدت کا پورا خیال رکھتے ہوئے اس آیت پر عمل پیرا ہیں کہ "اور وہ لوگ جو ان (اولیاء) کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے حالت ایمان میں گذر چکے ہیں۔" (الحشر۔۱۰) اہل السنۃ سلف صالحین کی محبت میں افراط وتفریط کا شکار ہوئے بغیر ان کی عقیدت ومحبت کا دم بھرتے ہیں۔ بلکہ اپنے تمام اعمال صالحہ میں میانہ روی کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو "امت وسط" (درمیانی امت) قرار دیا ہے۔

---

(۱) [تاریخ بغداد]

(۲) [تلبیس ابلیس (ص۴۳۸)]

(۳) [ایضا]

(٤) [مقدمہ صحیح مسلم (ص٦)]

(7) مسلمانوں میں دوسری اقوام وملل کا اختلاط اور اس کے اثرات:۔

مسلمانوں میں مرور زمانہ کے ساتھ اپنے اپنے علاقوں میں بسنے والے مذاہب کے پیروکاروں مثلاً یہود ونصاریٰ یا ہنود وغیرہ مشرکین کے اثرات بھی نفوذ پذیر ہوتے رہے ہیں یہود ونصاریٰ کے ساتھ اختلاف کی وجہ سے مسلمانوں میں قبر پرستی پھیلی کیونکہ یہ دونوں فرقے قبروں اور مزاروں کے پوجنے والے تھے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔ گویا آپ ان کے فعل شنیع سے (اپنی امت کو) ڈرا رہے تھے۔''[۱] عیسائی تو یہودیوں سے کئی گنا زیادہ غلو کے شکار ہیں جیسا کہ صحیحین میں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ام حبیبہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے ارض شام کے ایک آنکھوں دیکھے کنیسا کا حال بیان کیا اور ذکر کیا کہ اس میں بڑی خوبصورتی اور تصویریں تھیں۔ تو نبی نے فرمایا کہ ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تھا تو یہ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے تھے اور پھر اس میں یہ تصویریں آویزاں کر دیتے۔ یہ اللہ کی سب سے بدتر مخلوق ہے۔''[۲]

نصاریٰ نے بہت سے مسلمانوں کو اس حد تک گمراہ کر دیا ہے کہ یہ بھی ان کی طرح اپنے بچوں کو بپتسمہ (رنگ دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے عمر اور اولاد میں اضافہ ہوتا ہے حتیٰ کہ جاہل مسلمان عیسائیوں کے گرجا گھروں کی بغرض تعظیم زیارتیں کرتے ہیں، وہاں نذریں مانتے ہیں اور پادریوں سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ یہی وہ تعظیم ہے جو انسان کو غیر اللہ سے مانگنے اور اس کی عبادت کرنے پر راغب کر دیتی ہے۔ مسلمانوں میں صوفیاء قسم کے لوگوں نے بدھ مت اور ہندومت سے متاثر ہو کر اسے اسلامی لباس پہنانے کی بھرپور کوشش کی حتیٰ کہ دین کو شریعت اور طریقت دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ ہم اہل حقیقت (طریقت) ہیں اور یقین کامل حاصل کر چکے ہیں لہٰذا ہم شرعی عبادات وتکلیفات کے پابند نہیں اور اسی طرح انہوں نے اپنے لئے حرام کو حلال بنالیا اور بہت سے واجبات سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اہل فارس کے ساسانی بادشاہوں کے پیروکاروں کے نظریات سے متاثر لوگوں سے یہ چیزیں مسلمانوں میں نفوذ پذیر ہوئیں جن کا نظریہ یہ تھا کہ ''اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سیادت وقیادت کے لئے مختص کر لیا ہے اور اپنی روح قدس سے ان کی مدد کی ہے اور یہ زمین میں اللہ کا پرتو ہیں۔''[۳]

مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں نے یہی اعتقاد ائمہ اہل بیت اور کچھ نے اولیاء کے لئے قائم کر لیا۔ لہٰذا یہ بات روز

---

(۱) [بخاری (۴۳۵) مسلم (۵۳۱)]

(۲) [بخاری (۴۲۷) مسلم (۵۲۸)]

(۳) [فجر الاسلام (ص ۱۱۱) الصلة بین (۱۴۹) التصوف لاحسان الٰهی ظهیر (۲۷۵)]

روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ مسلمانوں کے صوفیاء قدیم باطل مذاہب کے فرسودہ نظریات سے متاثر ہوئے ہیں، کبھی یہ بدھ مت، کبھی ہندومت اور کبھی نصرانیت سے متاثر ہوئے اور جب ہم ان کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں تو اس میں حد درجہ تاویلات رکیکہ دکھائی دیتی ہیں۔'' لہٰذا پورے وثوق سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ صوفیاء نے قدیم باطل مذاہب و نظریات سے متاثر ہو کر امت مسلمہ میں شرک و بدعات اور خرافات کو خوب فروغ دیا جس کے آثار آج بھی زندہ ہیں مثلاً بادشاہوں، اماموں، شیخوں اور ولیوں کو سجدہ اور رکوع کرنا، زمیں بوسی کرنا، جوتے اتار دینا، سر کھول دینا اور زمین پر لیٹ جانا..... میلوں میں اور قبروں پر بت (اور تصویریں) سجانا۔[1]

حاصل کلام یہ ہے کہ مسلمانوں کا یہود و نصاریٰ سے مختلط ہونا ان کے اثرات قبول کرنے کا ذریعہ بنا۔ پھر اس ذریعہ نے امت مسلمہ کے بڑے حصے کو مشرک بنانے میں بھرپور کردار ادا کیا جسے تاریخی اور واقعاتی طور پر جھٹلانا ناممکن ہے۔

(8) دنیاوی اغراض و نفسانی خواہشات:۔ دنیاوی اغراض و مقاصد اور نفسانی خواہشات نے بھی شرک کے پھیلاؤ میں خوب رول ادا کیا۔ مجاورین نے حصول مال و دولت اور باطل خواہشات کی غرض سے قبروں کے اردگرد ایسے پردے اور تختیاں آویزاں کر رکھی ہیں جن پر مختلف کرامتیں اور اہل قبر کی مشکل کشائی کے واقعات تحریر کندہ ہیں حالانکہ یہ سب جھوٹ اور کذب و افترا ہے۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ ''مزاروں پر ایک باقاعدہ جماعت موجود ہوگی جو لوگوں کو صاحب قبر کے جعلی واقعات سنا کر صاحب قبر کا لوہا منوانے کی کوشش کرتے ہوں گے تاکہ نئے لوگوں سے نذریں، چندے اور رقمیں بٹوریں اور اپنی جیبیں گرم کریں۔ اس کے ساتھ مجاورین صاحب قبر کی ایسی تعظیم پیش کریں گے کہ لوگ بھی عقیدت مندانہ نگاہوں سے مزار پر حاضری دیں۔ پھر یہ موسمی میلے منعقد کرواتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ ہجوم ہو، لوگ دور دراز سے رخت سفر باندھیں، مزار پر حاضری دیں، نذر و نیاز، بکرے، چھترے اور مال و دولت پیش کریں اور قبروں کو چومیں چاٹیں، پتھروں سے دعائیں کریں.......''[2] اسی طرح یہ مجاورین اپنے مفادات کے لئے ایسی ایسی احادیث بنا لیتے ہیں جو سراسر نبی ﷺ اور صحابہ ؓ پر بہتان والزام ہوتا ہے جیسا کہ ابن قیم (صخرہ) بیت المقدس کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ ''یہاں پر (لکھی اور پڑھی جانے والی) ہر حدیث موضوع، من گھڑت ہے جسے قبوریوں اور مجاوروں نے اپنے ہاتھوں سے تراش رکھا ہے تاکہ زائرین کا ہجوم بندھا رہے.....''[3]

---

(۱) [البداية والنهاية (۱۱/۲۷۱ـ۱۲/۷۲) الاسلام وتقاليد الجاهلية (۱٦٥)]

(۲) [الدر النفيد (۲۷) نیز علامہ احسان الٰہی ظہیر کی کتابیں ملاحظہ کریں]

(۳) [المنار المنيف (۸۷)]

اسی طرح کچھ لوگ عوام کے دلوں میں اپنی جاہ وحشمت اور عظمت بٹھانے کے لئے اہل علاقہ سے مختلف چادریں تیار کروا کے قبروں کے لئے منگواتے ہیں۔ پھر جن جن علاقوں سے یہ چادریں ہجوم کے ساتھ گذاری جاتی ہیں، وہاں کے لوگ بطورِ تبرک مال ودولت اور صدقات وغیرہ اس میں ڈالتے ہیں، اسے چومتے ہیں اور اسے ولی کے قرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں بلکہ اگر یہ مجاورین کسی سے مطالبہ کریں کہ اس میں مال وصدقات ڈالو تو وہ ولی کی ناراضگی سے بچنے کے لئے ضرور حصہ ڈالتا ہے۔! ابن عقیل حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ ''جب جاہل قسم کے لوگوں کو عبادات بجالانا گراں گذرتا ہے تو وہ شریعت کے احکامات کی بجائے اپنے نفس وخواہش کے مطابق وضع کردہ قوانین کا متبع بن جاتا ہے۔ پھر اسے اپنے نفس کا حکم ماننے میں سہولت دکھائی دیتی ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ کسی اور کا حکم مانے۔ ایسے لوگ میرے نزدیک کافر ہیں مثلاً قبروں کی تعظیم کرنے والے، اہل قبور سے مانگنے اور فریادیں کرنے والے، تعویذ گنڈا کرنے والے اور لات وعزیٰ کے پجاریوں کی دیکھا دیکھی درختوں پر چیتھڑے باندھنے والے۔''(۱)

یہ سب خواہش نفس کی مثالیں ہیں۔ اسی طرح مختلف میلوں، ٹھیلوں اور مزاروں پر مرد وخواتین کا مخلوط اجتماع کرنا، پردہ نشین عورتوں کا بے پردہ ہو کر آنا، پھر باہمی اختلاط سے پیدا ہونے والی دینی واخلاقی خرابیاں بھی خواہش نفس کی شامت ہیں۔ بہت سے نوجوان مرد اور نوجوان لڑکیاں تو صرف اسی مقصد کے پیش نظر درباروں اور مزاروں پر جمع ہوتے ہیں کہ آپس میں ملاقاتیں اور دوستیاں ہوں۔ پھر وہ اسے عبادت بھی سمجھتے ہیں کہ اگر مزار پر فلاں فلاں تاریخ کو حاضری نہ دی تو پیر صاحب ناراض ہو جائیں گے!۔''

(9) تعصب اور جاہلیت:۔ دعائے غیر اللہ کا ایک سبب آباؤ اجداد کی عصبیت اور جاہلانہ رسوم ورواج کی حمایت ہے جو انسان کو اتباع حق سے روک لیتا ہے کیونکہ بسا اوقات انسان پر حق واضح ہو جاتا ہے مگر وہ اپنے آباؤ اجداد کی تقلید اور اپنی عادات سے مانوس ہونے کی وجہ سے حق کا راستہ قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ اس تعصب میں کبھی تکبر کی آمیزش ہوتی ہے، کبھی حسد وکینہ پنہاں ہوتا ہے، کبھی طعنہ زنی کا خوف لاحق ہوتا ہے، کبھی ولیوں کی ناراضگی کا ڈر ہوتا ہے۔ بالخصوص ایسے علمائے سوء جن کے سامنے کسی مدرسے کا طالب علم حق کی آواز بلند کر رہا ہو تو وہ فخر وغرور کی وجہ سے اس کی بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کسی جامعہ سے صحیح عقائد کا علم حاصل کرنے والا اپنے علاقے کے مشرکانہ عقائد کے حامل علماء سوء سے مباحثہ کرتا ہے مگر ان علماء کو یہ تکبر گمراہی سے ہٹنے نہیں دیتا کہ کل کو یہ ہمارے پاس پڑھتا تھا اور آج یہ ہمیں علم العقائد سکھاتا ہے! ان لوگوں پر قرآن کی

(۱) [تلبیس ابلیس (۴۰۲) اغاثة اللهفان (۱/۱۵۲)]

یہ آیت صادق آتی ہے ''ان لوگوں نے ظلم وعدوان کی وجہ سے ان (آیات) کا انکار کر دیا حالانکہ ان کے نفس ان (آیات) پر یقین کر چکے تھے۔'' (النمل۔۱۴) بسا اوقات انسان اس غلط فہمی کا شکار ہو کر حق کو قبول نہیں کرتا کہ اگر میں نے حق کی راہ کو قبول کر لیا تو میری جاہ وعظمت ملیامیٹ ہو جائے گی، لوگ مجھ سے بے رخ ہو جائیں گے۔ حالانکہ اہل کتاب نے نبی ﷺ کی دعوت کو اسی لئے قبول نہیں کیا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''بہت سے اہل کتاب یہ چاہتے ہیں کہ کاش وہ آپ کو آپ کے ایمان کے بعد حالت کفر میں لوٹا دیں۔ یہ ان کے دلوں کی حسد کی وجہ سے ہے۔ اگر چہ ان کے لئے حق واضح ہو چکا ہے۔'' (البقرۃ۔۱۰۹)

اسی طرح ان لوگوں کو یہ بات حق سے مانع بن چکی ہے کہ اگر ہم نے اپنے مذہب کو چھوڑ کر اس راہ (حق) کو اختیار کر لیا تو لوگ کیا کہیں گے۔ مذکورہ بالا اسباب وذرائع کی وجہ سے عالم اسلام میں شرک خوب فروغ پا چکا ہے اور شیطان نے ان اسباب کو خوب مزین کر کے مختلف اسالیب کے ساتھ لوگوں کو گمراہ کیا ہے ماسوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور انہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کہا ''بلاشبہ میرے بندوں پر تیرا کنٹرول نہیں ہو سکتا۔'' (الحجر۔۴۲) اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں شیطان مردود سے اپنی حفاظت میں توحید پر گامزن رکھے۔ وہی سننے والا، قریب اور توفیق دینے والا ہے۔ (آمین)

***

فصل ثانی

مبحث اول

غیر مشروع دعا کے درجات

غیر اللہ کو پکارنے کی کئی صورتیں اور درجے ہیں جن کے مابین تفاوت ہے۔بعض صورتیں تو انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتی ہیں جبکہ بعض صورتوں میں گناہ قدرے کم ہے اور بعض صورتیں بدعت میں داخل ہیں۔ان تمام صورتوں کی درجہ بندی کی ضرورت ہے تا کہ ہر درجہ اور اس کا گناہ واضح ہو سکے کیونکہ بعض لوگ انہیں کسی ایک درجے پر محمول سمجھتے ہوئے گناہ کا اقدام کر بیٹھتے ہیں جبکہ حقیقتاً وہ واضح شرک کی صورت ہوتی ہے۔لہٰذا جس انسان کو حقیقی صورتحال سے واقفیت ہو، اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ پوری شرح وبسط کے ساتھ اسے بیان کرے تا کہ لوگوں پر حجت قائم ہو سکے۔پھر جو زندہ رہے، وہ حق پر زندہ رہے اور جو ہلاک ہو، وہ بھی دلیل پر ہلاک ہو اور جہالت کا کوئی عذر باقی نہ رہے۔شیطان کا کام یہ ہے کہ وہ انسان کو ان درجات میں سے سب سے چھوٹے اور خفیف درجے میں واقع کرتا ہے پھر اس کے بعد اس سے بڑے درجے کو مزین کر کے اس میں داخل کر دیتا ہے حتی کہ اسی طرح شیطان انسان کو آخری درجے تک پہنچا کر کفر و شرک کا مرتکب بناتے ہوئے اسے دائرہ اسلام سے خارج کر جاتا ہے۔

مثلاً شیطان انسان کے لئے مسجد یا گھر میں دعا کی بجائے قبر یا مزار پر آ کر دعا کرنے کو خوب مزین کر کے پیش کرتا ہے۔پھر جب انسان اس کا خوگر ہو جاتا ہے تو شیطان کا اگلا حملہ یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان ان مُردوں اور قبروں کے وسیلے سے اللہ سے مانگے پھر اس اقدام کے بعد انسان مردوں اور قبروں ہی سے مانگنا شروع کر دیتا ہے۔پھر شیطان اس انسان کو قبر پرست بنا دیتا ہے حتی کہ انسان اس قبر پر اعتکاف کرتا ہے، سجدے کرتا ہے، اس کا طواف کرتا ہے اور اس کی طرف نماز پڑھنے کو قبلے کی طرف نماز پڑھنے سے بھی افضل سمجھ لیتا ہے!اور کہتا ہے کہ یہ قبر خواص کا قبلہ ہے جبکہ کعبہ تو صرف عوام کا قبلہ ہے۔پھر شیطان انسان کو اس حد تک گمراہ کر دیتا ہے کہ وہ یہ خیال جما لیتا ہے کہ اس قبر کی زیارت متعدد حجوں سے زیادہ افضل ہے۔پھر وہ لوگوں کو بھی اس قبر ومزار پر حاضری اور یہاں آ کر دعا کرنے کی دعوت دینے لگتا ہے۔[1] ذیل میں ہم ان درجات کو بیان کر دیتے ہیں جن کی تفصیل آگے دی جا رہی ہے:۔

(۱) میت سے اپنی حاجت کا سوال
(۲) زندہ مگر غائب سے سوال
(۳) زندہ اور حاضر سے سوال
(۴) میت سے یہ تقاضہ کہ وہ طالب کے حق میں اللہ سے سوال کرے

---

(۱) [اغاثة اللهفان (۱/۱٦۷) قاعدة في التوسل (۱٤۹) منهاج السنة (۲/٤٤۰)]

(۵) زندہ غائب سے یہ تقاضہ کہ وہ اللہ سے طالب کے لئے سوال کرے۔

(۶) زندہ اور موجود سے سوال کہ وہ اس کے لئے اللہ سے دعا کرے

(۷) اللہ سے اس کے اسماء وصفات کے علاوہ سوال کرنا

(۸) اللہ سے کسی نبی یا ولی وغیرہ کی قبر کے پاس کھڑے ہوکر سوال کرنا

(۹) اللہ اور غیر اللہ دونوں سے بیک وقت سوال کرنا

(۱۰) غیر اللہ سے شفاعت اور وسیلہ کے اعتقاد سے سوال کرنا۔سوال کرنے کے لحاظ سے مذکورہ اقسام کو چار قسموں میں بیان کیا جاسکتا ہے:۔

(ا) صرف اللہ سے سوال کرنا۔ (ب) صرف مخلوق سے سوال کرنا

(ج) دونوں سے سوال کرنا۔ (د) بلا تعیین کسی سے سوال کرنا[1]

(1) میت سے مشکل کشائی کا سوال:۔ یعنی میت سے دفع مضرت اور جلب منفعت کے لئے سوال کرنا مثلاً میت سے یہ سوال کرنا کہ وہ مرض دور کردے، جانور کو صحت مند کردے، قرض اتار دے، دشمن سے بدلہ لے، طالب کے نفس، اہل وعیال اور حیوانات کو عافیت دے۔اسی طرح کسی کا یہ کہنا: یاسیدی! میری مدد کر۔یا میں تجھ سے فریاد رسی کرتا ہوں، یا تیری پناہ مانگتا ہوں یا میرے دشمن پر میری مدد کر، یا مجھے اولاد دے یا رزق میں برکت دے وغیرہ۔بعض تو میت سے ہدایت کا سوال بھی کرتے ہیں، گناہوں کی بخشش، انجام بالخیر، آخرت میں آسانیاں، قبر سے بچاؤ، فرشتوں کے سوالات، پل صراط اور آگ سے نجات کے سوال بھی میت سے کئے جاتے ہیں۔پہلی بات تو یہ جاننا ضروری ہے کہ میت سے بعد از موت یا قبل از موت کسی صورت میں بھی فریاد رسی کی اپیل نہیں کی جاسکتی خواہ وہ ان پر قدرت رکھے یا نہ رکھے۔ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ''ممنوع استغاثہ کی دو قسمیں ہیں۔ایک تو یہ کہ میت سے مطلقاً ہر چیز میں مدد طلب کرنا اور دوسرے کہ مخلوق سے ان چیزوں میں مدد طلب کرنا جو صرف اللہ کی رسائی میں ہیں۔''[2]

اس درجے کی دو صورتیں ہیں :۔

پہلی صورت تو یہ ہے کہ انسان صاحب قبر کے پاس جاکر اس سے سوال ودعا کرتا ہے۔جس طرح قبروں، مزاروں اور درباروں پر ہر وقت دیکھا جاسکتا ہے کہ لوگ وہاں آکر اہل قبور کا نام لے لے کر اپنی حاجتوں کا سوال کر رہے ہوتے ہیں۔

---

(۱) [جلاء العینین فی محاکمة الاحمدیین (ص ۴۷۲)]

(۲) [الرد علی البکری (ص۔۲۴۵)]

دوسری صورت یہ ہے کہ لاکھوں میل دور، سمندروں، جنگلوں اور پہاڑوں کے ورے سے کسی میت سے مشکل کشائی کا سوال کیا جائے۔ حالانکہ اتنی مسافت سے تو اللہ کے علاوہ کوئی زندہ مخلوق اس کی پکار کو نہیں سن سکتی، پھر صاحب قبر اور میت اس کی پکار کیسے سن سکتی ہے؟ اہل قبور تو اپنی نعمتوں یا سزاؤں سے دوچار ہوں گے۔

اس مرتبے کا حکم:۔ یہ مرتبہ شریعت کا سب سے قبیح درجہ ہے جس کا مرتکب واضح طور پر مشرک ہے جس سے توبہ کروائی جائے گی بصورت دیگر اسے قتل کر دیا جائے گا۔(۱)

دعائے غیر اللہ کی اس صورت کو شرک قرار دینے کی کئی وجوہات ہیں:(۲)

(۱) اس صورت میں داعی غیر اللہ کو واضح طور پر پکارتا ہے اور اللہ کے سوا غیر اللہ کی طرف قلبی لگاؤ رکھتے ہوئے اس سے فریاد رسی کرتا ہے حالانکہ مشکل کشا، حاجت روا صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے اور دعا جو عبادت کی روح اور مغز ہے، اسے غیر اللہ سے بجا لانا شرک وگمراہی ہے۔

(۲) داعی اپنے مدعو کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ غیبی قوت وقدرت رکھتا ہے اور داعی کی مشکلات کو اس غیبی قوت کی وجہ سے معلوم بھی کر لیتا ہے اور پھر ان کا مداوا بھی کرتا ہے۔ حالانکہ یہ انسانی قدرت سے باہر ہے اور صرف اللہ کی صفت ہے جسے کسی انسان میں ثابت کرنا واضح شرک ہے۔

(۳) داعی اپنے مدعو (غیر اللہ) کے بارے میں علم الغیب کا اعتقاد رکھتا ہے تبھی تو وہ اسے پکارتا ہے حالانکہ غیبی امور کا علم اللہ رب العزت کا خاصا ہے جسے غیر اللہ میں تسلیم کرنا شرک فی علم الغیب ہے جبکہ انسان کے حواس ظاہرہ بھی نہایت ضعیف ہیں۔ پھر وہ ان کے ماورا کا علم کیسے حاصل کر سکتا ہے؟ اسی لئے علماء نے علم الغیب کے مدعی کو کافر قرار دیا ہے جس کی تفصیل اپنے مقام پر ذکر کی جائے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بتوں کے پجاریوں اور قبر پرستوں میں کوئی زیادہ فرق نہیں۔ شیطان نے بت پرستوں کے لئے جو اعمال فاسدہ مزین کر رکھے ہیں، وہی قبر پرستوں کے لئے مزین کر دیئے ہیں۔ بسا اوقات شیطان کسی قبر پرست کے سامنے کسی شکل میں ظاہر ہو کر اس سے باتیں کرتا ہے۔ بسا اوقات قبر پرست کو دکھایا جاتا ہے کہ قبر پھٹتی ہے اور اس سے میت نکل کر قبر پرست سے مصافحہ ومعانقہ اور گفتگو کرتی ہے اور قبر پرست سمجھتا ہے کہ یہ سب میت کے اختیارات ہیں حالانکہ فی الحقیقت یہ سب شیطان کی ڈرامے بازی ہوتی ہے تاکہ لوگوں کو خوب گمراہ کیا جائے۔ اسی طرح شیطان بتوں میں داخل ہو کر بت

---

(۱) [ایضا (ص ۵۵) الفتاوی (۷۲/۲۷)]

(۲) [صیانة الانسان (۳۷۳) فتاوی عبدالحی (۲٦٤/۱)]

پرستوں سے گفتگو کرتے ہیں، بسا اوقات ان کی بعض حاجتیں بھی پوری کر دیتے ہیں جیسا کہ عرب میں قبل از اسلام ایسی صورتیں پائی جاتی تھیں اور ان کے علاوہ دوسرے مشرکین کے ہاں بھی اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ (۱)

(2) زندہ مگر غائب سے سوال:۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

ایک صورت تو یہ ہے کہ انسان کسی حاضر انسان سے ایسا سوال و مطالبہ کرے جو اس کی استطاعت میں ہو مثلاً قرضہ یا مالی اعانت یا خوراک، پوشاک وغیرہ کا سوال (تو یہ جائز ہے لیکن اگر وہ ان چیزوں کا سوال کرے جو مخلوق کی استطاعت سے متجاوز ہے تو یہ جائز نہیں) لیکن یہ سوال اگر کسی غائب انسان سے کئے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ داعی اپنے مدعو کے عالم الغیب ہونے پر یقین رکھتا ہے جو کسی طرح بھی جائز نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ انسان کسی حاضر انسان سے ایسا سوال کرے جو اس کی استطاعت اور بشری قوت سے ارفع ہو مثلاً مریض کو شفا ہو جائے، موت دور ہو جائے، دشمن ہلاک ہو جائے، رزق میں کشادگی ہو یا ہدایت اور بخشش گناہ کا سوال، تو اس طرح کے سوالات کرنے والا گویا یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اس کا مدعو مافوق البشر قوتوں سے متصف ہے یا اسے شفاعت یا قربت کے وسیلے سے نوازا گیا ہے (تو یہ بھی شرک ہے) اور مشرکین مکہ کا یہی اعتقاد قرآن مجید نے بیان کیا کہ ''وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کے نفع نقصان کے مالک نہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔'' (یونس۔۱۸)

اس درجے کا حکم:۔ مذکورہ درجے کی دونوں صورتیں شرک پر مبنی ہیں (۲) کیونکہ پہلی صورت میں غیر اللہ کے لئے علم غیب اور غیبی قوت کا اعتقاد رکھا جاتا ہے جو سراسر اللہ کی صفات ہیں اور دوسری صورت میں غیر اللہ کے لئے مافوق البشر قوت و طاقت کا اعتقاد رکھا جاتا ہے حالانکہ یہ بھی اللہ وحدہ لاشریک کا خاصہ ہے لہٰذا مذکورہ صورتوں میں اللہ کی صفات میں بندوں کو شریک بنایا جاتا ہے اس لئے ایسا کرنے والا مشرک ہے۔ مشرکین اور نصاریٰ کی طرح مسلمانوں میں بھی شرک کی یہ قسم بہت پھیل چکی ہے حتی کہ لوگوں نے اپنے پیروں، مردوں اور ولیوں وغیرہ کے بارے میں اس طرح کی عجیب و غریب کرامتیں گھڑ رکھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا اپنے ان اولیاء اور مُردوں کے بارے میں بعینہ وہی اعتقاد ہے جو مشرکین اور نصاریٰ کا اعتقاد ہے بلکہ بعض نے تو اپنے نام بھی اللہ کے ناموں کے مشابہہ رکھے ہیں مثلاً غوث، داتا وغیرہ۔

---

(۱) [الرد علی البکری (۵۵) الجواب الصحیح (۳۲۶/۱) منهاج السنة (۴۸۳/۱)]

(۲) [الفتاوی (۸۱/۲۷) صیانة الانسان (۳۷۳)]

شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ”مجھے اس طرح کے بہت سے واقعات کا علم ہوا ہے کہ لوگوں نے میرے ذریعے یا کسی اور آدمی کے ذریعے فریاد رسی کی تو میں یا وہ انسان ان کے سامنے حاضر ہو گیا اور جب انہوں نے میرے پاس آ کر یہ بات بیان کی تو میں نے انہیں بتایا کہ یقیناً وہ شیطان تھا جس نے میری یا کسی شیخ کی صورت اختیار کی اور تمہارے سامنے حاضر ہو گیا تا کہ لوگ اسے شیخ (ولی) کی کرامت سمجھے اور شیخ (ولی) سے فریاد رسی کے عقیدے پر خوب ثابت قدم ہو جائیں۔ یہ سب سے بڑا سبب ہے جس نے مشرکوں، بت پرستوں اور عیسائیوں کو گمراہ کیا۔“[۱]

(3) زندہ اور حاضر سے سوال کرنا:۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں:۔

ایک صورت تو یہ ہے، انسان کسی حاضر انسان سے اس چیز کا سوال کرے جو اس کی استطاعت میں ہو تو یہ جائز ہے جس طرح ایک آدمی نے اپنے دشمن کے خلاف حضرت موسیٰؑ سے مدد کی درخواست کی اور اس کی مدد موسیٰؑ کر سکتے تھے بلکہ موسیٰؑ نے اس کی مدد کی۔ (دیکھیے سورۃ القصص:۱۵) ارشاد باری تعالیٰ ہے ”اگر وہ (مظلوم) دین میں تم سے مدد کی فریاد کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا فرض ہے ماسوائے اس قوم کے جن کے درمیان تمہارا کوئی معاہدہ ہو۔“ (الانفال۔۷۲)

”یہ انسانی قدرت کے تحت کی جانے والی نصرت ہے جو جائز ہے۔ اسی لئے بعض اہل علم سے منقول ہے کہ ظاہری اور حسی اسباب میں مدد کی جا سکتی ہے مثلاً لڑائی میں یا دشمن کو پکڑنے میں (وغیرہ) جس طرح کہا جاتا ہے زید! میری مدد کو آؤ، مسلمانو! میری مدد کرو لیکن مافوق البشر یا معنوی (غیبی) امور مثلاً بیماری سے نجات، غرق ہونے سے نجات، فقر اور رزق وغیرہ میں غیر اللہ سے سوال و مطالبہ کرنا جائز نہیں۔[۲]

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی زندہ اور حاضر سے ایسا سوال کرنا جو غیر اللہ کی قدرت سے باہر ہو مثلاً دفع مضرت اور جلب منفعت میں سوالات کرنا خواہ اس کے پیچھے غیر اللہ کی مستقل غیبی قوت کا عقیدہ کارفرما ہو یا شفاعت اور وسیلہ کا اعتقاد ہو۔ بہر صورت یہ شرک ہے اکثر مرید اپنے ولیوں کو اسی اعتقاد سے پکارتے ہیں کہ وہ ان کی مشکلات اور تکلیفات کو دور کریں اور انہیں نفع سے بہرہ مند کریں بلکہ بسا اوقات یہ ان (ولیوں اور مُردوں) سے ہدایت، غفران، جہنم سے نجات اور قبر کے سوالات میں امداد کا بھی سوال کرتے ہیں۔[۳]

اس درجے کا حکم:۔ اس کی پہلی صورت تو جائز ہے مگر دوسری صورت جائز نہیں۔[٤] کیونکہ مخلوق کو مخلوق

---

(۱) [قاعدة فی التوسل (۱۵۵) الجواب الصحيح (۳۱۹/۱)۔الفتاوی (۴۵۷/۱۷)]

(۲) [القول النفيس (۵۰) تيسير العزيز (۲۳۴)]

(۳) [الرد على البكری (۳۵۱)]

(٤) [ايضا (۹۹) قاعدة جليلة (۳۷)]

سے سوال کرنے کا مکلف نہیں بنایا گیا بلکہ اس بات کا مکلف بنایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ (خالق) سے سوال کریں۔ اس لئے بنیادی طور پر مخلوق سے ہر طرح کا سوال ممنوع ہے۔ پھر اللہ پر توکل واعتماد کے عقیدے کے ساتھ ظاہری اور تحت الاسباب سوالات میں مخلوق کو مخلوق سے فریاد کی اجازت دی گئی (جس طرح پہلی صورت ہے مگر مافوق الاسباب میں ممانعت رکھی گئی ہے) ارشاد باری تعالیٰ ہے ''جب تو فارغ ہو تو عبادت کر اور اپنے رب کی طرف رغبت کر۔'' (الانشراح۔۷۔۸) رب کی طرف رغبت کا حکم غیر اللہ کی طرف رغبت کی نفی کرتا ہے۔(۱)

نبی کریم ﷺ نے اپنے کچھ صحابہ ؓ سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ اللہ کے سوا کسی سے بھی سوال نہیں کریں گے تو عوف بن مالک (راوی) فرماتے ہیں کہ ''میں نے ان میں سے بعض لوگوں کو دیکھا کہ اگر ان میں سے کسی کے ہاتھ سے کوڑا بھی گر پڑتا تو وہ کسی سے کوڑا پکڑانے کا مطالبہ نہیں کرتا تھا۔''(۲) حدیث نبوی ﷺ ہے کہ ''اگر کوئی شخص اپنی کمر پر لکڑیوں کا گٹھا لادے (یعنی محنت کرے) تو یہ اس سے بہتر ہے جو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے اور لوگ اسے دیتے ہیں یا رد کر دیتے ہیں۔''(۳) البتہ اگر کسی بندے کا کسی کے ذمے کوئی حق یا قرض یا امانت یا مال غنیمت وغیرہ کا کوئی حق ہو تو وہ اس سے اپنے حق کا مطالبہ کر سکتا ہے۔''(٤) اس کے علاوہ جتنے بھی سوال ہیں وہ یا تو حرام ہیں یا مکروہ ہیں کیونکہ ''مخلوق سے سوال کرنے کے تین مفاسد ہیں:۔ (۱) غیر اللہ کا محتاج بن کر اللہ سے بے رخی، یہ شرک ہے۔ (۲) مسؤل سے سوال کر کے اسے ایذا پہنچانا، یہ مخلوق پر ظلم ہے۔ (۳) غیر اللہ کے لئے ذلیل ہو کر مانگنا، یہ اپنے نفس پر ظلم ہے۔ لہٰذا اس میں ظلم کی اقسام ثلاثہ شامل ہیں۔''(٥)

حاصل کلام یہ ہے کہ غیر اللہ سے مافوق الاسباب سوال کرنا واضح طور پر شرک ہے کیونکہ یہ عبادت سے تعلق رکھتا ہے اور عبادت صرف اللہ کے لئے کی جاتی ہے لیکن جب کوئی انسان کسی مخلوق میں غیبی قوت یا مستقل اختیارات یا شفاعت و وسیلہ کی بنیاد پر دست سوال پھیلا کر مخلوق میں اللہ کی صفات کے اثبات کا اعتقاد ظاہر کرتا ہے تو اس کے مشرک ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہنا چاہیے۔

---

(۱) [قاعدة فی التوسل (۳٤)]

(۲) [مسلم (۱۰٤۳)]

(۳) [بخاری (۱٤۷۰) مسلم (۱۰٤۲)]

(٤) [قاعدة فی التوسل (۳۷)]

(٥) [ایضا (٤۱) الرد علی البکری (۱۰۳)]

(4) میت سے اپنے حق میں اللہ سے سوال کرنے کی درخواست:۔

اس کی بھی دو صورتیں ہیں:۔ایک صورت تو یہ ہے کہ میت کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر یہ درخواست کرنا کہ وہ داعی کے لئے اللہ سے دعا کرے کہ وہ داعی کا فلاں فلاں مسئلہ حل کر دے۔ایسا کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس طرح اس میت کی زندگی میں دعا کروائی جاسکتی تھی، اس طرح اس کی موت کے بعد بھی اس سے دعا کروائی جاسکتی ہے۔ظاہر بات ہے کہ یہ صورت بھی کسی شنیع بدعت سے کم تر نہیں بلکہ "اس کے بدعت ہونے پر تو سب مسلمانوں کا اتفاق ہے۔"(۱) اگر صاحب قبر سے اپنی سفارش اور وسیلے کا عقیدہ رکھا جائے تو یہ شرک اکبر ہے جیسا کہ مشرکین مکہ کا بھی یہی عقیدہ تھا جس پر تفصیلی بحث دسویں درجہ کے ذیل میں پیش کی جائے گی۔مذکورہ صورت کے مفاسد ظاہر ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا صاحب قبر مُردے کو پکارا جاتا ہے حالانکہ مردے کے بارے میں ہمیں یہ قطعی علم بھی نہیں کہ وہ خود اللہ کے عذاب میں ہے یا انعام میں؟ لہٰذا سدالذرائع کے تحت اس صورت سے اجتناب بہر حال ضروری ہے۔

یہ قیاس مع الفارق ہے کہ جس طرح اس کی زندگی میں دعا کروائی جاتی تھی، اسی طرح مرنے کے بعد کروائی جاسکتی ہے۔یہ اس اعتبار سے فاسد ہے کہ انبیاء سے بھی ان کی زندگی میں دعا کروانا جائز تھا اور اگر زندگی میں دعا کروانا ناجائز ہوتا تو وہ اس سے منع کر دیتے جبکہ انبیاء نے میت سے دعا کروانے سے سخت ممانعت فرمائی ہے۔

حدیث نبوی ﷺ ہے "یہ نہ کہو کہ جو اللہ اور فلاں چاہے بلکہ یہ کہو کہ جو اللہ چاہے پھر فلاں چاہے۔"(۲) نبی نے اس جملے سے بھی روک دیا کہ "ہمارے درمیان ایک نبی ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔"(۳) نبی ﷺ بھی اس بات سے خائف تھے کہ کہیں آپ کی موت کے بعد لوگ آپ ﷺ کی قبر پر عیسائیوں اور یہودیوں کی دیکھا دیکھی شرک نہ کرنے لگیں۔(٤)

دوسری صورت یہ ہے کہ میت سے کوسوں دور سے اس وقت اپنے حق میں سوال کرنا جب انسان کسی مصیبت یا ضرورت میں مبتلا ہو اور میت کو اللہ کے ہاں وسیلہ سمجھتے ہوئے اس طرح پکارنا کہ اے اللہ کے ولی! اللہ سے میری مصیبت ٹل جانے کی یا فلاں ضرورت کے مل جانے کی دعا کریں۔بہت سے نام نہاد مسلمان اس صورت میں اس وجہ سے مبتلا ہو کر رہ گئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو نہیں پکارتے بلکہ ان کے ذریعے سے اللہ کو پکارتے ہیں اور یہ اسی طرح

---

(۱) [الرد علی البکری (٥٦)]

(۲) [ابو داؤد (٤٩٨٠) احمد (٣٨٤/٥) طیالسی (٥٧) ابن السنی (٦٦٦) الصحیحة (١٣٧)]

(۳) [بخاری (٥١٤٧) ابن ماجة (١٨٩٧)]

(٤) [قاعدة فی التوسل (١٣٨) الفتاوی (٨٠/٢٧)]

ہے جس طرح کسی زندہ سے دعا کروانا جائز ہے اور ان کے نزدیک اس صورت میں زندہ اور مردہ برابر ہیں! ان کا یہ گمان دو وجوہات کی بنا پر غلط ہے:

(۱) اگر چہ وہ ان سے نہیں مانگتے تاہم وہ یہ شرکیہ عقیدہ ضرور رکھتے ہیں کہ یہ (غیر اللہ) غیب جانتے ہیں اور پکار سنتے ہیں۔ شیخ محمد اسماعیل شہیدؒ مشرکین کے اسی گمان کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "ان کا یہ نظریہ باطل ہے کیونکہ اگر انہوں نے غیر اللہ کو پکارنے میں شرک نہیں کیا تو کم از کم ان کے اس اعتقاد سے شرک کی آمیزش ہو چکی ہے کہ یہ دور سے بھی اسی طرح سنتے ہیں جس طرح قریب سے سنتے ہیں۔"(۱) صاحب صیانۃ الانسان نے بھی اسی طرح کا جواب دیا ہے۔(۲)

(۲) ان کا یہ گمان بھی محض باطل ہے کہ زندگی اور موت برابر ہے حالانکہ یہ ناممکن سی بات ہے۔

اس درجے کا حکم:۔ یہ درجہ بھی واضح طور پر شرک میں داخل ہے کیونکہ اس صورت میں انسان یہ شرکیہ عقیدہ رکھتا ہے کہ غیر اللہ قرب و بعد اور مکان و زمان کی قیدوں سے آزاد ہو کر پکارنے والے کی پکار سنتے ہیں اور غیب جانتے ہیں حالانکہ یہ صرف اللہ رب العزت کی صفات ہیں۔ شاہ شہیدؒ اور شیخ سھسوانیؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔(۳) البتہ شیخ ابن تیمیہؒ کی بعض عبارتوں سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ درجہ شرک تک نہیں پہنچاتا مثلاً "دوسری صورت یہ ہے کہ میت یا غائب نبیوں اور ولیوں وغیرہ کو پکارا جائے کہ آپ اللہ سے میرے لئے دعا کریں یا ہمارے حق میں سوال کریں جس طرح عیسائی حضرت مریمؑ کے متعلق اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس کی ممانعت پر تو کسی عالم کو تردد نہیں اور یہ ایسی بدعت ہے جس کا ثبوت اس سے پہلے امت مسلمہ میں کہیں دکھائی نہیں دیتا اگر چہ قبر والوں کو سلام کرنا یا انہیں مخاطب کرنا جائز ہے۔"(٤)

شیخ کی اس عبارت سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ ان کے نزدیک یہ درجہ شرک نہیں البتہ بدعت ضرور ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں کہ "انسان کے لئے جائز نہیں کہ وہ میت سے کسی چیز کا سوال کرے، یہ بھی جائز نہیں کہ میت سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ اللہ سے اس کے حق میں دعا کر دے اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ وہ دین و دنیا کی کسی مصیبت کی ان کے سامنے شکایت کرے بلکہ یہ تو ان کی زندگی میں بھی جائز نہ تھا اگر چہ ان کی زندگی میں یہ شرک جیسا گناہ نہ ہوتا مگر مرنے کے بعد یہ اقدامات شرک سے کم نہیں۔"(٥) شیخ الاسلام نے ایک مقام پر اس درجہ کو شرک قرار دیا ہے

(۱) [رسالة التوحيد (٦٦)]

(۲) [صيانة الانسان (٢١٢)]

(۳) [رسالة التوحيد]

(٤) [قاعدة في التوسل (١٤٩)]

(٥) [قاعدة جليلة (١٥١)]

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ''غیر اللہ سے دعا کرنا یا (مردے سے) اپنے حق میں اللہ سے دعا کرنے کی درخواست کرنا شرک ہے۔'' لہٰذا ثابت ہوا کہ شیخ ابن تیمیہؒ کے نزدیک بھی یہ درجہ باعث شرک ہے۔ (۱)

مندرجہ بحث میں یہ بات بھی گذری ہے کہ جو لوگ مردوں کے قریب اور بعید ہونے میں فرق کر کے اپنی راہ ہموار کرنے کی کوشش کرتے ہیں، فی الحقیقت انہیں اپنے مقصد میں کوئی کامیاب دلیل حاصل نہیں اسی لئے ابن تیمیہؒ نے بھی مطلق عبادت ذکر کر کے غیر اللہ کو پکارنے کی نفی کر دی ہے خواہ وہ قریب ہو یا بعید۔ قبر پر آ کر فریاد کرے یا دور سے پکارے اور مانگے ......ان میں سے بعض صورتیں تو واضح شرک پر مبنی ہیں اور بعض منکرات پر، خواہ پکارنے والا یہ اعتقاد رکھے کہ قریب سے مردہ سنتا ہے، دور سے نہیں یا وہ یہ اعتقاد نہ رکھے۔ علاوہ ازیں اگر وہ سن بھی لے تو محض سننے سے بھی وہ کوئی فائدہ پہنچانے کا اہل نہیں۔'' (۲)

حاصل کلام یہ ہے کہ اس مرتبے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ داعی میت سے سوال و مطالبہ نہ کرتا ہو بلکہ وہ اسے یہ کہتا ہو کہ میت اللہ سے داعی کے حق میں دعا کرے تو یہ صورت دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتی کیونکہ اس میں شبہ اور تاویل پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے صریح شرک کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ لیکن اس پر یہ اعتراض بھی کیا جاسکتا ہے کہ گذشتہ مشرکین بھی اپنے معبودوں کو سفارشی سمجھتے تھے اور ان سے اپنے حق میں دعائیں کروانے کا اعتقاد رکھتے تھے۔ پھر انہیں کیوں مشرک کہا گیا؟ اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ پہلے مشرکین واضح طور پر بھی اپنے بتوں اور قبروں وغیرہ سے اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کا مطالبہ کرتے تھے اس لئے انہیں مشرک کہا گیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ داعی دور سے انہیں پکارے اور یہ اعتقاد بھی رکھتا ہو کہ یہ اس کی پکار سنتے ہیں تو یہ شرک اکبر ہے کیونکہ اس میں میت سے وہ مطالبات ہوتے ہیں جن کا حق دار صرف اللہ ہے۔

شیخ ابن تیمیہؒ اس دعوے کی تردید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ کوئی شخص دور دراز سے درود پڑھے تو نبی ﷺ سن لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ''یہ قول درست نہیں کہ نبی ﷺ دور سے درود کی آواز سن لیتے ہیں کیونکہ مدعی اگر یہ کہے کہ آپ ﷺ دور سے آواز سن لیتے ہیں تو یہ محض سینہ زوری ہے اور اگر یہ کہے کہ آپ تمام مخلوقات کی ہر جگہ سے آواز سن لیتے ہیں تو یہ صرف اللہ رب العزت کا خاصا ہے......کوئی انسان بلکہ کوئی بھی ذی روح اس سے متصف نہیں بلکہ یہ تو عیسائیوں کا نظریہ ہے کہ مسیح ہی اللہ ہے اور وہ بندوں کے افعال و اقوال سے خوب مطلع ہے اور ان کی پکار سن کر قبول کرتا ہے جبکہ

---

(۱) [اقتضاء الصراط (۳۵۶)]

(۲) [الرد علی البکری (۳۰) الاستقامة (۱/۳۱۔۳۷۔۱۶۳) المنهاج (۵/۲۳۹)]

ان کے اس اعتقاد پر اللہ تعالیٰ نے ان پر کفر کا حکم لگایا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔''ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے یہ کہا کہ مسیح ہی اللہ ہے...''(المائدۃ۔۷۲)لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ صریح کفر پر مبنی عقیدہ ہے جس سے اجتناب بہرصورت ضروری ہے۔(۱)

(5) زندہ مگر غائب سے دعا:۔ پیری مریدی سلسلے میں اکثر و بیشتر یہ صورت پائی جاتی ہے کہ مرید اپنے پیروں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ہر جگہ اور ہر وقت اپنے مریدوں کو دیکھ رہے ہوتے ہیں اور اگر کوئی مرید مصیبت میں گرفتار ہو اور پیر کو آواز لگائے تو پیر فوری طور پر اس کی مدد کو آدھمکتا ہے۔

اس مرتبے کا حکم:۔ اس صورت کے شرک اکبر ہونے میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

(6) زندہ اور حاضر سے دعا:۔ زندہ مگر موجود انسان سے دعا کروانا جس طرح کہ عام مسلمانوں میں رواج ہے کہ ایک شخص دوسرے سے اپنے حق میں دعا کی درخواست کرتا ہے۔جیسا کہ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جبکہ عمر رضی اللہ عنہ عمرے کے لئے جارہے تھے، یہ درخواست کی کہ''ہمیں بھی اپنی دعا میں شریک رکھنا۔''(۲) حدیث نبوی ہے: جب تم مؤذن کو سنو تو اس کا جواب دو......پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلے کا سوال کرو۔''(۳) اس طرح نبی ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کو خیر کی تعلیم دینا چاہتے ہیں تاکہ وہ اعمال صالحہ اور نبی کے لئے دعا کرکے خود اپنے لئے بھی سعادت حاصل کریں۔کیونکہ جب کوئی انسان کسی کی بھلائی کی خاطر اسے کوئی حکم دیتا ہے تو حکم دینے والے کو بھی نصیحت کرنے والے کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔اور جب کوئی بندہ کسی سے اپنے لئے دعا کرنے کی درخواست کرے تو اس سے دو چیزیں مقصود ہوتی ہیں، ایک تو خود داعی کو نفع حاصل ہوتا ہے کیونکہ حدیث نبوی ﷺ ہے''جب کوئی مسلمان اپنے بھائی کے لئے اس کی عدم موجودگی میں دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک فرشتہ مقرر کر دیتے ہیں جو اس کی دعا پر کہتا ہے آمین اور تیرے لئے بھی یہ ہے۔''(۴) اور دوسرا مدعو کو داعی کی دعا سے نفع ملتا ہے۔لہٰذا اس درجے میں دو صورتیں سامنے آئیں اور پہلی صورت میں دو چیزیں ہیں۔ایک تو خود داعی کو نفع حاصل ہوتا ہے اور دوسری چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر اس داعی کی دعا قبول فرمالیں تو مدعو کو فائدہ پہنچتا ہے۔اسی کی مثال امر بالمعروف کا

---

(۱) [الرد علی الاخنائی (۲۱۰)]

(۲) [ابو داؤد (۱۴۹۸) ترمذی (۳۵۶۲) ابن ماجة (۲۸۹۴) احمد (۲۹/۱) ضعیف الجامع (۶۲۹۲/۶)]

(۳) [مسلم (۳۸۴)]

(۴) [مسلم (۲۷۳۳) ابو داؤد (۱۵۳۴) السلسلة الصحيحة (۳۲۶/۳)]

فریضہ انجام دینے والے کی سی ہے کہ جسے وہ نیکی پر لگا دے اسے بھی ثواب ہے اور خود نیکی کرنے والے کے لئے بھی خیر وفلاح ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مدعو کو فائدہ ہو لیکن داعی کو اس دعا کرنے سے اپنے لئے کوئی نفع نہ ہو۔
مذکورہ دونوں صورتوں میں سے اول الذکر کے جائز بلکہ مستحب ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ اس میں مخلوق اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی نفع اور اجر وثواب ہے۔(۱) اور دوسری صورت بھی جائز ہے لیکن اس میں اتنی بات ضرور ہے کہ یہ ان احادیث کے مخالف معلوم ہونے کی وجہ سے مفضول ہے جن میں دعا اور دم نہ کروانے والے ستر ہزار افراد کے حق میں بلا حساب جنت میں داخلے کی بشارت سنائی گئی ہے۔(۲) لیکن دعا کروانے کو اس لئے مخالف نہیں کہہ سکتے کہ بہت سے صحابہ ﷺ نے بھی نبی ﷺ سے دعا کی درخواست کی لیکن آپ ﷺ نے کبھی انکار نہیں کیا۔ ابن مفلح رقمطراز ہیں کہ ''جس شخص نے کسی سے اس کے نفع کے لئے یا اپنے اور اس کے فائدہ کے لیے دعا کی درخواست کی تو یہ ثابت ہے لیکن اگر وہ صرف اپنے لئے فائدہ چاہتا ہو تو یہ منع ہے جس طرح کسی سے مال (وغیرہ) مانگنا منع ہے گو اس سے بندہ گنہگار نہیں ہوتا جیسا کہ ہمارے شیخ (ابن تیمیہؒ) نے بیان کیا اور اس کے علاوہ جو لوگوں کے نظریات ہیں، وہ احادیث کے خلاف ہیں۔'' پھر ابن مفلح نے ام سلمہ کا نبی ﷺ سے حضرت انس ﷺ کے لئے دعا کا مطالبہ ذکر کیا۔ اسی طرح دوسرے صحابہ کا نبی سے دعا کا مطالبہ بھی ذکر کیا۔(۳)
ابن مفلح کی بات سے ایک تیسری صورت یہ سامنے آئی کہ صرف داعی کے فائدہ کے لئے دعا کا سوال کیا جائے لیکن یہ نادر الوقوع ہے کیونکہ انسانی طبیعت کسی ایسی چیز کے لیے تیار نہیں ہوتی جس میں اس کے لئے دنیوی یا اخروی فائدہ نہ ہو۔
شیخ ابن تیمیہؒ کے حوالے سے ابن مفلح نے صرف مدعو کے لئے دعا کے ناجائز ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس میں یہ بات سمجھنے والی ہے کہ بنیادی طور پر کسی سے دعا کا مطالبہ ناجائز نہیں لیکن اسے ناپسند کسی وجہ سے کیا گیا ہے اور وہ سبب یہ ہے کہ جب انسان کسی دوسرے انسان سے اپنے لئے دعا کی درخواست کرے گا تو اس سے یہ خدشہ ہے کہ کہیں وہ رفتہ رفتہ یہ اعتقاد نہ قائم کر لے کہ اس شخص کی ہر دعا قبول ہوتی ہے اور اس طرح اسے دعا کی قبولیت کا ذریعہ اور وسیلہ سمجھ کو لوگ غلط راہ پر نہ چل نکلیں۔ (وگرنہ کسی نیک شخص سے دعا کروانا منع نہیں)(٤) اس چھٹے مرتبے میں یہ

---

(۱) [الرد علی البکری (۱۰۰) الفتاوی (۱/۱۳۳)]

(۲) [الفتاوی (۱/۳۲۸)]

(۳) [بخاری (۱۹۸۲) الفتاوی (۱/۱۳٤) الرد علی البکری (۹۹)]

(٤) [الاعتصام للشاطبی (۲/۲۵)]

مثال بھی شامل ہے کہ روزِ محشر ساری مخلوق انبیاء سے (حساب کے آغاز کے لئے) فریاد کرے گی اور وہاں سب لوگ ایک ہی جگہ پر جمع ہوں گے لیکن مردوں سے دعا کی قطعاً اجازت نہیں۔

(7) اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے علاوہ سوال کرنا:۔[1]

یعنی اللہ کے اسماء وصفات کی بجائے کسی میت، غائب یا حاضر کے واسطے اور وسیلے وغیرہ سے سوال کرنا۔ اس کی چھ صورتیں بن سکتی ہیں جن کی تفصیل وسیلے کے بیان میں ذکر کی جائے گی۔ وسیلہ سے سوال کرنا بدعت ہے کیونکہ سلف صالحین میں سے کسی سے بھی اس کی کوئی مثال منقول نہیں[2] خواہ وہ ذات جس کا وسیلہ پیش کیا جارہا ہے، زندہ ہو یا مردہ۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی (نیک) زندہ شخص سے دعا کی درخواست کر کے قبولیت کے لئے وسیلہ بناتا ہے تو یہ جائز ہے جس طرح ایک اندھے آدمی نے نبی ﷺ سے درخواست کی اور اسی طرح حضرت عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے واقعات سے بھی اس کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات مدنظر رہے، کسی حاضر انسان کی ذات یا مقام ومرتبہ کے ساتھ وسیلہ پیش کرنا درست نہیں۔ اس کی تفصیل وسیلے کی بحث میں ملاحظہ کیجئے گا۔

اللہ تعالیٰ پر غیر اللہ کی قسم ڈال کر سوال کرنا حرام ہے جیسا کہ ''جبیر بن مطعمؓ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی آیا اور کہنے لگا، یا رسول اللہ! نفس مشقت میں پڑ گئے ہیں، اہل وعیال تنگی میں ہیں، مال ومویشی ہلاک ہو رہے ہیں لہٰذا آپ اللہ سے ہمارے لئے بارش کی دعا کریں۔ ہم آپ کو اللہ پر اور اللہ کو آپ پر سفارشی بناتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: افسوس تجھ پر! تو کیا کہہ رہا ہے۔ اللہ پر اس کی مخلوق میں سے کسی کو سفارشی نہیں بنایا جاسکتا۔ اللہ کی شان تو بڑی بلند وبالا ہے۔''[3]

ابوحنیفہؒ کے پیروکار اور ان کے علاوہ دیگر فقہاء کے نزدیک مخلوق کی قسم اٹھانا جائز نہیں بلکہ جمہور علماء کے نزدیک ایسی قسم واقع بھی نہیں ہوتی خواہ وہ کسی نبی یا فرشتے ہی کی کیوں نہ ہو۔ امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اس طرح منقول ہے جبکہ دوسری روایت کے مطابق ان کے نزدیک نبی کریم ﷺ کے ساتھ قسم منعقد ہو جاتی ہے۔ اسی روایت کی بنیاد پر ان کے نزدیک نبی کا وسیلہ جائز ہونے کا احتمال ہوتا ہے لیکن اس وقت جب کہ یہ بات امام احمدؒ سے بسند صحیح منقول ہو۔[4]

ممکن ہے کہ جمہور کے مطابق جو روایت امام احمد سے مروی ہے، اسے راجح قرار دیا جائے کیونکہ سلف میں سے اس کا

---

(١) [الفتاوى (٨٣/٢٧) منهاج السنة (٤٨٢/١)]

(٢) [الفتاوى (٨٣/٢٧)]

(٣) [ابو داؤد (٤٧٢٤) دارمی (٧١) ابن کثیر (٣١٠/١) سنده ضعيف]

(٤) [الفتاوى (١٤٠/١) قاعده فی التوسل (٥٠)]

کوئی مخالف نہ تھا بلکہ بہت سی احادیث میں غیر اللہ کی قسم سے سخت ممانعت وارد ہے مثلاً ''جس شخص نے غیر اللہ کی قسم کھائی، اس نے شرک کیا۔''(۱) اور یہ بعید از عقل ہے کہ امام احمد جیسے عظیم محدث کی نظر میں ایسی کوئی حدیث نہ آئی ہو۔ عز بن عبدالسلامؒ سے منقول ہے کہ انبیاء، اولیاء یا ملائکہ وغیرہ کے ساتھ قسم اٹھانا جائز نہیں البتہ نبی کریم ﷺ کی قسم کھانے کی اگر کوئی صحیح حدیث ثابت بھی ہو تو یہ آپ ﷺ کا خاصہ گنا جائے گا۔(۲) اس طرح کی ایک حدیث سے استشہاد کی کوشش کی گئی ہے مگر اس سے بھی یہ مسئلہ ثابت نہیں ہوتا جس کی تفصیل اپنی جگہ پر آئے گی۔

امام احمد کا نبی کا وسیلہ پکڑنے کا جواز۔ بشرطیکہ ان کا یہ موقف صحیح ہو۔ نبی پر ایمان لانے، آپ ﷺ کی اتباع اور محبت پر محمول ہوگا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ غیر اللہ کا وسیلہ یا غیر اللہ کی قسم کھانا بہر صورت ممنوع ہے۔ بلکہ اگر اسے حرام کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کیونکہ بسا اوقات یہ عمل انسان کو مشرک بنا دیتا ہے اگرچہ بعض لوگوں نے اسے شرکِ اصغر پر محمول کیا اور بعض نے شرک اکبر پر۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

(8) کسی نبی، ولی وغیرہ کی قبر یا مزار پر دعا:۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) یہ کہ انسان کسی قبر پر آکر دعا کرے مگر وہ اس قبر، دربار اور مزار کے بارے میں یہ اعتقاد نہ رکھتا ہو۔ یہاں آکر دعا جلدی قبول ہوتی ہے یا یہاں خاص رحمت و برکت کا نزول ہوتا ہے وغیرہ۔

(۲) یہ کہ انسان بغرض زیارت کسی دربار، مزار پر حاضری دے اور وہاں دعا کی قبولیت کا پورا اعتقاد رکھتا ہو اور قبر کی زیارت اور وہاں دعا کی نیت ہی سے نکلا ہو۔

(۳) اتفاقی طور پر کسی قبرستان وغیرہ سے گذرتے ہوئے اہل قبور کی بخشش و عافیت کی دعا کرنا جیسا کہ سنت سے بھی ثابت ہے۔(۳)

اس درجے کی مکمل تفصیل قبروں اور درباروں پر دعا کے ضمن میں پیش کی جائے گی۔ بہر حال اس میں پہلی دو صورتیں بدعت ہیں۔ اور آخری صورت جائز ہے۔

(9) اللہ اور غیر اللہ سے سوال:۔ گذشتہ مشرکین میں بھی یہ صورت بہت عام تھی جس سے قرآن مجید نے متعدد مقامات پر منع کیا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔'' (الشعرآ۔۲۱۳) (القصص۔۸۸)

---

(۱) [ابو داؤد (۳۲۵۱) ترمذی (۱۵۳۵) حاکم (۱/۱۸) صحیح الجامع (۵/۲۸۲)]

(۲) [فتاوی عز بن عبدالسلام (۱۲۶) الفتاوی (۱/۱۴۱)]

(۳) [اقتضاء الصراط (۳۳۶)]

شیطان نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے پہلے چور دروازے کھولے اور پھر آہستہ آہستہ مسلمانوں کو شرک کے آخری درجوں تک لے گیا اور یہی وجہ ہے کہ مذکورہ صورت کے شرک پر مبنی ہونے میں بالکل شک نہیں مگر بہت سے نام نہاد مسلمان اس فعل شنیع کے مرتکب بن چکے ہیں اور وہ یااللہ بھی کہتے ہیں اور اس کے برعکس یاغوث، یاداتا، یاعلی یا رسول اللہ وغیرہ کا نعرہ بھی جپتے ہیں۔ اور انہیں صرف پکارتے ہی نہیں بلکہ ان سے فریاد و استغاثہ بھی کرتے ہیں گویا ''اللہ اور غیر اللہ میں کوئی فرق ہی نہیں۔''

اس درجے کا حکم:۔ یہ بالکل صریح شرک اور واضح کفر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں، پس اس کا حساب تو اس کے رب کے پاس ہے۔ بے شک کافر لوگ نجات سے محروم ہیں۔'' (المؤمنون۔۱۱۷)

(10) غیر اللہ سے شفاعت کی نیت سے سوال:۔ شفاعت اور دعا کے مابین نسبت اس سے پہلے بیان کی جا چکی ہے، اب شرکیہ شفاعت کو پیش کیا جائے گا۔ اگرچہ اس موضوع پر بڑے رسائل لکھے گئے ہیں مگر ہم اپنی بحث کو اپنے موضوع کے دائرہ ہی میں رکھیں گے۔ شرکیہ شفاعت کی دو صورتیں ہیں:۔

(۱) کسی میت یا قبر کے پاس سے شفاعت کی درخواست کرنا کہ اے قبر والے! اللہ کے پاس میری سفارش کریں اور فلاں فلاں کام میں میرا وسیلہ بن جا۔

(۲) قبر سے میلوں دور اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں مُردوں اور قبروں سے وہی سوال و فریاد کرنا جو قبر کے پاس آنے والے کرتے ہیں۔

دراصل شفاعت کی دو قسمیں ہیں:۔ (ا) جائز شفاعت۔ (ب) ناجائز شفاعت

جائز اور مثبت شفاعت کی دو شرطیں ہیں:

۞ (اللہ تعالیٰ سفارش کرنے کی اجازت دیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کون ہے جو اللہ کے ہاں شفاعت کر سکے مگر اس کی اجازت سے۔'' (البقرۃ۔۲۵۵) اس کی اجازت کے بغیر شفاعت بے سود ہے۔'' (سبا۔۲۲)

۞ جس کی شفاعت کرنے پر اللہ کی رضامندی شامل ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وہ صرف اسی کی شفاعت کر سکتے ہیں جن پر وہ (اللہ) راضی ہو۔'' (الانبیا۔۲۸) ''اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش بے فائدہ ہے الا کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں اور راضی ہو جائیں۔'' (النجم۔۵۶) یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ کی رضا صرف اہل توحید کو حاصل ہوگی اسی لئے جب اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ ''آپ کی شفاعت کا حق دار کون ہے؟ تو

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص خلوص دل سے کلمہ شہادت کا اقرار کرے۔''[1] اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ ''ہر نبی کے لئے ایک دعا کی قبولیت (کی خصوصی اجازت) ہے اور ہر نبی نے اپنی دعا کر لی ہے جبکہ میں نے اپنی دعا کو اپنی امت کی سفارش کے لئے محفوظ رکھا ہے اور یہ سفارش میری امت کے ہر اس فرد کو مفید ہوگی جو شرک کے بغیر مرا۔''[2] لہٰذا مشرک کے لئے سفارش غیر مفید ہے ''نبی نے تو شفاعت کے لئے توحید کو لازم قرار دیا جبکہ مشرکین نے اپنے ولیوں کی سفارش کے حصول کے لئے شرک کو لازم کر لیا اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس کا واضح بطلان کر دیا ہے کہ شفاعت کا حق دار اور مستحق صرف اور صرف موحد ہے۔''[3] ناجائز اور منفی شفاعت یہ ہے کہ کوئی یہ اعتقاد رکھے کہ اس کا ولی خود اپنی مرضی سے اللہ کے حضور سفارش کر کے جو چاہے کر سکتا ہے اور اس کی شفاعت رد نہیں ہوتی بلکہ ہر صورت قبول ہوتی ہے بلکہ دنیا میں بھی اگر کوئی کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو وہ اپنے پیر، ولی وغیرہ کو پکارے کہ حضرت! اللہ سے میری نجات کی سفارش کر دیں! تو وہ حضرت صاحب فوری طور پر سفارش کر کے اپنے مرید کو مشکل سے نجات دلا دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ صریح شرک ہے کہ اللہ کے اختیارات میں بندوں کو شریک بنا دیا جائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہیں۔'' قرآن مجید نے بے شمار مقامات پر اس شفاعت کی نفی کی ہے مثلاً:۔

☆ ''اور اس (قرآن) کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرایئے جو اپنے رب کے پاس جمع ہونے کا خوف رکھتے ہیں کہ ان کے لئے اللہ کے سوا کوئی ولی یا سفارشی نہیں تا کہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔'' (الانعام۔۵۱)

☆ ''اس دن سے ڈر جاؤ جب کوئی نفس کسی نفس کے کام نہیں آئے گا اور نہ کسی سے معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ ہی سفارش فائدہ دے گی اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔'' (البقرۃ۔۱۲۳)

☆ ''اس (قرآن) کے ذریعے سے ان کو نصیحت کریں مبادا کہ کوئی شخص اپنے کردار کے سبب (اس طرح) نہ پھنس جائے کہ کوئی غیر اللہ اس کا نہ مددگار ہو اور نہ سفارشی۔'' (الانعام۔۷۰)

☆ ''پھر وہ عرش پر بلند ہوا۔ تمہارے لئے اس کے سوا کوئی ولی ہے نہ سفارشی۔'' (السجدہ۔۴)

☆ ''کہہ دیں کہ اللہ ہی کے لئے ساری شفاعت ہے۔'' (الزمر۔۴۴)

ان آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ غیر اللہ سے شفاعت کی امید رکھ کر اللہ تعالیٰ سے بے رغبتی اختیار کر لینا بہت بڑا

---

(۱) [بخاری (۹۹)]

(۲) [بخاری (٦٣٠٤) مسلم (٢٠٠)]

(۳) [مدارج السالکین (٣٤١/١)]

دھوکہ ہے لیکن مشرکین اس دھوکے میں مبتلا ہو چکے ہیں اور اپنے حق میں فرسودہ دلائل پیش کرنے میں منہمک ہیں جبکہ دوسری طرف کچھ اہل بدعت خوارج اور معتزلہ وغیرہ نے شفاعت مثبتہ کا بھی انکار کر دیا ہے۔ اہل سنت نے ان کے درمیان راہ اعتدال کو اختیار کیا ہے یعنی شفاعت مثبتہ کو جائز اور شفاعت منفیہ کو ناجائز رکھا اور اہل السنۃ نے عقائد واعمال میں ہمیشہ اعتدال کو اختیار کیا اور امت وسط ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ شفاعت کے بارے میں لوگوں میں تین طرح کے نظریات پائے جاتے ہیں۔ مشرک، عیسائی اور غالی اہل بدعت اپنے ولیوں کے بارے میں اللہ کے ہاں اپنی شفاعت کا اعتقاد رکھتے ہیں جبکہ معتزلہ اور خوارج نے نبی کریم ﷺ کے ذریعے کبیرہ گناہوں کے مرتکب کی شفاعت کا انکار کر دیا اور اہل السنۃ نبی ﷺ کی اپنی امت کے گنہگاروں کی شفاعت پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی کچھ مؤحد لوگوں کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔

گذشتہ بحث میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ شفاعت شرکیہ وہ ہے جس میں شفاعت مثبتہ کی شروط مفقود ہوں۔ علاوہ ازیں فلاسفہ کے ہاں اس کے علاوہ شفاعت شرکیہ کی صورت یہ ہے کہ مظاہر کائنات یعنی سورج، چاند، ستارے وغیرہ سے شفاعت کا اعتقاد وابستہ کیا جائے حالانکہ یہ مشرکین کے تصور سے بھی زیادہ گمراہ کن تصور ہے کیونکہ مشرکین کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے والے کی شفاعت کو اپنی قدرت وطاقت سے پورا کرتا ہے جبکہ فلاسفہ اللہ کی قدرت کے بھی منکر ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ جس طرح کوئی شخص قبر وغیرہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرتا ہے، اسی طرح داعی ارواح عالیہ اور مظاہر فطرت کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرتا ہے اور فیض پاتا ہے جس طرح سورج کی کرنیں آئینہ پر واقع ہونے کے بعد منعکس ہو کر کسی دیوار وغیرہ پر پڑتی ہیں۔ اسی لئے یہ لوگ قبروں، آستانوں اور مظاہر فطرت کی طرف متوجہ ہو کر دعائیں کرتے ہیں اور اسے گھروں، مسجدوں حتیٰ کہ بیت اللہ اور وہاں حج سے بھی افضل خیال کرتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ یہاں ارواح جمع ہوتی ہیں اور تاثیر حاصل کرتی ہیں۔ (۱)

اس درجے کا حکم:۔ اس بحث واعتقاد کے بعد اس شرکیہ شفاعت میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے کہ یہ صریح شرک بلکہ شرک اکبر ہے۔ ابن قیمؒ رقمطراز ہیں کہ ''اسی وجہ سے کواکب پرستی شروع ہوئی۔ ہیکل (دربار) تعمیر ہوئے، (شرکیہ) دعائیں وضع ہوئیں، بت تراشے گئے، میلے ٹھیلے منعقد ہونے لگے، پردے، چادریں زیب تن ہوئیں، چراغاں کیا جانے لگا، ان پر مسجدیں تیار ہونے لگیں حالانکہ اللہ کے نبی ﷺ ان کا کلی استیصال کرنے کے لئے تشریف لائے تھے..... لہٰذا یہی بتوں کی عبادت کا راز ہے۔ اسی کے ابطال وتردید کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء

---

(۱) [اغاثة اللهفان (۱/۱۶۹) الرد على المنطقيين (۱۰۳) الرد على البكرى (۱۶۷)]

مبعوث کیے، کتابیں نازل فرمائیں، ان لوگوں کو کافر قرار دیا گیا، ان کا مال وخون مباح ہوا اور ان کے لئے جہنم واجب ہوگئی۔ قرآن مجید انہی نظریات کی تردید سے بھرا ہوا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

''کیا انہوں نے اللہ کے سوا سفارشی پکڑ رکھے ہیں، آپ کہہ دیں کہ گو وہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ عقل رکھتے ہوں؟ آپ کہہ دیجئے! کہ تمام سفارش کا مختار اللہ ہی ہے۔ تمام آسمانوں اور زمین کا راج اسی کے لئے ہے، تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' (الزمر ۴۳، ۴۴)

اس آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ شفاعت کا حق دار وہ ہے جو ارض وسماء کا مالک ہے اور بلاشبہ وہ اللہ رب العزت کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رحم وکرم سے جسے اور جس کے لئے چاہیں گے، شفاعت کی اجازت دیں گے لہٰذا حقیقی شفاعت صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ [1] فلاسفہ کا سورج کی شعاع سے مثال دینا قیاس فاسد اور شرک ہے اسی لئے بعض اہل سلف سے منقول ہے کہ ''شمس وقمر کی عبادت قیاس فاسد کا نتیجہ ہے۔'' [2]

اسی طرح یہ اعتقاد بھی نہایت غلط ہے کہ دعا قبول الٰہی کے بغیر ہی کائنات میں از خود مؤثر ہے کیونکہ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات میں کوئی اختیار واقتدار نہیں رکھتے۔ [3] (معاذ اللہ) اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

***

(۱) [اغاثة اللهفان (۱۷۰/۱)]

(۲) [دارمی (۱۹۵)]

(۳) [الرد علی البکری (۲٦٨)]

مبحث ثانی

دعائے غیر اللہ میں متاخر اقوام کا غلو

یہ بات بالکل نمایاں ہو چکی ہے کہ متقدم مشرک اقوام اپنے معبودوں کے بارے میں باطل اعتقادات رکھتی تھیں اور ان کے لئے مختلف عبادات بھی بجالاتی تھیں لیکن متاخر (بعد کے) لوگوں نے ان کا بھی ریکارڈ توڑ دیا اور ایسے شرکیہ عقائد کا اظہار و اقرار کیا کہ کوئی بھی سلیم الطبع مسلمان دنگ رہ جائے کیونکہ ایسے مبالغہ آمیز شرکیہ عقائد کے معتقد بہت سے نام نہاد مسلمان ہیں! ان لوگوں کے ہاں یہ اعتقاد بھی پایا جاتا ہے کہ اللہ سے دعا کرنے کی بجائے مردوں سے دعا کریں تو بہت جلد قبول ہو جاتی ہے یعنی ان کے مردے، قبریں وغیرہ (نعوذ باللہ) اللہ کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں حتی کہ اس طرح کی حکایات بھی مروی ہیں کہ فلاں نے اللہ سے دعا کی تو قبول نہ ہوئی لیکن جب اس نے اپنے پیر سے فریاد کی تو وہ فوراً قبول ہوگئی۔ (اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم) اسی طرح یہ حکایت بھی مروی ہے کہ کسی قیدی نے اللہ سے دعا کی مگر رہائی نہ ملی لیکن جب فلاں مردے کو پکارا تو فوراً اسلامی علاقے کی طرف رہائی پا گیا۔"(۱)

ان لوگوں نے خود تو شرک اکبر کا ارتکاب کیا ہی تھا مگر یہ دوسرے مسلمانوں کو بھی اس شرک کی دعوت دینے لگے حتی کہ اس مقصد کے لئے انہوں نے باقاعدہ کتابیں لکھیں کہ مزاروں اور درباروں پر کون سی دعائیں کی جائیں، بعض نے دعائے غیر اللہ کا اشعار بنا کر پیش کیا اور بعض نے ولیوں کی کرامتیں، پیروں کی حکایتیں اور مریدوں کی فریادیں گھڑ کر مسلمانوں کے شہروں اور ملکوں میں پھیلایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پھر یہ معاملہ بڑھتا ہی چلا گیا حتی کہ ستاروں سے دعائیں مانگنے کے ثبوت میں کتابیں تحریر ہوئیں، حروف کی تاثیر اور ان کے تعویذات سے متعلقہ کتابیں لکھی گئیں اور مجوس، صابئین اور فلاسفہ کے نظریات باطلہ کی دین اسلام میں آمیزش کی گئی اور یہی بات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے بھی مروی ہے بلکہ انہوں نے اس طرح کی ایک کتاب کا نام (السر المکتوم فی السحر ومخاطبۃ النجوم) بھی بطور مثال پیش کیا۔ ذیل میں ان کے غلو کی چند ایک صورتیں اور مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(1) موجودہ لوگ گذشتہ لوگوں سے غلو میں آگے بڑھ گئے کیونکہ انہوں نے اپنے مریدوں، قبروں، ولیوں اور بزرگوں کے بارے میں کائنات کے تصرف کے اختیار کا عقیدہ قائم کر لیا جبکہ پہلے لوگ عالم کائنات میں تصرف کا واحد مختار اللہ تعالیٰ ہی کو متصور کرتے تھے۔ اس کے دلائل باب الشبہات میں ذکر کئے جائیں گے البتہ توحید ربوبیت

---

(۱) [ایضا (۳٤۷) منهاج السنة (٤٤١/٢) روح المعانی (١١/٢٤)]

اور دعا کے ضمن میں موجودہ اقوام کے اس شرکیہ عقیدہ کی مثالیں اور دلیلیں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

(2) گذشتہ مشرک اقوام صرف آسانی اور خوشحالی میں اپنے باطل معبودوں کو پکارتی تھیں لیکن تنگی اور پریشانی میں وہ بھی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتی تھیں کیونکہ انہیں علم تھا کہ اس تنگی اور پریشانی سے صرف اللہ تعالیٰ ہی نجات دلا سکتے ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

''یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور انہیں عمدہ ہوائیں دھکیلتی ہیں تو تم خوش ہوتے ہو (اور) جب تند و تیز ہوا چلتی ہے اور ہر طرف سے طغیانی آجاتی ہے اور وہ یقین کر لیتے ہیں کہ ان کا محاصرہ ہو گیا ہے تو وہ اللہ کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے پکارتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس سے نجات دی تو ہم ضرور شکر گزار ہو جائیں گے۔'' (یونس۔۲۲)

''اور جب سمندر میں تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو تم سے سب وہ (معبود) دور ہو جاتے ہیں جنہیں تم پکارتے تھے ماسوائے اللہ کے اور جب اللہ تمہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو تم اعراض کر لیتے ہو۔'' (الاسراء۔۶۷)

یہ تو سمندر میں طغیانی کے خوف سے کی جانے والی دعاؤں کی مثالیں ہیں۔ اسی طرح درج ذیل مثالیں عام حالات میں تنگی اور مصیبت کے وقت کی جانے والی دعاؤں پر مشتمل ہیں :۔

''اور جب ان پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ (نہایت) خلوص کے ساتھ اعتقاد کر کے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں۔ پھر جب وہ (باری تعالیٰ) انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچاتا ہے تو کچھ ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی کرتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہوں۔'' (لقمان۔۳۲)

''آپ کہئے کہ اپنا حال تو بتلاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا کوئی عذاب آپڑے یا تم پر قیامت ہی آپہنچے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم سچے ہو۔ بلکہ خاص اسی کو پکارو گے۔ پھر جس کے لئے تم پکارو گے، اگر وہ چاہے تو اس کو ہٹا دے اور جن کو تم شریک ٹھہراتے تھے، ان سب کو بھول بھال جاؤ۔'' (الانعام۔۴۰،۴۱)

''آپ کہیے کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کی ظلمات سے نجات دیتا ہے۔ تم اس کو پکارتے ہو گڑگڑا کر۔ اور چپکے چپکے، کہ اگر تو ہم کو اس سے نجات دے دے تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تم کو ان سے نجات دیتا ہے اور ہر غم سے تم پھر شرک کرنے لگتے ہو۔'' (الانعام۔۶۳،۶۴)

''اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے۔ لیٹے بھی، بیٹھے بھی، کھڑے بھی۔ پھر جب ہم اس کی تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے اپنی تکلیف کے لئے جو اسے پہنچی تھی، کبھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔'' (یونس۔۱۲) ''اور جب ہم انسان پر اپنا انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور کنارہ کش ہو جاتا ہے اور

جب اسے مصیبت پڑتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا بن جاتا ہے۔'' (فصلت۔۵۱)

مشرکین کی یہ عادت تھی کہ وہ رغبت ورہبت اور شدت خوف کی حالت میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے جیسا کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میرے والد سے پوچھا، حصین! دن میں کتنے معبودوں کی پرستش کرتے تھے؟ تو میرے والد نے کہا: سات معبودوں کی جن میں سے چھ زمینی ہیں اور ایک آسمانی۔ پوچھا: انتہائی خوف اور امید میں کسے پکارتے تھے؟ کہنے لگے، اسے جو آسمان میں ہے۔''[1] لیکن متاخر لوگوں کی جہالت اور شرک میں مبالغے کی یہ حالت ہے کہ وہ انتہائی گھبراہٹ اور پریشانی میں بھی اپنے ولیوں کی مالا جپتے ہیں اور یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے اور ایسی حقیقت ہے کہ تواتر کے ساتھ ایسے واقعات اور مثالیں موجود ہیں۔ ہم ان میں سے صرف چند ایک مخصوص اور معتبر واقعات پر اکتفا کریں گے:۔

(۱) شیخ حسین بن مھدیؒ رقمطراز ہیں کہ'' اکثر و بیشتر ہم نے ان قبر پرستوں کے بارے میں یہ مشاہدہ کیا ہے کہ یہ سمندر میں طغیانی کے خوف (اور اسی طرح کی سخت مصیبتوں) میں اللہ کی بجائے اپنے بزرگوں کو پکارتے نظر آتے ہیں کبھی یا زیلعی! کبھی یا حداد!.........''[2]

(۲) امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ موجودہ دور کے مشرک لوگ پہلے مشرکوں سے دو ہاتھ آگے ہیں کیونکہ پہلے مشرک انتہائی پریشانی اور خوف میں صرف اللہ تعالیٰ کو مخلص ہو کر پکارنے لگتے تھے جبکہ موجودہ مشرک ایسی حالت میں غیر اللہ کو مخلص ہو کر پکارتے ہیں۔ پھر امام شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ'' مجھے ایک آدمی نے واقعہ سنایا کہ وہ حج کے لئے بحری سفر پر روانہ ہوا تو راستے میں سمندری طوفان آیا تو بعض لوگ مُردوں کو پکارنے لگے اور اللہ کی بجائے ان سے فریاد رسی کرنے لگے تو مجھے شدید خوف پیدا ہو گیا کہ کہیں اس شرک کی وجہ ہی سے ہم غرق نہ ہو جائیں۔''[3]

(۳) نواب صدیق حسنؒ ایک ایسا ہی آنکھوں دیکھا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ'' یہ بھی عجائب میں سے ہے کہ جب بحری جہاز کے سمندر میں ڈوبنے کا خطرہ لاحق ہوتا تو کئی لوگ مُردوں، قبروں اور ولیوں کو فریاد کے لئے پکارنا شروع کر دیتے حالانکہ ایسی حالت میں چاہیے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماؤ صفات کے ساتھ پکارا جاتا مگر معاملہ اس کے برعکس تھا جس سے مجھے تو شدید خوف لاحق ہونے لگا کہ اب یہ جہاز ساحل پر صحیح سلامت مشکل ہی پہنچے کیونکہ

---

(۱) [ترمذی (۳٤٨۳) طبرانی اوسط (۳۰۰٦) اصول الاعتقاد (ص ٦٥٢) و سنده ضعيف]

(۲) [معارج الالباب (٤۳)]

(۳) [الدر النضيد (۳٦)]

مشرکین بھی ایسی حالت میں اپنے معبودوں کی بجائے خالصۃً اللہ کو پکارا کرتے تھے ......اور یہ لوگ اپنے تئیں مسلمان کہلانے کے باوجود شرک میں گرفتار ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا فرمان سچا ہے کہ ''اور اللہ پر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے مگر وہ شرک کرتے ہیں۔'' (یوسف۔۱۰۶)[۱]

(۴) شیخ سلیمان بن عبداللہ رقمطراز ہیں کہ ''موجودہ قبوریوں اور گذشتہ مشرکوں میں کس قدر عظیم تفاوت ہے کہ یہ لوگ انتہائی گھبراہٹ میں بھی غیر اللہ ہی کو پکارتے ہیں جبکہ سابقہ مشرکین کم از کم ایسی حالت میں ایک اللہ کو پکارتے تھے!!''[۲]

(۵) کتاب الابداع کے مصنف شیخ علی محفوظ رقمطراز ہیں کہ شفاعت صرف اسی وقت کی جائے گی جب اللہ تعالیٰ سفارشی کو اجازت دیں گے ......آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب لوگوں پر بحر و بر میں کوئی مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ جائے تو وہ اللہ کو پکارنا چھوڑ دیتے ہیں اور غیر اللہ کو مثلاً بدوی، دسوقی، زینب وغیرہ کو پکارنے لگتے ہیں اور اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ یہ کائنات کے تصرف میں مختار ہیں جبکہ یہ اللہ تعالیٰ کو کبھی بھی مخلص ہو کر نہیں پکارتے بلکہ ان کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں ہوتی کہ اگر یہ اللہ کو پکارتے تو ان کی پکار کبھی رائیگاں نہ جاتی۔[۳] ان مشرکوں کے غلو کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ یہ عام حالات میں اپنے ولیوں کے نام پر دنبے، بکرے، گائے، اونٹ اور مال و زر بطور نذرانہ پیش کرتے ہیں اور جب یہ بڑی مصیبت میں مبتلا ہوں تو پہلے سے دوگنا ہدیہ عقیدت پیش کرنے لگتے ہیں![۴] لہٰذا جس قدر ان کی مصیبت بڑھتی ہے، اس قدر یہ شرک میں گھرے اور صراط مستقیم سے دور ہونے لگتے ہیں۔

موجودہ مشرکین غیر اللہ کو محض پکارنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی قبروں اور مزاروں پر آ کر اگر دعا کی جائے تو دعا فوراً قبول ہوتی ہے اور مسجدوں یا گھروں میں دعا قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی مساجد وغیرہ میں وہ خشوع حاصل ہوتا ہے جو قبروں اور درباروں پر ہمیں نصیب ہوتا ہے![۵]

(3) موجودہ مشرکوں کے غلو کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ پہلے مشرک اپنی انتہائی مؤکدہ قسموں میں اللہ کی قسم کھاتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔''انہوں نے اللہ کی پکی قسمیں کھائیں کہ جو مر جاتا ہے، اللہ اسے دوبارہ نہیں اٹھائے گا۔'' (النحل۔۳۷) یعنی یہ مشرک جب تاکیدی قسم اٹھانا چاہتے تو اللہ کی قسم اٹھاتے جبکہ موجودہ مشرکوں کی جہالت اور

---

(۱) [قطف القمر (۱۰۵)]

(۲) [تیسیر العزیز (۲۲۰)]

(۳) [الابداع فی امصار الابتداع (۲۱۲)]

(٤) [معارج القبول (۱/٤٤٥)]

(٥) [الرد علی البکری (۳٤۹) روح المعانی (۲٤/۱۱)]

گمراہی میں اس قدر مت ماری گئی ہے کہ یہ ان کے برعکس تاکیدی قسموں میں ولیوں کو تفوق بخشتے ہیں۔ اگر کوئی اللہ کی قسم کھائے تو انہیں یقین نہیں آتا حتیٰ کہ وہ کسی ولی کی قسم نہ کھالے۔ اور بعض قبوریوں نے تو درباروں پر ولیوں کی قسموں کی تختیاں سجا رکھی ہیں۔ شیخ حسین نعمیؒ فرماتے ہیں کہ بے شمار لوگ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھانے میں پرواہ نہیں کرتے مگر جب انہیں کسی ولی کی قسم کا کہا جاتا ہے تو جھوٹی قسم میں تو وہ کبھی اس کے لئے تیار نہیں ہوتے اور قسم لینے والا بھی ولی کی قسم پر مصر ہوتا ہے۔ قسم کھانے والا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اگر میں نے کسی ولی کے نام پر جھوٹی قسم کھالی تو پھر وہ ولی مجھے معاف نہیں کرے گا۔ پھر شیخ حسینؒ نے اس کی متعدد مثالیں ذکر کی ہیں۔ (۱) امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ "ہمارے پاس تواتر کے ساتھ یہ یقینی خبر پہنچی ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کی جھوٹی قسم کھالے لیکن اس کا شریک مقابل اللہ کی قسم پر راضی نہ ہو اور اسے ولی کی قسم اٹھانے پر مجبور کرے تو جھوٹا شخص اپنے جھوٹ کا اقرار کر لیتا ہے مگر ولی کی قسم نہیں اٹھاتا (یعنی ولی کا خوف ہے، اللہ کی پرواہ نہیں) لہٰذا اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ سابقہ مشرکین سے بڑے مشرک ہیں۔ (۲)

(4) یہی متاخر مشرک لوگ غیر اللہ سے دعا کرنے میں بھی متقدم مشرکوں پر بازی لے گئے ہیں کیونکہ متقدم مشرک تو زیادہ سے زیادہ نیک لوگوں، فرشتوں، نبیوں یا شجرات، جمادات وغیرہ کو پکارتے تھے اور یہ سب چیزیں اللہ ہی کی فرمانبردار ہیں "ہر چیز اس کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔" (الاسراء۔۴۴) جبکہ متاخر مشرکوں نے تو طاغوتوں کو پکارنا شروع کر دیا جو اللہ کے سوا خود اس کائنات کے تصرف کے مختار ہونے کے مدعی اور اللہ کے باغی ہیں لیکن ان مشرکوں نے دفع مضرت اور جلب منفعت کے لئے انہیں پکارنا شروع کر دیا جن کا جھوٹ ڈھکا چھپا نہیں، جو نماز، روزہ تو کجا اپنی طہارت و پاکیزگی کا خیال بھی نہیں کر سکتے اور گندگی کے ڈھیر پر "مجذوب" پڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان جادوگروں اور شعبدہ بازوں کو پکارا جانے لگا جن کا دجل و فریب ہر باشعور پر ظاہر ہے اور وہ جھوٹے جن کی جعلی کرامتیں ان کے پیروکاروں نے زبان زد عام کر رکھی ہیں اور اس سب دجل و فریب کے ساتھ "یہ مسلمانوں کی مسجدوں میں حاضر نہیں ہوتے، اللہ کے لئے رکوع و سجود نہیں کرتے، کتاب و سنت سے ناآشنا اور آخرت کے منکر ہیں۔" یہ صرف ان لوگوں کا تجزیہ نہیں جو شرک کی بیخ کنی کر رہے ہیں بلکہ ان "ملنگوں" کو پکارنے والے ان کے مرید از خود ان کے زانی، چور اور بے نماز ہونے کے معترف ہیں۔ (۳)

(5) اسی طرح موجودہ مشرکوں نے اس غلو کا مظاہرہ کیا کہ پیدا ہونے والے بچے کو ولی یا قبر کے لئے گروی کر دیا۔ پھر پیدائش کے بعد اسے قبر والے کے لئے ایک مخصوص رقم دے کر یہ سمجھا کہ اب بچہ آزاد ہے۔ بلکہ اکثر لوگ بچے کے بال

---

(۱) [معارج الالباب (۱۷۴) تفسیر المنار (۵۸/۱)]

(۲) [نیل الاوطار (۹۵/٤)]

(۳) [کشف الشبهات (۱۷۰) طبقات اشعرالی (۱٤۲/۲)]

مزار پر لا کر منڈواتے ہیں اور مخصوص رقم قبر کی نذر کرتے ہیں اور اگر کسی کے باپ کے پاس مطلوبہ رقم نہ ہو تو کئی کئی سال اس بچے کے بال ہی نہیں منڈوائے جاتے اور اگر نومولود بچی ہو تو اس کا مہر ملنگوں کے نام کیا جاتا ہے۔ یہ آنکھوں دیکھے مشاہدات وواقعات ہیں۔ امیر صنعانی اس طرح کا واقعہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ کتنی عجیب بات ہے کہ قبر پرست اپنے بزرگوں کے نام پر اپنی اولاد کا حصہ مقرر کر کے حمل بیچ دیتے ہیں تا کہ بچہ انہی کے در پر غلامی کے لئے زندہ رہے حالانکہ ایسی صورتیں متقدم مشرکوں میں بھی عنقا ہیں۔ پھر یہ لوگ اپنی بچیوں کے حق مہر بزرگوں کے نام صدقہ کرتے ہیں۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کی کہ ''جو ہم نے انہیں دیا ہے، اس میں سے ایک حصہ ان کے لئے مقرر کرتے ہیں جنہیں جانتے تک نہیں۔'' (النحل۔۵۶)[1] امام شوکانیؒ اور شیخ حسینؒ نے بھی اس طرح کے واقعات نقل کئے ہیں۔[2]

(6) ان کے غلو کی ایک مثال یہ ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو سفارشی بنا کر اپنے بزرگوں کی رضا تلاش کرتے ہیں مثلاً، یاغوث! میں تیری طرف اللہ اور اس کے رسول کا وسیلہ تلاش کرتا ہوں حالانکہ متقدم مشرک بھی اس طرح نہیں کرتے تھے۔ گذشتہ بحث سے یہ ثابت ہوا کہ موجودہ مشرک لوگ گذشتہ مشرکوں کے بارے میں اللہ کے بیان کردہ اوصاف کے مستحق ہیں بلکہ ان سے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ''وہ تو ان کی بہ نسبت عقل مند اور چھوٹے مشرک تھے۔''

علامہ آلوسیؒ اس آیت (جب تم کشتی میں ہوتے ہو.....) کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ ''اس سے ثابت ہوا کہ گذشتہ مشرک ایسی حالت میں غیر اللہ کو پکارتے ہیں، کوئی الیاس وخضر کو پکارتا ہے، کوئی جمعرات کو، کوئی عباس کو، کوئی کسی امام کو، کوئی کسی ولی کو اور ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں ہوتا کہ اگر یہ اللہ کو پکاریں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی سنیں گے۔ اللہ کی قسم! فیصلہ کیجئے کہ ان میں سے بڑا مشرک کون ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی سے ایسے مشرکانہ حالات میں (خیر کی) دعا کی جاسکتی ہے جو لوگوں نے شریعت میں شرک کی آمیزش اور غیر اللہ سے حصول نجات کے لئے فریادرسی کا عقیدہ اپنا رکھا ہے اور اس حقیقت سے باخبر حضرات بھی امر بالمعروف ونھی عن المنکر کے فریضے سے غافل ہیں۔[3]

اللہ تعالیٰ علامہ موصوفؒ پر رحم کرے کہ انہوں نے حقیقت حال آشکار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کی جاسکتی ہے کہ وہ مسلمانوں کو توحید خالص اپنانے اور شرک سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسی پر توکل وبھروسہ کیا جاتا ہے۔

---

(۱) [تطہیر الاعتقاد (۲۷)]

(۲) [الدر النضید (۲۶) معارج (۱۷۶)]

(۳) [روح المعانی (۱۱/۹۸)]

مبحث ثالث

دعائے غیر اللہ کا حکم

قرآن وحدیث اور علما کی نظر میں غیر اللہ کو پکارنے والا بالکل واضح مشرک اور کافر ہے۔

(1) قرآنی دلائل:۔ قرآن مجید میں غیر اللہ کو پکارنے کو مختلف اسالیب سے کفر وشرک اور اس کے مرتکب کو کافر ومشرک قرار دیا گیا یعنی کبھی تو دعا کو عبادت کا درجہ دے کر واضح کیا کہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والا کافر ومشرک ہے ،کبھی دعائے غیر اللہ کو کفر وشرک کہہ کر اسی کے مرتکب کو کافر ومشرک کہا، کبھی یہ بیان کیا کہ جس طرح تنگی کی حالت میں صرف اللہ کو پکارا جاتا ہے، اسی طرح آسودگی کی حالت میں بھی اسی کو یاد کیا جائے ، کہیں غیر اللہ کو پکارنے والے کو عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا، کہیں اسے شرک اور ظلم وضلالت کہا گیا۔ بہرصورت غیر اللہ کو پکارنا، غیر اللہ سے دعا کرنا، غیر اللہ سے فریاد کرنا شرک اکبر ہے جس سے اجتناب اشد ضروری ہے۔ اب ہم ساری آیات کو بترتیب ذکر کرتے ہیں۔

☆ ''انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں (اور) اس کے لئے دین کو خالص رکھیں۔ ابراہیم حنیف کے دین پر۔'' (البینہ۔۵)

☆ ''آپ کہہ دیجئے! کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کروں کہ اس کے لئے عبادت کو خالص کرلوں۔'' (الزمر۔۱۱)

☆ ''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔'' (النساء۔۳۶)

☆ ''جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو، اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔'' (الکھف۔۱۱۰)

☆ ''اور تمہارے رب کا فرمان (جاری ہو چکا) ہے کہ مجھ سے دعا کرو۔ میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔ یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں، وہ عنقریب ذلیل ہوکر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔'' (المومن۔۶۰)

☆ ''میں تو تمہیں بھی اور جن جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، انہیں بھی سب کو چھوڑ رہا ہوں۔ صرف اپنے پروردگار کو پکارتا رہوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار سے دعا مانگنے میں محروم نہ رہوں گا۔ پس جب ابراہیم ان سب کو اور اللہ کے سوا ان کے سب معبودوں کو چھوڑ چکے۔'' (مریم۔۴۸)

☆ ''اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہ کر

سکیں بلکہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہوں۔ اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ ان کے دشمن ہو جائیں گے۔ اوران کی پرستش سے صاف انکار کر جائیں گے۔'' (الاحقاف۔۵،۶)

☆ ''اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو فریاد رسی نہیں کریں گے بلکہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا صاف انکار کر جائیں گے۔'' (فاطر۔۱۴)

☆ آپ کہئے کہ اپنا حال تو بتلاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا کوئی عذاب آپڑے یا تم پر قیامت ہی آپہنچے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم سچے ہو۔ بلکہ خاص اسی کو پکارو گے۔ پھر جس کے لئے تم پکارو گے، اگر وہ چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے اور جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو، ان سب کو بھول بھال جاؤ۔'' (الانعام۔۴۰،۴۱)

☆ ''آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔'' (الجن۔۲۰)

☆ ''جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں، پس اس کا حساب تو اس کے رب کے اوپر ہی ہے۔ بے شک کافر لوگ نجات سے محروم ہیں۔'' (المؤمنون۔۱۱۷)

☆ ''کہیں گے کہ وہ کہاں گئے جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ ہم سب غائب ہو گئے اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کریں گے۔'' (الاعراف۔۳۷)

☆ ''یہ (عذاب) تمہیں اس لئے ہے کہ جب صرف اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا تو تم انکار کر جاتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے۔ پس اب فیصلہ اللہ بلند و بزرگ ہی کا ہے۔'' (المؤمن۔۱۲)

☆ ''پس یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں۔ اس کے لئے عبادت کو خالص کر کے۔ پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں تا کہ ہماری نعمتوں سے مکر کرتے رہیں اور برتتے رہیں۔'' (العنکبوت۔۶۵،۶۶)

☆ ''تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں، سب اس کی دی ہوئی ہیں۔ اب بھی جب تمہیں کوئی مصیبت پیش آجائے تو اس کی طرف نالہ و فریاد کرتے ہو اور جہاں اس نے وہ مصیبت تم سے دفع کر دی تو تم میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتے ہیں کہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں۔ اچھا کچھ فائدہ اٹھالو۔ آخر کار تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا۔'' (النحل۔۵۳،۵۵)

☆ ''اور جب انسان کو کبھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خوب تائب ہو کر اپنے رب کو پکارتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اسے اپنے پاس سے کوئی نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اس سے پہلے جو دعا کرتا تھا اسے (بالکل) بھول جاتا ہے اور اللہ

کے شریک مقرر کرنے لگتا ہے جس سے (اوروں کو بھی) اس کی راہ سے بہکائے۔آپ کہہ دیجئے کہ اپنے کفر کا فائدہ کچھ دن اور اٹھالو۔آخر تو دوزخیوں میں ہونے والا ہے۔'' (الزمر۔۸)

☆ ''آپ کہہ دیجئے کہ اپنا حال تو بتلاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا کوئی عذاب آپڑے یا تم پر قیامت ہی آپہنچے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم سچے ہو۔ بلکہ خاص اس کو پکارو گے، پھر جس کے لئے تم پکارو گے، اگر وہ چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے اور جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو، ان سب کو بھول بھال جاؤ'' (الانعام۔۴۰،۴۱)

☆ ''پس تو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارا گر تو بھی سزا کے قابل بن جائے (الشعراء۔۲۱۳)

☆ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں پس اس کا حساب تو اس کے رب کے اوپر ہی ہے۔بے شک کافر لوگ نجات سے محروم ہیں۔'' (المومنون۔۱۱۷)

☆ ''بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔'' (لقمان۔۱۳)

☆ ''اور اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔'' (النساء۔۱۱۶)

☆ ''اب اس عہد و پیمان کے بعد بھی تم سے جو انکاری ہو جائے، وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا۔'' (المائدہ۔۱۲)

☆ ''اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کرنا جو تجھ کو نہ کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ کوئی ضرر پہنچا سکے۔پھر اگر ایسا کیا تو تم اس حالت میں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔'' (یونس۔۱۰۶)

☆ ''اللہ کے سوا انہیں پکارا کرتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکیں نہ نفع۔یہی تو دور دراز کی گمراہی ہے۔'' (الحج۔۱۲)

☆ ''اسی کو پکارنا حق ہے۔جو لوگ اوروں کو اس کے سوا پکارتے ہیں، وہ ان (کی پکار) کا کچھ بھی جواب نہیں دیتے مگر جیسے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو کہ اس کے منہ میں پڑ جائے حالانکہ وہ پانی اس کے منہ میں پہنچنے والا نہیں۔ان منکروں کی جتنی پکار ہے، سب گمراہی ہے۔'' (الرعد۔۱۴)

(2) سنت سے دلائل:۔ مختلف احادیث میں مختلف انداز سے دعائے غیر اللہ کو شرک کہا گیا ہے مثلاً بعض احادیث میں دعا کو عبادت کہا گیا کہ ''دعا ہی عبادت ہے۔''[1] اور ''سب سے افضل عبادت دعا ہے۔''[2] لہٰذا غیر اللہ کی عبادت (یعنی اس سے دعا بھی) شرک ہے۔اسی طرح احادیث میں صرف اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ ''جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر اور جب تو مدد

(۱) [احمد (۴/۲۷۷) ترمذی (۳۲۴۷) حاکم (۱/۴۹۱) طبرانی صغیر (۲/۹۷) حلیة الاولیاء (۸/۱۲۰) ابن ماجة (۳۰۸۶) فتح الباری (۱/۴۹) وحسنه]

(۲) [حاکم (۱/۴۹۱) السلسلة الصحیحة (۱۵۷۹)]

مانگے تو اللہ سے مدد مانگ۔''[1] اسی طرح احادیث کے مطابق غیر اللہ کو پکارنے (اور شرک کرنے) والے کو ابدی جہنم کی سزا سے ڈرایا گیا ہے۔ مثلاً ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اکثر و بیشتر یہ کہا کرتے تھے کہ ''جو شخص اللہ کے ساتھ کسی شریک کو پکارتے ہوئے فوت ہوا وہ آگ میں داخل ہوگا۔ اور جو اس حال میں فوت ہوا کہ اللہ کے سوا کسی کو نہیں پکارتا تھا تو میں کہتا ہوں کہ وہ جنت میں داخل ہوگا۔''[2]

(3) اجماع:۔ علمائے امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص غیر اللہ کو پکارے یا اس کو اللہ کے درمیان وسیلہ بنائے یا اس پر توکل کرلے تو وہ کافر ہے۔ شیخ ابن تیمیہؒ اس اجماع کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ ''جس نے انبیا اور ملائکہ کو وسیلہ بنا کر پکارا، ان پر توکل کیا، ان سے نفع کے حصول اور ضرر سے بچاؤ کا سوال کیا یا گناہوں کی بخشش اور دلوں کی ہدایت کا مطالبہ کیا یا تنگی اور فاقے سے نجات مانگی تو مسلمانوں کے اجماع کے ساتھ کافر ہے۔''[3]

شیخ ابن تیمیہؒ سے کئی ایک افراد نے یہ اجماع نقل کیا ہے مثلاً صاحب الفروع، صاحب الانصاف، صاحب الغایۃ، صاحب الاقناع اور اس کا شارح۔ اسی طرح صاحب القواطع نے۔ لہٰذا یہ بالکل صحیح اجماع ہے اور مذاہب اربعہ کے علما نے اسے مرتد کے احکام کے تحت بیان کیا ہے یعنی جس شخص نے اللہ کے ساتھ شرک کیا یا غیر اللہ کی عبادت کی تو وہ کافر ہے لہٰذا دعا بھی عبادت ہے اور غیر اللہ سے دعا کرنا بھی شرک ہے۔[4]

(4) علماء کے اقوال: گذشتہ بحث میں قرآن وحدیث کے حوالوں کے بعد کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی کہ دعائے غیر اللہ کا مرتکب مشرک و کافر ہے کیونکہ اس مسئلہ سے متعلقہ نصوص کی صراحت میں بالکل شک و شائبہ نہیں لیکن بہت سے لوگ آیات و احادیث کے باوجود اپنے علماء کے اس قدر گرویدہ ہوتے ہیں کہ انہی کے اقوال و فرامین کو نص صریح کا درجہ بخشتے ہیں اور قرآن وحدیث سے التفات برتتے ہیں۔ بہر حال اسی مقصد کے پیش نظر ہم مختلف مذاہب کے جید علما کے اقوال ذکر کئے دیتے ہیں تاکہ مذکورہ مسئلہ کی قباحت و شناعت میں کوئی تردد باقی نہ رہے۔

حنفی علما کے اقوال: بہت سے حنفی فقہاء، علماء اور مفتیان نے غیر اللہ کو پکارنے یا ان کو وسیلہ پکڑنے پر کفر کا فتوی صادر فرماتے ہیں مثلاً:۔

(۱) ''جس شخص نے مشائخ و اولیاء کی روحوں کے حاضر ہونے کا دعوی کیا، وہ کافر ہے۔''[5] اور یہ بدیہی بات

---

(۱) [ترمذی (۲۵/۶) احمد (۲۶۳/۱) ابن السنی (۴۲۵) وسندہ صحیح]

(۲) [بخاری (۴۴۹۷) مسلم (۹۲)]

(۳) [الفتاوی (۱۲۴/۱)]

(۴) [دیکھئے الفتاوی (۱۲۴/۱) تیسیر العزیز (۲۲۹) الفروع (۱۶۵/۶) الاقناع (۲۹۷/۴) مصباح الظلام (۳۴۳)]

(۵) [فتح القدیر (۴۰۹/۴) الزواجر (۲۸/۱)]

ہے کہ جو شخص ولیوں کی روحوں کے حاضر ہونے پر اعتقاد رکھتا ہے، وہی انہیں پکارنے اور ان سے فریاد کرنے کی جسارت کرتا ہے۔[1]

(۲) ''اگر کوئی شخص کسی عورت سے گواہوں کے بغیر شادی کرے اور وہ کہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ہمارے گواہ ہیں تو ان (احناف) کے نزدیک یہ کلمہ کفر ہے اور اس کی تعلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اس نے اللہ کے رسول ﷺ کے عالم الغیب ہونے کا اعتقاد رکھا ہے حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ زندگی میں غیب نہیں جانتے تھے تو وفات کے بعد یہ کیسے ممکن ہے وہ عالم الغیب بن جائیں؟۔''[2] اگر نبی ﷺ کو گواہ بنا کر نکاح کرنے والے کو کافر قرار دیا جائے گا تو پھر اس شخص کو بالا ولی کافر کہا جائے گا جو اپنے ولی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اس کا ولی اس کے ضمیر سے بخوبی واقف ہے اور اس کی ندا اور پکار پوری کرتا ہے۔

(۳) ''جو شخص علم غیب کا دعوی کرے یا دعوی کرنے والے کی تصدیق کرے، وہ کافر ہے۔''[3]

(۴) جو شخص میت کے بارے میں کائنات کے تصرف و تدبر کا عقیدہ رکھے، وہ کافر ہے۔[4]

(۵) جو شخص مجوسیوں کی عید ''نوروز'' کے دن ان کے ساتھ شریک ہو اور انہیں تحائف پیش کرے خواہ ایک انڈہ ہی کیوں نہ ہو تو وہ مجوسیوں کی عید کی تعظیم اور ان کی مشابہت کرنے کی وجہ سے کافر ہے۔[5]

اگر ایسا شخص کفر کا مستحق ہے تو پھر غیر اللہ کے درباروں، آستانوں پر برضا ورغبت حاضری دینے والے، ان کے سامنے خشوع و خضوع بجالانے والے اور دفع مضرت و جلب منفعت کے لئے انہیں پکارنے والے بالا ولی کافر ہیں۔

(۶) جو شخص کسی حاجی یا مجاہد کی واپسی یا بادشاہ کے استقبال میں جانور ذبح کرتا ہے تو وہ ذبیحہ مردار کی طرح ہے اگر چہ ذبح کرنے والے کے کافر ہونے میں فقہاء نے اختلاف بھی کیا ہے۔[6] اگر غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا کفر ہے تو دعائے غیر اللہ بالا ولی کفر ہے کیونکہ دعا تو عبادت کی روح اور مغز ہے۔

---

(۱) [فتاوی بزازیه (۳/۳۲٦) البحر الرائق (۵/۱۳٤)]

(۲) [فتاوی قاضی خان (۳/۵۷٦) فتاوی بزازیة (۳/۵۷٦) البحر الرائق (۳/۸۸) الفتاوی الهندية (۲/۲٦٦) شرح الفقه الاكبر (۲۲۵)]

(۳) [البحر الرائق (۵/۱۳۰)]

(٤) [ايضا (۲/۲۹۸) رد المختار (۲/٤۳۹)]

(۵) [الفتاوی البزازية (۳/۳۳۳) البحرالرائق (۵/۱۳۳)]

(٦) [فتاوی بزازیه (۳/۳٤۹) فتاوی هندية (۲/۲۷۷)]

(۷) "میری زندگی کی وجہ سے یا آپ کی حیاتی کی وجہ سے (یہ ممکن ہوا)" کہنے والے کے کافر ہو جانے کا خوف ہے۔(۱)

(۸) اسی طرح ہمارے زمانے میں کسی بچے کو دانے نکل آئیں تو عورتیں ان دانوں کی عبادت کرنے لگتی ہیں تا کہ بچے کو شفا ملے حالانکہ یہ عورتیں اپنے اس شرکیہ عمل کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اسی طرح کچھ عورتیں پانی کے کسی چشمے پر جا کر اس کی عبادت کرتی ہیں، وہاں پر اپنی حاجت روائی کے لئے قربانی دیتی ہیں۔ یہ عورتیں بھی کافر ہیں اور ان کی قربانی نجس ہے۔ اسی طرح کچھ عورتیں مجوس کی طرح گھروں میں تصاویر بنا کر ان کی عبادت کرتی ہیں۔ اسی طرح بچوں کو مختلف دیوتاؤں کے ناموں کا تیل اور نقش لگاتی ہیں۔ یہ بھی کافر ہیں اور انہیں ان کے خاوندوں سے الگ کر دیا جائے۔(۲) بعض لوگ اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ اس امت میں شرک نہیں ہوگا اور وہ شرک کرنے والوں پر نکتہ چینی کرنے والے حضرات کو متشدد کہتے ہیں۔ حالانکہ مذکورہ واقعات اور نصوص سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے اور اس کا مرتکب کافر ہے۔

(۹) "یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ" (شیخ عبدالقادر! اللہ کے لئے کچھ کیجئے) یہ جملہ کفر ہے۔(۳) کیونکہ اس جملے میں شیخ عبدالقادر کو پکار کر اللہ کی طرف وسیلہ بنایا گیا ہے۔(٤) بعض لوگوں نے اس کی ممانعت میں یہ علت بیان کی ہے کہ یہ دور سے مردوں کو پکارنے کی وجہ سے جائز نہیں۔ جو شخص غیر اللہ کو اس اعتقاد سے پکارے کہ وہ حاضر و ناظر ہے، ظاہر و باطن کا عالم ہے تو اس نے شرک کیا۔ شیخ عبدالقادر اپنے مناقب و فضائل میں اگرچہ مشہور ہیں مگر ان کا دور دراز سے لوگوں کی پکار سننا یا ان کی حاجتیں پوری کرنا ایک غیر مشروع امر ہے بلکہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ اس کا پیر اپنے مریدوں کے احوال سے ہر وقت آگاہ ہے اور ان کی پکار سنتا ہے تو یہ شرکیہ عقیدہ ہے۔(٥) نبی ﷺ سے ایک دیہاتی نے کہا کہ "ہم آپ کو اللہ پر اور اللہ کو آپ پر سفارشی بناتے ہیں تو نبی ﷺ نے اسے کہا: تجھ پر افسوس ہے، اللہ کی شان بڑی بلند ہے۔ (تو اس کے ساتھ مجھے شریک بناتا ہے؟)(٦)

(۱۰) شیخ قاسم حنفی فرماتے ہیں کہ عوام میں نیک اہل قبور کی قبروں پر جا کر نذر ماننے کا جو رواج ہے مثلاً "اے

---

(١) [ايضا (٣٤٨/٣) فتح القدير (١٠/٤)]

(٢) [الفتاوى الهندية (٢٨٢/٢)]

(٣) [الفتاوى الخيرية (١٨٢/١) رسالة التوحيد (١٤١)]

(٤) [رسالة التوحيد (١٤١)]

(٥) [فتاوى عبدالحي لكهنوى (٢٦٤/١)]

(٦) [ابو داؤد (٤٧٢٤)]

فلاں !اگر ہمارا گمشدہ فرد واپس آ گیا یا مریض کو شفا مل گئی یا فلاں ضرورت پوری کردی گئی تو پھر آپ کے لئے اتنا مال وزر، خوراک، دیا، چراغ وغیرہ نذر کریں گے۔'' یہ اجماع کے ساتھ باطل ہے کیونکہ اس میں غیر اللہ کی نذر مانی گئی ہے جو حرام ہے۔ اسی طرح میت کے بارے میں اختیارات رکھنے کا کفر یہ عقیدہ موجود ہے اور لوگ بری طرح اس آزمائش سے دوچار ہیں۔ امام شوکانیؒ نے بھی غیر اللہ کی نذر کو باطل اور اس اعتقاد کو کفر قرار دیا ہے۔

(۱۱) بہت سے حنفی علما نے صراحت کے ساتھ مردوں کو پکارنے کے ممنوع ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے کیونکہ دعا عبادت ہے جو غیر اللہ کے لئے جائز نہیں۔ علامہ طاہر پٹنیؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے اس قول کو مکروہ سمجھا ہے کہ کوئی یوں کہے کہ ''ہم نے نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کی۔'' کیونکہ زیارت مشروع بھی ہے اور غیر مشروع بھی۔ پھر فرماتے ہیں کہ ''جس شخص نے انبیاء وصلحاء کی قبروں کی زیارت میں یہ نیت کی کہ وہاں جا کر نماز پڑھیں گے، دعا کریں گے، ضروریات کے لئے دعا مانگیں گے تو یہ علمائے مسلمین کے نزدیک بالکل ناجائز ہے کیونکہ عبادت، دعا اور فریاد صرف اللہ وحدہ لاشریک کا حق ہے۔''[1]

(۱۲) صنع اللہ حلبی حنفی فرماتے ہیں کہ ''موجودہ دور میں جو مختلف مسلمان زندہ اور مردہ ولیوں کے بارے میں عجیب وغریب تصورات رکھتے ہیں، مشکلات میں انہیں پکارتے ہیں، ان کی قبروں پر حاضری دیتے ہیں......اس میں واضح افراط وتفریط ہے جو شرک ہونے کی وجہ سے ہلاکت وعذاب کی دعوت ہے اور ان نظریات میں کتاب وسنت کی مخالفت اور اجماع امت سے منازعت موجود ہے۔''[2]

(۱۳) شاہ ولی اللہ دہلویؒ شرک کی مختلف اقسام ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ''یہ بھی شرک ہے کہ غیر اللہ سے حاجت براری، مشکل کشائی اور مرض سے شفا کا سوال کیا جائے یا اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے غیر اللہ کے لئے نذر ونیاز دی جائے یا ان کے، ناموں کا وظیفہ کیا جائے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نماز میں بھی یہی حکم دیا ہے کہ ''ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔'' نیز ''اللہ کے سوا کسی کو مت پکارو۔''[3]

اور دعا سے مراد عبادت نہیں بلکہ استعانت (مدد طلب کرنا) ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿**بل اياه تدعون فيكشف ماتدعون اليه**﴾ تم اسی کو (مدد کے لئے) پکارتے ہو اور وہ تمہیں پکارنے کی وجہ سے (مصیبت) کھول

---

(۱) [مجمع بحار الانوار(۲/٤٤٤)]

(۲) [القول الفصل (٤٨) تيسير العزيز (٢٣٢) حكم الله الواحد الصمد (١٣)]

(۳) [حجة الله البالغة (٦٢/١)]

دیتا ہے۔شاہ ولی اللہ کا دعائے عبادت سے نفی کرنا بظاہر الجھاؤ پیدا کرتا ہے لیکن ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ دعا کی دو قسمیں ہیں۔دعائے عبادت اور دعائے حاجت اور یہاں دعائے عبادت کی مثال زیادہ ظاہر اور نمایاں ہے۔علاوہ ازیں شاہ موصوفؒ فرماتے ہیں کہ مردوں کو اس اعتقاد سے پکارنا کہ یہ حاجت پوری کرتے ہیں، کفر ہے جس سے اجتناب بہر صورت ضروری ہے۔

شاہ صاحب کی یہ عبارت بالکل واضح ہے کہ ''جو شخص اجمیر شریف یا سالار اور مسعود وغیرہ (ولیوں) کے مزاروں پر حاجت براری کے لئے گیا تو وہ قتل وزنا سے بھی بڑے گناہ کا مرتکب ہوا کیونکہ اس کی مثال لات وعزی کی عبادت کرنے والوں کی طرح ہے۔''[1]

(۱۴) شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنے رسالۃ التوحید (تقویۃ الایمان) میں بڑی صراحت سے شرک کی اقسام واضح کی ہیں۔موصوف لکھتے ہیں کہ مردوں کو دور یا نزدیک سے پکارنا شرک فی العلم ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

''اس شخص سے بڑا گمراہ کون ہوسکتا ہے جو اللہ کے سوا انہیں پکارتا ہے جو تا قیامت ان کی باتوں کا جواب نہیں دے سکتے بلکہ وہ تو ان کی پکار سے بھی غافل ہیں۔''

اس آیت سے مشرکین کی حد درجہ بے وقوفی اور اللہ کی بجائے ان لوگوں کو پکارنے کی حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے جو ان کی پکار سننے سے بھی عاجز ہیں اور اگر بالفرض وہ کچھ سن بھی لیں تو ان کی مدد سے قاصر ہیں۔اس سے ثابت ہوا کہ گذشتہ مشرکین بھی دور دراز سے اپنے ولیوں کو پکارتے تھے اور اسے شرک متصور نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اسے دعا سے موسوم کرتے جو قطعاً باطل ہے۔ان لوگوں نے اگرچہ از راہ عبادت ان کے ساتھ شرک نہیں کیا مگر از راہ پکار شرک کر لیا ہے۔کیونکہ ان کا زعم باطل ہے کہ ان کے اولیاء دور دراز سے بھی ایسے ہی سن لیتے ہیں جس طرح کہ وہ قریب سے سنتے ہیں۔ان کے لئے دونوں برابر ہیں۔حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''وہ (مردے) ان کی پکار سے غافل ہیں۔''[2] شیخ نے اسی رسالے میں جا بجا دعائے غیر اللہ کو شرک قرار دیا ہے۔[3]

(۱۵) ''شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ ''اس امت نے نیک لوگوں کی روحوں سے استعانت لینے میں مبالغہ اور غلو کیا ہے اور یقیناً ایسا کرنے والے جاہل عوام کا ایسا ہر عمل واضح شرک ہے۔''[4]

(۱) [البصائر (۲۷۳) بحوالہ التفهيمات (۲/۴۵) حجۃ اللہ البالغہ (۱/۶۲) الدین الخالص (۱/۲۸۹)]

(۲) [تقویۃ الایمان (۶۵-۶۷)]

(۳) [ایضا (۲۵) (۲۸)]

(۴) [فتاوی عبدالعزیز (۱۲۱)]

(۱۶) علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ ''جس شخص نے عوام سے یہ کہا کہ اولیاء کی قبروں سے فیض حاصل ہوتا ہے تو اس نے شرک کا دروازہ کھول دیا۔''[۱] نیز فرماتے ہیں کہ ''قبروں سے مدد طلب کرنا حرام ہے۔''[۲]
علامہ موصوف شیخ عبدالقادر کی طرف منسوب اس واقعہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کا بارہ (۱۲) سالوں کے بعد ڈوبی کشتی کو پار لگا دینا بالکل جھوٹا واقعہ ہے جو جاہلوں نے ان کی طرف منسوب کر رکھا ہے اور یہ عقیدہ واضح شرک ہے۔[۳]

(۱۷) علامہ آلوسیؒ حنفی فرماتے ہیں کہ ''لوگوں نے بہت سے زندہ اور مردہ حضرات کو ولی بنا کر پکارنا شروع کر دیا ہے۔ مثلاً یا غوث! میری مدد کریں۔ حالانکہ یہ غیر مشروع وسیلہ ہے بلکہ علماء نے اسے شرک قرار دیا ہے۔ جس سے بچنا بہر صورت ضروری ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ہر پکارنے والا اپنے ولی خواہ وہ زندہ اور غائب ہو یا مردہ، کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ غیب کو جاننے اور پکار کو سننے والا ہے کیونکہ اگر وہ ان کے نفع و نقصان میں غیر مختار ہونے پر یقین رکھتا تو انہیں پکارتا ہی نہ اور نہ اپنا منہ کھولتا اور یقیناً اس میں تمہارے رب کی طرف سے عظیم آزمائش ہے۔''[٤]

(۱۸) اسی طرح متاخر حنفی محمد سلطانی معصومی نے غیر اللہ کو پکارنے کو شرک قرار دیا اور اس موضوع پر ایک رسالہ تصنیف کیا جس میں حنفی علما کے اقوال ذکر کیے ہیں کہ غیر اللہ کو پکارنے والا کافر ہے جبکہ ان کے رسالہ کا نام ﴿حکم اللہ الواحد الصمد فی حکم الطالب من المیت المدد﴾ ہے۔ اس رسالے میں انہوں نے کئی مثالیں ذکر کی ہیں مثلاً شیخ عبدالقادر جیلانی کو پکارنے والا کہتا ہے، اے بادشاہوں کے بادشاہ اور شہنشاہ، میں تجھ سے فریاد کرتا ہوں، تو میری مدد کر، یا غوث! المدد۔ ان مثالوں کے بعد فرماتے ہیں کہ
''اے مسلمانو! اللہ مجھے اور تمہیں اپنی رضا کی توفیق اور صراط مستقیم کی ہدایت دے، یاد رکھو کہ یہ سب کلمات کفر و شرک پر مبنی، اسلام میں گمراہی اور مذہب حنفی بلکہ تمام مذاہب کے مطابق غیر مشروع ہیں اور ان کلمات کے قائل کے کافر ہونے پر اجماع ہے اور اس کی نماز، روزہ، حج اور امامت وغیرہ اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ وہ توبہ کر کے تجدید ایمان نہ کرلے اور اپنی توبہ کا بھی اسی طرح اعلان کرے جس طرح اپنے شرک کو مشہور کیا تھا۔[٥]

---

(۱) [فتاوی رشیدیہ (۱۲۱/۲)]

(۲) [ایضا (۸۹/۲)]

(۳) [ایضا(٤/۲)]

(٤) [روح المعانی (۱۲۸/٦) (۱۱/۲٤) (٦۷/۱۳) (۲۱۲/۱۷) (۹۸/۱۱)]

(٥) [حکم اللہ الواحد الصمد (۷/٤)]

مالکی علماء کے اقوال: امام مالک دعا کے مسئلہ میں بڑے سخت ہیں اور وہ یا سیدی، یا حنان وغیرہ الفاظ جو کتاب وسنت میں مذکور نہیں، کے استعمال کو ممنوع قرار دیتے ہوئے دعائے ماثورہ کے مطابق یا رب کہنے کے قائل ہیں۔ (۱) جب امام مالک یا سیدی جیسے مشتبہ اور غیر مشروع کلمات کے استعمال کو اس بندے کے لئے بھی درست نہیں سمجھتے جو اللہ سے ان الفاظ میں دعا کرتا ہے تو پھر ان کے بارے میں یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ یا ولی وغیرہ کہنے یا وسیلے وغیرہ کے قائل تھے بلکہ وہ مشروع دعا کا سختی سے التزام کرتے تھے۔ اسی طرح امام مالکؒ روضہ رسول ﷺ کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے جس طرح اس جملے کو ممنوع سمجھتے تھے کہ ہم نے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کی۔"(۲)

امام مالکؒ کے اقوال سے واضح ہوتا ہے کہ وہ شرک وبدعت کے سخت مخالف تھے بالخصوص غیر اللہ کو پکارنے اور دعا کرنے کے معاملے میں انکار و یہ واضح ہے۔ اسی طرح مالکی مذہب کے پیروکاروں کی صورتحال ہے بلکہ وہ صریح الفاظ میں اسے کفر کہتے ہیں۔ مثلاً قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں "ہر وہ جملہ جس میں توحید ربوبیت یا الوہیت کی نفی ہو یا غیر اللہ کی عبادت کا شائبہ ہو، وہ کفر ہے۔" نیز فرماتے ہیں کہ اگر وہ مخلوق کے لئے ایسا کلام اختیار کرے جو صرف خالق کے لئے سزاوار ہے لیکن اس کی نیت کفر واستخفاف اور الحاد کی نہ ہو مگر بارہا اسے ارتکاب کی وجہ سے یہ متصور ہوگا کہ وہ دین سے مزاح اور خالق کا استخفاف کر رہا ہے اور اللہ کی شان وعظمت میں نقب لگانے کی وجہ سے بلا شبہ اسے کفر پر محمول کیا جائے گا۔ (۳) امام قرافیؒ دعا کی ان صورتوں کے بارے میں جو دائرہ اسلام سے خارج کرنے والی ہیں، رقمطراز ہیں کہ "سائل کو چاہیے کہ اس طرح کی دعاؤں سے احتیاط کرے کیونکہ اس میں اعمال کے ضائع ہونے، دائمی جہنم کے مستحق ہونے، مال وخون کے مباح ہونے کی صورتحال جھلکتی ہے خواہ وہ ایسی ایک ہی دعا کا مرتکب ہوا ہو لہٰذا ایسی صورت میں از سرنو کلمہ شہادت کا اقرار کر کے اپنے اسلام کی تجدید کرے وگرنہ وہ مذکورہ سزاؤں کا مستحق بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی عافیت بخشے۔ (٤)

شافعی علما کے اقوال: امام شافعیؒ ائمہ اہل سنت میں ناصر السنۃ اور قاطع البدعہ جیسے عظیم القابات سے معروف ہیں۔ آپ سے دعائے غیر اللہ کے بارے میں کوئی واضح قول مروی نہیں کیونکہ آپ کے دور میں کوئی ایسی صورت

(١) [البيان والتحصيل (١/٤٥٦)]

(٢) [الشفا للقاضي (٢/٦٧١) المنتقىٰ (١/٢٩٦) الصارم (٢٧١)]

(٣) [الشفا (٢/١٠٦٥)]

(٤) [ايضا (٢/١٠٩٣) الفروق (٤/٢٦٥)]

سامنے نہیں آئی تھی۔ تاہم ان کے ایک قول سے اس طرح کی دلیل مستنبط ہوتی ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ کے اسما میں سے کسی اسم کے ساتھ قسم کھائی، پھر اسے توڑ دیا تو اس پر کفارہ ضروری ہے کیونکہ اللہ کے اسما مخلوق نہیں اور جس نے کعبہ یا صفا و مروہ کی قسم کھائی تو اس پر کفارہ نہیں کیونکہ یہ مخلوق ہیں۔[1] جب امام شافعی غیر اللہ کی قسم کو تسلیم نہیں کر رہے خواہ وہ کعبہ اور صفا و مروہ ہی کیوں نہ ہوں تو پھر وہ دعائے غیر اللہ کو کیسے جائز سمجھتے ہوں گے! امام شافعیؒ کے بعض معتقدین نے صراحت کے ساتھ دعائے غیر اللہ کو ناجائز کہا ہے مثلاً امام ابن خزیمہؒ فقیہ و محدث فرماتے ہیں کہ ''کیا تم نے کسی عالم کو سنا ہو جو اس قول کو جائز قرار دیتا ہو کہ میں کعبہ سے یا صفا و مروہ یا عرفات سے اللہ کی مخلوق کی پناہ مانگتا ہوں؟ اسے کوئی بھی مسلمان جو دین سے ادنیٰ سی واقفیت بھی رکھتا ہو، جائز نہیں سمجھے گا۔ لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ کوئی مسلمان اللہ کی مخلوق سے پناہ مانگے۔''[2]

اسی طرح امام خطابیؒ نے امام احمد کا غیر اللہ سے پناہ مانگنے کے عدم جواز کا قول ذکر کر کے اس کی تائید کی ہے۔[3] اسی طرح امام بیہقی جن کے بارے میں امام الحرمین فرماتے ہیں کہ ہر شافعی پر امام شافعی کا حق ہے لیکن امام بیہقی وہ امام ہے جسے شافعی پر حق تفوق ہے کیونکہ انہوں نے امام شافعی کے مذہب کی توثیق و نصرت کے لئے کتابیں تصنیف کی ہیں۔[4] امام بیہقی اللہ سے پناہ مانگنے والی احادیث کے بعد فرماتے ہیں کہ غیر اللہ سے پناہ مانگنا جائز نہیں۔[5]

امام مقریزیؒ فرماتے ہیں کہ ''ساری مشرک امتوں کے شرک کی دو قسمیں ہیں، شرک ربوبیت اور شرک الوہیت۔ شرک الوہیت میں بالعموم بتوں، فرشتوں، جنوں، ولیوں، بزرگوں، مردوں کو پکارنا اور ان کی عبادت کرنا شامل ہے اگرچہ یہ لوگ انہیں قرب الٰہی کا ذریعہ اور اپنا سفارشی خیال کئے بیٹھے ہیں۔''[6] قبروں کی زیارت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کی تین قسمیں ہیں۔ ''کچھ لوگ تو قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور وہاں مردوں کی بخشش کے لئے دعا کرتے ہیں۔ یہ تو شرعی زیارت ہے۔ کچھ زیارت کرنے والے قبروں والوں کے وسیلے سے دعائیں کرتے ہیں۔ یہ توحید عبادت میں شرک کرتے ہیں اور کچھ زائر قبروں کو پکارنے لگتے ہیں۔ یہ ربوبیت میں شرک کرتے ہیں۔''[7]

---

(١) [معرفة السنن (١١٣/١) آداب الشافعي لابن ابي حاتم (١٩٣)]

(٢) [كتاب التوحيد (٤٠١/١)]

(٣) [معالم السنن (٣٣٢/٤)]

(٤) [طبقات الشافعيه (١٠/٤)]

(٥) [الاسما والصفات (٢٤١)]

(٦) [تجريد التوحيد (١٤)]

(٧) [تجريد التوحيد (٢٠)]

ابوشامہ شافعی صوفیاء کے گمراہ کن دین طریقت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ انہی طریقوں سے بت پرستوں میں شرک داخل ہوا تھا۔ پھر موصوف فرماتے ہیں کہ اسی طرح بعض جاہل عوام قبروں پر چراغاں کر کے میلے منعقد کرتے ہیں، قبروں کی تعظیم کرتے ہیں، اور اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ یہ ان کی دعائیں قبول کرتے ہیں اور ان کی پریشانیاں دور کرتے ہیں حتی کہ یہ جاہل دیواروں، درختوں، پتھروں کے متعلق بھی اسی طرح کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ (۱)

ابن حجر ہیثمیؒ ایک حدیث (کہ جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر) کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ جس نے غیر اللہ کے نفع ونقصان کے مالک ہونے کا اعتقاد رکھا، وہ کافر ہے۔ موصوف نے ''اعلام بقواطع الاسلام'' نامی کتاب میں کچھ ایسے اقوال وافعال کو جمع کیا ہے جو انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتے ہیں اور ان میں دعائے غیر اللہ کو واضح نصوص سے ممتاز کیا ہے اور صاحب الفروع کے حوالے سے اس میں غیر اللہ کو وسیلہ بنا کر پکارنے والے کے کفر پر اجماع کا دعوی نقل کیا ہے۔ (۲)

حنبلی علما کے اقوال:۔ امام خلال حنبلی اور ابن بطہ حنبلی کا کلام گذر چکا ہے کہ ان کے نزدیک آسمان، انبیاء یا فرشتوں وغیرہ کی پناہ مطلق ناجائز ہے۔ اسی طرح شیخ ابوالوفا ابن عقیل حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ جب جہلاء پر مصائب کا دور دورہ ہوتا ہے تو وہ دین اسلام کے احکامات سے بغاوت کرتے ہوئے اپنے نفس کے قوانین کی غلامی کو پسند کر لیتے ہیں۔ میرے نزدیک ایسے لوگ کافر ہیں مثلاً قبروں کی تعظیم کرنے والے، انہیں چومنے والے، وہاں چراغاں کرنے والے، انہیں پکارنے والے، ان سے ضرورتیں اور حاجتیں مانگنے والے، قبروں کی مٹی سے تبرک لینے والے، ان کی طرف بغرض ثواب سفر کرنے والے، لات وعزی کی پیروی میں درباروں، مزاروں کے درختوں پر کپڑے اور چیتھڑے باندھنے والے...... (۳)

اس کلام کو کئی ایک حنبلی علماً نے بھی بطور تائید وتوثیق بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں ابن عقیل صوفیاء کے رد میں لکھتے ہیں کہ ''ہم نے ایسے لوگوں کے بارے میں سنا ہے جن کے نزدیک ولیوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور وہ انہیں پکارنا قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بھی کفر ہے اور ایسا اعتقاد رکھنے والا کافر ہے۔ (٤) ابن عقیل کے نزدیک ولیوں کا قرب

(۱) [الباعث علی انکار البدع (۲۳)]

(۲) [مفید المستفید (ص٥٣٤)]

(۳) [تلبیس ابلیس (ص٤٠٢) اغاثة اللهفان (١٥٢/١)]

(٤) [ایضا (ص٣٧٣)]

حاصل کرنے کا اعتقاد رکھنے والا اگر کافر ہے تو انہیں پکار کر ان سے فریاد رسی کرنیوالا ان سے بڑا کافر ہے۔ شیخ ابن تیمیہؒ کے نزدیک بھی ولیوں کو بطور وسیلہ بنا کر پکارنے والا اجماع کے مطابق کافر ہے۔ [۱] علاوہ ازیں شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی نبی، نیک ولی کے بارے میں غلو کیا اور ان میں عبادت کی کسی قسم کو ثابت کیا مثلاً انہیں یاغوث! المدد وغیرہ جیسے جملے کہہ کر پکارا تو وہ صریح شرک وگمراہی کا مرتکب ہو رہا ہے جس سے توبہ کروائی جائے گی بصورت دیگر اسے قتل کر دیا جائے گا۔ [۲] ابن قیمؒ شرک کی اقسام میں بیان کرتے ہیں کہ مردوں کو پکارنا اور ان سے فریاد رسی کرنا کائنات کا سب سے بڑا شرک ہے حالانکہ میت کے اعمال منقطع ہو چکے ہیں اور وہ اپنے لئے نفع نقصان سے عاجز ہے۔ پھر دوسروں کی مدد کیسے کر سکتی ہے یا کسی کی سفارش اللہ کے ہاں کیسے کر سکتی ہے؟ [۳]

موصوف زیارت قبور کی شرعی صورت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ مشرک لوگ میتوں کو پکارنے، ان سے مانگنے، ان کی قسمیں کھانے اور ان کی طرف متوجہ ہونے سے منع نہیں ہوتے حالانکہ یہ سنت نبوی ﷺ کے برعکس ہے کیونکہ آپ نے توحید اور میت سے احسان کا حکم دیا اور انہوں نے شرک اور میت اور اپنے آپ کو اذیت پہنچانے کا سودا مول لیا۔ [٤] نیز فرماتے ہیں کہ حاکم وقت کو ایسے مقامات، مزارات وغیرہ زمین بوس کر دینے چاہئیں جہاں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو کیونکہ ان کی مثال مسجد ضرار جیسی ہے (جسے نبی ﷺ نے منہدم کرایا) لہٰذا شرک کے مراکز کو تہہ تیغ کرنا سب سے ضروری امر ہے۔ [٥] حافظ ابن عبدالهادیؒ فرماتے ہیں کہ ملخص یہ ہے کہ حج میں نبی کی قبر کی زیارت کے لئے جانا، وہاں سجدہ ریز ہونا، طواف کرنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ حضور غیب جانتے ہیں یا مختار کل ہیں اور حاجت روائی اور مشکل کشائی کی استطاعت رکھتے ہیں اور سفارش کے ذریعے جسے چاہیں گے جنت میں لے جائیں گے۔ یہ تو شرک میں بھی مبالغہ ہے اور دین سے ارتداد ہے۔ [٦]

حافظ ابن رجبؒ فرماتے ہیں کہ انسان کا کلمہ شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اس بات کا متقاضی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارا جائے کیونکہ الٰہ (معبود) وہ ہے جس کی اطاعت کی جائے اور نافرمانی نہ کی جائے، اس سے خوف

---

(۱) [الفتاوی (۳۹۵/۳)]

(۲) [ایضا]

(۳) [مدارج السالکین (۳٤٦/۱)]

(٤) [زاد المعاد (٥۲۷/۱)]

(٥) [ایضا (۳/ ٥۷۱)]

(٦) [الصارم المنکی (ص ۳٥۱)]

وامید، توکل، سوال، دعا وغیرہ وابستہ کرلئے جائیں لہٰذا جس شخص نے ان امور میں سے کسی الٰہی خاصیت کو مخلوق کے لئے ثابت کیا تو گویا اس کے اخلاص میں جرح وقدح ہے، اس کی توحید میں نقص ہے اور اس میں مخلوق کی عبادت ہے حالانکہ یہ شرک کی شاخیں ہیں۔ (۱)

دعائے غیر اللہ پر کفر کا فتویٰ دینے والے کچھ مزید علماء کے اقوال:

محمد بن اسماعیل امیر صنعانی:۔ جس کسی نے کسی درخت، پتھر، قبر، فرشتے، جن، زندے یا مردے وغیرہ سے نفع، نقصان، قرب الٰہی، شفاعت یا رب کے وسیلے کا اعتقاد رکھا.....اس نے اللہ کے ساتھ اس کے غیر کو شریک کر کے شرک کیا اور بت پرست مشرکوں کا سا عقیدہ اپنایا اور جس نے غیر اللہ کے لئے مال، جان اولاد وغیرہ کی نذر مانی یا ایسی ضروریات زندگی کا سوال کیا جو صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے تو اس نے بت پرستوں کا سا شرک کیا......جس نے دن رات، آہستہ اور اونچی، خوف اور طمع سے اللہ اور غیر اللہ کو پکارا، اس نے توحید عبادت میں شرک کیا کیونکہ دعا عبادت ہے۔ (۲)

شیخ حسین بن مھدی نعمیؒ:۔ اس بات کی معرفت میں ادنیٰ سا بھی شک وشبہ نہیں کہ مخلوق سے دعا کرنا یا ان کا قصد کرنا فاحشانہ ظلم، مبالغانہ شرک اور اللہ کے خاص حق میں نزاع کرنے کے مترادف ہے کیونکہ دعا، پکار میں خشوع وخضوع صرف اللہ کا حق ہے۔ (۳)

محمد بن علی بن محمد الشوکانیؒ:۔ جس شخص نے کسی بھی مردے یا زندے کے بارے میں نفع یا نقصان کا اعتقاد رکھا یا اسے پکارا اور اس سے کسی بھی ایسے معاملے میں مدد مانگی جس پر ساری مخلوق بھی قادر نہیں تو اس کی توحید خالص نہیں اور اس نے اللہ کی عبادت میں اللہ کی وحید قائم نہیں رکھی کیونکہ نفع ونقصان کے لئے پکارنا عبادت کی ایک قسم ہے جسے غیر اللہ کے لئے بجالانا شرک ہے۔ اسی طرح غیر اللہ کے بارے میں یہ اعتقاد بھی شرک ہے کہ وہ کسی ایسی چیز پر قادر ہے جس پر بھی صرف اللہ ہی قادر ہوسکتا ہے یا غیر اللہ کی طرف کسی ایسی چیز سے تقرب حاصل کرنا جس کا استحقاق صرف اللہ رب العزت کے لئے ہو، شرک ہے۔" (٤)

(۱) [کلمة الاخلاص (۲۳)]

(۲) [تطهير الاعتقاد (۱۹۔۲۰۔۲٦)]

(۳) [معارج الالباب (ص۱۹۳)]

(٤) [الدر النضيد (۱۸۰۰)]

نیز فرماتے ہیں کہ جو قبروں کے بارے میں ایسا شرکیہ اعتقاد رکھے تو دیکھنے والے پر انہیں تبلیغ کرنا اور توحید کی دعوت دینا واجب ہے اور وہ صاف صاف کہہ دے کہ تمہارے یہ سب کام اس شرک پر مبنی ہیں جس پر اہل جاہلیت تھے۔"[۱] مزید رقمطراز ہیں کہ "کتنی ہی قبریں ہیں جہاں خوبصورت دربار تعمیر ہیں مگر ان پر سچا اسلام نوحہ کناں ہے کیونکہ ان کے بارے میں کافروں جیسا اعتقاد رکھا جاتا ہے کہ یہ نفع نقصان کے مالک ہیں اور ان سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے ایسے سوال کئے جاتے ہیں جیسے بندہ رب سے سوال کرتا ہے، ان کی طرف رحلت فرمائی جاتی ہے، انہیں چھوا جاتا ہے، ان سے فریاد رسی کی جاتی ہے۔ بالاختصار ان درباروں پر ہر وہ شرکیہ کام کیا جاتا ہے جو بت پرست اپنے بتوں کے درباروں پر کیا کرتے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! لیکن اس کفر و شرک جیسے عمل قبیح کے خلاف کسی کو دین حنیف کی حمیت نہیں ابھارتی خواہ وہ عالم ہو، طالب علم ہو، وزیر ہو یا صدر ہو......"[۲]

نواب صدیق بن حسن خانؒ:۔ "جس شخص نے غیر اللہ سے تنگی و پریشانی میں فریاد کی، اس نے کفر کیا۔"[۳] نیز فرماتے ہیں کہ "عبادت کو ہمارے زمانے کے عوام نے ولایت و سرّیت کا نام دے رکھا اور اس پر چلنے والوں کو اولیاء، فقرا اور مشائخ سے پکارا جاتا ہے...... یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان خاص الخاص افراد کو بلند درجہ سے نواز رکھا ہے اور اللہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ ان کی طرف پناہ اور واسطہ حاصل کریں، انہیں مدد کے لئے پکاریں...... یہ واضح شرک ہے جسے اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں کریں گے...... دعا ہی توحید ہے لہٰذا جس نے غیر اللہ سے دعا کی، اس نے شرک کا کام کیا کیونکہ غیر اللہ سے مانگنے کے شرک ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔"[۳]

ائمہ دعوہ کے اقوال:۔ دعائے غیر اللہ کے شرک ہونے پر ائمہ دعوہ کے اقوال اس سمندر کی حیثیت رکھتے ہیں جس کا کوئی کنارہ نہ ہو کیونکہ ان علماء کا جھگڑا ہی اس مسئلہ میں تھا اور یہی سب سے بڑا مسئلہ ہے جس پر انبیاء اور رسولوں کا اپنے اپنے دور میں جھگڑا رہا ہے کیونکہ رسولوں نے اپنی اپنی قوموں سے سب سے پہلے یہی تقاضا کیا کہ "اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔" (الاعراف۔۵۹، ۶۵، ۷۳)

نبی ﷺ مکہ میں تیرہ سال اسی بات کی دعوت دیتے رہے اور دعا کی دونوں قسموں کو اللہ کے لئے خاص کرنے کی تبلیغ

---

(۱) [ایضا (ص۲٤)]

(۲) [نیل الاوطار (٤/٩٥) البدر الطالع (٢/٦)]

(۳) [الدین الخالص (۱۸۳/۱)]

(۳) [ایضا (۲۲۲/۱)]

کرتے رہے حتی کہ اسلام پھیلتا چلا گیا۔ جب اسلام میں بگاڑ پیدا ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد کو چنا جنہوں نے دین کو پھر سے خالص کر کے پیش کیا جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے سرے پر ایسے افراد نمایاں کریں گے جو دین کی تجدید کریں گے۔[1] اسی مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے ائمہ سلف اور علمائے اہل حدیث کو منتخب کیا۔ ماضی قریب ہی میں جب (عرب میں) عقیدے میں شرک کی ملاوٹ ہو چکی تھی تو اللہ تعالیٰ نے بارہویں صدی ہجری میں شیخ محمد بن عبدالوھاب اور ان کے رفقاء کو صحیح اسلامی عقیدے کو دعوت و جہاد کے ذریعے غالب کرنے کے لئے منتخب فرمایا۔ شیخ دوٹوک الفاظ میں بیان کرتے تھے کہ ان کی دعوت غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت پر مبنی ہے۔ اسی لئے شیخ نے مختلف انداز سے دعائے غیر اللہ کا بطلان کیا، وسیلے، واسطے وغیرہ جیسے نظریات کی تردید کی۔ ان کے چند ایک اقوال درج ذیل ہیں :۔

''دوسرا (ناقص اسلام یہ ہے کہ) جس شخص نے اللہ اور اپنے درمیان کسی کو واسطہ بنا کر پکارا، ان سے شفاعت کا مطالبہ کیا اور ان پر بھروسہ کیا تو اس کے کافر ہونے پر اجماع ہے۔''[2] شیخ اپنی کتاب ''کتاب التوحید'' میں باب ذکر کرتے ہیں کہ ''اس چیز کا بیان کہ غیر اللہ سے مدد طلب کرنا یا انہیں پکارنا شرک ہے۔''[3] پھر اس کے مسائل میں اسے شرک اکبر قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ قبر کے لئے نذر دینا، اسے پکارنا، اس کے لئے عاجزی کرنا شرک اکبر ہے۔[4] نیز رقمطراز ہیں کہ ''جس شخص نے دن رات اللہ کی عبادت کی، پھر کسی نبی، ولی کی قبر پر جا کر انہیں پکارا تو گویا اس نے دو رب (معبود) بنا لئے ہیں اور کلمہ شہادت پر قائم نہیں رہا کیونکہ معبود کو پکارا جاتا ہے۔[5]

شیخ سلیمان بن عبداللہ (۱۲۳۳ھ): میت، غائب یا حاضر کو اس کام کے لئے پکارنا جس پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں مثلاً بیماری اور پریشانی سے نجات کے لئے۔ تو یہ شرک اکبر ہے۔ بلکہ اکبر الکبائر ہے کیونکہ دعا عبادت کا مغز ہے اور معبود وہ ہے جسے بندہ اس وقت پکارتا ہے جب ساری دنیا سے وہ عاجز آجاتا ہے اور یہی توحید کا خلاصہ ہے لیکن جس شخص نے ایسی حالت میں غیر اللہ کو پکارا تو گویا اس نے اللہ اور (اس) غیر اللہ کو برابر مقام دے دیا اور

---

(۱) [ابو داؤد (۴/۴۸۰) حاکم (۵۲۲/۴) السلسلة الصحيحة (۵۹۹)]

(۲) [مؤلفات الشيخ قسم العقائد (ص۲۸۵)]

(۳) [كتاب التوحيد (۵۰)]

(۴) [الفتاوى (۷۰)]

(۵) [الرسائل الشخصيه (۱۶۶)]

یہی تو شرک ہے۔[(۱)]

عبدالرحمٰن بن حسنؒ (۱۲۸۵ھ):۔ جب آپ صحیح نقلی اور صریح عقلی دلائل کی روشنی میں سمجھ چکے ہیں کہ دعا ہی عبادت ہے تو جس شخص نے عبادت کے کسی حصہ میں بھی غیر اللہ کو شریک کر لیا تو اس نے شرک کیا خواہ وہ کوئی بھی ہو کیونکہ قرآن وسنت میں بالعموم ہر شخص کو اس شنیع ارتکاب سے منع کیا گیا اور جو شخص غیر اللہ کے لئے تصرف ثابت کرنے کی کوشش کرے، وہ دراصل کتاب وسنت کا منکر اور انبیاء کی دعوت کا مخالف ہے کیونکہ سب انبیا کی دعوت یہی تھی کہ ''اللہ کو پکارے، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔'' (الاعراف۔۵۶، ۶۴، ۷۲، ۸۴)۔[(۲)]

۱۲۱۸ھ میں علمائے مکہ کی آراء۔ ۱۲۱۸ھ میں مکہ اور نجد کے علماء نے جمع ہو کر دعائے غیر اللہ کے مسئلہ پر مناقشہ کیا اور یہ خلاصہ نکالا کہ جس شخص نے غیر اللہ کو مافوق الاسباب کاموں کے لئے پکارا، اس نے شرک اکبر کا ارتکاب کیا۔ اس فیصلے کا متن درج ذیل ہے:۔

''جس نے یارسول اللہ کہا یا پھر یا ابن عباس، یا عبدالقادر یا کسی بھی مخلوق کو حصول نفع اور دفع مضرت کے لئے پکارا مگر اس کام پر اللہ کے علاوہ کوئی بھی قادر نہیں مثلاً مریض کی شفا، دشمن پر مدد، آفات سے بچاؤ وغیرہ تو ایسا شخص شرک اکبر کے ارتکاب کی وجہ سے مشرک ہے جس کا مال وخون مباح ہے اگر چہ وہ یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ درحقیقت کائنات کا تصرف صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن ہم مخلوق کو اس لئے پکارتے ہیں کہ ہمیں ان کی سفارش مل جائے اور ان کے ذریعہ سے تقرب الی اللہ حاصل ہو جائے۔[(۳)] اس فیصلے کی دیگر بہت سے علماء نے توثیق کی لیکن ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔[(۴)]

ملخص:۔ مذکورہ فیصلے کے بارے میں ممکن ہے کہ کچھ لوگ یہ کہہ دیں کہ یہ چند متشدد علماء کا فیصلہ ہے جس کی کوئی وقعت واہمیت نہیں لیکن گذشتہ بحث میں ہم مذاہب اربعہ کے علماء کے صریح الفاظ میں فتاوے بیان کر چکے ہیں کہ ان کے نزدیک بھی غیر اللہ کو پکارنے والا، ان سے فریاد کرنے والا، غیر اللہ کی قسم کھانے والا، غیر اللہ کے لئے ذبح کرنے والا.......مشرک ہے۔ ممکن ہے کہ کچھ لوگ یہ اعتراض کریں کہ ائمہ سلف صالح میں سے کسی نے بھی اس عمل کے کفر وشرک کی صراحت نہیں فرمائی؟ تو عرض ہے کہ سب سے پہلے تو قرآن مجید نے دعائے غیر اللہ کو پکارنے کو دوٹوک

---

(۱) [تيسير العزيز (۲٤۳)]

(۲) [القول الفصل (۳٤)]

(۳) [الهداية السنية (۲۷) الدرر السنيه (۱۱۰/۱)]

(٤) [فتاوى ابن باز (۱۵۸/۱) السراج المنير (۲۸/۲۷)]

الفاظ میں کفر وشرک سے تعبیر کیا ہے۔ سلف صالحین تو کتاب وسنت پر کاربند تھے لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس عمل قبیح کو مستحسن یا جائز سمجھتے ہوں؟ بلکہ وہ اسے کفر وشرک ہی سے تعبیر کرتے تھے گو اس کی صراحت منقول نہیں۔ علاوہ ازیں اسلام کے صدر اول میں توحید اس قدر خالص اور نکھر چکی تھی کہ شرک دور دور تک دکھائی نہ دیتا تھا لیکن جب قوت اسلام ماند پڑتی گئی تو شرک بڑھتا چلا گیا اور غیر اللہ کو پکارنے کا رواج چل نکلا۔ علمائے سلف کسی مسئلے میں اس وقت تک بحث نہیں کرتے تھے جب تک اس کا وقوع سامنے نہ آجاتا۔

شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ قبروں کا حج کرنے والے، انہیں بت بنا کر پوجنے والے، وہاں مسجدیں اور میلے منعقد کرنے والے عہد صحابہ ﷺ، عہد تابعینؒ اور تبع تابعینؒ تک دکھائی نہیں دیتے اور نہ ہی اسلام میں کوئی قبر یا مزار ہے کہ جس کی طرف حج کیا جائے بلکہ یہ سب قرون ثلاثہ کے بعد کی پیداوار ہے۔ ایک عالم کا کہنا ہے کہ مردوں سے شرکیہ اعتقاد امام احمد اور ان کے طبقے کے محدثین وفقہاء کی موت کے بعد سامنے آیا۔ اسلام کے صدر اول میں چونکہ اسلامی عقائد میں بگاڑ نہیں تھا، اسی لئے ائمہ سلف نے اس موضوع پر کتابیں نہیں لکھیں کیونکہ وہ اسی موضوع پر لکھتے تھے جس کی عوام کو حاجت وضرورت ہوتی یا اس کے بارے میں خدشات لاحق ہوتے۔ دعائے غیر اللہ کا حکم ان کے ہاں اس لئے متنازعہ نہیں تھا کہ کتاب وسنت سے اس کے خلاف وضاحت وصراحت منقول ہے بلکہ ابن خزیمہؒ جیسے ائمہ سلف تو اس بات کو محال سمجھتے تھے کہ ایک عام مسلمان بھی بھلا غیر اللہ کو پکارنے کا ارتکاب کرسکتا ہے! لیکن جب یہ صورتحال سامنے آئی تو علماء نے اس کے خلاف قلم اٹھایا جن میں امام احمدؒ، نعیم بن حمادؒ، امام بخاریؒ، سواز قاضیؒ، خلالؒ، ابن خزیمہؒ، ابن بطہؒ، خطابیؒ اور بیہقیؒ شامل ہیں۔

غیر اللہ کو پکارنے والے کو پہلے اس عمل قبیح سے ڈرایا جائے اور اس پر حجت قائم کردینے کے بعد اسے مشرک قرار دیا جائے گا جیسا کہ ابن تیمیہؒ نے متعدد مقامات پر اس کی بحث کی ہے مثلاً شیخ فرماتے ہیں کہ ''یہ وہ شرک ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے لیکن جہالت اور سنت نبوی ﷺ سے دوری کی وجہ سے بہت سے متاخر عوام اس میں مبتلا ہوچکے ہیں لیکن ان کی تکفیر سے پہلے انہیں دین حق اور شریعت محمدی سے متنبہ کیا جائے۔'' نیز فرماتے ہیں کہ

حقیقت یہ ہے کہ کوئی کفریہ کلمہ ہوتا ہے جس کے بارے میں یہ حکم لگایا جاتا ہے کہ اس کا قائل کافر ہے لیکن اس کے قائل کسی معین شخص پر حجت پوری کیے بغیر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا...... نہ ہی کسی معین شخص پر اس کی وعید یا اس کے جہنمی ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا کیونکہ ممکن ہے کہ کسی عدم شرط کی وجہ سے وہ اس کا مستحق نہ بنتا ہو مثلاً اس تک یہ بات نہ پہنچی

ہو یا اس نے غلط مفہوم سمجھا ہو۔ بہر حال ان شبہات کی وجہ سے وہ اللہ کے ہاں معذور ہے۔ (۱)

اسی طرح شیخ محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں کہ جاہل آدمی پر حجت پوری کیے بغیر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا بالخصوص اگر وہ کسی ایسے معاشرے میں ہو جہاں توحید اور علمائے توحید کا نام ونشان نہیں۔ (۲)

گذشتہ بیانات سے واضح ہوا کہ حجت پوری کیے بغیر کفر کا حکم لگانا سخت منع ہے لیکن کچھ لوگ خوارج کی پیروی کرتے ہوئے بلاسوچے سمجھے کفر کے فتوی صادر فرمانے لگتے ہیں جبکہ کچھ لوگ ان کے بالکل برعکس شرک کرنے والے افراد پر حجت پوری ہوجانے کے باوجود شرک وکفر سے اعراض کرتے ہیں حالانکہ یہ افراط وتفریط ہے۔ (ان شبہات کی تفصیل چوتھے باب میں ملاحظہ ہو) راہ اعتدال یہی ہے کہ حجت پوری ہوجانے کے بعد کفر کا حکم لگایا جائے گا اور یہی راجح مذہب ہے لیکن حافظ ابن مندہ اپنی کتاب میں عنوان ذکر کرتے ہیں کہ ''اس بات کی دلیل کہ مجتہد جو معرفت اور توحید الٰہی میں خطا کھا جائے، وہ ملحد کی طرح ہے۔''(۳) پھر اس میں دلیل ذکر کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گھاٹا پانے والوں کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ اہل کتاب اور حروری لوگ ہیں۔ نیز قرآن میں ہے ''کہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں ....'' لیکن یہ راجح مذہب کے خلاف ہے کیونکہ ان کی پیش کردہ قرآنی دلیل محض کافروں کے بارے میں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ حروری کفر سے فرار ہوگئے ہیں۔

❋ ❋ ❋

(۱) [الرد علی البکری (ص۳۷٦) مصباح الظلام (ص۱۹۷)]

(۲) [مؤلفات الشیخ القسم الثالث (ص۳۷)]

(۳) [كتاب التوحيد لابن مندة (۳۱٤/۱)]

فصل ثالث

بدعی دعائیں اوران کے مضر اثرات

مبحث اول:۔ اس میں بالعموم دین میں بدعت جاری کرنے اور بالخصوص بدعی دعا کی مذمت کے بارے میں آثارسلف واقوال علماء کے ساتھ اس کے مضر اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دعا ایک اہم ترین عبادت ہے اور عبادات شارع کے حکم پر مبنی ہوتی ہیں جن میں خواہش نفس اور بدعت کو مطلق دخل نہیں۔اسلام کی بنیاد دو چیزوں پر ہے ایک تو یہ کہ ہم صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں اور دوسرے یہ کہ ہم ہر عبادت شریعت محمدی کے مطابق بجالائیں نہ کہ اپنی خواہشات کے مطابق۔لہٰذا جس عبادت میں یہ دو شرطیں نہیں، وہ عبادت قبولیت کے لائق نہیں۔اس لئے ہر انسان کو چاہیے کہ وہ صرف مشروع دعاؤں کا التزام کرے اور یہی صراط مستقیم ہے۔ (۱)

انسان کی خوشی، غمی، دکھ، مصیبت، پریشانی، دن، رات، صبح، شام غرض ہر لمحے اور ہر پہلو کی شرعی دعا موجود ہے بلکہ علماء نے مستقل اس موضوع پر کتابیں لکھ کر ان دعاؤں کو جمع کر دیا ہے لہٰذا ہمیں ان کو اختیار کر کے من گھڑت دعاؤں سے اجتناب کرنا چاہیے۔

کتاب وسنت سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا بھی من گھڑت دعاؤں کے مجموعوں کی بجائے صحیح اور مشروع دعاؤں پر اقتصار کو ترجیح دیتا ہے۔اگرچہ من گھڑت دعائیں شرک سے خالی ہی کیوں نہ ہوں لیکن شرکیہ من گھڑت دعائیں تو کسی صورت بھی جائز نہیں۔ذیل میں ہم بدعی دعاؤں کے مفاسد ذکر کرتے ہیں۔

(۱) بدعت شرک کا دروازہ کھولتی ہے۔

(۲) بہت سی بدعی دعائیں شرک وتوسل پر مبنی ہیں۔

(۳) بہت سے لوگ بدعی دعاؤں کو ماثور ومنقول دعاؤں پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ یہ بہت بڑی آزمائش ہے۔

(۴) ان بدعی دعاؤں کے ساتھ کئی دوسری بدعتیں بھی شامل ہو جاتی ہیں مثلاً محفل میلاد کا انعقاد کروانا، اونچی آواز میں مل کر گانا حتی کہ کئی لوگ ایسے عجیب وغریب طریقے سے ورد کرتے ہیں کہ بے ہوش ہو جاتے ہیں! انہیں نصیحت کرنے کی ضرورت ہے۔

---

(۱) [الرد علی البکری (۷۲) الفتاوی (۳٤٦/۱)]

دین میں بدعت کی مذمت:۔

☆ ''آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضا مند ہو گیا۔'' (المائدہ۔۳)

☆ ''اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ۔'' (النساء۔۱۷۱)

☆ ''کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنھوں نے ایسے (احکام) دین مقرر کر دیئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔'' (الشوری۔۲۱)

☆ ''ہاں رہبانیت (ترک دینا) تو ان لوگوں نے از خود ایجاد کر لی تھی۔ ہم نے ان پر اسے واجب نہ کیا تھا۔ سوائے اللہ کی رضا جوئی کے۔ سو انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی۔'' (الحدید۔۲۷)

☆ بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔'' (الانعام۔۱۵۹)

☆ ''آپ فرمایئے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں۔ اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگا دو جس کو تم جانتے نہیں۔'' (الاعراف۔۳۳)

اس طرح کتب احادیث میں بہت سی احادیث بدعت کی مذمت پر وارد ہوئی ہیں جنہیں کتاب الاعتصام، کتاب السنۃ، اتباع السنۃ کے ذیل میں دیکھا جا سکتا ہے۔ (۱) بلکہ بہت سے علماء نے انہی عناوین کے ساتھ اس موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ چند احادیث و آثار سپرد قلم کئے جاتے ہیں:۔

❁ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے ہمارے دین میں کوئی نیا کام جاری کیا جو اس میں نہیں تو وہ (کام) مردود ہے۔ ایک روایت کے لفظ ہیں کہ جس نے ایسا کام کیا جس پر ہمارا امر نہیں تو وہ مردود ہے۔ (۲)

❁ نبی ﷺ اپنے ہر خطبہ میں یہ کلمات کہا کرتے تھے کہ ''امابعد! بلاشبہ سب سے بہترین بات اللہ کی بات (یعنی قرآن) ہے، سب سے بہترین راستہ محمد ﷺ کا راستہ (یعنی سنت) ہے، سب سے برا کام دین میں اضافہ ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (۳)

---

(۱) [بخاری مع فتح الباری (۱۳/۲۴۵) ابو داؤد (۵/۴) دارمی (۱/۴۳)]

(۲) [بخاری (۲۶۹۷) مسلم (۱۷۱۸)]

(۳) [مسلم (۸۶۷) دارمی (۲۱۲)]

✿ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ تم میری سنت اور میرے نیک، ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت کو لازم پکڑو اور اسے داڑھوں کے ساتھ پکڑے رکھو اور دین میں ایجادات سے بچو کیونکہ دین میں ہر ایجاد بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔[(۱)]

✿ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "سب سے بہترین بات اللہ کی کتاب ہے۔ سب سے بہترین راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے اور سب سے بدتر کام دین میں اضافہ ہے۔[(۲)]

✿ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ سنت میں میانہ روی بدعت میں اجتہاد سے افضل ہے۔[(۳)]

✿ اسی طرح ابی بن کعب اور ابودرداء رضی اللہ عنہما کے اقوال بھی منقول ہیں۔[(٤)]

✿ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تم اس فتنے کا شکار ہو جاؤ گے جس میں مرد بوڑھا ہوگا، بچہ پرورش پائے گا اور لوگ اسے (بدعت کو) سنت بنالیں گے اور اسے ترک کرنا سنت کو ترک کرنا سمجھیں گے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کس وقت ہوگا؟ فرمانے لگے کہ جب تمہارے علماء فوت ہو جائیں گے، امانت دار مفقود ہوں گے، آخرت کے عمل کے ساتھ دنیا طلب کی جائے گی اور دین کے خلاف فقہ حاصل کی جائے گی۔[(٥)]

اس قول کو مرفوع کا حکم دیا جائے گا کیونکہ یہ مستقبل کے غیبی امور پر مشتمل ہے جس میں اجتہاد کو دخل نہیں۔ آج بعینہ یہ صورتحال دکھائی دے رہی ہے جبکہ لوگوں کو بدعت اور کفر وشرک سے ڈرانے والوں کو کتاب وسنت کا مخالف قرار دیا جا رہا ہے۔

✿ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اتباع (محمدی) پر گامزن رہو۔ بدعتیں جاری نہ کرو۔ تحقیق تم کفایت کیے جاؤ گے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔[(٦)]

حسان بن عطیہ تابعیؒ فرماتے ہیں کہ جس قوم نے دین میں بدعت نکالی، اللہ ان سے اس جیسی سنت اٹھا لیتے ہیں، پھر وہ تا قیامت ان کی طرف نہیں لوٹائی جائے گی۔[(۷)] اسی طرح ایک مرفوع روایت میں ہے کہ "جو قوم بدعت نکالتی ہے،

---

(۱) [ابو داؤد (٤٦٠٧) ترمذی (٢٦٧٦) ابن ماجة (٤٢) دارمی (٩٦) حاکم (٩٥/١) حاکم اور ذھبی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۲) [بخاری (٧٢٧٧) دارمی (٢١٣) فتح الباری (٢٥٣/١٣)]

(۳) [دارمی (٢٢٣) بیهقی (١٩/٣) حاکم (١٠٣/١) حاکم اور ذھبی نے اسے صحیح کہا۔]

(٤) [الحلية (٢٥٢/١) اللالكائی فی اصول الاعتقاد (٨٨/١)]

(٥) [دارمی (٥٨/١) حاکم (٥١٤/٤) شیخ البانی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

(٦) [دارمی (٦١/١) مجمع الزوائد (١٨١/١)]

(۷) [دارمی (٤٤/١)]

ان سے اس جیسی سنت اٹھالی جاتی ہے لہٰذا سنت پر کاربند رہنا بدعت جاری کرنے سے بہتر ہے۔''(۱)
شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا ہے کہ جس شخص نے سنت کی تصدیق وعمل سے انکار کیا، وہ بدعت میں مبتلا ہوا اور صاحب بدعت ہمیشہ سنت سے اعراض کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ''جس نے بدعت جاری کی، انہوں نے اس جیسی سنت کو ضرور چھوڑا۔'' اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''انہوں نے اس کا اکثر حصہ بھلا دیا جس کی انہیں ہدایت کی گئی تھی جس کے نتیجے میں ہم نے ان کے درمیان یوم قیامت تک دشمنی اور کینہ کا بیج بو دیا۔'' (المائدۃ۔۱۴)(۲)

مسنون دعاؤں میں بدعت کی ممانعت:۔ جو مخصوص اوقات اور صفات کے ساتھ دعائیں منقول ہیں، ان میں اضافہ قطعاً جائز نہیں البتہ اس کے علاوہ کسی ضرورت اور مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی دعا کی جاسکتی ہے لیکن ان میں بھی اگر ماثور ومنقول دعاؤں کا انتخاب کیا جائے تو بہر حال یہ افضل ہے۔ شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اذکار وادعیات افضل ترین عبادت ہے اور ہر عبادت توقیفی ہے جس میں اس بات کی گنجائش نہیں کہ کوئی شخص غیر مسنون دعا کو سنت بنا کر اس پر مواظبت شروع کر دے بلکہ یہ دین میں بدعت ہے البتہ اگر کوئی شخص کسی وقت غیر مسنون دعا کو سنت بنائے بغیر مانگتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ احادیث سے چند دلائل ذکر کیے جاتے ہیں۔

✿ حضرت براء بن عازب ﷜ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں فرمایا کہ جب تم اپنے بستر پر آؤ تو نماز کی طرح وضو کرلو۔ پھر دائیں جانب لیٹ کر کہو ''یا اللہ! میں نے اپنا چہرہ تیرے لئے مطیع کیا، اپنا معاملہ تیرے سپرد کیا، تیری طرف رغبت ورہبت کرتے ہوئے تجھے اپنا سہارا بنایا، تیرے سوا کہیں پناہ گاہ اور نجات نہیں۔ الٰہی! میں تیری نازل کردہ کتاب پر ایمان لایا، تیرے بھیجے ہوئے نبی ﷺ پر ایمان لایا۔ اگر اس رات تم فوت ہوگئے تو فطرت (اسلام) پر مروگے البتہ سب سے آخر میں یہ دعا مانگنا۔'' صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے وہ دعا آپ ﷺ پر دہرائی اور جب میں یہاں پہنچا کہ الٰہی! میں تیری نازل کردہ کتاب پر ایمان لایا، تو پھر میں نے کہا، اور تیرے رسول پر ایمان لایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! (رسول کی جگہ یہ کہو) تیرے نبی ﷺ پر ایمان لایا۔(۳)

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے لفظ نبی کی جگہ لفظ رسول کو بھی جائز نہیں سمجھا حالانکہ اس لفظ سے معنی ومفہوم میں کوئی نقص وکمی نہیں آتی تو پھر لمبی لمبی من گھڑت دعائیں کیسے جائز ہوسکتی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس ممانعت

---

(۱) [احمد (۱۰۵/٤) مسند بزار (۸۲/۱) فتح الباری (۲۵۳/۱۳)]

(۲) [الایمان لابن تیمیۃ (ص۱۵۳)]

(۳) [بخاری (۲٤۷) مسلم (۲۷۱۰)]

میں سب سے مناسب جواب یہ سمجھ آتا ہے کہ اذکار کے کلمات توقیفی ہیں کیونکہ ان میں اسرار و خصائص پنہاں ہوتے ہیں جن تک قیاس کی رسائی ناممکن ہے لہٰذا منقول الفاظ کی پابندی ہی ضروری ہے ......لہٰذا جس قدر الفاظ منقول ہیں، حرف بحرف ان پر اقتصار کیا جائے اور انہی حروف پر جزا کا تعلق ہے اور شاید یہ کلمات وحروف ہی نبی ﷺ کی طرف وحی کئے گئے ہوں۔[1] امام نوویؒ نے بھی یہی علت بیان کر کے اسے مستحسن قرار دیا ہے۔[2]

❁ صحابی ؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ ہمیں استخارہ کی دعا اس طرح سکھایا کرتے تھے جس طرح قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔ ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول یہ دعا ہمیں اس طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔[3] (وہ دعا یہ ہے) الٰہی! میں تجھ سے جہنم کے عذاب، قبر کے عذاب، مسیح دجال کے فتنے اور زندگی اور موت کے فتنے سے پناہ مانگتا ہوں۔''[4] شارح مؤطا امام باجیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کی سورت کی طرح دعا سکھانے سے اس کی تاکید کی طرف اور الفاظ کی حفاظت کی طرف اشارہ ہے۔[5]

❁ اسی طرح بعض احادیث میں بعض مخصوص کلمات کی مخصوص گنتی پر اجر وثواب کو مخصوص کیا گیا ہے بلکہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ نماز کے بعد مخصوص گنتی والے اذکار کو اگر عدد سے بڑھا دیا جائے تو مخصوص اجر وثواب کے ضیاع کا خطرہ ہے کیونکہ عدد کی کمی بیشی سے ان کے اسرار وخصائص متاثر ہوتے ہیں۔

بعض لوگ یہ علت بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کی شان وعظمت اسی میں ہے کہ جس تعداد پر انہیں محدود کیا جائے اس پر کمی بیشی کر کے سوءادب کا مظاہرہ نہیں کرتے اور بعض لوگ اس پر ڈاکٹر کی مثال پیش کرتے ہیں کہ اگر اس کی مجوزہ دوا میں اپنی طرف سے اضافہ کر لیا جائے تو وہ بجائے فائدہ کے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔[6]

❁ احادیث میں ہے کہ بعض صحابہ نے نبی ﷺ سے دعاؤں کا مطالبہ کیا کہ ہمیں دعائیں سکھا دیں۔ اگر دعاؤں کا تعلق توقیفی عبادات سے نہ ہوتا تو صحابہ یہ مطالبہ کیوں کرتے حالانکہ وہ عربی زبان پر مہارت تامہ کے ساتھ دنیا وآخرت کے فوائد کو پہچانتے تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے از خود دعائیں وضع نہیں کیں کیونکہ یہ ان کے

---

(١) [فتح الباری (١١٢/١١)]

(٢) [شرح نووی لمسلم (٣٣/١٧)]

(٣) [بخاری (١١٦٢) ترمذی (٤٨٠) ابو داؤد (١٥٣٨)]

(٤) [الموطا (٣٣) مسلم (٥٩٠)]

(٥) [المنتقی (٣٥٨/١)]

(٦) [فتح الباری (٣٣٠/٢)]

نزدیک عبادت تھی اور عبادت نبوی ﷺ تعلیمات پر مبنی ہوتی ہیں۔اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا کہ مجھے کوئی دعا سکھائیں کہ میں وہ نماز میں پڑھوں۔آپ نے فرمایا کہ اس طرح دعا پڑھو: یا اللہ میں نے اپنے نفس پر بڑا ظلم کیا ہے اور تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں لہٰذا تو اپنی بخشش کے ساتھ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر۔ بلاشبہ تو بڑا بخشنہار اور رحم کرنے والا ہے۔[1]

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ کسی عالم سے تعلیم حاصل کرنا مستحب ہے بالخصوص جامع کلمات کی حامل دعاؤں میں۔[2] اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول سے عرض کیا کہ میں صبح وشام کیا ذکر کیا کروں؟ تو نبی ﷺ نے کہا: ابوبکر! یہ کہا کرو، یا اللہ! آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے، ظاہر و باطن کو جاننے والے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، ہر چیز کا رب اور مالک (تو) ہے۔ میں اپنے نفس کے شر، شیطان مردود کے شر اور شرک سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اپنے نفس پر برائی کرنے یا اسے کسی مسلمان کی طرف (پناہ کے لئے) لے جانے سے بھی (تیری پناہ مانگتا ہوں۔)[3]

آثار سلف میں بدعت کی مذمت:۔ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے بالکل اخیر میں جب دعاؤں میں بدعت کی ملاوٹ ہونے لگی تو سلف صالحین نے اس کی خوب مذمت کی جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے آزاد کردہ غلام عکرمہ سے فرمایا کہ لوگوں کو ہر ہفتے میں ایک مرتبہ درس دیا کرو۔ اگر تو نہ مانے تو دو مرتبہ یا پھر زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ......دعا میں تکلف اور قافیہ بندی سے بچو کیونکہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس طرح کرتے نہیں دیکھا۔[4] اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عکرمہ کو اس لئے ہدایت فرمائی کہ اس وقت بدعات کی پیوندکاری اگرچہ قلیل پیمانے پر تھی، شروع ہو چکی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایسا فی الواقع نہ ہوا ہو لیکن ابن عباس خائف ہو کر عکرمہ کو اس سے بچاؤ کی پیشگی ہدایت کر رہے ہوں اور ان کے ذہن میں یہ حدیث بھی ہو کہ "عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو دعا اور طہارت میں زیادتی کریں گے۔"[5]

امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے دعاؤں میں نت نئی چیزیں جاری کر دی ہیں مثلاً اے طٰہٰ کے رب، یٰس

---

(۱) [بخاری (۸۳٤) مسلم (۲۷۰۵)]

(۲) [فتح الباری (۳۲۰/۲)]

(۳) [جز ابن عرفة (۸۵) ترمذی (۳۵۲۹) احمد (۹/۱) الأدب المفرد (۱۲۰٤)]

(٤) [بخاری (٦۳۳۷)]

(۵) [احمد (۸۷/٤) ابو داؤد (۹٦) ابن ماجة (۳۸٦٤) ابن ماجة (۳۱۱٦) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔الارواء (۱۷۱/۱)]

کے رب، قرآن عظیم کے رب......سب سے پہلے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایسی باتوں پر نکیر فرمائی تھی۔ اگر یہ اثر بسند صحیح ثابت ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہوگا کہ دعا میں پیوند کاری پہلی صدی ہجری کے آخر میں شروع ہو چکی تھی کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ۶۸ھ میں فوت ہوئے تھے۔ اس کی تائید عروہ بن زبیر جو فقہائے سبعہ اور کبار تابعین سے ہیں، کے اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب ان کے سامنے قافیہ بندی اور تکلف و تصنع والی دعا کی روایت پیش کی گئی تو انہوں نے کہا کہ یہ جھوٹ ہے کیونکہ نبی ﷺ اور صحابہ ایسا نہیں کرتے تھے۔ [۱]

ابن مسعود اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے آثار سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ذکر و دعا میں اضافے قرن اول ہی میں نظر آنے لگے کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات ۳۲ھ کو ہوئی تھی۔ ابن مسعود اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما نے ان لوگوں کو ناپسند کیا جو مسجد میں نماز کے انتظار میں حلقہ بنائے بیٹھے تھے اور ان کے ہاتھوں میں گٹھلیاں تھیں۔ ان میں ایک آدمی کہتا کہ سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھو تو لوگ سو مرتبہ اللہ اکبر کہتے، پھر وہ کہتا کہ سو مرتبہ لا الہ الا اللہ کہو تو وہ سو مرتبہ کلمے کا ورد کرتے اور وہ کہتا کہ سو مرتبہ سبحان اللہ کہو تو لوگ سو مرتبہ سبحان اللہ کہتے۔ ابن مسعود نے ان لوگوں سے کہا: یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا، ابو عبدالرحمٰن ہم ان گٹھلیوں پر تکبیر و تسبیح پڑھ رہے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم اپنے گناہ گنو (کہ یہ عمل باعث ثواب نہیں بلکہ باعث گناہ ہے) اے امت محمد ﷺ تم پر افسوس! ابھی تو صحابہ کرام کی وافر تعداد تمہارے اندر موجود ہے اور تم اتنی تیزی سے گمراہ ہو رہے ہو۔ [۲]

دعا اور ذکر کے التزام میں ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ یہ دونوں لازم و ملزوم اور مترادف ہیں البتہ مذکورہ طریقہ بدعت ہے اگرچہ یہ ذکر مشروع ہے لیکن اس کی یہ مخصوص کیفیت منقول نہیں۔ اسی طرح کا ایک واقعہ اس سے پہلے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی پیش آیا کہ ان کے ایک گورنر نے انہیں باخبر کیا کہ کچھ لوگ جمع ہو کر مسلمانوں اور ان کے امیر کے لئے دعا کرتے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا کہ تم ان سب کو لے کر میرے پاس آؤ اور دربان سے کہا کہ ایک کوڑا تیار رکھو۔ جب وہ لوگ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے گورنر کی پٹائی شروع کر دی۔ [۳]

یہ واقعہ بھی بدعت اضافیہ کی تردید پر دال ہے اور عمر رضی اللہ عنہ نے اس بدعت پر سخت محاسبہ کیا اگرچہ مسلمانوں یا ان کے امیر کے لئے دعا مشروع ہے لیکن مخصوص اجتماع اور اکٹھ کے ساتھ یہ عمل شرعاً جائز نہیں۔ علمائے سلف نے بھی بدعی دعاؤں اور وضعی

(۱) [الحوادث والبدع (ص ۱۲۱)]

(۲) [دارمی (۲۱۰)]

(۳) [ابن ابی شیبة (۵۵۸/۸)]

طریقوں کو ناپسند کیا ہے۔ مثلاً ابراہیم نخعی صحابہ اور کبار تابعین کے بارے میں بیان فرماتے ہیں کہ وہ مجلس منعقد کرتے، علم وخیر کی باتیں ہوتیں اور پھر مجلس برخاست ہو جاتی مگر وہ ایک دوسرے کے لئے استغفار نہیں کرتے تھے نہ ہی ایک شخص دوسرے سے اس طرح کہتا کہ، اے فلاں! میرے لئے دعا کرنا۔ (۱) امام مالک سے بدعت کی سخت مذمت منقول ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ قرأت قرآن کے لئے جمع ہونا کیسا ہے؟ کہا کہ اس میں تو حرج نہیں البتہ تلاوت سے فراغت پر دعا جائز نہیں۔ (۲) اسی طرح امام مالک نے دعا میں یا سیدی جیسے الفاظ کو ناپسند کرتے ہوئے کہا کہ ''یارب'' جیسے الفاظ سے دعا کی جائے کیونکہ یہ انبیا سے منقول ہیں اور یاحنان (وغیرہ) سے دعا کرنے کو مکروہ خیال کیا۔ (۳)

امام مالک پر اللہ رحم کرے کہ وہ کتاب وسنت کے تمسک اور بدعت سے نجات پر خوب اہتمام کرتے۔ اسی طرح ان سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی قرآن پڑھتا ہے، پھر اس کے اختتام پر دعا کرے تو کیسا ہے؟ کہنے لگے کہ یہ نبی ﷺ اور صحابہ ؓ کا عمل نہیں ہے۔ (٤) امام مالک کے فرامین سے واضح ہوتا ہے کہ وہ دعا میں بدعات کے سخت مخالف تھے حتیٰ کہ مشروع دعا کی غیر مشروع حیثیت وکیفیت کو بھی چیلنج کر دیتے تھے۔ لہٰذا یہ بعید از قیاس ہے کہ وہ غیر اللہ سے دعا کرنے کو جائز سمجھتے ہوں۔

امام احمد بن حنبلؒ:۔ امام موصوف سے قنوت پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنے کا سوال کیا گیا تو وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان قنوت کرنے والے اور نہ کرنے والے ہر ایک کے پیچھے نماز ادا کر لیتے تھے لیکن اگر امام قنوت میں ایک حرف یا جملہ بھی اپنی طرف سے زائد کر دے تو نماز توڑ دو۔ (٥) اسی طرح امام احمد نماز میں صرف ماثور دعاؤں کے قائل تھے۔ (٦)

ابوالقاسم طبرانیؒ (۳٦۰ھ):۔ امام طبرانیؒ کے دور میں جب بدعی دعاؤں پر مستقل کتابیں منصۂ شہود پر آئیں تو موصوف نے ان کی تردید میں ماثور دعاؤں اور ان کے آداب پر کتاب لکھی چنانچہ وہ سبب تالیف بیان فرماتے ہیں کہ ''یہ کتاب جس میں مَیں نے اللہ کے رسول ﷺ کی دعاؤں کو جمع کیا ہے، اس کی تصنیف کا سبب یہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے قافیہ بندی اور دنوں کے تعیین کے حساب سے ایسی من گھڑت دعاؤں کو اختیار کر لیا ہے کہ

---

(۱) [ابن أبی خیثمه (۱٥۹) وصححه الالبانی]

(۲) [الحواردث والبدع (ص٦٣)]

(۳) [الفتاوی (۲۲٤/۱) جامع العلوم (ص۱۰۰)]

(٤) [الحوادث (٦۰ تا ٦۲)]

(٥) [الصلوة لابن قیم (ص۱۷۱)]

(٦) [طبقات الحنابلة (۲۲/۱)]

جنہیں کتابی صورت میں تالیف کرنے والوں نے اللہ کے رسول ﷺ یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ یا تابعیؒ سے ان دعاؤں کو مستند ثابت نہیں کیا جبکہ اللہ کے رسول نے دعا میں کافیہ بندی اور مبالغہ کو ناپسند کیا ہے۔''(۱)

ابوسلیمان خطابیؒ (۳۸۸ھ):۔ یہ امام طبرانی کے بعد آئے ہیں اور وہی شکوہ پیش کیا جو امام طبرانی نے کیا۔ فرماتے ہیں کہ بہت سے عامۃ الناس نے اپنی من گھڑت دعاؤں اور اپنے تیار کردہ ناموں سے دعائیں مانگنا شروع کر دی ہیں حالانکہ ان کے متعلق اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ ان کے ہاتھوں میں الف اسم (ہزار نام والے) کتابچے دیکھے جاسکتے ہیں جو جاہلوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھنے اور الزام لگانے کی جرأت کر کے تیار کر کے دیئے ہیں۔ ان من گھڑت دعاؤں سے حتی المقدور اجتناب کریں اور ماثور دعاؤں کو اختیار کریں......اس کے بعد امام خطابیؒ نے ایسی مثالیں ذکر کی ہیں جن میں ایسے ناموں سے اللہ سے دعائیں کی جاتی ہیں جو اس کے شایان شان نہیں۔ (۲)

ابن بطہؒ (۳۸۷ھ):۔ شیخ فرماتے ہیں کہ تعویذات والی کتابوں کو دیکھنا اور ان پر عمل کرنا بدعت ہے۔ یعنی وہ کتابیں جن میں غیر مسنون دم درود کا ذکر ہو، ان سے اجتناب ضروری ہے۔ ابن بطہؒ کا یہ قول بھی اس کی وضاحت کرتا ہے کہ ''کسی انسان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے نفس کو یا کسی اور کو مخلوق کی پناہ میں دے خواہ وہ مخلوق اللہ کا عرش، کرسی زمین ہو یا پہاڑ اور انبیاء ہوں۔''(۳)

محمد بن ولید طرطوشیؒ (۵۲۰ھ):۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ان منقول دعاؤں سے بے رغبتی کی جائے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ انبیاء کی زبانوں پر جاری کر کے شرف قبولیت بخشا اور ان کی بجائے شاعروں اور ادیبوں کی پرتکلف دعاؤں کو اختیار کیا جائے اور غیر انبیاء کی دعاؤں کے ساتھ اللہ سے مدد مانگی جائے!!''(٤)

ابن العربی مالکیؒ (۵۴۳ھ):۔ موصوف اللہ کے اسماء میں کمی بیشی کے ساتھ الحاد کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ''جس طرح جاہل لوگ اللہ تعالیٰ کے اسماؤ صفات کو ترک کر کے ایسے اسماؤ صفات ذکر کرتے ہیں جو اللہ کے شایان شان نہیں لہٰذا ان سے اجتناب کرو اور کتب خمسہ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی) کی دعاؤں پر اکتفا کرو کیونکہ یہ مستند اور اولین کتب ہیں اور ان میں مؤطا کا نچوڑ ہے جو اصل بنیادی کتاب ہے لہٰذا ان کے علاوہ اپنی

(۱) [الدعا الطبرانی (۷۸۵/۲)]

(۲) [شان الدعا (ص۱٦تا۱۸)]

(۳) [الابانة (٤۸۰/۲)]

(٤) [الفتوحات الربانیه (۱۷/۱)]

(من گھڑت) دعاؤں کو کلی طور پر چھوڑ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو مخلوق کی راہنمائی کے لئے بھیجا ہے۔[1]
ابن العربیؒ اس قدر سختی کے ساتھ بدعی دعاؤں کی تردید کر رہے ہیں اور اگر موصوف موجودہ دور میں غیر اللہ سے دعائیں مانگنے والوں کو دیکھتے تو بتائیے پھر کن خیالات کا اظہار کرتے!۔

قاضی عیاض بن موسیٰ یحصبیؒ (۵۴۴ھ):۔ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے دعا کا حکم دیا ہے، اپنی کتاب میں اپنی مخلوق کو دعائیں سکھائی ہیں، اسی طرح نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو دعائیں سکھائی ہے جن میں تین چیزیں مشترک ہیں: (۱) علم توحید (۲) علم لغت (۳) امت کی بھلائی۔ لہٰذا کسی انسان کو بھی ان دعاؤں سے عدول جائز نہیں۔ لیکن شیطان نے اس مقام پر لوگوں کو گمراہ کیا اور کچھ لوگوں نے من گھڑت دعائیں بنا کر سنت نبوی ﷺ کی بجائے انہیں اختیار کر لیا بلکہ ستم بر ستم یہ ہے کہ ان من گھڑت دعاؤں کو انبیاء کی دعائیں قرار دینے کی کوشش کی مثلاً کہا کہ یہ دعائے نوح ہے، دعائے یونس ہے۔ اسی طرح انہیں صالحین کی طرف منسوب کیا کہ یہ ابوبکرؓ کی دعا ہے۔ لہٰذا اللہ سے ڈر جاؤ اور حدیث صحیح پر عمل پیرا ہو جاؤ۔[2] قاضی عیاضؒ نے جن دعاؤں کی طرف اشارہ کیا ہے یہ من گھڑت دعائیں آج بھی رافضی شیعہ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں جن میں سے اکثر صریح شرک پر مبنی ہیں۔

حسن بن محمد صنعانیؒ (۶۵۰ھ):۔ شیخ ماہ رجب کے بارے میں موضوع روایات پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''بعض جاہل، احمق اور گمراہ عوام نے عجیب وغریب بدعی دعاؤں میں مبالغہ کرنا شروع کر دیا ہے مثلاً دعائے تخیت، دعائے تمشیرش، دعائے شخیت، اصحاب کہف کے ناموں سے دعا، دعائے ''فخاخ شمخ'' وغیرہ وغیرہ۔ ان لوگوں کا خیال باطل ہے کہ یہ بڑے عظیم اسماء ہیں جن کے ساتھ دعائیں رد نہیں ہوتیں یا پھر یہ تورات وانجیل سے ماخوذ ہیں جو ہماری شریعت کا حصہ نہیں نہ ہی علماء وصالحین نے اسے جائز کہا ہے بلکہ یہ تو بے وقوفوں، کندہ ناتراشوں کے کارنامے ہیں کہ عوام کو ورغلایا جائے۔ علاوہ ازیں شیطان بھی بسا اوقات کسی ضرورت کو پورا کر دیتا ہے تا کہ ان کا اعتقاد ان الفاظ کی تاثیرات پر بڑھ جائے حالانکہ ان میں سے بعض الفاظ کفریہ ہیں لیکن ہم ان کے معنی ومفہوم کو سمجھے بغیر ان کا ورد کرتے ہیں! مثلاً آھیا، شراھا، آدونا لراھیا وشا (أصباوت)۔ سیاہ رات جیسی گمراہیوں اور بدعتوں سے ہمیں اجتناب کرنا چاہیے۔ ان ہزار ناموں کی مالا جپنے والوں کے لئے ان میں سے ایک لفظ کا معنی ومفہوم بھی واضح نہیں اور نہ یہ سلف سے منقول ہیں بلکہ ان میں سے اکثر وبیشتر کفر پر مبنی ہیں۔ اور اللہ کے اسماء وصفات توقیفی ہیں لہٰذا ہمیں کتاب

(۱) [احکام القرآن (۸۱۶/۲)]

(۲) [الفتوحات الربانیه (۱۷/۱)]

وسنت میں موجود الفاظ کو اپنانا چاہیے مثلاً یا کریم اور اس کی بجائے یا سخی بھی درست نہیں۔"[۱] امام صنعانیؒ نے اصحاب کہف کے اسما کے ساتھ دعا کرنے کے اثر کو جو ابن عباسؓ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، موضوع قرار دیا ہے۔[۲]

ابو عبداللہ قرطبیؒ (۶۷۱ھ):۔ فرماتے ہیں کہ "انسان کو چاہیے کہ قرآن مجید اور صحیح احادیث سے دعا کا چناؤ کرے اور اس کے علاوہ بھی باقی سب کو چھوڑ دے اور یہ نہ کہے کہ میں تو فلاں ہی کو اختیار کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور ولیوں کے لئے دعاؤں کا از خود انتخاب کر دیا ہے۔"[۳] شیخ دعا میں زیادتی کی وجوہات بیان کرتے ہیں کہ "یہ زیادتی ہے کہ انسان ایسی دعا کا انتخاب کرے جو کتاب وسنت سے ثابت نہیں اور من گھڑت الفاظ وکلمات پر مبنی ہو۔ اس طرح تو دعا شرف قبولیت سے محروم رہتی ہے۔"[٤] امام قرطبی ایسی دعاؤں کی تردید کر رہے ہیں جنہیں سنت اور دین سمجھ کر اختیار کر لیا جاتا ہے۔

ابو العباس احمد بن ادریس قرافیؒ (۶۸۴ھ):۔ موصوف ایسی حرام اور کفریہ دعاؤں کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں جو مخرج عن الملۃ نہیں کہ "ان دعاؤں کو اختیار کرنے میں جہالت عذر نہیں" علاوہ ازیں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تعلیم وتربیت کے لئے رسولوں کو مبعوث کیا لیکن ان رسولوں کی تعلیمات کو پس پشت ڈالنے والا نافرمان ہے اور عبادات میں جاہل بھی اسی زمرے میں ہے۔ پھر شیخ نوحؑ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ "میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ کہیں ایسا سوال نہ کر بیٹھوں جس کا مجھے علم نہیں" لہٰذا دعا سے پہلے اس کا علم شرط ہے کیونکہ دعا میں اصل حرمت ہے جب تک کہ اس کے جواز کی دلیل نہ مل جائے۔ پھر فرماتے ہیں کہ یہ قاعدہ بڑا اہم ہے جس سے بے شمار فقہی مسائل کا استنباط کیا جا سکتا ہے۔

باطل دعاؤں سے ڈراتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ "سائل کو اس طرح کی دعاؤں سے سخت اجتناب کرنا چاہیے مبادا کہ وہ دین سے ہاتھ دھو بیٹھے، ابدی جہنمی بن جائے، عمل ضائع ہو جائیں، نکاح فاسد ہو جائے، مباح الدم والمال بن جائے اور ایک ہی دعا ان مفاسد کے لئے کافی بن سکتی ہے۔ اب اسلام کی طرف رجوع اور مفاسد سے نجات کے لئے کلمۂ شہادت کا از سر نو اعلان کر کے اسلام کی تجدید کرنا ضروری ہے لیکن اگر وہ اس کے بغیر مرا تو سزا کا مستحق ہوگا۔"[٥]

---

(۱) [موضوعات للصنعانی (٦١)]

(۲) [التعقب علی الموضوعات للغماری (٦٧)]

(۳) [تفسیر قرطبی (٢٣١/٤)]

(٤) [ایضا (٢٢٦/٧)]

(٥) [الفروق (٢٦٤/٤)]

امام قرافیؒ نے بڑی سختی سے بدعی دعاؤں کی مذمت کر دی ہے حتی کہ انہیں مخرج عن الملة قرار دیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ):۔ ''عوام کو کتاب وسنت کے مطابق مشروع دعاؤں کا انتخاب کرنا چاہیے کیونکہ ان کے فضل وحسن میں کوئی شک نہیں اور یہی وہ صراط مستقیم ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے انبیاء، اصدقا، شہدا اور صلحاء پر انعام کیا ہے اور ان کی رفاقت ہی اچھی ہے۔''(۱)

علمائے حنفیہ کا مناقشہ:۔ گذشتہ احادیث وآثار سے ثابت ہوا کہ مسنون دعائیں ہی افضل ہیں اور بدعی دعائیں انتہائی مذموم ہیں لیکن علمائے احناف نے غیر ماثور دعاؤں کو افضل قرار دیا ہے اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ مسنون دعاؤں کا حفظ وتکرار قلب میں رقت کا موجب نہیں البتہ ان کے نزدیک نماز میں صرف وہی دعا جائز ہے جس کا کتاب وسنت سے باقاعدہ ثبوت ہو لیکن اگر اس کے سوا کوئی دعا کی جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔(۲)

احناف کا یہ قول بہت سی صحیح احادیث کے مخالف ہے کیونکہ احادیث میں کسی بھی دعا کا اختیار دیا گیا ہے۔ اسی طرح احناف کی یہ بات بھی مرجوح ہے کہ غیر نماز میں غیر ماثور دعا افضل ہے۔ ان کی رقت قلب کی علت کا جواب یہ ہے کہ

(۱) فاتحہ اور تشہد وغیرہ کو بھی روزانہ متعدد مرتبہ دہرایا جاتا ہے۔ پھر ان اذکار کو چھوڑ کر نئے اذکار تلاش کر لینے چاہئیں کیونکہ آپ کے قول کے بموجب دعاؤں کی کثرت تکرار سے رقت قلب ختم ہو جاتی ہے۔

(۲) بہت سے اذکار ودعائیں صبح وشام، سوتے جاگتے متعین اوقات کے ساتھ مربوط ہیں۔ پھر انہیں بھی ترک کر دینا چاہیے۔

(۳) غیر مسنون دعاؤں کے استعمال میں بہت سے حقیقی مفاسد پوشیدہ ہیں جن سے اجتناب کرنا عارضی اور فرضی مفاسد سے بہر حال اولیٰ ہے۔ غیر مسنون دعاؤں کے حقیقی مفاسد کو بھی بیان کیا جائے گا۔

(۴) دعائے ماثور کو ترک کرنے سے ان کے اسرار ورموز بھی چھن جاتے ہیں۔

(۵) دعا میں حضور قلب ہی شرط ہے لہٰذا تکرار دعا میں کوئی مضر وفساد نہیں۔

---

(۱) [قاعدة التوسل (ص۱٤٦)]

(۲) [الفتاوى الهندية (۲۱۸/٥) فتح القدير (۲۲٥/۱)]

بدعی دعاؤں کے مضر اثرات اور بدنتائج:-

بدعی دعاؤں کے بے شمار نقصانات اور مفاسد ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

(۱) بدعی دعائیں عبادت وحاجت اور تزکیہ نفس میں مطلوب ومقصود پورا کرنے سے تہی دامن ہیں۔ نہ ہی یہ رب کی قربت سے نوازتی ہیں نہ رغبت ورہبت پیدا کرتی ہیں، نہ بیمار کو شفا، گمراہ کو ہدایت اور پیاسے کو سیرابی بخش سکتی ہیں۔ جبکہ مشروع دعائیں نجات دلائی ہیں، شفا بخشتی ہیں، قلبی وجسمانی امراض وخواہشات کو محو کرتی ہیں، خالق سے مناجات کراتی ہیں، اس کا خشوع وخضوع پیدا کرتی ہیں، شکستہ دلوں کو جوڑتی ہیں، بیمار نفوس کو شفا بخشتی ہیں اور مشروع دعاؤں کے شیدائی کو رب کی قربت ومناجات کے ایسے ایسے فوائد حاصل ہوتے ہیں کہ نوک قلم ان کی تحریر سے عاجز ہے۔ بالاختصار ایسے داعی کو اللہ کی محبت اور اس سے خوف ورجا کا تعلق نصیب ہو جاتا ہے لیکن مشروع دعاؤں کے بدلے غیر مشروع دعاؤں کو اختیار کرنے والا طیب کو بیچ کر خبیث کو خریدنے والے کی طرح ہے جس نے اعلیٰ وارفع کی بجائے گھٹیا اور نکمی پر قناعت اختیار کر لی ہے۔

(۲) بدعی دعاؤں کو اختیار کرنے والا ان فضائل اور اجر وثواب سے یکسر محروم کر دیا جاتا ہے جو مشروع دعا کرنے والے کو حاصل ہوتے ہیں اور اس کے لئے رحمتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جبکہ بدعتی خطرے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۳) دعا کا مقصود ومطلوب شرف قبولیت ہے لیکن بدعی دعاؤں والے کی سب دعائیں رد کر دی جاتی ہیں۔ اگرچہ کسی وقت مجبور کی کوئی دعا قبول بھی کر لی جاتی ہے لیکن اس کے کچھ دیگر اسباب ہیں جنہیں آئندہ ذکر کریں گے۔ عقلمند انسان ان اسباب کو اختیار کرتا ہے جن کی بدولت اس کی دعا فوراً قبول ہو مگر بدعتی کا کوئی عمل بھی قابل قبول نہیں۔ [1] اور دعا بھی ایک نیک عمل ہے لیکن اس میں بدعات کی ملاوٹ اسے قبولیت سے پھیر دیتی ہے۔

(۴) بدعی دعاؤں میں بے شمار ایسی چیزیں نظر آتی ہیں جن سے شرع نے منع کیا ہے اور وہ چیزیں شرک کی طرف لے جانے والی ہیں مثلاً بدعی وسیلہ جو انسان کو غیر اللہ سے مانگنے کا مرتکب بناتا ہے۔ اسی طرح بدعی دعاؤں میں غلو ومبالغہ، غیر معین کی تعیین، مخصوص کیفیات وصفات، اونچی آواز سے دعا، ترنم وتسجیع جیسی انحرافات بھی دکھائی دیں گی۔ ان خرافات وبدعات سے صرف وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جو مسنون ومشروع دعاؤں کا التزام کرنے والا ہو۔

امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ ''صحیح مسنون دعاؤں کا اپنانا ہی مناسب ہے کیونکہ غیر مسنون دعاؤں میں لغت واعتقاد کی

---

(۱) [دیکھئے بخاری (۱۸٦۸)]

غلطیوں کی وجہ سے گمراہی کا خوف ہے کہ کسی لمحے بھی ایسا داعی پھسل سکتا ہے۔ اللہ سے خیر وعافیت کی توفیق ہر کسی کو نصیب کہاں؟"[1] اللہ تعالیٰ امام خطابیؒ پر رحمت کی بارش کریں۔ اگر وہ آج زندہ ہوتے تو ان بدعی دعاؤں کے مضر اثرات، غیر اللہ کو پکارنے اور ان سے مدد مانگنے کے شرکیہ نظارے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے۔ مزید برآں اسے جواز کا سرٹیفکیٹ دیا جاتا ہے اور اس کے خلاف لب کشائی کرنے والے کو عجیب وغریب اور برے القابات سے موسوم کیا جاتا ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ "مسنون دعاؤں سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ہر شخص مصلحت وضرورت کے مطابق صحیح دعا نہیں کرسکتا۔"[2]

(۵) بدعی دعاؤں کا التزام واہتمام کرنے والا تقریبا ہر مسنون دعا سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ جب قلوب انسانی بدعات کے مریض ہو جائیں تو وہ سنت کی دوا لینے سے اعراض کر لیتے ہیں۔ کیونکہ ان بدعی دعاؤں کو داعی مشروع سمجھ کر پکارتا ہے اور وہ اس کے مخالف کی کسی دلیل کو سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا بلکہ اس کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں ہوتا کہ میں اپنی دعاؤں کے مشروع ہونے پر نظر ثانی ہی کرلوں!

سلف صالحین سے بھی منقول ہے کہ بدعتی سنت ثابتہ کو دیکھنا اور اس کی طرف رجوع کرنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ جیسا کہ خوارج کے بارے میں حدیث ہے کہ "وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ پھر وہ دین میں واپس نہیں آسکیں گے۔"[3] بدعتی آدمی کی پیروی کرنے والے کا گناہ بھی بدعتی کے کندھوں پر ہوگا جیسا کہ امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ "بدعت جیسے جیسے مرور وقت کے ساتھ پھیلتی جاتی ہے، ویسے ویسے اس کا گناہ بدعتی کے نامۂ اعمال میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ جس طرح اچھا عمل جاری کرنے والے کو اچھے عمل کا خود بھی ثواب ہے اور جو اس پر عمل کرتا ہے، اتنا ہی مزید ثواب اسے مل جاتا ہے اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری وساری رہتا ہے۔"[4]

(۶) مشروع دعاؤں کی بجائے موضوع دعاؤں کو ترجیح دینا، طیب کے بدلے خبیث، نافع کے بدلے مضر، خیر کے بدلے شر کو خریدنے کے مترادف ہے حالانکہ یہ واضح دھوکہ اور مصیبت ہے۔ اس میں سنت کی موت اور بدعت کو زندگی بخشنا ہے جو واضح شریعت میں تحریف سے کم گناہ نہیں۔ لیکن انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ فی الواقع بہت سے

---

(۱) [شان الدعا (۳/۲)]

(۲) [الاحیاء (۳۶۳/۱)]

(۳) [مسلم (۱۰۶۷)]

(۴) [الاعتصام (۱۲۲/۱)]

مسلمان اس گمراہی کا شکار ہو چکے ہیں۔ جنہوں نے توحید کو شرک اور شرک کو توحید بنا رکھا ہے۔ سنت کو دفن کرنے اور بدعت کو جاری کرنے میں تگ ودو کر رکھی ہے۔ کتاب وسنت کے بالمقابل اپنے اذکار وادعیات وضع کر رکھے ہیں۔ ان پڑھ لوگ بھی غیر اللہ سے مدد مانگنے والے شرکیہ مجموعہ جاتوں اور نظموں کو حفظ کر رہے ہیں حالانکہ یہ نماز میں چھوٹی چھوٹی سورتوں کو بھی غلط پڑھتے ہیں۔'' (ذلک مبلغهم من العلم)[1] ان لوگوں پر ایک گناہ تو بدعت جاری کرنے کا ہے اور دوسرا گناہ سنت مٹانے کا ہے۔[2] مذکورہ دو مثالوں سے اس کی توضیح ہو سکتی ہے:۔

(ا) مشروع دعائے استخارہ میں بدعات کی پیوندکاری لگائی گئی مثلاً بعض لوگ کاہنوں، نجومیوں اور جادوگروں کے پاس جا کر استخارہ کرنے لگے۔ بعض نے استخارہ میں اللہ، محمد، علی، ابوجہل وغیرہ ناموں کو معین کر کے اصل دعا کو چھوڑ دیا۔[3] بعض نے استخارہ کی دعا میں نینداور اس سے پہلے یہ دعا وضع کر لی۔ ''یا اللہ! اگر یہ کام میرے لئے بہتر ہے تو مجھے خواب میں سفیدی، سبزی یا پانی دکھانا اور اگر یہ بہتر نہیں تو پھر مجھے سیاہی، دھواں یا سرخی دکھانا۔[4] بعض نے قرآن کو یک لخت کھول کر کسی ایک آیت پر نظر پڑھتے ہی اس پر فال لینا شروع کر دیا۔[5]

(ب) نماز استسقاء، اس کی دعا اور اس کے لئے باہر میدان میں نکلنے کو بعض لوگوں نے شیخ کے روضہ پر جا کر دعا کروانے سے بدل لیا۔ علامہ نعمیؒ فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے حالات کے مطابق شریعت کے آثار بدل ڈالے ہیں....انہوں نے شیخ کے مزار پر جا کر عاجزی سے دعا کرنے کو دعائے استسقاء کے عوض چن لیا ہے۔[6]

(ج) اسلام سے قبل عرب میں جاہلانہ اوراد، دعائیں، فالیں وغیرہ مشہور تھیں۔ پھر اسلام نے ان دعاؤں کو اللہ کے نام کے ساتھ ملا کر جاری کیا جن میں خیر و برکت کے حصول کا ذکر تھا، لہٰذا جس شخص نے نبوی دعاؤں کو بدلا، اس نے گویا دوبارہ جاہلانہ رسوم کی پیروی کی اور اہل کتاب کی مشابہت اختیار کی کیونکہ دین میں تحریف ان کا پیشہ تھا۔ صوفیاء کی من گھڑت دعائیں زیادہ تر اہل کتاب کی من گھڑت دعاؤں سے ملتی جلتی ہیں۔[7]

---

(۱) [السنن والمبتدعات (۱۹۱)]

(۲) [الاعتصام (۱/۱۲۲)]

(۳) [السنن والمبتدعات]

(٤) [الاسلام وتقاليد الجاهلية (٦٢)]

(٥) [معارج الالباب (١٧٠)]

(٦) [(نمبر ٣ ایضا)]

(٧) [دیکھئے تفسیر المنار (٢/٧٣)]

(۸) جس شخص نے من گھڑت دعاؤں کو اختیار کیا اور بالخصوص ایسی دعاؤں کو جن کے الفاظ کو مقدس سمجھا جاتا ہے، گو ان کا مفہوم داعی سے بالاتر ہو مگر ان ظاہری الفاظ کا ورد اس بات پر گواہ ہے کہ اس نے ایسا من گھڑت کلام بنانے والے کو تقدس وتفوق دیا ہے تبھی تو ان وردوں کی مالا جپ رہا ہے بلکہ یہ حقیقت ہے کہ ان من گھڑت وظیفوں کو ایک دوسرے پر تفوق بخشا جاتا ہے اور بعض نے اسے قرآن سے بھی ارفع قرار دیا ہے جیسا تیجانی وغیرہ سے منقول ہے جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔

بدعی دعاؤں کے پھیلنے کے اسباب:۔ اس سے پہلے شرکیہ دعاؤں کے پھیلنے کے اسباب ووجوہات بیان ہو چکے ہیں اور دراصل وہی اسباب بدعی دعاؤں کے پھیلانے میں کارگر ہوئے ہیں۔ بہر حال ہم اس میں مزید کچھ وضاحت کریں گے۔

(۱) کتاب وسنت سے جہالت:۔ جوں جوں کتاب وسنت سے دوری آتی گئی، توں توں جہالت، بدعات وغیرہ نے زور پکڑنا شروع کر دیا۔ اسی جہالت کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں نے ان صحیح مشروع ومسنون دعاؤں کو چھوڑ دیا جن میں دنیا وآخرت کی بھلائیاں، الفاظ کی صحیح مناسبت، فصاحت وبلاغت، اللہ کے حضور مناجات میں ادب وآداب اور خشوع وخضوع سب کچھ موجود تھا لیکن مسلمان آہستہ آہستہ ان سے کنارہ کش ہونے لگے حتی کہ بالآخر جہالت غالب آگئی اور صوفیاء وغیرہ نے من گھڑت دعائیں تیار کر کے دنوں ہفتوں اور مہینوں کی تعیین کے ساتھ لوگوں میں پھیلا دیں۔

(۲) مشروع دعاؤں میں ہر طرح کی ضرورت وحاجت کی دعائیں، صبح شام کی دعائیں بلکہ ہر ہر لمحے کی دعائیں اور اذکار موجود تھے لیکن شیطان نے جب بدعت کو لوگوں کے دلوں میں محبوب بنا دیا تو لوگوں نے مشروع دعاؤں سے اعراض کرنا شروع کر دیا۔ شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں دعا وغیرہ جیسی عبادات میں بدعات کو پسند کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مسنون عبادات سے اعراض برتتے ہیں۔ وگرنہ جو شخص پنج وقتہ نماز میں صحیح توجہ کرے، ان میں موجود کلمات پر غور وفکر کرے اور اس کا صحیح اہتمام کرے تو اسے دوسری کسی من گھڑت خیر کی ضرورت نہ رہے گی (کیونکہ ان میں ہر طرح کی خیر موجود ہے)......جس شخص نے مشروع دعا مثلاً سحری، نماز کے بعد، سجدہ وغیرہ کی دعا کا التزام کیا، اسے کسی من گھڑت دعا کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا عقلمند انسان کو ہر وقت اتباع سنت کو ترجیح دینی چاہیے اور ہر اس عمل کو چھوڑ دینا چاہیے جس میں بدعت کا شائبہ تک بھی ہو اور جو شخص خیر کا طالب ہو، اسے خیر ضرور ملتی ہے اور جو شر سے بچنا چاہے، وہ شر سے بچ سکتا ہے۔(۱)

---

(۱) [اقتضاء الصراط (ص ۳۸٤) الفتاوی (۱۹/۲۷٤)]

(۳) ضعیف، موضوع احادیث اور جعلی خواب اور حکایات نے بھی بدعی دعاؤں کو بڑا رواج دیا ہے بلکہ کئی اہل علم بھی انہیں صحیح اور مستند سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے پیروکار اور مقلد حضرات بھی اپنے عالم کی اندھی تقلید میں اسے سنت کا درجہ دے دیتے ہیں۔[1] اگر کوئی شخص ان لوگوں پر نکیر کرے تو یہ اپنے عالم کا حوالہ دیتے ہیں کہ ہمارا عالم ایسے کرتا ہے اور ضعیف احادیث کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ اگر یہ ضعیف ہوتیں تو ہمارا عالم ان پر کیوں عمل کرتا؟ اس طرح کسی شخص پر اندھے اعتماد سے بدعی دعاؤں نے رواج پکڑا۔

اسی طرح بعض لوگ بدعی دعاؤں کا بڑھا چڑھا کر اجر وثواب سناتے ہیں تو جہلاء دھوکہ کھا جاتے ہیں اور اس من گھڑت اجر وثواب کے لئے اس پر عمل شروع کر دیتے ہیں۔ جس طرح صوفیاء اور اولیاء کی من گھڑت دعاؤں میں اس کی جھلک نمایاں ہے لیکن لوگ اسے قرآن سے بھی زیادہ صحیح سمجھ بیٹھتے ہیں جس طرح تیجانی لوگ اس گمراہی میں مبتلا ہیں (اس کی تفصیل آئندہ ذکر ہوگی) ان من گھڑت دعاؤں کی مختلف صورتیں ہیں جن میں سے کچھ تو ملحد لوگوں کی تیار کردہ ہیں تاکہ لوگوں کو کتاب وسنت سے دور کیا جائے اور بدعات پر گامزن کر کے ان کے سچے اسلامی دین کو مسخ کیا جائے۔

کچھ لوگ مال ودولت اور شہرت کے حصول کے لئے من گھڑت دعائیں تیار کرتے تھے جیسا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عنقریب فتنے چھا جائیں گے جن میں قرآن بہت منتشر ہوگا۔ قرآن کو ہر منافق ومومن پڑھے گا۔ قاری کہے گا کہ میں قرآن پڑھ رہا ہوں مگر لوگ میری طرف توجہ نہیں کرتے؟ لہٰذا ان کے لئے ایسی چیز پیش کی جائے جس کی یہ پیروی کریں۔ پھر وہ مسجد بنا کر قرآن وسنت سے ہٹ کر اپنا عارفانہ کلام لوگوں کے سامنے پیش کرے گا۔[2] یہ اگرچہ موقوف روایت ہے لیکن حکماً مرفوع ہے کیونکہ اسمیں غیبی امور کی خبر ہے جو رائے سے نہیں دی جاسکتی۔

حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ ایک بنی اسرائیلی مال وجاہ کے لئے بدعتیں جاری کرتا تھا۔[3] کچھ لوگ دین کو تقویت پہنچانے کے خیال سے بدعتیں جاری کرتے ہیں جیسا کہ بعض علماء نے کہا کہ مسلمانوں میں عقائد واحکام میں بہت سی بدعات امراء کے تساہل سے پیدا ہوئیں۔ امراء نے انہیں عقیدے کی مضبوطی کے وہم میں اختیار کیا تو عوام بھی ان کے پیچھے چل پڑی کیونکہ عوام امراء کو مستند سمجھتی ہے۔ (الناس علی دین ملوکھم)[4]

---

(۱) [الاعتصام (۲٦۰/۱) الاجوبة (البانی (٦۳)]

(۲) [ابو داؤد (٤٦۱۱) الشریعة (٤۷) اصول الاعتقاد (۸۹/۱) سنده صحیح]

(۳) [ابن وضاح (ص۲۸)]

(۳) [تفسیر المنار (۷۳/۲)]

(۴) عوام کو اس امر میں سخت صعوبت کا سامنا کرنا پڑا کہ صحیح دعائیں تو بڑی بڑی اور مشکل کتابوں میں ہیں۔ پھر ان کی صحت وضعف عامی کے لئے خاصا مشکل فن ہے تو لوگوں نے سہولت کی خاطر ان بدعی دعاؤں کی آسان کتابوں پر انحصار کرنے میں خیر سمجھی اور اس طرح من گھڑت دعائیں زبان زد عام ہوگئیں۔

(۵) بہت سی مسنون دعاؤں کو خاص اوقات اور صفات کے ساتھ مقید کیا گیا ہے لیکن عوام ان دعاؤں کے محض مسنون ہونے کو کافی خیال کرتے ہوئے اپنے من گھڑت طریقوں کے مطابق اپنا لیتے ہیں۔ اسی طرح بے شمار مطلق دعاؤں کو بدعتیوں نے زمان ومکان کی قید کے ساتھ اپنا لیا۔ مثلاً نماز فرض کے بعد اجتماعی دعا۔ حالانکہ مسنون ومشروع دعا کی غلط علت اور توجیہہ کرکے اسے بدعت بنا دیا گیا۔

(۶) بعض مسلمانوں نے اہل کتاب کی تحریفوں اور بدعتوں سے متاثر ہوکر اسلام پر تجربے شروع کر دیئے۔ جس طرح اہل کتاب اپنی کتاب کو گا گا کر پڑھتے ہیں اور اونچی آواز سے بھجن گاتے ہیں، اسی طرح صوفیاء وغیرہ نے اجتماعی محفل (میلاد) منا کر ایسی دعاؤں کو باآواز بلند گانا شروع کر دیا اور اس طرح ان سے متاثر ہوئے کہ دونوں میں قدر مشترک واضح ہوگئی۔ ایک آدمی کا کہنا ہے کہ میں نے ایک کنیسا دیکھا کہ جسے بیت لحم کہتے ہیں تو وہاں مجھے ایسی عجیب وغریب آوازیں سنائی دیں جیسے اہل طریقت (صوفیاء) اپنے ''حزب البر'' کا ورد کر رہے ہیں لیکن وہ عیسائی راہب تھے۔ جس طرح بت پرستوں سے یہ چیزیں ان میں داخل ہوئیں، اسی طرح ان سے یہ بدعتیں مسلمانوں میں داخل ہوگئیں۔ مسلمانوں نے بھی عیسائیوں کی طرح اسے دین کے لئے شاید مفید ہی سمجھ کر اختیار کر لیا تھا۔[۱]

یہ چند ایک ظاہری اسباب تھے جن کی وجہ سے بدعی دعائیں مسلمانوں میں پھیلتی چلی گئیں۔ اب ہم بدعی دعاؤں کی اقسام بیان کریں گے۔

***

(۱) [تفسیر المنار (۷۳/۲)]

مبحث ثانی

بدعی دعاؤں کی اقسام

بدعی دعاؤں کی چار قسمیں ہیں :۔

(1) قبوں اور مزاروں پر دعا:۔ دعا ایک اہم ترین عبادت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فضل وکرم کے لئے مشروع فرمایا ہے اور دعا کے آداب ذکر کئے ہیں۔ زمان ومکان کی افضلیت کے ساتھ اور مطلق طور پر دعا کی ترغیب دی ہے۔ لیکن شیطان نے لوگوں کے لئے طیب کے بدلے خبیث کو مزین کر کے پیش کیا ہے چنانچہ لوگوں نے مسجد وسجدہ میں یا بوقت تہجد دعا کرنے کی بجائے قبوں، مزاروں، آستانوں پر دعا کرنا شروع کر دیا ہے اور اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ یہاں دعا جلد قبول ہوتی ہے بلکہ ستم بر ستم یہ ہے کہ ان قبروں کو اور مُردوں کو مدد کے لئے پکارا جانے لگا اور زیارت قبور کے شرعی آداب سے پہلوتہی کر لی گئی۔ مُردوں کے لئے بخشش کی دعا کی بجائے انہیں وسیلہ بنا کر ان سے مانگا جانے لگا۔

لہٰذا ہمیں اس کے شرعی حکم پر غور کرنا چاہیے اور اس سے متعلقہ بحث کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:۔

قبروں، آستانوں پر دعا بدعت ہے:۔ (۱) دعا ایک عظیم عبادت ہے اور ہر عبادت توقیفی ہے کیونکہ دین اسلام کی دو عظیم بنیادیں ہیں:۔

(ا) صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے اور یہی کلمہ شہادت کا مفہوم ہے۔

(ب) عبادت کے لئے بدعات وایجادات نہیں بلکہ مشروع ومسنون طریقوں کی پابندی کی جائے اور یہی محمد ﷺ کو رسول ماننے کا معنی ہے۔ لہٰذا کوئی بھی عبادت جانچنے کے لئے مذکورہ دو شرطوں کا وجود ضروری ہے۔

یعنی اللہ کے لئے خلوص اور محمد ﷺ کی اطاعت۔ دعا چونکہ عبادت میں داخل ہے لہٰذا قبروں، مزاروں پر کی جانے والی دعاؤں کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ یا سلف صالحین سے ثبوت ضروری ہے لیکن ایسا کوئی ثبوت موجود نہیں جس سے قبر پر دعا کرنے یا انہیں پکارنے کا سہارا مل سکتا ہو حالانکہ دعا کے موضوع پر کتابیں بھری پڑی ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ بدعت ہے کیونکہ اگر اس میں کوئی خیر ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہم سے زیادہ خیر کی طرف رغبت کرنے والے تھے۔

(۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بے شمار جسمانی امراض وآلام میں مبتلا ہوتے تھے مگر انہوں نے کبھی بھی نبی ﷺ یا کبار صحابہ کی قبروں سے فریادیں نہیں کیں البتہ وہ مشروع طریقوں پر ضرور عمل کرتے تھے جس طرح دعائے استسقاء کے لئے میدان میں نکلنا اسی طرح تابعین اور ائمہ سے بھی قبروں سے دعا مانگنے کا کوئی واقعہ منقول نہیں جس سے اندازہ

ہوتا ہے کہ وہ اس عمل شنیع سے مبرا تھے وگرنہ ان کا کوئی نہ کوئی واقعہ ضرور منقول ہوتا۔

علم سلف کے وارث شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ رقمطراز ہیں کہ ''میرے علم میں نہیں کہ کسی صحابی، تابعی یا معروف امام نے کبھی کسی قبر کی طرف قصد دعا کیا ہو اور نہ ہی ایسی کوئی روایت مروی ہے۔ لوگوں نے دعا کے آداب، اوقات، مقامات وغیرہ پر کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں آثار بھی مذکور ہیں لیکن ان میں سے کسی نے بھی قبر کے پاس دعا کی فضیلت میں ایک حرف تک نقل نہیں کیا۔''[1] صحابہ کرام اور تابعین تو قبروں سے نہیں مانگتے تھے لہٰذا قبروں سے مانگنے والوں کا معاملہ دو صورتوں میں منقسم نظر آتا ہے

(ا) یا تو قبر دوسرے مقامات سے افضل جگہ ہے۔

(ب) یا نہیں۔ اگر قبر افضل مقام ہے تو پھر یہ صحابہ، تابعین جیسے سلف صالحین سے کیسے پوشیدہ رہا۔ کیا قرون اولیٰ ثلاثہ جن کی فضیلت مسلّم ہے، وہ سب اس سے جاہل رہے اور بعد والوں نے اس فضیلت کو پالیا ہے؟ یہ ناممکن ہے۔ اگر قبر کوئی افضل مقام نہیں تو پھر کہا جائے گا کہ غیر افضل جگہ پر دعا نری گمراہی اور نافرمانی ہے کیونکہ دعا عبادت ہے جس کے لئے مکان وزمان کی قید بلا دلیل بدعت ہے۔ محض دعا مشروع ہے مگر ذاتی قید بدعت اضافیہ ہے کیونکہ صحابہ کرام ؓ اور تابعینؒ نے دعا کے لئے قبروں کو اختیار نہیں کیا بلکہ انہوں نے تو اس سے منع کیا ہے لہٰذا اس کے بدعت ہونے میں کوئی شک نہیں۔

(۳) صحابہ کرام ؓ نے جب شام وعراق کو فتح کیا تو وہاں جو قبر (مزار) دکھائی دیتی، اس سے دعا مانگنے کی بجائے اسے پوشیدہ کر دیتے[2] اسی طرح جب بیت المقدس فتح ہوا تو صحابہ کرام ؓ نے حضرت ابراہیمؑ یا دیگر انبیا کی قبروں سے دعا یا وہاں نماز ادا نہیں کی بلکہ ایسا کرنے والوں کو منع کیا۔ جس طرح عمر فاروق ؓ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایک جگہ باری باری نماز ادا کر رہے ہیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہاں نبی کریم ﷺ نے نماز ادا کی تھی تو عمر فاروق ؓ فرمانے لگے ''اسی طرح اہل کتاب ہلاک ہوئے تھے کہ جب انہوں نے اپنے انبیاء کے آثار پر معبد تیار کر لئے لہٰذا تم میں سے جسے بوقت نماز یہاں موقع ملے، وہ نماز پڑھے اور جسے یہاں فرض نماز کا موقع نہ ملے، وہ نماز نہ پڑھے۔''[3]

ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ جب ہم نے ''تستر'' فتح کیا تو ھرمز کے بیت المال میں ایک چارپائی دیکھی جس پر میت تھی، میت کے سرہانے مصحف پڑا تھا جسے ہم نے عمر فاروق ؓ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت عمر ؓ نے حضرت کعب کو بلوایا

---

(۱) [اقتضا الصراط (۳۶۸) اغاثۃ (۱/۱۵۸)]

(۲) [منہاج السنۃ (۲/۴۳۸) اغاثۃ (۱/۱۵۸)]

(۳) [ابن ابی شیبہ (۲/۳۷۶) تحذیر الساجد (۱۳۷) وصححہ الالبانی]

تو انہوں نے اس کا ترجمہ سنایا اور کہا کہ میں پہلا عربی ہوں جس نے اسے پڑھا ہے اور میں نے اسے اسی دیانت سے پڑھا ہے جس طرح قرآن پڑھتا ہوں۔ میں نے ابوالعالیہ سے پوچھا کہ اس میں کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ اس میں تمہارے احوال و معاملات تھے۔ تمہارے کلام کا لب ولہجہ تھا اور مستقبل کی باتیں تھیں۔ میں نے کہا کہ پھر اس میت کے ساتھ کیا کیا؟ کہا کہ ہم نے دن کے وقت تیرہ قبریں کھودیں اور رات کو اسے کسی ایک میں دفنا کر سب قبریں پر کر دیں تاکہ لوگ اسے نہ نکال سکیں۔ میں نے کہا کہ لوگوں کو اس میت سے کیا امید تھی؟ کہا کہ جب قحط سالی ہوتی تو وہ اس چارپائی کو باہر لاتے اور بارش ہونے لگتی۔ میں نے کہا کہ تمہارے خیال میں وہ آدمی کون تھا؟ کہا کہ اسے دانیال کہا جاتا تھا۔ یہ اثر بسند صحیح ابوالعالیہ تابعی سے ثابت ہے اور حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (۱)

ایک روایت میں ہے کہ جب تستر فتح ہوا تو وہاں ایک آدمی کا تابوت ملا جس کے ذریعے لوگ فتح اور بارش کے حصول کا اعتقاد رکھتے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ ؓ نے حضرت عمر ؓ کی طرف اس کے متعلق لکھا تو حضرت عمر ؓ نے جواباً لکھا کہ یہ ایک نبی ہے اور زمین اور آگ انبیاء کو نہیں کھا سکتے۔ تم اپنے ساتھی کو ساتھ لے کر انہیں کسی مخفی جگہ پر دفن کر دو۔ اور تمہارے علاوہ کسی کو خبر نہ ہو۔ چنانچہ میں (حضرت انس) اور ابوموسیٰ نے انہیں دفنا دیا۔ (۲)

ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام ؓ اسلامی عقیدے کے حامی اور شرک و بدعات اور وسیلہ کے نظریات کے مخالف تھے اور وہ عقائد میں بگاڑ سے بچاؤ کی ہر ممکن تدبیر کرتے۔ اگر متاخرین کو اس قبر کا علم ہو جائے تو وہ وہاں سونے کا مزار بنا کر طواف و اعتکاف اور غیر اللہ سے مانگنے کے شرکیہ اعمال بجا لائیں۔ یہ محض مبالغہ نہیں بلکہ امر واقعہ ہے کہ موجودہ قبروں اور مزاروں پر اس کے شرمناک مناظر دیکھے جا سکتے ہیں جن کی قبروں پر عجیب و غریب حکایات اور شیطانی خواب لکھے ملتے ہیں جن کی بدولت اہل قبور مال و دولت بٹور رہے ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اگر متاخرین اس قبر تک رسائی پالیں تو اس کے حصول میں تلواروں سے جنگ ہو اور وہاں غیر اللہ کی عبادت ہو بلکہ بے شمار قبروں اور مزاروں پر غیر اللہ کی پرستش ہو رہی ہے حالانکہ یہ اس نبی کی قبر کے عشر عشیر اور خاک پا بھی نہیں۔ (۳)

(۴) سلف صالحین نے قبر کے پاس دعا کو ناپسند کیا اور اسے بدعت کہا ہے مثلاً :۔

(۱) علی بن حسین سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نبی ﷺ کی قبر کے پاس کھڑکی سے اندر

---

(۱) [سیرت ابن السحاق (ص٦٦) البدایة (٣٧/٢) طبری (٩٢/٤) منهاج السنة (٤٨٠/١)]

(۲) [ابن ابی شیبه (٢٨/١٣) البدایة والنهایه (٣٨/٢)]

(۳) [اغاثه اللهفان (١٥٨/١)]

داخل ہوتا اور دعا کرتا تو انہوں نے اسے منع کیا اور کہا، کیا میں تمہیں وہ حدیث نہ سناؤں جو میں نے اپنے باپ اور دادا کے واسطہ سے سنی کہ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں ''میری قبر کو میلہ گاہ نہ بناؤ اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور مجھ پر درود پڑھو جہاں بھی تم رہو کیونکہ تمہارا درود وسلام مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔''(۱)

(ب) سہیل بن ابی سہیل فرماتے ہیں کہ مجھے حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ میں قبر کے پاس کھڑا ہوں تو انہوں نے مجھے آواز دی اور وہ بیت فاطمہ میں رات کا کھانا تناول فرما رہے تھے۔ انہوں نے مجھے کھانے کی دعوت دی۔ میں نے کہا کہ مجھے طلب نہیں۔ کہنے لگے، قبر کے پاس کیا کر رہے تھے؟ کہا کہ نبی ﷺ پر درود وسلام پڑھ رہا تھا۔ کہنے لگے کہ جب مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہو جاؤ تو درود پڑھ لو۔ پھر کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے تھے کہ میرے گھر کو میلہ گاہ نہ بناؤ اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور تم جہاں کہیں بھی ہو، مجھ پر درود وسلام پڑھو کیونکہ وہ مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کریں کہ انہوں نے انبیا کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔ تم اور اہل اندلس برابر ہو۔ (۲)

ان آثار سے ثابت ہوا کہ نبی ﷺ کی قبر کی طرف بغرض دعا سفر کرنا وہاں میلہ لگانے کے مترادف ہے۔ اسی لئے علی بن حسین رضی اللہ عنہ جیسے افضل تابعیؒ نے اس آدمی کو ٹوکا جو قبر رسول کے پاس دعا کر رہا تھا اور اس ممانعت پر حدیث رسول سنائی کہ یہ طریقہ درست نہیں۔ یہ سنت (طریقہ) اہل بیت اور اہل مدینہ سے مروی ہے جنہیں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ نسبی قرابت بھی ہے حالانکہ وہ ان قبروں کی طرف غیروں کی بہ نسبت زیادہ ضرورت مند تھے لیکن انہوں نے اس طریقے کی مذمت کی ہے۔

(ج) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں اس بات کو جائز نہیں سمجھتا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا کی جائے البتہ وہاں درود وسلام پڑھ کر آدمی چلا جائے۔(۳) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ اسی طرح کہا کرتے تھے ''اللہ کے رسول پر سلامتی ہو، ابوبکر پر سلامتی ہو، میرے والد (عمر رضی اللہ عنہ) پر سلامتی ہو۔''(۴) پھر وہ پلٹ جاتے لیکن وہاں دعا نہ کرتے۔ اسی لئے امام مالکؒ قبر رسول ﷺ کے پاس دعا کو بدعت گردانتے ہیں۔ امام مالکؒ مزید فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی سفر سے آئے تو اس کے لئے نبی ﷺ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر وہاں

---

(۱) [ابو یعلیٰ (۳۶۱/۱)]

(۲) [ابن ابی شیبہ (۳۴۵/۳) عبدالرزاق (۵۷۷/۳) اقتضاء الصراط (۱۰۹)]

(۳) [منهاج السنة (۴۴۴/۲)]

(۴) [الموطا (۶۸) فضل الصلوة للالبانی (ص ۸۱) وصححه]

درود وسلام پڑھنے اور آپ کے لئے اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنھما کے لئے دعا کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ کہا گیا ہے کہ مدینہ کے لوگ تو بلا کسی سفر کے دن میں بے شمار مرتبہ اس طرح کرتے ہیں اور قبر کے پاس کھڑے ہو کر درود وسلام اور دعائیں کرتے ہیں۔ تو امام مالکؒ نے فرمایا کہ مجھے تو اپنے شہر کے فقہاء میں سے کوئی بھی اس پر کاربند نظر نہیں آیا۔ اس امت کے بعد والے لوگ بھی اسی طرح سے اصلاح پائیں گے جس طرح پہلے لوگوں نے اصلاح پائی ہے اور مجھے اس امت کے اولین افراد میں سے کسی ایک سے بھی ایسا واقعہ نہیں ملا سوائے کسی مسافر کے۔[(١)] امام مالک جب ساری مخلوقات سے افضل بشر ﷺ کی قبر کے بارے میں یہ فتویٰ دے رہے ہیں تو غیر نبی کی قبر کے بارے میں تو اس سے سخت فتویٰ ہی دیں گے۔[(٢)] لہٰذا امام موصوف کے کلام سے ثابت ہوا کہ قبر کے پاس دعا کرنا بدعت ہے۔[(٣)] یہ بدعت عیسائیوں وغیرہ کی مشابہت کی وجہ سے دین اسلام میں در آئی ہے۔

امام مالکؒ نے قبر رسول ﷺ کے پاس جس دعا کو ناپسند کیا ہے، اس سے مراد درود وسلام کے صیغے یا طویل قیام کے ساتھ کی جانے والی دعا ہے جیسا کہ شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ''نبی ﷺ کے لئے درود وسلام کے ساتھ لمبی لمبی دعائیں امام مالکؒ نے پسند نہیں کیں اور کہا کہ یہ بدعت ہیں کیونکہ سلف صالحین سے یہ منقول نہیں اور متاخرامتیوں کی اصلاح بھی اسی سے ممکن ہے جس سے متقدمین کی ہوئی تھی۔[(٤)] ابن عبدالھادی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[(٥)] جب نبی ﷺ کے لئے درود وسلام اور دعا میں طویل قیام کو امام مالکؒ نے مکروہ جانا تو پھر اس شخص کے بارے میں آپ کیا رائے رکھتے ہوں گے جو اپنے لئے اللہ کے رسول ﷺ سے دعائیں، حاجتیں مانگ کر رسول ﷺ پر ظلم اور اللہ سے شرک کر کے خود اپنے نفس پر بھی ظلم ڈھا رہا ہے۔[(٦)]

امام مالکؒ کا یہ قول گذشتہ قول کے مخالف نہیں کہ ''جب کوئی نبی ﷺ پر درود وسلام پڑھے اور دعا کرے تو وہاں کھڑے ہو کر قبر کی طرف رخ کرے۔ قبلے کی طرف نہیں اور قبر کے قریب ہو کر سلام پڑھے مگر اپنے ہاتھ سے قبر کو چھوئے نہیں۔''[(٧)] اس

---

(١) [الشفا (٦٧٦/٣) الاقتضا (٣٦٦)]

(٢) [منهاج السنة (٤٤٤/٢)]

(٣) [الفتاوى (١٢٨/٢٧)]

(٤) [الجواب الباهر (٤٧)]

(٥) [الصارم (١٥١)]

(٦) [الجواب الباهر (٥٨)]

(٧) [المنتقى (٢٩٦/١)]

دعا سے مراد نبی ﷺ کے لئے درود وسلام ہے جیسا کہ امام باجی فرماتے ہیں کہ ''میرے نزدیک آدمی نبی ﷺ کے لئے لفظ صلوٰۃ سے اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنھما کے لئے لفظ سلام سے دعا کرے۔''(۱)

(۵) بعض سلف صالحین قبر کے پاس دعا کو بدعت قرار دیتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ نبی ﷺ کی قبر کیطرف منہ کر کے درود وسلام پڑھا جائے لیکن بوقت دعا قبلے کی طرف رخ کیا جائے۔ یہی ائمہ اربعہ اور دیگر علما کا موقف ہے کہ ''جب آدمی نبی ﷺ پر درود وسلام سے فارغ ہو جائے اور اپنے لئے دعا کرنا چاہے تو وہ قبلے کی طرف منہ کر کے اور مسجد نبوی میں داخل ہو کر دعا کرے۔ قبر نبوی ﷺ کی طرف رخ کر کے اپنے لئے دعا نہ کرے۔ نبی ﷺ پر درود وسلام کے وقت اختلاف ہے۔ مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ فرماتے ہیں کہ آپ کے حجرے کی طرف رخ کیا جائے اور ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح دعا کے وقت حجرے کی طرف رخ کرنا درست نہیں، اسی طرح بوقت سلام بھی درست نہیں۔ پھر اس مذہب میں مزید دو قول ہیں کہ حجرہ پشت کی طرف ہو یا بائیں جانب ہو۔ یہ نزاع بوقت سلام ہے لیکن بوقت دعا قبلے کی طرف رخ کرنے پر سب کا اتفاق ہے کہ جس طرح عرفات، صفا، مروہ اور جمرات کے پاس قبلے کی طرف رخ کیا جاتا ہے، اسی طرح بوقت دعا قبر نبوی ﷺ کی بجائے قبلے کی طرف رخ کیا جائے۔

بعض علماء نے نبی ﷺ پر درود وسلام کے بعد جو دعا کو جائز کہا ہے تو اس سے ان کی مراد ایسی دعا ہے جو بلا قصد ضمنی ہو یا انتہائی مختصر ہو کیونکہ درود وسلام کے ضمن میں اور انتہائی مختصر دعا جائز ہے جیسا کہ امام احمدؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: ''پھر تم روضہ رسول ﷺ جو قبر اور منبر کی درمیانی جگہ ہے، پر نماز پڑھو اور جو چاہو دعا مانگو۔ پھر نبی ﷺ کی قبر پر جا کر یہ پڑھو، امام احمدؒ درود وسلام اور کلمہ شہادت کے بعد فرماتے ہیں ''اے نبی! اللہ آپ کو آپ کے منصب کی اچھی جزا عطا کرے، آپ ﷺ کا درجہ بلند کرے، آپ کی شفاعت کبری قبول کرے، آپ ﷺ کو دنیا و آخرت کے سوالات کی قبولیت کا شرف بخشا گیا جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو بخشا گیا۔'' پھر اپنے لئے اس طرح دعا ذکر کی ''یا اللہ! ہمیں نبی ﷺ کے ساتھ اٹھا۔ ہمیں ان کی سنت پر چلا اور ہمیں ان کے حوض کوثر پر ان کے وہ جام پلا جس کے بعد کبھی پیاس کی حاجت نہ رہے۔''(۲) یہ دعا درود وسلام وغیرہ کے ضمن میں وارد ہوئی اور انتہائی مختصر ہے۔ علاوہ ازیں امام احمدؒ کے اقوال سے یہ نکتہ بھی واضح ہوا کہ ''نبی ﷺ سے کوئی چیز طلب نہیں کی جائے گی اور نہ ہی آپ کی قبر پر یہ آیت پڑھی جائے کہ ''اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں تو آپ کے پاس آتے ہیں'' اسی طرح امام مالک اور دیگر جمہور ائمہ متقدمین نے

---

(۱) [ایضاً]

(۲) [الرد علی الاخنائی (۱۰۵) الصارم (۱۲۶)]

بھی اسے ذکر نہیں کیا۔[1] نبی ﷺ کی قبر پر دعائیں مانگنا بعد کی پیداوار ہے کیونکہ ''تمام سلف صالحین کا اس پر اتفاق ہے کہ زائر نبی ﷺ سے کسی چیز کا مطالبہ نہ کرے اور نہ ہی آپ سے کوئی ایسا سوال کرے جو نہ آپ کی زندگی میں کیا جا سکتا تھا اور نہ ہی روز قیامت آپ سے آپ کی شفاعت یا بخشش کا سوال کرے۔ البتہ سلف کا اس مسئلہ میں اختلاف تھا کہ خود نبی ﷺ کے لئے آپ کی قبر پر دعا کرنا اور آپ کے حجرے کے پاس سے آپ پر درود وسلام بھیجنا کیسا ہے۔[2] ائمہ سلف کے اقوال ان لوگوں کی تردید کرتے ہیں جو نبی ﷺ کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا کو جائز بلکہ اسے ائمہ سلف کا مذہب قرار دینے کی جسارت کرتے ہیں۔[3] علمائے سلف جب اس بات پر متفق ہیں کہ نبی ﷺ اگر چہ ساری مخلوقات میں افضل ہیں مگر آپ کی قبر کی طرف منہ کر کے اللہ سے دعا نہیں مانگی جائے گی تو وہ غیر اللہ سے دعا مانگنے یا نبی ﷺ کی قبر کو میلہ گاہ بنانے یا کسی اور کی قبر سے مانگنے کی ممانعت پر بالاولی متفق ہوں گے۔

(۶) قبروں کے پاس دعا کرنا بدعت ہے کیونکہ آپ ﷺ نے قبروں کے پاس یا ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے منع کیا جیسا کہ حضرت ابومرثد ؓ سے مروی ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان سنا کہ ''قبروں کی طرف نماز نہ پڑھو اور نہ ہی ان پر بیٹھو۔''[4] اسی طرح آپ ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا ''اللہ کی لعنت ہو یہود ونصاری پر جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔ گویا آپ اس عمل شنیع سے ڈرا رہے تھے۔''[5] آپ ﷺ نے وفات سے قبل اپنی امت کو پانچ وصیتیں فرمائیں کہ 'خبردار! تم سے پہلے لوگوں نے اپنے انبیا وصلحاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ خبردار! میں تمہیں قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع کرتا ہوں۔''[6] قبر کے پاس نماز سے اس لئے منع کیا کہ اس سے فتنے کا اندیشہ تھا تو اس لئے وہاں دعا بالاولی منع ہوگی کیونکہ یہ تو اس سے اشد فتنہ ہے۔

شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قبر کے پاس نماز سے اس لئے منع کیا کہ اس سے شرک کا دروازہ کھل سکتا تھا اور اسی لئے وہاں اعتکاف اور رغبت ورھبت پیدا ہو سکتی تھی۔ یہ بات مسلّمہ ہے کہ مصیبت زدہ فوری خیر کی جستجو میں دعا کرتا ہے مثلاً بارش طلب کرنے یا دشمن پر مدد طلب کرنے کی دعا۔ اس بندے پر فتنے کا زیادہ خوف ہے جبکہ اس کا

---

(۱) [ایضا]

(۲) [ایضا]

(۳) [فتح القدیر (۹۵/۳) المدخل (۲۰۲/۱)]

(٤) [مسلم (۹۷۲)]

(٥) [بخاری (٤۳٥) مسلم (٥۳۱)]

(٦) [مسلم (٥۳۲)]

اعتقاد ہو کہ وہاں دعا جلد قبول ہوتی ہے بہ نسبت اس آدمی کے جو عام حالات میں قبر کے پاس فرض نماز ادا کرنے والا ہو۔ اکثر و بیشتر نمازی عام حالات ہی میں فرائض ادا کرتے ہیں لیکن مجبور لوگ دعاؤں کی وجہ سے فتنے کے قریب ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب دعا کرنے والوں میں اس فتنے کا زیادہ خوف ہے جس کی وجہ سے نماز سے روکا گیا ہے تو پھر وہاں دعا سے بچنا بالاولیٰ ضروری ہے۔

حکم کا دارومدار چونکہ علت پر ہے لہٰذا جب دعا میں وہ علت پائی جائے تو یہ بھی منع ہے اور قبروں پر نماز نہ پڑھنے کی علت یہ تھی کہ کہیں ان کی عبادت نہ شروع ہو جائے جیسا کہ امام شافعیؒ وغیرہ نے ذکر کی ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ علت نجاست ہے حالانکہ یہ کمزور اور بعید از قیاس ہے۔ قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی صریح ممانعت کے باوجود کچھ لوگ ایسی بے باکی کا اظہار کرتے ہیں کہ ''جس شخص نے کسی نیک آدمی کے قرب کے لئے (وہاں) مسجد بنائی یا تبرک کے لئے کسی مقبرے میں نماز ادا کی تا کہ دعا قبول ہو اور میت کی روح حاضر ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں!''[1] حالانکہ یہ صحیح احادیث کو جھٹلانے کی جسارت ہے!

اہل السنۃ میں ایسے عجائب رافضیوں سے درآمد ہوئے ہیں کیونکہ وہ اپنے ائمہ کی قبروں پر نماز، ان کے لیے تحفے تحائف وغیرہ، ان کی تعظیم، ان کی طرف پشت نہ کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اسی طرح وہاں دعا کرنا اور انہیں بوسہ دینا مستحب سمجھتے ہیں[2] حافظ ابن کثیرؒ نے بعض اہل سنت کے بادشاہوں کا رافضیوں کے اماموں کی قبروں پر دعا وغیرہ کے لیے جانے کو ذکر کیا ہے[3] اسی طرح ابن جوزیؒ نے بھی اسے نقل کیا ہے۔[4]

نبی ﷺ نے سورج کے طلوع یا غروب ہوتے وقت نماز کی ادائیگی سے منع کیا ہے حتی کہ طلوع و غروب کی تکمیل ہو لے۔[5] اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ان مشرکین سے مشابہت نہ ہو جائے جو سورج کے طلوع و غروب کے وقت اس کے لئے سجدہ ریز ہوتے ہیں، کواکب پرستی کا ارتکاب کرتے ہیں، ان سے دعائیں مانگتے ہیں۔ کواکب پرستی کی سخت حرمت ہے لیکن متشابہ وقت پر نماز سے اسی لئے منع کر دیا کہ کہیں یہ شرک تک نہ پہنچا دے۔ جس طرح انبیا کی قبروں کے پاس نماز سے اسی لئے منع کر دیا کہ کہیں یہ شرک کی طرف نہ لے جائے اور یہ شرک بھی سب سے بڑا شرک ہے۔

---

(۱) [دیکھئے مقالات کوثری (۱۵۷) شرح زرقانی (۲۳۳/٤) فیض القدیر (٤٦٦/٤) سبل السلام (۲۵٦/۱)]

(۲) [المصباح لکفعمی (ص۴۷۹) الکافی (۳٦۲/۳)]

(۳) [البدایۃ (۱۵۲/۱۲)]

(٤) [المنتظم (۱۰۵/۸)]

(۵) [بخاری (۵۸۵) مسلم (۸۲۷)]

ثابت ہوا کہ جس طرح بوقت طلوع وغروب نماز کی ادائیگی سے منع کر کے شرک سے بچانے کی کوشش کی گئی ہے، اسی طرح قبروں پر دعا مانگنے سے منع کر کے غیر اللہ سے دعا مانگنے کے شرک سے بچانے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۷) شریعت کے بنیادی قواعد میں سے ایک قاعدہ سد الذرائع ہے جس پر علماء کا اتفاق ہے۔ قبر پر (اپنے لئے بھی) دعا کرنا قبر والے سے دعا کرنے کی طرف لے جانے کا ذریعہ ہے کیونکہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے اور وہ انسان کو گمراہ کرنے کے لئے شرکیہ اعمال کو بھی مزین کر کے پیش کرتا ہے۔ پہلے شیطان انسان کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ گھر یا مسجد کی بجائے قبر کے پاس دعا کرنے سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے، پھر جب انسان اس پر کارگر ہو جاتا ہے تو شیطان اگلا دھندا پھینکتا ہے کہ اسی قبر والے کے ذریعے سے دعا کرنا، اس کے ذریعے اللہ تک رسائی پانا ضروری ہے۔ جب انسان اس درجے میں واقع ہو جاتا ہے تو پھر شیطان اس سے آگے بڑھتا ہے اور بندہ قبر کو بت اور سجدہ گاہ بنا لیتا ہے، وہاں اعتکاف کرتا ہے، چراغاں کرتا ہے، وہاں پردے سجاتا ہے، قبہ بنواتا ہے، اس کی عبادت، سجدہ، طواف کرتا ہے، اسے بوسے اور سلامیاں دیتا ہے، اس کا حج اور وہاں جانور ذبح کرتا ہے۔ جب انسان اس پر پختہ ہو جاتا ہے تو شیطان مزید گرہ لگاتا ہے اور بندہ دوسرے لوگوں کو بھی غیر اللہ کی عبادت اور وہاں میلہ لگانے کی تبلیغ کرتا ہے اور لوگوں سے کہتا ہے کہ اسی میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے!۔

اسی لئے شارع نے شروع ہی سے مشرک کی جڑیں کاٹنے پر زور دیا مثلاً قبر کے پاس دعا سے اس لئے منع کر دیا کہ کل کو پھر اسی قبر سے دعا کی جائے گی۔ اس ممانعت کے باوجود بہت سے مسلمان اس شرک میں مبتلا ہو چکے ہیں جو قبروں سے مانگتے ہیں۔ اسی طرح مجاور حضرات قبروں پر سالانہ میلے لگاتے ہیں جہاں لوگ اس قصد کے ساتھ جمع ہوتے ہیں جیسے عرفہ، منیٰ یا مزدلفہ ہو بلکہ ان سے بھی بڑے بڑے اجتماع ہوتے ہیں، دور دراز سے رخت سفر باندھا جاتا ہے، یہاں آ کر عبادت کی جاتی ہے، ان سے دعائیں مانگی جاتی ہیں حالانکہ نبی ﷺ نے اسی بات سے سختی سے منع فرمایا تھا کہ ''میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنا لینا۔''[1] علماء نے ان میلوں ٹھیلوں کی شدید مذمت کی ہے مثلاً امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے میلے لگانے میں خوب مبالغہ کیا ہے۔ پھر امام احمدؒ نے حضرت حسین ؓ کی قبر ہونے پر واقعات پر قلم کشائی کی ہے۔[2]

ان تمام مفاسد میں بنیادی بات یہ ہے کہ لوگوں نے یہ عقیدہ بنا لیا ہے کہ قبروں پر دعائیں لازماً قبول ہوتی ہیں۔ اگر یہ اعتقاد ختم کر دیا جائے تو یہ شرک خود بخود ختم ہو کر رہ جائے گا جس پر عمروں کی عمریں بسر کی جا رہی ہیں۔ لہٰذا ہر وہ عمل جس سے یہ اعتقاد پیدا ہوتا ہے مثلاً قبر کے پاس نماز پڑھنا یا وہاں دعا کرنا، یہ حرام ہے۔ جس سے اجتناب ضروری

(۱) [ابو داؤد (۲۰۴۲) احمد (۳۶۷/۲)]

(۲) [اقتضاء الصراط (۳۰۵)]

ہے تا کہ شرک کا دروازہ بند ہو اور توحید کا دروازہ کھل جائے۔

قبر (مزار) پر دعا کا حکم:۔ کسی نبی، ولی کی قبر پر دعا کی تین صورتیں ہیں:۔

(ا) قبر پر صرف دعا کے لئے جانے کا قصد کرنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ مسجد یا گھر وغیرہ کی بجائے قبر پر دعا جلد قبول ہوتی ہے۔

(ب) قبر پر دعا کے ساتھ زیارت کی نیت بھی شامل ہو۔

(ج) اتفاقی طور پر قبر پر جانا اور اہل قبور کی بخشش و درجات کے لئے اللہ سے دعا کرنا جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔(۱)

پہلی دو صورتوں کی دعا ممنوع ہے کیونکہ اس میں یہ اعتقاد پنہاں ہے کہ قبر پر صاحب قبر کی کرامت کی وجہ سے دعا جلد قبول ہوتی ہے جبکہ ''آدمی کے لئے اسی جگہ پر دعا مستحب ہے جس جگہ نماز پڑھنا مستحب ہے لہٰذا جب قبر کے پاس نماز پڑھنا درست نہیں تو وہاں دعا مانگنا کیسے جائز ہوا؟'' لیکن اگر دعا ضمنی طور پر صادر ہو تو اس کا حکم مختلف ہے مثلاً ''کوئی شخص مسجد میں داخل ہو کر تحیۃ المسجد (نفل) ادا کر کے دعا کرتا ہے تو یہ دعا مکروہ نہیں یا کسی جگہ وضو کر کے دوگانہ ادا کرتا ہے، پھر دعا بھی کر لے تو کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح کسی بھی غیر مخصوص مقام یا مسجد میں دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لہٰذا قبر کے پاس دعا کرنا واضح طور پر بدعت ہے جو نصاریٰ کی بدعات کے بالکل مشابہہ ہے اور عین ممکن ہے کہ یہ بدعت صریح شرک کا مرتکب بنا دے۔ شیخ محمد بن عبدالوھابؒ فرماتے ہیں کہ ''قبروں سے مزار و گنبد کا گرانا واجب ہے اگر چہ مجھے علم نہیں کہ یہ شرک اکبر تک پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح قبروں کے پاس نماز یا وہاں دعا اگر چہ شرک اکبر تو نہیں مگر یہ شرک تک پہنچانے کے ذرائع ضرور ہیں اسی لئے علماء نے ان مزاروں پر سخت تنقید کی ہے...... کیونکہ اس سے شرک کا دروازہ کھلتا ہے۔(۲) تیسری صورت کہ جس میں بندہ اتفاقی طور پر کسی وقت قبرستان جا کر اہل قبور کے لئے دعا کرتا ہے، پھر اپنے لئے بھی دعا کر لیتا ہے تو یہ جائز ہے اور اس کے جواز پر صحیح احادیث وارد ہیں۔ مثلاً حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں نبی ﷺ کے یہ الفاظ ہیں کہ ''ہم اپنے لئے اور تمہارے لئے اللہ سے عافیت مانگتے ہیں۔''(۳)

اسی طرح دوسری حدیث نبوی ﷺ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ ہم میں سے سبقت لے جانے والوں اور پیچھے رہ جانے والوں پر رحم کرے۔''(٤) ان دونوں حدیثوں میں جس غیر اتفاقی دعا کا ثبوت ہے، وہ مختصر دعا ہے اسی لئے جن علماء نے قبر نبوی ﷺ پر دعا کے جواز کو ثابت کیا ہے، اس سے یہی مختصر دعا مراد ہے مثلاً ''امام احمد وغیرہ سے مذکور ہے کہ پھر بندہ قبلے کی

---

(۱) [ایضا (۳۳٦)]

(۲) [مؤلفات الشیخ الفتاوی (۷۰)]

(۳) [مسلم (۹۷٥)]

(٤) [مسلم (۹۷٤)]

طرف رخ کرے اور حجرہ بائیں جانب ہو مگر پشت پر نہ ہو۔ یہ حمد وثناء اور درود وسلام کے بعد ہو۔ پھر اپنے لئے دعا کرے مگر درود وسلام کے وقت روضہ رسول ﷺ کی طرف رخ ہونا چاہیے۔ پس قبر پر مطلق دعا مکروہ نہیں بلکہ میت کے حق میں قبر پر دعا کا احادیث میں حکم دیا گیا ہے۔ البتہ خصوصی طور پر قبر پر آ کر دعا کرنا مکروہ ہے۔ قبر پر مطلق دعا کے جواز میں بہر حال علما کا اختلاف ہے۔ بعض تو قبر پر مطلق وقوف کو بھی مکروہ سمجھتے ہیں جیسا کہ امام مالکؒ کا قول ذکر ہو چکا ہے کہ

''میں قبر نبوی ﷺ پر وقوف اور دعا کو درست نہیں سمجھتا البتہ بندہ درود وسلام پڑھ کر پلٹ جائے۔''

شیخ ابن تیمیہؒ بھی اسی کی طرف مائل ہیں کیونکہ وہ اس قول کو ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ ''یہی زیادہ درست ہے۔'' (۱)

قبر پر مطلق وقوف کی کراہت میں یہ علت ہے کہ اسے دیکھ کر لوگ بھی قبر پر آ کر دعا وغیرہ کریں گے بالخصوص اگر وہ لوگوں کا پیشوا ہو۔ لہٰذا قبروں کی زیارت اور غیر اتفاقی دعا پر ہی اقتصار کرنا چاہیے۔

خلاصہ: قبر کے پاس دعا کے جواز کی کچھ شرائط ہیں جو شاذ ونادر ہی کسی آدمی میں پائی جاتی ہیں مثلاً:۔

(۱) اتفاقی دعا (۲) ضمنی دعا (۳) مختصر دعا (۴) دوسرے لوگوں کو کسی دھوکے سے بچانا (۵) کھڑے ہو کر دعا کرنا جیسا کہ ابن ہمام حنفیؒ نے یہ (پانچویں) شرط بیان کی ہے۔ نبی ﷺ نے کسی قبر پر اعتکاف نہیں کیا جبکہ بہت سے لوگ جنت البقیع کی قبروں پر اعتکاف کر لیتے ہیں اور دعائیں مانگتے رہتے ہیں حالانکہ یہ واضح طور پر بدعت ہے، مذکورہ شرائط کے مخالف ہے۔ پھر اس میں بدعی توسل، قافیہ بندی، گریہ زاری بھی شامل ہوتی ہے اور ان دعاؤں کو نغموں (گانوں) کی طرح گایا جاتا ہے۔ بالاختصار اس میں وہ تمام بدعات شامل ہو جاتی ہیں جو رافضی قبوریوں میں پائی جاتی ہیں۔

(2) توسل بالذات:۔ متاخرین میں توسل بالذات اس قدر عام ہو چکا ہے کہ شاید ہی کوئی دعا اس سے خالی ہو گویا کہ وسیلہ قبولیت دعا کی بنیادی شرط ہو اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک دعا قبول نہ کرتے ہوں جب تک کسی نبی، ولی، پیر، فقیر کا واسطہ نہ دیا جاتا ہو!!۔ بعض لوگوں نے غیر اللہ کو پکارنے کو وسیلہ سمجھ رکھا ہے۔ وسیلے کی شرعی صورتحال کو واضح کرنے کے لئے تو پورا رجسٹر درکار ہے۔ بہر حال میں اس کے مرکزی نکات پر بحث پیش کئے دیتا ہوں۔

توسل یا وسیلہ کا لغوی معنی:۔ توسل باب تفعل کا مصدر ہے جس کا معنی ہے کسی کا قرب حاصل کرنا یعنی ﴿توسلت الی اللہ وسیلة﴾ کا معنی یہ ہوا کہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی عمل کرنا۔ وسیلہ بمعنی رغبت بھی مستعمل ہے جیسا کہ شاعر کا کہنا ہے۔

''میں خیال کرتا ہوں کہ لوگ اپنے معاملات کی قدر واہمیت سے ناواقف ہیں بلکہ ہر صاحب دین اللہ ہی کی طرف

---

(۱) [اقتضاء الصراط (۳۷۰)]

واسل (راغب) ہے۔''[1] وسیلہ بمعنی تقریب پر شاعر عنترہ کا یہ شعر ہے کہ

''لوگ تیرے قرب کا حصول چاہتے ہیں لہٰذا خوب بناؤ سنگھار کر لے۔''[2]

امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ وسیلہ کا معنی کسی چیز کی طرف رغبت کرتے ہوئے پہنچنے کے ہیں اور یہ وصیلہ سے خاص ہے۔ وسیلہ کی جمع وسائل اور وسیل ہے۔ یہ بمعنی حاجت بھی ہے جیسا کہ ابو عبیدہ نے عنترہ کے شاعر میں وسیلے کو حاجت کے معنوں میں بیان کیا ہے۔ مذکورہ بحث سے خلاصہ یہ نکلا کہ وسیلہ مذکورہ معانی میں مستعمل ہے:

(۱) قرب (۲) رغبت (۳) حاجت (۴) درجہ (جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ محمد کو وسیلہ (یعنی درجہ) عطا کر)

پہلے تین معانی باہم لازم وملزوم ہیں۔

وسیلہ کا شرعی معنی:۔ وسیلے کے شرعی معنی میں بھی لغوی معنی کا اشتراک پایا جاتا ہے یعنی ''اللہ تعالیٰ کے مشروع کردہ اعمال صالحہ کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔'' یعنی اس کے رسول کی تابعداری کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرو۔[3]

وسیلہ عرف عام میں:۔ بعض متاخرین نے نیک لوگوں کی ذات کے ساتھ وسیلے کو خاص کر لیا ہے جیسا کہ غیر اللہ کو پکارنا اور ان سے فریاد رسی کرنا۔ ان لوگوں کا فہم بگڑ چکا ہے، اسماء کے شرعی معانی میں یہ تحریف کے مرتکب ہیں۔ ان کے نزدیک عبادت صرف سجود ورکوع کا نام ہے۔ اسی طرح کفر وشرک کا مفہوم ان کے ہاں کچھ اور ہی ہے! اسی لئے انہوں نے مردوں کو پکارنا اور ان کے ناموں کو وسیلہ بنانا جائز کر رکھا ہے۔ اگر اس وسیلہ کی اباحت کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر غیر اللہ کو پکارنے کا دروازہ خود بخود کھل جائے گا۔ کیونکہ وسیلہ ہی شیطان کے لئے دعائے غیر اللہ (شرک) کو پھیلانے کا ''مین گیٹ'' ہے۔ لفظ وسیلہ میں اشتراک واجمال کی وجہ سے اختلاط پیدا ہوا ہے کیونکہ شرعی طور پر وسیلہ مطلق ہے اور علمائے سلف کے ہاں دو معنوں پر ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا ان چیزوں کے ساتھ تقرب حاصل کرنا جنہیں اس نے مشروع کیا ہے مثلاً اس پر ایمان لا کر، اس کی توحید کا اقرار کر کے، اس کے رسول پر ایمان لا کر، اس کی تصدیق، محبت اور اطاعت کے ساتھ اور تمام مشروع اعمال صالحہ کے ساتھ۔

(۲) کسی زندہ اور موجود آدمی سے دعا کروانے کے ساتھ جس طرح حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔ اس کی تفصیل

---

(۱) [دیوان لبید بن ربیعه (۱۳۲) تهذیب اللغة (۶۷/۱۳)]

(۲) [دیوان عنتره (ص۳۳)]

(۳) [قاعدة فی التوسل (۴۸)]

اپنی جگہ پر آئے گی۔ یہ دونوں وسیلے جائز اور مشروع ہیں مگر اس کے علاوہ متاخرین کے ہاں دو اور وسیلے ہیں۔

(ا) نیک لوگوں کی ذات کا وسیلہ (ب) مردوں اور غائب آدمیوں کو پکارنا اور ان سے مدد طلب کرنا۔

''یہ دونوں صورتیں جو متاخرین کے ہاں معروف ہیں۔ عربی لغت، شریعت اور سلف صالحین کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھیں۔ سلامہ عزامی نے نیک لوگوں کی ذات سے وسیلہ کی تین قسمیں ذکر کی ہیں:۔

(۱) ان کی سفارش کے ذریعے اللہ سے مانگنا مثلاً یوں کہنا کہ ''یا اللہ! میں تیرے نبی حضرت محمد کے واسطے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔

(۲) وسیلہ طلب کرنے والا اپنی حاجت وضرورت میں کسی سے درخواست کرے کہ وہ اس کی مشکل کشائی کے لئے اللہ کے حضور سفارش کر دے۔

(۳) آدمی کسی (مخلوق) سے یہ کہے کہ وہ اس کی حاجت ومشکل دور کرے۔

یعنی توسل بالذات تین طرح کا ہے:۔ (۱) غیر اللہ کے ذریعے سوال (۲) ان کی سفارش سے سوال جسے شرک ثابت کیا جاچکا ہے (۳) خود غیر اللہ سے سوال

موصوف نے شفاعت اور میت کو پکارنے کو وسیلے میں داخل کر کے اسے جائز قرار دیا ہے بلکہ وہ صراحت کے ساتھ مردوں کو پکارنے کو مستحسن قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انبیاء اور صالحین کا وسیلہ فاسد نہیں البتہ انہیں اللہ کے سوا رب نہ بنایا جائے۔ یہ وسیلہ نفع مند نہیں۔ اس کا مناقشہ آگے آ رہا ہے۔ شرعی توسل اور بدعی توسل کا اختلاط شیطان کا پیدا کردہ نسخہ ہے جس کے ذریعے اس نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر رکھا ہے اور لوگ بدعت کو سنت اور منکر کو معروف سمجھ رہے ہیں حالانکہ کسی بھی مفسر یا لغوی نے وسیلے کی کوئی ایسی تعریف نہیں کی جیسی یہ حضرات کر رہے ہیں۔

وسیلے کی اقسام:۔ وسیلے کی دو قسمیں ہیں۔ مشروع اور ممنوع۔ مشروع وسیلے کی بعض لوگوں نے چھ قسمیں بیان کی ہیں مگر قدرے تامل سے اس کی تین قسمیں سمجھ آتی ہیں۔

(۱) اللہ کے اسماء وصفات کا وسیلہ:۔ اس قسم میں اللہ کے نام لفظ رب کو اس کے نیک بندوں کی طرف مضاف کر کے وسیلہ پکڑا جاتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے ''یا اللہ! جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل کے رب.....''[(۱)] ربوبیت اللہ کی صفت ہے جو اسمائے حسنی میں داخل ہے لہٰذا اس کی الگ قسم بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمائے حسنی کے ساتھ دعا مانگنے کا حکم دے کر غیر اللہ کے ناموں سے دعا مانگنے سے

---

(۱) [مسلم (۷۷۰)]

منع کر دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

''اور اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں لہٰذا ان ناموں کے ساتھ اسے پکارو۔'' (الاعراف۔۱۸۰) حدیث نبوی ﷺ ہے کہ ''اللہ کے ننانوے (۹۹) نام ایسے ہیں کہ جو انہیں شمار (یاد) کر لے، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔''(۱)

یعنی ان ناموں کے ساتھ اللہ سے سوال کرے۔ بعض اہل علم نے کہا کہ ان ننانوے ناموں کے علاوہ کسی نام سے سوال جائز نہیں۔ اگر چہ اس میں کلام ہے لیکن غیر اللہ کے کسی نام سے سوال کرنے کی ممانعت بالکل واضح ہے۔

(۲) اعمال صالحہ کا وسیلہ:۔ اس میں نبی ﷺ پر ایمان لانا، آپ کی تصدیق کرنا، اطاعت اور فرمانبرداری کرنا، نیک لوگوں سے اللہ کے لئے محبت کرنا شامل ہے۔ اس میں داعی (سائل) کا اپنا نیک عمل شامل ہے جس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا مشروع ہے۔ قرآن مجید کی بے شمار آیات میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء وصلحاء کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اپنے اعمال صالحہ کے ذریعے اللہ کا قرب چاہا ہے مثلاً:۔

☆ ''اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے ہیں لہٰذا ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔'' (آل عمران۔۱۶)

☆ یارب! ہم نے ایک منادی کو سنا جو ایمان کے لئے ندا لگا رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ چنانچہ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے ہیں لہٰذا تو ہمارے گناہ بخش دے۔'' (آل عمران۔۱۹۳)

☆ یارب! ہم ایمان لائے ہیں لہٰذا ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر۔ بلاشبہ تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔'' (المومنون۔۱۰۹)

اسی طرح غار والوں کا واقعہ زبان زد عام ہے جس میں ایک شخص نے اپنے والدین سے حسن سلوک، دوسرے نے اپنی عفت اور تیسرے نے اپنے حقوق کی ادائیگی کا صالح عمل پیش کیا اور انہیں غار سے نجات حاصل کی۔ وسیلے کی اس (دوسری) صورت میں دو مزید چیزیں ہیں:۔

(۱) نیک اعمال کے ذریعے اللہ سے اجر و ثواب، رحمت و بخشش کا مطالبہ کرنا جیسا کہ مذکورہ آیات سے ثابت ہے تا کہ دنیا و آخرت کی سعادت نصیب ہو۔

(۲) اعمال صالحہ کے ذریعے دنیاوی حاجات، ضروریات اور مسائل و مصائب کے مداوا کے لئے وسیلہ پکڑنا۔

یہ دونوں ہی اگر چہ جائز ہیں لیکن پہلی قسم یعنی اخروی فوائد کے حصول میں وسیلہ پکڑنے کے شواہد بکثرت ہیں مگر

---

(۱) [بخاری (۲۷۳۶) مسلم (۲۶۷۷)]

دنیاوی فوائد میں وسیلے کے شواہد نہایت قلیل ہیں اور وہ بھی صرف احادیث میں مذکور ہیں۔ قرآن میں نہیں جیسا کہ غار والوں کا واقعہ ہے۔ (۱) اسی طرح ایک صحابی عبداللہ بن علبین سے مروی ہے کہ ان کی طرف حجاج بن یوسف نے پیغام بھیجا تو انہوں نے باوضو ہو کر دوگانہ ادا کیا اور کہا "یا اللہ! بے شک تو جانتا ہے کہ میں نے کبھی زنا نہیں کیا، کبھی چوری نہیں کی، کبھی یتیم کا مال نہیں کھایا، کبھی پاکدامن پر تہمت نہیں لگائی۔ اگر میں اپنے دعوے میں سچا ہوں تو مجھے اس کے شر سے بچالے۔" (۲)

اس صحابی نے اپنے نیک اعمال کا وسیلہ پکڑا ہے نا کہ نبی کریم ﷺ یا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنھما وغیرہ میں سے کسی کا۔ لہٰذا اعمال صالحہ کے ساتھ وسیلہ پکڑنا جائز ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے، ان سے محبت کرنے اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے کو بطور وسیلہ پیش کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ بھی اعمال صالحہ ہیں مگر بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ جائز وسیلہ نہیں ہوتا بلکہ وہ نبی ﷺ کی ذات کا وسیلہ پکڑتے ہیں جو درست نہیں۔

(۳) کسی زندہ شخص سے دعا کرانا:۔ یہ بھی جائز ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ سے اپنے لئے یا مسلمانوں کے اجتماعی فائدے کے لئے دعا کرواتے تھے اور نبی ﷺ دعا کردیا کرتے تھے۔ اس صورت میں یہ ضروری نہیں کہ جس سے دعا کا مطالبہ کیا جائے۔ وہ سائل سے افضل ہو کیونکہ (نبی ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ سے اور) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کے لئے کہا جب کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ عباس رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے افضل نہیں۔

اس تیسری قسم کی مزید دو صورتیں ہیں :۔

(۱) سائل کسی زندہ حاضر سے اپنے حق میں کسی مسئلہ کے لئے دعا کروائے اور سائل خود اس مسئلہ میں اپنے لئے دعا نہ کرے۔

(۲) سائل اور مسؤل دونوں ہی دعا کریں یا سائل مسؤل کی دعا پہ آمین کہے تو اس صورت میں دو دعائیں ہوں گی ایک سائل اور دوسری مسؤل کی طرف سے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کی درخواست کی تو عباس رضی اللہ عنہ نے بھی دعا کی اور ان کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر لوگوں نے بھی دعا کی۔ اس طرح نبی کریم ﷺ نے ایک نابینے کے لئے دعا کی اور اس نابینے نے یہ دعا کی کہ یا اللہ تو اپنے نبی ﷺ کی دعا کو میرے حق میں قبول کرلے۔ یعنی ﴿فشفعه فی﴾ نبی کریم ﷺ کی دعا اور سفارش کو میرے حق میں قبول کرلے۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

---

(۱) [بخاری (۲۲۱۵) مسلم (۲۷۴۲)]

(۲) [تاریخ بغداد (۴/۱۰) تهذیب اعمال (۳۱۸/۱۵) فسوی (۲۳۱/۱)]

غیر مشروع (ممنوع) وسیلہ:۔ ممنوع وسیلہ کی تین صورتیں ہیں جنہیں قریب ہی بیان کر دیا گیا ہے لہٰذا اس کی مراجعت کی ضرورت نہیں۔ یہ تینوں صورتیں ممنوع ہیں۔ ان میں سے دو صورتوں کی ممانعت دعا کے مراتب کی بحث میں بیان کی گئی تھیں اور تیسری صورت کو بالتفصیل بیان کیا جاتا ہے۔

توسل بالذات:۔ توسل بالذات بدعت ہے جو ان گنت بدعات کے ساتھ عالم اسلام میں بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے حتیٰ کہ شاید ہی کوئی دعائے بدعی ہو گی جس میں اسے داخل نہ کیا جاتا ہو۔ ہم توسل بالذات کے بدعی ہونے کے دلائل بالاختصار بیان کر دیتے ہیں:۔

(۱) دعا عبادت ہے اور ہر عبادت توقیفی ہے جبکہ توسل بالذات کتاب وسنت میں مذکور نہیں لہٰذا یہ بدعت ہے۔ دین میں بدعات کی مذمت بالتفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ یعنی دین اسلام دو بنیادوں پر قائم ہے۔ ایک یہ کہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے اور دوسرے یہ کہ صرف مشروع ومسنون طریقے سے عبادت کی جائے نہ کہ اپنے من گھڑت، بدعی طریقوں سے۔ شریعت میں توسل بالذات کو مشروع نہیں کیا گیا لہٰذا توسل بالذات جائز نہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بے شمار انبیاء اور صالحین کی دعاؤں کا ذکر کیا ہے مگر ان میں سے کسی ایک دعا میں بھی توسل بالذات کی جھلک دکھائی نہیں دے گی لیکن ایمان اور اعمال صالحہ کا وسیلہ ضرور ملے گا۔ ہم انبیاء وصلحاء کی چند قرآنی دعائیں بیان کر دیتے ہیں تا کہ حق واضح ہو جائے کہ ان لوگوں نے آباؤ اجداد، گذشتہ انبیاء، صلحاء یا شہداء وغیرہ کی ذاتوں کو وسیلہ نہیں بنایا بلکہ اللہ سے سیدھا رابطہ استوار کیا ہے اور اگر وسیلہ بنایا بھی تو اللہ کے اسمائے حسنیٰ وصفات علیا کو یا اپنے اعمال صالحہ کو۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:۔

☆ ''اے میرے پروردگار! تو نے مجھے بعض ملک عطا فرمایا اور تو نے مجھے خواب کی تعبیر سکھلائی۔ اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا وآخرت میں میرا ولی (دوست) اور کارساز ہے، تو ہی مجھے اسلام کی حالت میں فوت کر اور نیکوں میں ملا دے۔'' (یوسف۔۱۰۱)

☆ ''اے پروردگار! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں اور میرے ماں باپ پر۔ اور میں ایسے نیک اعمال کرتا رہوں جن سے تو خوش رہے۔ مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل کر لے۔'' (النمل۔۱۹)

☆ ''اور ایوب کی اس حالت کو یاد کرو جبکہ اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے۔ تو رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔'' (الانبیاء۔۸۳)

☆ مگر جب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان کا کفر محسوس کر لیا تو کہنے لگے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں میری مدد کرنے والا کون ہے؟ حواریوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیے کہ ہم تابعدار ہیں، اے ہمارے پالنے والے معبود، ہم تیری اتاری ہوئی وحی پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی اتباع کی۔ پس تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے۔'' (آل عمران۔۵۲،۵۳)

☆ ''جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار! ہمیں صبر دے، ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما۔ (البقرہ۔۲۵۰)

☆ ''بہت سے نبیوں کے ہمرکاب ہو کر بہت سے اللہ والے جہاد کر چکے ہیں۔ وہ یہی کہتے رہے کہ اے پروردگار! ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم سے ہمارے کاموں میں جو بے جا زیادتی ہوئی ہے، اسے بھی معاف فرما۔'' (آل عمران۔۱۴۶،۱۴۷)

☆ ''بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتواں مردوں، عورتوں اور ننھے بچوں کے چھٹکارے کے لئے جہاد نہ کرو جو یوں دعا مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لئے خود اپنے پاس سے حمایتی اور کارساز مقرر کر دے اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا۔'' (النساء۔۷۵)

☆ اور جب وہ رسول کی طرف نازل کردہ (کلام) کو سنتے ہیں تو آپ ان کی آنکھیں آنسو سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا، وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ہیں، تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ جو تصدیق کرتے ہیں۔'' (المائدہ۔۸۳)

☆ ''اور (ان کے لئے) جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال۔ اے ہمارے رب! بے شک تو مہربانی کرنے والا ہے۔'' (الحشر۔۱۰)

☆ ''اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں۔ سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو۔'' (الاعراف۔۱۸۰)

☆ ''لے پالکوں کو ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف نسبت کر کے بلاؤ۔'' (الاحزاب۔۵)

☆ کسی ایسے انسان کو جسے اللہ، کتاب و حکمت اور نبوت دے، یہ لائق نہیں کہ پھر بھی وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو کہے گا کہ تم سب رب کے ہو جاؤ۔ تمہارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمہارے کتاب پڑھنے کے سبب۔'' (آل عمران۔۷۹)

☆ اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں۔ سوان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو۔'' (الاعراف۔۱۸۰)

(۳) نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو ہر خیر کی تعلیم دی ہے۔ علمائے سنت نے ان تعلیمات کو سنن، مسانید، معاجم وغیرہ کے ناموں سے کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔ اسی طرح بعض علماء نے مختلف موضوعات پر الگ الگ احادیث کو بھی جمع کیا ہے جیسا کہ شروع میں بیان کیا جا چکا ہے۔ ان لوگوں نے دعا سے متعلقہ تمام احادیث کو جمع کیا ہے مگر کسی ایک نے بھی نبی ﷺ کی ذات کو وسیلہ پکڑنے کے جواز پر ایک حرف بھی نقل نہیں کیا اور نہ کوئی ایسی حدیث ذکر کی کہ جس میں نبی ﷺ نے اپنے صحابہ ﷺ کو اپنی ذات یا سابقہ انبیاء کی ذات کا وسیلہ پکڑنے کا حکم دیا ہو اور نہ ہی ان دعاؤں میں سے کسی دعا میں توسل بالذات ہمیں دکھائی دیا لہٰذا یہ توسل بالذات بدعت ہے جو متاخرین کی ہر دعا میں شامل ہو چکا ہے۔ البتہ ایک آدھ حدیث کو مشتبہ بنا کر توسل بالذات کو مشروع بنانے کی سعی لاحاصل کی گئی ہے جس کی وضاحت اپنے مقام پر دیکھئے گا۔

(۴) علمائے سنت اور محدثین نے صحابہ ﷺ اور تابعین کے آثار و اقوال اور دعاؤں کو بھی بیان کیا ہے لیکن کسی ایک صحابی ﷺ سے بھی آپ کو نبی ﷺ کی ذات یا کبار صحابہ کی ذات سے وسیلہ پکڑنے کی کوئی مثال نہیں ملے گی تو کیا انہیں نبی ﷺ سے محبت نہیں تھی؟ یا ہم صحابہ ﷺ سے بڑھ کر محب رسول ہیں!

(۵) اگر توسل بالذات جائز ہوتا تو وہ نابینا صحابی مشقت اٹھا کر نبی ﷺ کے پاس آ کر دعا کی درخواست نہ کرتا بلکہ گھر بیٹھے ہی نبی ﷺ کی ذات کا وسیلہ پکڑ کر دعا کر لیتا، نہ ہی حضرت عمر ﷺ اور دیگر لوگ حضرت عباس ﷺ کے پاس دعا کے لئے جاتے اور نہ ہی نبی کریم ﷺ حضرت عمر کو اویس قرنی سے استغفار کی نصیحت کرتے۔ (۱)

(۶) ہم ذکر کر چکے ہیں کہ سلف صالحین دعائے ماثورہ کے التزام کے سخت قائل تھے اور غیر ماثور و غیر مسنون دعائیں اگرچہ اپنے الفاظ سے جائز ہیں، اگر ان میں شرک کی آمیزش نہ ہو مگر سلف صالحین انہیں بھی پسند نہیں کرتے تھے بلکہ وہ صرف مسنون دعاؤں پر اقتصار کرنے پر تاکید کرتے تھے۔ سلف صالحین کے دور میں دعاؤں میں بدعات ظاہر نہیں ہوئی تھیں کہ جس طرح ہمارے دور میں ظاہر ہوئی ہیں۔ اس لئے سلف صالحین سے باصراحت کسی ایسی دعا کی تردید منقول نہیں اگرچہ ضمنی طور پر ایک دعائے غیر اللہ اور توسل بالذات وغیرہ کی ممانعت کے اشارے ان کے کلام سے مترشح ہوتے ہیں۔

سلف صالحین تو یا سبحان، یا غفران وغیرہ جو اللہ کی صفات ہیں، سے دعا کرنے کو بھی مکروہ سمجھتے تھے کیونکہ یہ الفاظ مسنون دعاؤں سے ثابت نہیں۔ اس لئے اگر ان کے سامنے کسی نبی، ولی، پیر، فقیر، قبر وغیرہ کو پکار کر دعا مانگی جاتی تو

(۱) [معارج القبول (۴۸۳/۱)]

وہ بالاولی اس سے منع کرتے۔بعض سلف سے ان بدعی الفاظ اور دعاؤں کی ممانعت بھی مذکور ہے جو ان کے دور میں ظاہر ہوئیں مثلاً امام مالکؒ دعا میں یاسیدی کو بھی پسند نہیں کرتے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ انبیاء کے طریقے کے مطابق دعا میں یارب کہا کرو۔ جب امام مالکؒ اتنے معمولی سے فرق کو بھی مکروہ سمجھتے تھے تو وہ توسل بالذات اور ندائے غیر اللہ کو کیسے جائز سمجھ سکتے ہوں گے! بلکہ وہ اسے بالاولی مکروہ سمجھتے۔

(۷) جو شخص دعا کے لئے وسیلہ پکڑتا ہے وہ اسے مشروع تصور کرتا ہے اور اس کے ذریعے عبادت، قرب اور اطاعت کا خیال رکھتا ہے اور وہ اس ذات کو مستجاب الدعوات سمجھتا ہے۔ مذکورہ صورت یا تو واجب ہے یا پھر مستحب کیونکہ عبادت واجب ہوتی ہے یا مستحب اور ان کے سوا کوئی چیز عبادت نہیں جبکہ توسل بالذات نہ واجب ہے نہ مستحب لہٰذا یہ عبادت نہیں اور جب یہ عبادت نہیں تو اسے کرنا بدعت ہے۔

(۸) علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ (۱) آیا حدیث میں مذکور ننانوے اسمائے حسنٰی کے سوا اللہ کے کسی نام وصفت سے واسطہ پکڑنا درست ہے یا نہیں۔بعض علماء تو صرف ننانوے اسماء کے وسیلے کے قائل ہیں۔اس کے علاوہ اللہ کے کسی اور اسم سے وسیلے کو درست نہیں سمجھتے۔ اگرچہ یہ مرجوح مذہب ہے اور راجح مذہب کے مطابق اللہ کے کسی بھی اسم یا صفت کے واسطے سے سوال جائز ہے لیکن مرجوح مذہب میں تشدد سے یہ بات ضرور نکلتی ہے کہ ان علماء کے نزدیک بدعت سے بچاؤ بہرصورت ضروری ہے اور وہ اس بات سے خائف ہیں کہ کہیں ان ننانوے اسماء کے علاوہ کسی اسم باری تعالیٰ سے سوال بدعت نہ ہو جبکہ دیگر احادیث کے مطابق ان ننانوے اسماء کے علاوہ بھی اللہ کے ایسے اسماء ہیں جن سے سوال کیا جاسکتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اور اللہ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں لہٰذا اسے ان ناموں ہی سے پکارو۔'' (الاعراف۔۱۸۰) یعنی اللہ کے اسمائے حسنٰی کے علاوہ باقی کسی بھی نام کا وسیلہ پکڑنا درست نہیں۔ حسنٰی اسم تفضیل ہے یعنی سب سے اچھا نام۔لہٰذا جو نام صرف حسن ہو یا حسن بھی نہ ہو اور قبیح بھی نہ ہو، اس کے وسیلے سے پکارنا درست نہیں۔اگرچہ ایسے نام کو بطور خبر بیان کرنا درست ہے مگر اس کے ساتھ دعا مانگنا درست نہیں۔

(۹) علمائے سلف نے اللہ کے کلمات سے پناہ مانگنے سے متعلقہ روایات سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ مخلوق سے پناہ مانگنا جائز نہیں۔اسی طرح اللہ کے اسمائے حسنٰی کے وسیلے سے نکتہ نکلتا ہے کہ ان اسماء کے علاوہ کسی مخلوق کی ذات کے وسیلے سے دعا مانگنا بھی جائز نہیں۔

(۱۰) کسی کی ذات سے وسیلہ پکڑنا حصول مطلوب کا سبب نہیں کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے سبب بنایا جبکہ سائل اگر

---

(۱) [دیکھئے الفتاوی (۱۴۱/۶) فتح الباری (۲۲۰/۱۱)]

اپنے ایمان اور اعمال صالحہ کو وسیلہ بنائے تو یہ حصول مطلوب کا سبب ہے کیونکہ ان پر اجر کا وعدہ ہے۔اس لئے ان کے ذریعے دعا قبول ہوسکتی ہے جبکہ مخلوق کی ذات اور حصول مطلوب کے مابین کوئی ربط وتعلق نہیں !۔اگر نبی ﷺ پر ایمان، ان کی محبت اور صلحاء کی عقیدت کو وسیلہ بنا کر پیش کرنا جائز تو ہے مگر خطرے سے خالی نہیں۔

(۱۱) توسل بالذات کو جائز سمجھنے والوں سے دو باتیں مطلوب ہیں۔ایک تو یہ کہ کیا توسل بالذات حصول مطلوب کا سبب ہے؟ اور دوسری یہ کہ کیا یہ سبب جائز ہے؟ کیونکہ کسی مالدار مسافر کو قتل کرنا اس کے مال کے حصول کا سبب تو ہے مگر یہ سبب مشروع نہیں لہٰذا قتل اور مال ہتھیانا دونوں حرام ہیں۔توسل بالذات کے قائل ان دونوں سوالوں کے سامنے عاجز ہیں۔

(۱۲) توسل بالذات کے ان گنت مفاسد ہیں جبکہ شریعت ہمیشہ ان باتوں کا حکم دیتی ہے جو زیادہ سے زیادہ مصالح کے حصول اور مفاسد سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں۔توسل بالذات کے چند ایک مفاسد درج ذیل ہیں۔

(ا) توسل بالذات شیطان کے لئے سب سے بڑا راستہ ہے جس کے ذریعے وہ دعائے غیر اللہ، مردوں سے مدد وغیرہ کے شرک کی راہ ہموار کرتا ہے۔اور یہ بات کسی ایسے فرد سے مخفی نہیں جو شرک کے انتشار کے اسباب پر وسیع نظر رکھتا ہو۔

(ب) توسل بالذات کی ایک خرابی یہ ہے کہ انسان غیر اللہ کے سامنے اپنی عاجزی اور محتاجی پیش کرتا ہے۔امام نوویؒ اعمال صالحہ کے جائز وسیلے میں فرماتے ہیں کہ اس میں اللہ کے سامنے اظہار عاجزی کا فقدان پایا جاتا ہے۔
امام نوویؒ مشروع دعا میں بھی اس بات سے خائف ہیں کہ اس میں اللہ پر عاجزی کا فقدان دکھائی دیتا ہے لہٰذا وہ غیر اللہ کی ذات پر توکل کرنے اور غیر اللہ کو وسیلہ بنا کر اس سے دعا کرنے کو بھلا کیسے جائز کہہ سکتے ہیں؟ کیونکہ توسل بالذات میں اللہ کی بجائے مخلوق کے سامنے عاجزی وانکساری کا اظہار کیا جاتا ہے۔

(ج) توسل بالذات ہی کی بدولت عوام میں مردوں کو پکارنا، ان سے فریاد رسی کرنے کی قباحتوں نے جنم لیا اور بہت سے صحیح وسیلہ کے مفہوم سے عاری ہونے کی وجہ سے اسی کو جائز وسیلہ سمجھے ہوئے ہیں اور جاہل عوام اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ ان ''ولیوں'' کو غیبی قدرت اور اختیارات دیئے گئے ہیں۔

(د) وسیلہ پکڑنے والا اس مخصوص ذات کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اسے دعا کی قبولیت کی تاثیر بخشی گئی ہے وگرنہ اس ذات کا وجود اور عدم سائل کے لئے برابر ہے۔اسی لئے وہ اس ذات کی اسی طرح تعریف کرتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی جاتی ہے۔توسل بالذات کا معتقد یہی سمجھتا ہے کہ گویا اس نے اللہ کو پکارا ہے۔یہ بدعی وسیلہ چونکہ شرک کا ذریعہ ہے لہٰذا اس کا انسداد ضروری ہے اور اگر علماء نے اس بدعی وسیلے سے لوگوں کو روکا ہوتا تو

کم از کم آج یہ دن نہ دیکھنے پڑتے کہ لوگ دن رات مردوں اور غیر اللہ کی مالا جپنے میں مصروف ہیں۔

(ر) توسل بالذات اور قسم بالذات میں کوئی فرق نہیں جب کہ مخلوق کی قسم سے منع کیا گیا۔ حدیث نبوی ﷺ ہے ''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی، اس نے کفر یا شرک کیا۔'' لہٰذا کسی ذات کا وسیلہ پکڑنا یا کسی ذات کی قسم اٹھانا ماسوائے اللہ کے جائز نہیں بلکہ شرک اکبر ہے جیسا کہ علماء نے اس سے منع کیا ہے۔

(ز) جو شخص اللہ تعالیٰ پر مخلوق کی قسم ڈالتا ہے یا مخلوق کے ذریعے سوال کرتا ہے اس سے پوچھا جائے کہ مخلوق کو پکارنے یا ان کی قسم ڈالنے میں کوئی قاعدہ، ضابطہ ہے یا ساری مخلوق اس میں برابر ہے یا خاص مخلوق سے صرف وسیلہ پکڑا جائے۔ اگر یہ جواب دیا جائے کہ ساری مخلوق اس میں برابر ہے تو پھر یہ لازم آتا ہے کہ شیطان سے بھی سوال کیا جائے! حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ مخلوق کے کسی بڑے حصے سے سوال کیا جاسکتا ہے تو پھر پوچھا جائے گا کہ وہ کوئی خاص حصہ ہے یا عام؟ اگر جواب دیا جائے کہ اس مخلوق سے سوال کرنا جائز ہے جس کی اللہ نے قسم اٹھائی ہے تو پھر یہ لازم آئے گا کہ رات، دن، مذکر، مؤنث، شمس وقمر، ستارے ہر چیز کی پرستش کی جائے۔ اگر کہا جائے کہ بعض مخلوقات سے سوال جائز ہے تو پھر یہ لازم آئے گا کہ کسی مخلوق سے بھی سوال وغیرہ نہ کیا جائے کیونکہ جزوی فضیلت کے سوا یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر اور شریک ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کسی بھی مخلوق کے شرک سے منع کیا اور فرمایا:۔

''کسی بشر کے لئے لائق نہیں کہ اسے اللہ کتاب وحکمت اور نبوت سے سرفراز کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کے سوا میرے عبادت گزار بن جاؤ، البتہ تم سب رب والے بن جاؤ بہ سبب اس کے جو تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور بسبب اس کے جو تم پڑھتے ہو۔'' (آل عمران۔۷۹)

اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات کو برابر رکھا ہے خواہ وہ نبی ہو یا کوئی اور، اللہ کے سوا کسی کی قسم کھانا، اس پر توکل رکھنا، کسی کی طرف رغبت کرنا، کسی سے سوال کرنا درست نہیں۔ خواہ ساری مخلوق ہو یا بڑا حصہ ہو یا مخصوص حصہ ہو، ان سب میں کوئی فرق نہیں اور اگر کوئی فرق کرے تو یہ باطل ہے۔

(۱۴) توسل بالذات کے جواز اور حرمت میں علماء کا اختلاف بھی ہے لہٰذا ایسا معاملہ مشکوک ہونے کی وجہ سے ترک کرنے کے زیادہ لائق ہے جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ ہے ''اس چیز کو چھوڑ دو جو تمہیں شک میں ڈالے اور اسے اختیار کرو جو شک میں ڈالنے والی نہ ہو۔'' اہل علم تو ان چیزوں میں بھی احتیاط کرتے تھے جن میں ضعیف دلائل ہوتے لہٰذا مذکورہ مسئلہ احتیاط کے زیادہ لائق ہے کہ اسے ترک کیا جائے کیونکہ اس میں ممانعت کے دلائل خاصے قوی ہیں۔ مزید برآں یہ خلوص عبادت کا مسئلہ ہے جس کی ضد کفر ہے۔ اللہ محفوظ رکھے۔ بعض علمائے حنفیہ بھی عقائد کے بیان

میں نص قطعی یا اجماع قوی کے بغیر کسی چیز کو حجت تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل پیش ہوگی۔

(۱۵) اگر ہم توسل بالذات کو بالفرض تسلیم بھی کر لیں تو پھر بھی یہ مشروع وسیلے سے افضل قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ افضل تو مشروع وسیلہ ہی ہے۔ لہٰذا افضل کو چھوڑ کر غیر افضل کے اختیار کرنے کی بھلا کیا ضرورت؟ اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کی کیا مصیبت؟

(۱۶) اکثر و بیشتر علماء نے توسل بالذات کو ممنوع قرار دیا ہے مثلاً امام ابوحنیفہ سے ان کے اصحاب یہ قول توثیقاً بیان کرتے ہیں کہ ''اللہ کے ساتھ کسی غیر کو پکارنا مکروہ ہے۔'' امام ابویوسف امام ابوحنیفہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ''کسی شخص کے لئے اللہ کے سوا کسی کو پکارنا درست نہیں۔'' دعا میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ''اللہ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں لہٰذا اسے ان ناموں سے پکارو۔'' (الاعراف۔۱۸۰)

اللہ کے عرش سے اس کی پناہ مانگنا مکروہ ہے۔ اسی طرح یہ دعا بھی مکروہ ہے کہ یا اللہ مجھے محمد ﷺ کے حق سے، یا فلاں کے حق سے، یا نبیوں ولیوں کے حق سے یا بیت اللہ کے حق سے یا مشعر حرام کے حق سے عطا کر.....''[1]

امام ابوحنیفہؒ سے جو کراہت کا لفظ استعمال ہوا ہے، یہ تحریم کے معنی میں ہے کیونکہ کتاب وسنت اور اہل سلف کے ہاں مکروہ بمعنی حرام ہے۔ پھر اس کے بعد فقہاء نے مکروہ کو الگ اصطلاح کے طور پر وضع کیا۔ ابن عابدین لکھتے ہیں کہ ''یہ کراہت حرمت کے معنوں میں ہے۔''[2] صاحب ہدایہؒ رقمطراز ہیں کہ ''امام احمدؒ سے بطور نص یہ منقول ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے الا کہ کوئی نص قاطع اس سے مانع ہو۔ امام ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی یہ حرمت کے قریب ہے۔ (الھدایۃ (۷۸/۴)

امام ابوحنیفہؒ کی گذشتہ بات سے واضح ہو چکا ہے کہ اللہ کے اسماء وصفات کے سوا وسیلہ پکڑنا غیر مشروع ہے۔ ان کے نزدیک دعا عبادت ہے اور عبادت صرف مشروع صورت میں جائز ہے جبکہ اسمائے حسنیٰ کے سوا دعا غیر مشروع ہے لہٰذا انہوں نے اللہ کے عرش سے بھی دعا کرنے کو جائز قرار نہیں دیا اور اس کی بنیادی علت یہی ہے کہ دعا میں صرف مشروع طریقہ اور مسنون وظائف ہی جائز ہیں جیسا کہ آیت مذکورہ سے واضح ہے لہٰذا اسمائے حسنیٰ کے علاوہ توسل بالذات جائز نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تمام اصحاب اس پر متفق ہیں کہ توسل بدعی جائز نہیں البتہ ابو یوسف اور ابولیث کے نزدیک بعض

---

(۱) [الجامع الصغیر مع شرح قاضی خان (۳۲۲/۲) النافع الکبیر (ص۳۹۵) الھدایة (۹۶/٤) الفتاوی البزازیة (۳۵۱/۳) شرح الفقه الاکبر (۱۹۸)]

(۲) [فتاوی شامی (۳۹٦/۵)]

(توسل بدعی کی) صورتیں جائز ہیں۔ مثلاً اللہ کے عرش کا واسطہ پکڑنا۔ نبیوں، رسولوں یا نیک لوگوں کے واسطے سے دعا مانگنے کی ممانعت پر امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تمام اصحاب کا اتفاق ہے البتہ امام ابو یوسف اللہ کے عرش سے واسطہ پکڑنے کے جواز پر ایک روایت پیش کرتے ہیں جو انتہائی ضعیف بلکہ موضوع ہے یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''تم دن اور رات میں بارہ (نفل) رکعات ادا کرو۔ ہر دو رکعت پر تشہد کرو اور جب آخری تشہد ہو تو اللہ کی حمد وثناء کرو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو اور سجدہ ریز ہو کر سات مرتبہ فاتحہ پڑھو اور سات مرتبہ آیت الکرسی پڑھ کر یہ کہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہی اور تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ دعا دس مرتبہ پڑھو۔ پھر کہو۔ الٰہی! میں تجھ سے تیرے عرش کے ہر جوڑ کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں، تیری کتاب کی رحمت کے انتہائی درجے سے، تیرے اسماء اعظم سے اور تیرے مکمل کلمات سے سوال کرتا ہوں، پھر تم اپنی حاجت طلب کرو اور پھر سر اٹھا کر دائیں بائیں سلام پھیر دو۔ بے وقوفوں کو یہ دعا ہرگز نہ سکھانا کیونکہ وہ اس کے ساتھ جو دعا بھی کریں گے، وہ قبول ہو جائے گی۔''[1]

ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بلا شک وشبہ موضوع ہے اور اس کی سند میں عمر بن ھارون ہے جسے ابن معین نے کذاب کہا ہے اور ابن حبان نے کہا کہ یہ ثقات سے معضل روایتیں بیان کرتا ہے اور ایسے شیوخ کو ذکر کرتا ہے جنہیں دیکھا بھی نہیں ہوتا۔[2] عمر بن ہارون کو ابن مھدی، امام احمد، نسائی، ابوداؤد، علی بن مدینی اور دارقطنی نے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔[3] اسی طرح عمر بن ہارون نے صرف عامر بن خداش روایت کرتا ہے اور وہ بھی ضعیف (منکر) راوی ہے۔[4] یہ تو سنداً ضعیف ہے مگر ابن جوزیؒ نے اسے متن کے اعتبار سے بھی ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ سجدے میں قرأت سے نبی ﷺ نے منع کیا ہے۔ حافظ زیلعی اور امام شوکانی نے بھی اسے موضوع قرار دیا ہے۔[5]

یہ روایت حضرت انس ﷜ سے بھی مروی ہے مگر اس میں بھی ایک راوی کذاب ہے۔[6] لہٰذا امام ابو یوسف کا اس موضوع حدیث سے استدلال درست نہیں اور امام ابوحنیفہؒ کی بات ہی درست ہے کہ مشروع دعا اور اسمائے حسنٰی

---

(١) [الموضوعات لابن جوزی (١٤٢/٢)]

(٢) [أیضا]

(٣) [الکامل (١٦٨٨/٥) المیزان (٢٢٨/٣)]

(٤) [الترغیب والترھیب (٢٤٤/١)]

(٥) [نصب الرایة (٢٧٣/٤)]

(٦) [تنزیه الشریعة (٣٠/٢)]

کے وسیلے کے سوا دعا ممنوع ہے۔ ابو یوسف کا قول دو وجہ سے ضعیف ہے :-

(ا) ان کی دلیل نا قابل حجت ہے۔

(ب) ابو یوسف کی بات خبر واحد ہے جو دیگر علمائے احناف کے قطعی بیان کے مخالف ہونے کی وجہ سے نا قابل قبول ہے۔ کیونکہ خبر واحد اگر متواتر کے مخالف ہو تو رد کر دی جاتی ہے۔[1]

بعض علمائے احناف کا کہنا ہے کہ ایسی صورت میں نص قطعی یا اجماع قوی ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے لہٰذا یہ دعا منع ہے۔[2] ابن عابدین بدعی درود پاک کے کچھ وظائف ذکر کرنے کے بعد علماء کا اختلاف بیان کرتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ ''میں کہتا ہوں کہ ہمارے اماموں کے کلام کا تقاضا یہ ہے کہ یہ درود ممنوع ہیں سوائے ان کے جو نبی ﷺ سے ثابت ہوں۔[3] متاخر علمائے احناف میں سے شیخ علی محفوظ (مصنف کتاب الابداع) سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ انہوں نے توسل بالذات کی اقسام بیان کر کے فرمایا کہ اس سلسلے میں صحابہ کرام ؓ سے یا کسی مشہور منقول روایت سے کوئی راہنمائی نہیں اور جو روایت بھی اس ثبوت میں پیش کی جاتی ہے، وہ ضعیف اور عقائد کے بیان میں نا قابل حجت ہے۔[4]

مذکورہ بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ توسل بالذات کی ممانعت امام ابو حنیفہؒ اور علمائے احناف سے منقول ہے لہٰذا امام ابن تیمیہؒ پر محض یہ الزام ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے توسل بالذات کی ممانعت کی۔ کچھ علماء مثلاً سبکی، نبہانی وغیرہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔[5] بلکہ کوثری تو یہاں تک کہہ گیا کہ امت وسیلے اور زیارت پر عمل پیرا رہی ہے حتی کہ صرف امام حرانی نے اس کی ممانعت میں سب سے پہلے قدم اٹھایا۔ بلکہ تعجب کی بات ہے کہ کوثری امام ابو حنیفہ کے فروعی مسائل کی تقلید اور ان کے دفاع میں بعض صحابہ مثلاً حضرت انس ؓ وغیرہ پر بھی تہمت باندھ گیا ہے جس کی وجہ سے اس کے دوستوں نے اسے ابو حنیفہ کا مجنوں قرار دیا ہے۔[6] اس کے باوجود عقائد میں ابو حنیفہ کی تقلید کو چھوڑ گیا ہے جیسا کہ مقلدین کا وطیرہ ہے اور مذکورہ مسئلہ اس کی واضح مثال ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا توسل بالذات کی ممانعت پر کلام بالکل واضح ہے جو فقہ حنفی کی تقریباً ہر کتاب میں موجود ہے مگر اس کے

---

(١) [الهداية (٤/٩٦)]

(٢) [حاشيه ابن عابدين (٥/٣٩٦)]

(٣) [ايضاً]

(٤) [الابداع (٢١٢)]

(٥) [شفاء السقام (١٧١)]

(٦) [التنكيل (١/٦٥) بدع التفاسير (١٧٩)]

باوجود کوثری جو فقہ حنفی کا بڑا حریص اور دفاع کرنے والا ہے، اس کی نظر سے امام صاحب کا یہ عقیدہ اوجھل رہا، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ خواہش پرستی اور شیخ ابن تیمیہ کے خلاف بغض نے اسے اس مسئلہ میں اپنے امام کی تقلید سے اندھا کر دیا جس طرح دیگر مسائل عقیدہ سے اندھا کیا ہے۔

کوثری کی طرح بوطی بھی اس کے جواز پر لکھتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ یا نیک صالح ولیوں وغیرہ کی ذات کے وسیلہ پر قرون ثلاثہ میں کوئی بھی ناقد ہمیں نظر نہیں آتا۔ پھر بوطی کچھ احادیث سے اس بدعی وسیلے کے جواز پر استشہاد کرتا ہے کہ اللہ کے رسول، صحابہ اور سلف سے اس وسیلے کے جواز پر دلائل ہیں جن کی کسی نے بھی مخالفت نہیں کی تا آنکہ امام ابن تیمیہؒ نے انبیاء اور صالحین کی زندگی میں وسیلہ پکڑنا اور ان کی زندگی کے بعد ان سے وسیلہ پکڑنے میں تفریق کی اور پہلے کو جائز اور دوسرے کو ناجائز کہا حالانکہ سلف صالحین میں سے کسی سے بھی اس کا ثبوت منقول نہیں۔[1]

بوطی کے نزدیک زندگی میں (دعا وغیرہ کے) وسیلے کے دلائل ہی موت کے بعد کے وسیلے کے جواز کے لئے کافی ہیں۔ بوطی کے کلام میں درج ذیل دعوے کئے گئے ہیں :۔

(۱) سلف نے اس موضوع پر کلام نہیں کیا۔ (۲) سب سے پہلے ابن تیمیہؒ نے اسے کھڑا کیا۔

(۳) زندگی اور موت کے درمیان ابن تیمیہؒ نے فرق کیا۔ (۴) اس فرق کی کوئی دلیل نہیں۔

(۵) بلکہ دلائل اس تفریق کے خلاف ہیں کیونکہ توسل کے دلائل عام ہیں جو حیات و ممات دونوں حالتوں کے لئے یکساں حیثیت کے حامل ہیں۔

مذکورہ دعووں کے جوابات :۔

(۱) ''سلف نے اس پر کلام نہیں کیا۔'' یہ دعویٰ غلط ہے کیونکہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب نے اس کی ممانعت کی ہے جیسا کہ ابھی ثابت کیا گیا ہے۔ اسی طرح عز بن عبدالسلام نے اس کے خلاف کلام کیا ہے اور وہ ابن تیمیہؒ سے پہلے فوت ہوئے ہیں۔[2]

(۲) اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ابن تیمیہؒ ہی سب سے پہلے اس مسئلہ کے خلاف آواز اٹھانے والا نہیں تھا بلکہ ان سے پہلے امام ابوحنیفہ، ان کے اصحاب اور عز بن عبدالسلامؒ جیسے کئی لوگ جنہیں ہم نہیں جان پائے، انہوں نے اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے۔ شیخ ابن تیمیہؒ تو ہر ایسی بات کے خلاف تھے جس کا ثبوت سلف سے منقول نہ ہو اور وہ ہر مسئلہ میں

---

(۱) [السلفیه مرحلة مباركة (١٥٤)]

(۲) [فتاوی عز بن عبدالسلام (١٢٦) فیض القدیر (١٣٤/٢)]

سلف صالحین کی پیروی کرتے تھے۔ بدعات جاری نہیں کرتے تھے۔

(۳) تیسرا دعوی بھی کچھ وجوہات کے ساتھ قابل رد ہے :۔

(ا) امام ابن تیمیہؒ نے جس توسل کے جواز کا فتوی دیا ہے، وہ اس توسل کے سوا ہے جس کی ممانعت ان سے منقول ہے۔ جیسا کہ تفصیل گذر چکی ہے۔

(ب) ابن تیمیہؒ کے حکم کا مدار زندگی یا موت پر نہیں بلکہ شریعت پر ہے یعنی شریعت سے جو عمل ثابت ہو، وہ جائز ہے وگرنہ جائز نہیں کیونکہ عبادات توقیفی ہیں۔ ابن تیمیہؒ کسی زندہ مگر غیر موجود سے وسیلے کے قائل نہیں کیونکہ صحابہ کرام ﷺ غزوات وغیرہ میں نبی ﷺ جو ان کے پاس موجود نہ ہوتے، ان سے وسیلہ نہیں پکڑتے تھے لہٰذا اگر مسئلہ کا مدار زندگی یا موت پر ہوتا تو زندہ اور غائب سے وسیلے کو وہ جائز قرار دیتے۔

(ج) زندگی اور موت کے درمیان فرق بالکل واضح ہے جسے عقل ونقل، منطق وشریعت سب نے قائم رکھا۔ اس کی مزید تفصیل اپنی جگہ آئے گی۔

(۴) یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ توسل سے متعلق دلائل میں اطلاق پایا جاتا ہے کیونکہ نابینے صحابی ﷺ والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ زندے مگر غائب سے وسیلہ بھی درست نہیں۔ (وگرنہ وہ صحابی گھر بیٹھ کر ہی وسیلہ مانگتا اور صحت یاب ہو جاتا) لہٰذا مردہ سے وسیلہ پکڑنا بالاولیٰ منع ہے۔ حدیث عباس ﷺ بھی اس کی مؤید ہے۔ فاطمہ بنت اسد والی حدیث موضوع ہے۔ مالک کی حدیث منکر ہے۔ اگر ثابت بھی ہو تو اس میں وسیلہ نہیں، تبرک حاصل کیا گیا ہے اور تبرک اور وسیلے میں واضح فرق ہے۔ ان شبہات کی مزید تفصیل باب رابع میں ذکر کی جائے گی۔

گذشتہ بحث کا ملخص یہ ہے کہ توسل بالذات بدعت ہے۔ امام ابن تیمیہؒ ہی نے اسے بدعت نہیں کہا بلکہ ان سے پہلے بیشتر علماء مثلاً امام ابوحنیفہؒ وغیرہ نے بھی توسل بالذات کو بدعت قرار دیا ہے۔

(۳) صوفیا کے خودساختہ وظائف اور تسبیحات :۔ دعا عبادت ہونے کی وجہ سے امر توقیفی ہے جس میں کسی مطلق کو مقید یا مقید کو مطلق بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کے برعکس بہت سے لوگوں نے بہت سی بدعی دعاؤں کو اپنے مخصوص ایام اور اوقات کے ساتھ خاص کر رکھا ہے اور یہ ہر خاص وعام مین اس طرح مشہور ہو چکی ہیں کہ لوگ صرف ان بدعی دعاؤں سے ہی مانوس ہیں اور مسنون دعاؤں پر عمل کرنے والے نہایت قلیل افراد ہیں۔

صوفیاء میں ہر شیخ کا اپنا ورد مشہور ہے اور اس کے پیروکار اسی کے ورد کے معتقد ہیں اور وہ بلا مبالغہ اپنے شیخ کے وظیفے اور درود پر ایسی محافظت کرتے ہیں کہ قرآن بھی اس سے محروم ہے۔ ان لوگوں نے اپنے لئے مخصوص وظائف مقرر کر

رکھے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی وظیفہ رہ جائے تو اس کی قضائی بھی دیتے ہیں۔ ان میں سے ہر گروہ اپنے وظیفوں کو دوسرے گروہ کے وظیفوں سے لاکھوں گنا افضل گردانتا ہے۔

تیجانی کذاب اور دجال کا کہنا ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے نماز الفاتح کی فضیلت کا سوال کیا تو آپ نے مجھے فرمایا کہ اسے پڑھنا چھ مرتبہ قرآن پڑھنے کے ثواب کے برابر ہے۔ دوسری مرتبہ آپ نے فرمایا کہ اسے ایک مرتبہ پڑھنا کائنات کے ہر تسبیح خوان کی تسبیح اور چھ قرآنوں کے ثواب سے افضل ہے۔[1] تیجانی کے پیروکار یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ (نماز) اللہ کا کلام ہے جو قدرت کے قلم سے نورانی صحیفے میں لکھا گیا ہے اور وہاں کسی بشر کی تالیف شامل نہیں بلکہ احادیث قدسیہ کی طرح اللہ کا کلام ہے۔[2] بلکہ ان کے اعتقادات بااین جارسید کہ جو شخص اسے قرآن کی طرح نہ سمجھے، اسے اس میں سے کچھ ثواب نہیں ملے گا۔[3]

کئی وظائف اور تسبیحات مشروع تو ہیں مگر انہیں مخصوص اوقات اور ایام کے ساتھ مقید کر لینا درست نہیں بلکہ یہ بدعت اضافیہ ہے۔ امام شاطبی اس (بدعت اضافیہ) کی دو حالتیں بیان کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کے لئے دلائل منقول ہیں اور ان دلائل کے مطابق وظائف ادا کرنا بدعت نہیں اور دوسری وہ (مخصوص کیفیت اور) صورت جس کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ یہ بدعت اضافیہ ہے کیونکہ یہ ایک حالت (یعنی صرف ذکر) کے اعتبار سے جائز ہے مگر دوسری حالت یعنی مخصوص کیفیت کے مطابق اسے پڑھنا یا مخصوص وقت کے ساتھ ان اذکار اور وظائف کو لازم کر لینا دلائل سے منقول نہ ہونے کی وجہ سے بدعت ہے۔[4] لہٰذا کسی بھی مشروع اور مطلق دعا کو مخصوص بدعی کیفیات کے ساتھ مقید کر کے جائز قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس پر ہیشگی اسے سنت کے برابر کرنے کی جسارت ہے۔

محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں کہ اذکار اور دعائیں افضل ترین عبادات ہیں اور تمام عبادات اتباع (نبوی) پر مبنی ہیں لہٰذا کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی غیر مسنون دعا کو مسنون بنا کر رائج کرنے کی کوشش کرے بلکہ یہ بدعت ہے جس کی منجانب اللہ کوئی اجازت نہیں البتہ کبھی کبھار ایسی دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اسے سنت نہ بنایا جائے۔[5] اگر لوگوں کے وضع کردہ وظائف واذکار شرک سے خالی ہی کیوں نہ ہوں مگر پھر بھی ہر مسلمان یہ سمجھتا ہے

---

(١) [دیکھئے جواهر المعانی (١٣٦/١)]

(٢) [ایضا]

(٣) [الافادة الاحمدية (ص ٨٠)]

(٤) [الاعتصام (٢٨٦/١)]

(٥) [المصنفات (ص ٤٦)]

کہ مسنون اذکار اور وظائف ہی افضل ہیں۔ لیکن اگر لوگوں کے وضع کردہ وظائف واذکار میں شرک وبدعات اور اغلاط وخرافات کی بھرمار ہو تو وہ کیسے جائز ہو سکتے ہیں بلکہ جو لوگ نبی ﷺ کے بیان کردہ اذکار چھوڑ کر اپنے مشائخ کے اذکار کو اختیار کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، ان سے بڑا معیوب کوئی نہیں حالانکہ نبی ﷺ تو ساری مخلوقات کے امام اور سب بندوں پر حجت ہیں۔ [1] غیر مسنون اذکار کو اختیار کرنے والا گویا اعلیٰ چیز کو چھوڑ کر گھٹیا کو اختیار کر رہا ہے۔

صوفیاء کے وضع کردہ وظائف اور اذکار میں شرک وبدعات کی چند صورتیں درج ذیل ہیں :-

(۱) شرک کی آمیزش:- ان کے ہاں یہ تصور ہے کہ [2] مرید ذکر واذکار کے دوران اپنے شیخ کی صورت قلب ودماغ میں پیدا کرے اور یہ تصور رکھے کہ شیخ کے دل سے نور نکل کر مرید کے دل میں داخل ہو رہا ہے۔ اسے انہوں نے ''استمداد'' کا نام دیا ہے یعنی شیخ ولوں کو ہدایت سے نوازتا ہے حالانکہ یہ صریح کفر ہے۔ بلکہ تعجب کی بات ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک نماز میں اپنے شیخ کا تصور کرنا شیطانی وسواس دور کرنے کا ہتھیار ہے۔ [3] انہوں نے تصور شیخ کو مراقبہ کا نام دیا ہے حالانکہ یہ مراقبہ دراصل وہ احسان ہے جو حدیث جبریل میں اللہ کے تصور کے بارے میں ہے۔

ابن مشیش کے وظائف میں بھی شرک کی واضح جھلک دکھائی دیتی ہے مثلاً ''یا اللہ مجھے توحید کے کیچڑ سے نکال کر وحدان (فنافی اللہ) کے سمندر میں ڈال دے۔'' [4] یعنی انبیاء کی توحید اس کے نزدیک کیچڑ ہے اور اللہ کے ساتھ وصال اور فنافی اللہ اصل بحر توحید ہے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک! [5]

شیخ عبدالرحمٰن الوکیل اپنے وظائف ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ صبی کا کہنا ہے کہ ابن بشیش کے وظائف، اشعار وغیرہ اس کی بستی کے شیوخ کو بڑے پسند ہیں اور وہ اس کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں حالانکہ اس کا پہلا ورد یہ ہے کہ یا اللہ مجھے توحید کے کیچڑ سے نکال!! دوسرا یہ ہے کہ مجھے تیرے ساتھ وصال میں فضیلت مل گئی ہے!! حالانکہ یہ مجوسی (نظریات پر مشتمل) وظائف واوراد ہیں جن میں اللہ کی ذات سے وصال طلب کیا جاتا ہے اور یہ سوال کیا جاتا ہے کہ توحید کی دلدل سے نکال کر وصال باللہ کے سمندر میں پہنچ جاؤں؟ [6]

(۱) [الفتاوی (۲۲/۵۲۵)]

(۲) [دیکھئے جواھر المعانی (۱/۱۲۳)]

(۳) [السراج المنیر (٦٥) البراھین الساطعة (ص ٤٥٠)]

(٤) [التصوف بین الحق والخلق (۸۳) مصرع التصوف (۸۳)]

(٥) [فصرع التصوف (۲٤۳)]

(٦) [مقدمه مصرع التصوف (۳)]

صلاۃ البشیشیۃ کی صوفیاء خصوصی تعظیم واہتمام کرتے ہیں حتیٰ کہ اپنے شیوخ سے اس کی خصوصی اجازت مانگتے ہیں بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ اس کی سند اجازت حضرت خضر کے واسطے سے ابن مشیش تک پہنچتی ہے۔(۱) گویا انہوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ حضرت خضر جو اللہ کے نبی تھے، وہ حضرت موسیٰ کے ساتھ ملاقات میں یہ خواہش رکھتے تھے کہ موسیٰ صبر سے کام لیں تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ابن مشیش کی خبروں سے آگاہ کر دیں اور وہ بھی ابن مشیش سے سند اجازت وصول پائیں! انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۲) دعا میں غلو:۔ بہت سے بدعی وظائف میں سوء ادب پایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ایسے القابات سے مخاطب کیا جاتا ہے جو اس کے شایان شان نہیں مثلاً انبیاء کے واسطے سے سوال کیا جاتا ہے، امر ونہی سے جھوٹ کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ شاذلی کے ورد البحر میں ہے ''یا اللہ! مجھے حرکات وسکنات میں محفوظ رکھ۔''(۲) حالانکہ یہ عصمت انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اس (شاذلی) کے اور اس کے علاوہ دیگر لوگوں کے کلام، اقوال، وظائف، اوراد وغیرہ میں ایسی چیزیں ہیں جن سے امر ونہی میں جھوٹ پائی جاتی ہے مثلاً یہ دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! مجھے غلطی میں بھی عظیم اجر سے نواز کہ جو اطاعت سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس طرح تو برے اعمال کے مرتکب کو اعمال صالحہ بجالانے والوں کے ساتھ برابر بنانے بلکہ ان سے افضل قرار دینے کی کوشش ہے! اسی طرح یہ ان گنت بدعی دعائیں مانگتے ہیں جیسا کہ شاذلی کے وظائف سے واضح ہے۔(۳) ممکن ہے کہ کوئی یہ اعتراض کرے کہ ہم تو دعا کی بحث کر رہے ہیں نا کہ اذکار، وظائف اور تسبیحات کی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دعا اور اذکار و وظائف مترادف ہیں جیسا کہ شروع میں بیان کیا جا چکا ہے اور یہ وظائف وغیرہ بھی دعاؤں پر مشتمل ہیں۔

عبد الحلیم محمود شاذلی کے طریقہ ذکر کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ اس کے طریقے میں بسا اوقات دعا اور ذکر کا امتزاج پایا جاتا ہے۔(۴) ہر صوفی اپنے طریقہ ورد کو دوسروں سے افضل گردانتا ہے بلکہ شاذلی کا دعویٰ ہے کہ جو شخص ہمارا وظیفہ کرے، اس کے حقوق وفرائض وہی ہیں جو ہمارے ہیں۔(۵) اپنے ورد البحر میں کہتا ہے کہ ''اے اپنی اولاد کو

---

(۱) [روح المعانی (۳۲۷/۱۵)]

(۲) [روح المعانی (۱۴۸/۱۱)]

(۳) [الفتاوی (۳۵۸/۱۴)]

(۴) [ابو الحسن شاذلی (۱۵۲)]

(۵) [ایضا]

بھی یاد کر داؤ کیونکہ یہ اسم اعظم ہے۔''(۱) حالانکہ اس وظیفے کی عربی عبارت تک درست نہیں۔ اسی طرح تیجانی کا دعوی ہے کہ اس کی ''صلاۃ الفاتح'' فرشتہ لے کر آیا تھا اور اسے قرآن سے کئی گنا بڑھ کر افضل قرار دیا۔(۲) اسی طرح تیجانی نے اپنے ''جوھرۃ الکمال'' کو تمام عبادتوں سے افضل قرار دیا۔ حالانکہ اس میں عجیب وغریب الفاظ ہیں جو عربی قواعد سے کوسوں دور ہیں۔ شیخ تقی الدین ھلالی فرماتے ہیں کہ اگر آپ اس وظیفے کو بغور دیکھیں تو اس میں عربی فصاحت و بلاغت کی بجائے بڑی بڑی فحش غلطیاں دکھائی دیں گی۔(۳)

(۳) ان وظائف میں بدعی توسل جگہ جگہ نظر آئے گا اور مرور زمانہ کے ساتھ جس طرح اسلام اجنبی ہوتا گیا، اسی طرح یہ توسل بدعی پھیلتا گیا حتی کہ عوام اور فقہاء بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے مثلاً شاذلی کی دعا ہے ''یا اللہ! میں تجھ سے محمد کریم ﷺ کے واسطے سے اور ابراہیم اور ہر نبی، رسول، ولی، صدیق، شہید، صالح، متقی کے واسطے سے سوال کرتا ہوں........''(٤)

(۴) اسی طرح صوفیا کے ان وظائف کے ساتھ کوئی نئی بدعات و مفاسد نے جنم لیا مثلاً:

(ا) کوئی صوفی مرید کئی کئی سال کسی ورد پر وظیفہ کرتا رہا جس سے اس پر اس کی عادت پختہ ہوگئی اور ذکر اللہ سے غافل ہو کر صرف اسی وظیفے کا ہو کر رہ گیا حالانکہ اگر وہ اس غیر مسنون وظیفہ کی بجائے مسنون اذکار و اوراد کو اپناتا تو اسے اللہ کی طرف رغبت و نشاط اور تاثیر نفس حاصل ہوتی۔

(ب) پیر صوفی سے کسی خاص تسبیح پر قسم لے لیتا ہے کہ اسے ہرگز ترک نہیں کرنا چنانچہ مرید اس خاص وظیفے کو اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے اور تنگی کے باوجود اسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔(٥)

(ج) بعض وظائف میں رکیک کلمات ہوتے ہیں جن کا معنی و مفہوم مرید کی عقل سے بالاتر ہوتا ہے حالانکہ ان میں وحدۃ الوجود اور حلول جیسے شرکیہ عقائد کی آمیزش بھی ہوتی ہے۔

(د) صوفیاء کسی ذکر کو خاص مجلس بنا کر اونچی آواز میں گاتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ڈھول ڈھمکا، تالیاں سیٹیاں

---

(١) [ایضا]

(٢) [الجواهر (١/١٣٦) السنن والمبتدعات (٨٢/٢)]

(٣) [الهدية الهادية (١١١) التحفة (٦٢)]

(٤) [ابو الحسن شاذلی (١٥٧)]

(٥) [اتحاف السادة (٢٦/٥)]

وغیرہ بھی شامل کر لیتے ہیں۔ پھر کئی بے ہوش ہو ہو کر گرتے ہیں..... صوفیاء کی اذکار و وظائف پر مشتمل سب سے مشہور کتاب ''دلائل الخیرات'' ہے جسے بعض فقہاء نے بھی قابل روایت کہہ دیا ہے۔[1] حالانکہ اس کتاب میں مسنون دعاؤں اور درود وسلام کی بجائے من گھڑت وظائف ہیں جنہیں یہ مسنون وظائف سے بھی افضل سمجھتے ہیں بلکہ اسے قرآن سے بھی افضل سمجھتے ہیں جبکہ اس کی کوئی شرعی دلیل نہیں۔ اگر یہ زبان سے ایسا دعویٰ نہ بھی کریں تو ان کے اعمال اس پر گواہ ہیں۔ اس کتاب میں ہے کہ ''یا اللہ! تو محمد ﷺ پر اپنی معلوم تعداد کے مطابق یا اس سے دوگنا درود بھیج۔''[2] یعنی اس میں اللہ کی معلومات کو محدود کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی طرح یہ جملہ ہے کہ ''یا اللہ! تو محمد پر اتنا درود بھیج کہ درود ختم ہو جائے۔ اتنی رحمت اور برکت بھیج کہ رحمت و برکت ختم ہو جائے۔''[3] اسی طرح ''وظیفہ جمعہ'' کی یہ فضیلت بنا رکھی ہے کہ اس سے ایک حج مقبول اور ایک اسماعیلی غلام کی آزادی کا ثواب ملتا ہے نیز جنت میں ہر حرف کے بدلے ایک محل تیار کیا جاتا ہے اور اس آدمی کا چہرہ چاند جیسا اور ہاتھ محمد ﷺ کے ہاتھوں جیسے ہو جاتے ہیں۔ دلائل الخیرات کا شارح لکھتا ہے کہ اس وظیفے کی مولف کے سوا کوئی سند نہیں۔[4] حاصل کلام یہ ہے کہ ایسے تمام وظائف واذکار بدعت ہیں جن کا قرآن وسنت سے کوئی ثبوت نہیں بلکہ ان میں شرک و بدعات اور بے شمار مفاسد پنہاں ہیں لہٰذا مسنون وظائف پر پابندی ہی میں نجات ہے۔

(4) اجتماعی دعائیں:۔ یعنی مخصوص اوقات میں لوگ جمع ہو کر دعا مانگیں، ایک کی دعا پر باقی سب آمین کہیں تو اسے اجتماعی دعا سے موسوم کیا جاتا ہے جس کی چند ایک صورتوں پر احاطہ درج ذیل ہے :۔

(۱) نماز کے بعد اجتماعی دعا:۔ نماز کے دوران بالخصوص سجدے اور تشہد میں دعا کے مسنون ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں لیکن نماز کے بعد دعا کرنے میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مستحب ہے جبکہ بعض علماء اسے درست تسلیم نہیں کرتے۔[5] نبی کریم ﷺ سے نماز کے بعد دعا پر مداومت ثابت نہیں ورنہ صحابہ کرام ؓ اسے ضرور بیان کرتے لہٰذا اس کی مشروعیت پر دیگر دلائل سے سہارا لیا جاتا ہے مثلاً نبی ﷺ نے حضرت معاذ ؓ کو

---

(۱) [المهند على المفند (ص۴۲)]

(۲) [الرسائل الشخصية (ص۳۷)]

(۳) [السراج المنير (۲۸)]

(٤) [السنن والمبتدعات (۲٤۱)]

(٥) [تفصیل کے لئے دیکھیں فتح الباری (۱۱/۱۳۱) زاد المعاد (۱/۲۵۷)]

وصیت کی کہ اے معاذ! ہر نماز کے بعد اس دعا کو مت بھولو کہ ''یا اللہ! اپنے ذکر، شکر اور اچھی عبادت پر میری اعانت فرما۔''[1] ابن قیمؒ کا رجحان اسی طرف ہے کہ نماز کے بعد دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ سلام کے بعد پہلے مشروع اذکار پورے کئے جائیں۔[2] لیکن یہ رخصت انفرادی دعا کے متعلق ہے اور اگر اجتماعی دعا کی صورت بنائی جائے تو وہ بدعت ہے سوائے اس کے کہ کبھی کبھار اجتماعی دعا کر لی جائے تو پھر کوئی حرج نہیں۔ نماز کے بعد اجتماعی دعا پر مداومت اس لئے بدعت ہے کہ نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام اور سلف صالحین سے ایسا منقول نہیں۔[3]

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ تلاوت، ذکر اور دعا کے لئے اجتماع کرنا مستحب ہے بشرطیکہ اسے مشروع اجتماعات کی طرح عادت نہ بنا لیا جائے اور نہ ان میں کسی بدعت کو داخل کیا جائے۔[4] اسی طرح امام احمدؒ سے مروی ہے کہ اگر لوگ عادت بنائے بغیر کبھی کبھار جمع ہو کر دعا مانگ لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔[5] امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ

''اگر بالفرض یہ تسلیم کیا جائے کہ مساجد میں بسا اوقات قحط یا خوف وغیرہ کے پیش نظر امام مسجد دعا کرواتے ہیں تو یہ جائز ہے .... لیکن اس میں کسی ایسی صورت کو دخل اندازی کا موقع نہ ملے جو غیر مشروع ہے اور نہ ہی غیر مسنون کو مسنون کی پیوند کاری کی جائے کہ پھر اس کے لئے مساجد میں اعلانات ہوں جس طرح اللہ کے رسول ﷺ نے نماز استسقاء کے لئے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا............''[6]

لہٰذا بنیادی طور پر نماز کے بعد اجتماعی دعا بدعت ہے سوائے کسی ضرورت کے۔ کیونکہ مطلق دعا تو نماز کے بعد درست ہے مگر اجتماعی صورت میں اسے نماز کا حصہ بنا لینا کسی طور پر بھی درست نہیں۔ لیکن بعض ممالک میں جاہل لوگوں نے نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کو مستحب قرار دے کر رائج کر رکھا ہے۔ حتیٰ کہ اگر امام نماز کے بعد دعا نہ کرے تو وہ اپنی نمازوں کو ناقص سمجھتے ہیں اور عجیب وغریب الزامات کی بوچھاڑ شروع کر دیتے ہیں کیونکہ انہوں نے اجتماعی دعا کو نماز کا حصہ سمجھ لیا ہے۔

(۲) جمعہ کے خطبہ کے آخر میں حکام کے لئے دعا کا التزام کرنا اہل علم کے نزدیک بدعت ہے لیکن اگر کسی وقت کسی

---

(۱) [ابو داؤد (۱۵۲۲) نسائی (۴۵/۳) احمد (۲۴۵/۵) صحیح الجامع (۳۰۴/٦)]

(۲) [زاد المعاد (۲۵۸/۱)]

(۳) [الفتاوی الکبری (۱۸۸/۱) اقتضاء الصراط (۳۰۳)]

(٤) [مجموع الفتاوی (۵۲۳/۲۲)]

(۵) [الاقتضاء (۳۰٤)]

(٦) [الاعتصام (۲۳/۲)]

ضرورت کے لئے دعا کر لی جائے تو پھر یہ بدعت نہیں۔[۱] کیونکہ اس کی مداومت کرنا اور اسے جمعہ کا حصہ یا شرط یا شعار سمجھ لینا بدعت ہے وگرنہ حاکم وقت دعا کا حقدار ہے اور اس کی اصلاح کی دعا در اصل امت کی بھلائی ہی کی دعا ہے۔

(۳) کسی خاص گھر میں خاص طریقے کے ساتھ اجتماعی دعا کے التزام کو بہت سے علماء نے بدعت قرار دیا ہے۔[۲]

(۴) دوران حج طواف اور سعی وغیرہ لوگوں نے بہت سی اجتماعی دعائیں گھڑ رکھی ہیں بلکہ حاجی دعا کروانے والے کو اجرت دیتے ہیں اور ہر چکر پر اس کی دعا کے ساتھ دعا دہراتے ہیں حالانکہ ان میں سے اکثر وبیشتر کو اس دعا کے معنی ومفہوم سے آگاہی نہیں ہوتی کیونکہ وہ عربی زبان سے ناواقف ہوتے ہیں یا دعا کرنے والے کی غلطی ہوتی ہے مگر وہ اس کے الفاظ پر مکھی پر مکھی مارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ دعائیں دو وجہ سے بدعت کہلانے کی حق دار ہیں:

(ا) طواف وسعی کے ہر چکر پر دعا کو خاص کرنا۔

(ب) اونچی آواز میں اکٹھے ہو کر دعا کے الفاظ دہرانا۔

شیخ ابن بازؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ جو بعض لوگوں نے طواف اور سعی کے ہر چکر کے ساتھ مخصوص اذکار اور مخصوص دعائیں وضع کر رکھی ہیں، ان کی کوئی دلیل نہیں بلکہ جیسے بھی میسر ہو، ذکر و دعا کر لینا کافی ہے۔''[۳] اسی طرح نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت یا شہداء اور بقیع الغرقد کے مدفون حضرات کی قبروں کی زیارت میں بہت سے زائرین دوسرے لوگوں کی دعاؤں کے ساتھ دعائیں دہراتے ہیں۔ شیخ البانیؒ اسے بدعت قرار دیتے ہیں۔[۴]

اب ہم بدعی دعاؤں کی بحث پر اکتفا کر کے غیر مشروع دعاؤں کے جواز پر مناقشہ کریں گے۔

***

(۱) [الاعتصام (۱/۲۷) فتاوی عز بن عبدالسلام (ص ٤٧)]

(۲) [البدع لابن وضاح (ص ١٤) الحوادث (ص ٦٢) اقتضاء (٣٠٤)]

(۳) [التحقیق والایضاح للکثیر من مسائل الحج والعمرة (ص ٣٥) الادعیة المبتدعة فی مناسك الحج والعمرة للالبانیؒ (٤٣)]

(٤) [مناسك الحج والعمرة فی الکتاب والسنة (١٦٦)]

باب چہارم

غیر مشروع دُعا کو جائز قرار دینے والوں کے دلائل کا مناقشہ

فصل اول

صحیح دلائل سے حجت پکڑنے والوں کا مناقشہ

شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر کے ان کے دلوں میں شبہات پیدا کر دیئے ہیں کہ اللہ کے سوامُر دوں وغیرہ سے فریاد کرنا جائز ہے۔ کچھ گمراہی کے دلدادہ افراد نے اس شبہے کی حمایت میں کتابیں لکھ کر اہل قبور کے شرکیہ اعمال کو حجت فراہم کرنے کی سعی لا حاصل کی اور عوام نے اُن کتابوں کے ذریعے اپنے شرکیہ اعمال کے ثبوت میں دلائل ازبر کئے اگر چہ وہ دلائل بذات خود قرآن وسنت ہی کے متصادم ومتعارض ہیں۔ تلاش بسیار کے باوجود غیر اللہ سے دعا کرنے کے حوالہ سے مجھے کوئی ایسی دلیل نہیں ملی جو صحیح، صریح اور غیر مرجوح ہو۔ ان میں سے توسل بالذات کی حمایت میں زیادہ زور لگایا گیا ہے اور ان کے نزدیک توسل میں مردوں سے مدد طلب کرنا بھی شامل ہے۔ توسل بالذات شرک اکبر کا دروازہ ہے اور دعائے غیر اللہ اس کی چوکھٹیں ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر میں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا کیونکہ یہ عقیدے کا مسئلہ ہے جس میں اجتہاد وغیرہ کو مطلق دخل نہیں۔ توسل بالذات اور غیر اللہ سے دعا کا مسئلہ چونکہ ہماری کتاب کا بنیادی محور ہے، اس لئے میں ان دونوں مسئلوں کے قائلین کے دلائل ذکر کر کے ان پر تنقیدی نگاہ ڈالوں گا اور جہاں جس مسئلہ کی مفصل وضاحت مطلوب ہوگی، وہاں اس کو پیش نظر رکھوں گا۔

شبہات:۔ مذکورہ مسئلہ میں وارشدہ شبہات کو تین قسموں میں بیان کیا جاسکتا ہے :۔

(۱) صحیح مگر غیر صریح نصوص سے غلط استدلال کرنا۔ اس کی بنیادی وجہ یا تو شریعت سے لاعلمی ہے یا پھر خواہشات کی پیروی جس کی بنیاد پر صحیح نصوص کا صحیح فہم بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ مذکورہ (پہلی) فصل میں اسی پر بحث کی جائے گی۔

(۲) صریح مگر غیر صحیح دلائل سے استدلال کرنا۔ مگر خواہش نفس کی پیروی کی وجہ سے یہ اپنے دلائل کی اسنادی قوت جو نا قابل دلیل ہوتی ہے، بھول جاتے ہیں۔ دوسری فصل میں اس پر بحث کی جائے گی۔

(۳) دعائے غیر اللہ کی نفی کرنے والے دلائل کی تردید اور اس پر لایعنی شبہات پیش کر کے اپنے مؤقف کو بچانے کی کوشش کرنا۔ تیسری فصل میں اس پر بحث کی جائے گی۔

مندرجہ شبہات پر تفصیلی بحث سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان شبہات کے مرکزی اسباب اور وجوہات پر بھی روشنی ڈالی جائے۔

مذکورہ شبہات کے بنیادی اسباب:۔

(۱) جہالت:۔ مذکورہ شبہات کی ایک بنیادی وجہ کلام عرب اور اس کے مقاصد سے لاعلمی اور ان قواعد واصول سے ناواقفی ہے جن سے شرعی احکامات کا استنباط کیا جاتا ہے۔ کلام عرب سے ناواقفی کی وجہ سے انسان قرآن وحدیث سے غلط استدلال کرتا ہے۔ اسی طرح قواعد احکام اور مقاصد شریعت سے جہالت کی بنا پر انسان فاسد استشہاد واستنباط کرتا ہے گو وہ دلائل فی ذاتہ صحیح ہوں مگر جاہل کے پیش نظر صرف ایک ہی دلیل ہوتی ہے۔ اس دلیل کے معارض دوسرے دلائل سے وہ ناواقف ہوتا ہے۔

(۲) عقل پرستی:۔ اللہ تعالیٰ نے عقل کے ذریعے ادراک کی ایک حد مقرر کر رکھی ہے جس کی وجہ سے عقل محدود ہے اور وہ اخروی فوائد تو کیا دنیوی فوائد کے استدراک سے بھی عاجز ہے لہٰذا عقل کو حاکم مطلق قرار دینے کی بجائے شریعت کو حاکم مطلق قرار دیا گیا اور جس طرح شریعت عقل سلیم کے مخالف نہیں ہوتی، اسی طرح عقل سلیم کبھی شریعت کے مخالف رائے نہیں رکھ سکتی۔ ثابت ہوا کہ عقل اس طرح شریعت کے تابع ومحتاج ہے جس طرح عام آدمی عالم سے مسئلہ پوچھنے کا محتاج ہے۔ اگر عقل کو شریعت سے برتر مرتبہ دے دیا جائے تو مفاسد جنم لیتے ہیں۔ انہی میں سے ایک عقل کے ذریعے حسن ظن قائم کرنا ہے جو بسا اوقات نصوص شرعیہ کے مخالف ہوتا ہے کہ اسے افکار عالم کی پیوند کاری کی گئی ہوتی ہے چنانچہ غلط افکار واوہام کی وجہ سے نصوص شرعیہ کو ترک کرنا گوارا کر لیا جاتا ہے حالانکہ یہ افکار واوہام اس سراب کی طرح ہیں جو دور سے پانی دکھائی دیتا ہے مگر قریب آنے پر وہاں کچھ نہیں ہوتا۔

(۳) خواہش پرستی:۔ کتاب وسنت کی صریح نصوص کی مخالفت میں سب سے بڑا کردار خواہش پرستی کا ہے اور اس کا شکار ہر وہ شخص ہے جو کتاب وسنت کو چھوڑ دے، اسی لئے احادیث اور سلف صالحین کے اقوال میں کتاب وسنت کو پس پشت ڈالنے والوں کو ''خواہش پرست'' کہا گیا کیونکہ ''انہوں نے بوقت ضرورت کتاب وسنت کی طرف مراجعت کی بجائے اپنی خواہشات کی پیروی کو مقدم رکھا اور اپنی آراء پر اعتماد کیا۔ اس کے بعد دیکھا کہ شرعی احکامات ہماری خواہشات وآراء میں کہاں تک ہم آہنگی کرتے ہیں۔''[۱] اسی لئے انہیں اہل الرائے کے لقب سے موسوم کیا گیا۔[۲] خواہش پرستی کی وجہ سے ان لوگوں نے دعائے غیر اللہ کی نفی پر محکم اور صریح دلائل چھوڑ کر شبہات کا سہارا لیا۔ پھر ان صریح دلائل میں تحریف کر کے اپنا مقصد پورا کرنے کی مذموم کوشش کی جس طرح کہ بعض اوقات (ایسے لوگ)

---

(۱) [الاعتصام (۲/۱۷۶) الفتاوی (۱۰/۵۶۸)]

(۲) [الاعتصام (۱/۱٤٤)]

ضعیف، موضوع، من گھڑت روایات، خواب اور حکایات سے استدلال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خواہش نفس کی پیروی سے محفوظ رکھے اور کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

گذشتہ شبہات کے جوابات:۔

پہلا جواب:[1] شبہات کے بارے میں سب سے بنیادی اور ضروری امر یہ ہے کہ انہیں ترک کر کے محکم دلائل (محکمات) کی پیروی کی جائے اور راسخ فی العلم کی یہی شان قرآن نے بیان کردی کہ ''اس ذات (باری تعالیٰ) نے اپنی طرف سے تجھ پر کتاب اتاری جس میں محکم آیات ہیں جو ام الکتاب ہیں اور کچھ متشابہات ہیں۔ جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ پن ہوتا ہے، وہ اس کی متشابہات کی طرف جھکتے ہیں تا کہ فتنہ تلاش کیا جائے اور ان کی تاویل کی جائے حالانکہ ان کی اصل تاویل صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور وہ لوگ جو علم میں راسخ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ صرف اہل دانش ہی نصیحت پاتے ہیں۔ (آل عمران۔۷)

غیر مشروع دعا کی ممانعت میں قرآن واحادیث کے دلائل محکم، قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہیں کیونکہ قرآن مکمل طور پر توحید اور اس کے منافی اسباب وذرائع پر بحث کرتا ہے اور اہل توحید اور اہل شرک کے جزا وسزا کو بیان کرتا ہے۔[2] یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید میں شرک کی اقسام میں سب سے زیادہ دعائے غیر اللہ کو بیان کیا گیا ہے تا کہ اس کی شناعت وقباحت معلوم ہو۔ اسی طرح سنت نبویہ ﷺ جو دراصل قرآن کی شارح ہے، اس میں بھی اسی مسئلہ پر سب سے زیادہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس لئے ان محکم دلائل پر آمنا وصدقنا کہہ لینا چاہیے کیونکہ متشابہات کی پیروی وہ لوگ کرتے ہیں جن کے دلوں میں ٹیڑھ ہوتی ہے جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ ''جب تم دیکھو کہ لوگ متشابہات کی پیروی کرنے لگے ہیں تو یاد رکھو کہ انہی لوگوں کو اللہ نے (ٹیڑھ پن سے) موسوم کیا ہے لہٰذا ان سے دور رہو۔''[3]

دوسرا جواب:۔ جو لوگ ان شبہات سے استنباط کرتے ہیں ان کے اپنے قواعد کی رو سے ان کے دلائل نا قابل قبول ہیں کیونکہ ان کے نزدیک عقائد میں قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ دلائل ہی قابل دلیل ہیں۔[4] اور مذکورہ مسئلہ بھی عقائد کے باب سے ہے۔ اس لئے دعائے غیر اللہ کے ثبوت کے لئے خود ان کے قواعد کی روشنی میں قطعی دلائل

---

(۱) [الاعتصام (۱/۲۲۰)]

(۲) [مدارج السالکین (۳/۴۵۰)]

(۳) [بخاری (۴۵۴۷) مسلم (۲۶۶۵)]

(۴) [دیکھئے شرح العقائد النسفیۃ (۱۰۱) اصول الدین للبغدادی (۱۲)]

مطلوب ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دعائے غیر اللہ کی نفی میں قطعی دلائل موجود ہیں مگر یہاں یہ اپنے قواعد کو بھول گئے ہیں۔ کتاب وسنت سے اعراض کرنے والوں کا یہی حال ہوتا ہے!

ابن عبدالبر علو باری تعالیٰ کے مسئلہ میں ضعیف حدیث سے استدلال کرنے والوں کی تردید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ''یہ تو صحیح خبر واحد کو (اس مسئلہ میں) قبول نہیں کرتے۔ پھر ایسی ضعیف حدیث سے استدلال کہاں کا عدل ہے؟''[1]

بعض علمائے احناف نے اپنے قواعد پر کاربند رہتے ہوئے دعائے غیر اللہ اور توسل بالذات کی تردید کی ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے۔ اس لئے ہر کسی کو کم از کم اپنے وضع کردہ قوانین پر کاربند رہنا چاہیے۔

تیسرا جواب:۔ مسئلہ ہذا کے قائلین کے پیش کردہ تمام دلائل یا تو نصوص صحیحہ مگر غیر صریحہ پر مشتمل ہیں یا ضعیف، موضوع اور بناوٹی دلائل ہیں مگر صحیح اور صریح ایک دلیل بھی ان کے پاس نہیں۔ اگر ہے تو پیش کریں!۔

چوتھا جواب:۔ اگر بالفرض ہم ان کے پیش کردہ دلائل کو صحیح اور صریح تسلیم بھی کر لیں تو پھر یہ ان بیسیوں صحیح دلائل سے متعارض ہوں گے جو اس مسئلہ کی نفی پر منقول ہیں اور ان کے درمیان نہ جمع (مطابقت) ممکن ہے نہ ترجیح! جمع تو کسی طرح بھی ممکن نہیں اور ترجیح کی صورت میں دعائے غیر اللہ اور توسل بالذات کی ممانعت کے دلائل قوی تر ہونے کی وجہ سے راجح قرار پائیں گے کیونکہ وہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہیں جبکہ اثبات کے دلائل غیر صریح، ضعیف اور موضوع ہیں۔ حق کے متلاشی کے لئے یہی جوابات کافی ہیں کیونکہ مسئلہ بالکل واضح ہو چکا ہے کہ دعائے غیر اللہ اور توسل بالذات کسی طرح بھی درست نہیں۔ مزید دلائل آگے ملاحظہ ہوں۔

❋ ❋ ❋

(١) [التمهيد (١٣٢/٧)]

پہلا مبحث

قرآن مجید سے استدلال کرنے والوں کا مناقشہ

ہم ان نو آیات پر بحث کرتے ہیں جو اس مسئلہ کے قائلین کے ہاں مضبوط دلیلیں متصور ہوتی ہیں۔

پہلی آیت:۔ ﴿ولما جاء هم كتاب من عندا لله مصدق لما معهم وكانوا من قبل يستفتحون على الّذين كفروا فلما جاء هم ماعرفوا كفروا به فلعنة اللّٰه على الكافرين﴾ (البقرۃ۔۸۹)

''اور جس وقت ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آ پہنچی جو ان کے پاس (کتابوں) کی تصدیق کرنے والی تھی اور وہ اس سے پہلے کافروں پر فتح طلب کرتے تھے، پس جب ان کے پاس وہ (رسول) آ گیا جسے انہوں نے پہچان لیا تو اس کا انکار کر دیا لہٰذا کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔''

اس آیت سے توسل بالذات کی دلیل دی جاتی ہے کہ یہودی نبی ﷺ کے وجود (بعثت) سے پہلے ہی آپ کا وسیلہ طلب کرتے تھے تاکہ دشمنوں پر فتح حاصل کریں۔ اس پر یہ روایت بھی پیش کی جاتی ہے کہ ''خیبر کے یہودی غطفان کے یہود سے جنگ کرتے تو خیبر کے یہودی شکست کھاتے اور اس دعا سے پناہ پکڑتے: ''یا اللہ! ہم تجھ سے محمد، امی، نبی کریم کے حق سے سوال کرتے ہیں جس کا تو نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ اسے آخری زمانے میں مبعوث کرے گا اور پھر ہم اپنے دشمنوں پر غلبہ پائیں گے۔'' جب وہ یہ دعا کر کے غطفان سے جنگ کرتے تو فتح پا لیتے مگر جب نبی ﷺ مبعوث ہوئے تو یہودیوں نے آپ ﷺ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ وہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ کے ذریعے کافروں پر فتح طلب کیا کرتے تھے۔''(۱) اگر اس روایت کو سند اور متن دونوں حیثیتوں سے پرکھا جائے تو ناقابل حجت قرار پاتی ہے۔ اس کی سند میں عبدالملک بن ہارون راوی ہے جسے ابن معین نے ''کذاب'' کہا، امام بخاری نے ''منکر الحدیث''، ابو حاتم نے متروک، ذاہب الحدیث، ابن حبان نے کہا کہ یہ حدیث گھڑتا تھا، امام احمد نے اسے ضعیف کہا۔ امام دارقطنی اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ یہ راوی اور اس کا باپ دونوں متروک الحدیث ہیں۔ سعدی نے اسے دجال اور کذاب کہا۔ ابن عدی نے کہا کہ یہ اپنے باپ اور دادا کے سلسلے سے ایسی عجیب حدیثیں بیان کرتا ہے جسے کوئی اور بیان نہیں کرتا۔ حاکم فرماتے ہیں کہ یہ اپنے باپ سے موضوع حدیثیں روایت کرتا ہے۔(۲)

---

(۱) [حاکم (۲/۲۶۳) الشريعة للآجرى (۴۴۷) دلائل النبوة (۲/۷۶)]

(۲) [تاريخ يحيىٰ بن معين (۳/۳۰۵) تاريخ الصغير للبخارى (۲۱۸) الجرح والتعديل (۵/۳۷۴) الميزان (۲/۶۶۶)]

اس کا باپ ھارون بن عنترہ ہے جسے ابن حبان، دار قطنی اور امام ذھبی نے ضعیف کہا ہے۔ امام حاکمؒ، ذھبیؒ، ابن حجرؒ، سیوطیؒ، ابن تیمیہؒ وغیرہ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔[1] علامہ غماری نے اس روایت کو ضعیف تسلیم کرنے کے باوجود یہ کہا کہ کئی طرق سے اس روایت کو تقویت ملتی ہے مگر وہ تمام طرق بھی ضعیف ہیں۔ ایک سند عطا خراسانی اور دوسری ابن فراحم کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ یہ متکلم فیہ راوی بھی ہیں اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حدیث نہیں سنی۔[2] اسی طرح ایک سند میں کلبی ضعیف راوی ہے۔[3]

لٰہذا مذکورہ روایت کی تمام اسناد ضعیف اور ناقابل استدلال ہیں۔ اسی طرح غماری نے درمنثور کی ضعیف روایات پر اعتماد کیا ہے حالانکہ طبری اور ابن ابی حاتم نے ضحاک عن ابن عباس سے اس کے برعکس یہ روایت بیان کی ہے کہ ''وہ (یہود) عرب کے کفار پر نبی کریم ﷺ کی بعثت کے ساتھ فتح طلب کرتے تھے۔''[4] ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہودی یہ کہا کرتے تھے کہ ہم محمد رسول اللہ کی ان کافروں کے خلاف مدد کریں گے لیکن انہوں نے ایسا کرنے کی بجائے (آپ ﷺ کی) تکذیب کردی۔''[5]

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ نے کہا کہ ہمیں ہمارے بزرگوں (صحابہ) نے بیان کیا کہ ہم سے زیادہ عرب میں کوئی بھی اللہ کے رسول ﷺ کے احوال سے آگاہ نہ تھا۔ ہمارے ساتھ یہودی رہا کرتے تھے جو اہل کتاب تھے اور ہم بت پرست تھے۔ جب انہیں ہم سے کوئی چیز ناگوار معلوم ہوتی تو وہ کہتے کہ ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے اور ہم اس کی پیروی میں تمہیں عاد وارم کی طرح قتل کریں گے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے (آخری) رسول کو مبعوث کیا تو ہم نے آپ ﷺ کی پیروی اختیار کرلی جبکہ یہود نے آپ ﷺ کا انکار کیا۔ اللہ کی قسم! ہمارے اور ان یہودیوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ''اگرچہ وہ اس سے پہلے کافروں پر فتح طلب کرتے تھے۔''[6] اس روایت کی سند کم از کم حسن درجہ کی ضرورر ہے کیونکہ ابن اسحاق نے اپنے سماع کی صراحت بیان کی ہے۔[7] عاصم

---

(۱) [المیزان (۲۸٤/٤) المجروحین (۹۳/۳) الضعفا للدارقطنی (۳٦۲)]

(۲) [تھذیب (۲۱۳/۷)]

(۳) [المراسیل لابن ابی حاتم (۲۹٤) جامع التحصیل (۵۲۲)]

(٤) [طبری (٤۱۲/۱)]

(۵) [ایضا]

(٦) [السیر والمغازی (۸٤) ابن ھشام (۲۱۱/۱) طبری (٤۱۰/۱)]

(۷) [المیزان (٤٦۸/۳)]

بن عمر طبقہ رابعہ کے تابعی اور ثقہ عالم ہیں۔[1] اور انہیں بیان کرنے والے صحابہ ﷺ ہیں جن کی جہالت مضر نہیں کیونکہ تمام صحابہ عادل ہیں۔ یہ حدیث حکماً مرفوع ہے کیونکہ یہ عہد نبوی ﷺ کے ایک واقعہ کی ترجمانی کرتی ہے جس کے متعلق آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ اس صحیح روایت کی تین دیگر طرق سے بھی تائید ہو جاتی ہے۔

(۱) ﴿ قال ابن اسحاق حدثنا محمد بن ابی محمد مولی آل زید عن سعید بن جبیر، عکرمۃ عن ابن عباس..... ﴾ (گذشتہ روایت)

(۲) ﴿ عطیہ عوفی عن ابن عباس........ (گذشتہ واقعہ)

(۳) ﴿ سدی عن ابی مالک وعن ابی صالح عن ابن عباس وعن ابن مسعود وغیرہ من الصحابۃ.... ﴾ (مذکورہ واقعہ ایضا)

اگرچہ ان طرق ثلاثہ میں کچھ ضعف بھی ہے تاہم یہ ابن اسحاق کی گذشتہ حسن روایت کی تائید کرتے ہیں۔ اسی طرح تابعین مثلاً قتادہ، ابوالعالیہ، علی ازدی، ابن زید، مجاہد، عطا، ضحاک وغیرہ کی مراسیل بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔

لہٰذا مخالفین کی روایت کے برعکس ابن اسحاق والی روایت ہی صحت کے قابل ہے۔

مخالفین کی روایت متن کے اعتبار سے:۔

(۱) اس روایت میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ خیبر کے یہود غطفان کے یہود سے جنگ کرتے تھے جبکہ مفسرین اور اہل سیر کا اتفاق ہے کہ یہ آیت مدینہ کے یہود کے بارے میں نازل ہوئی اور مدینہ میں بنوقینقاع، بنوقریظہ اور بنونضیر کے یہودی قبائل تھے جو اوس اور خزرج (اہل مدینہ) والوں کو آخری نبی ﷺ کی بعثت سے باخبر کیا کرتے تھے لہٰذا مذکورہ روایت امر واقعہ کے برعکس ہے۔ شیخ ابن تیمیہؒ اس مخالفت سے حقیقت کشائی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ''اب کس منہ سے یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ (یہ آیت) خیبر اور غطفان کے یہود کے بارے میں نازل ہوئی؟ ایسے جھوٹوں کو تو جھوٹ بولنے کا بھی طریقہ نہیں!''[2]

(۲) یہ روایت ان تاریخی واقعات کے بھی خلاف ہے جن پر قرآن گواہ ہے یعنی یہود نے جب اپنے انبیاء کی مخالفت کی تو انہوں نے کبھی نصرت نہ مانگی بلکہ اللہ نے ان پر ذلت و مسکنت لکھ دی۔ پھر وہ تاریخ میں کبھی بھی عرب یا غیر عرب پر غالب نہیں آئے بلکہ ہمیشہ مغلوب ہی رہے۔ یا وہ عرب کے کسی قبیلے کے حلیف بن جاتے۔ پھر وہ اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر دشمن سے لڑتے مگر اپنے حلیفوں کے بغیر وہ کبھی غالب نہیں ہوئے۔[3] لہٰذا یہ روایت تاریخ

---

(۱) [تقریب (۳۰۷۱)]

(۲) [قاعدۃ فی التوسل (۱۱۵) الفتاوی (۳۰۰/۱)]

(۳) [الرد علی البکری (۵۸) قاعدۃ فی التوسل (۱۱۶)]

کے بھی خلاف ہے اور اسے عادل، صادق اور ثقہ راویوں کی تائید بھی میسر نہیں۔

(۳) اگر اس روایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے دو وجہ سے دلیل نہیں لی جا سکتی کیونکہ

(ا) یہ یہودیوں کے فعل کی حکایت ہے اور یہودیوں کا آسمانی کتاب میں تحریف وتبدیل کرنا معمول تھا۔ لہٰذا یہ ان کا ذاتی، من گھڑت بدعی وسیلہ ہی ہو سکتا ہے کیونکہ حضرت موسیٰ یا دیگر بنی اسرائیل کے انبیاء سے ایسا کوئی وسیلہ منقول نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس وسیلے کو برقرار نہیں رکھا بلکہ یہ بیان کیا ہے کہ وہ آخری سچے نبی کو پہچان چکے ہیں۔ اسی طرح اللہ نے نصاریٰ کی رہبانیت کی بدعت کو بیان کیا مگر اسے ان کے انبیاء کی طرف سے دلیل قرار نہیں دیا لہٰذا اسی طرح یہود کے بدعی توسل کو ان کے انبیاء کی طرف منسوب کرنا غلط ہے۔

(ب) اگر اسے موسیٰ کی شریعت تسلیم کر لیا جائے لیکن امر واقعہ اس کے برعکس ہے، تو پھر بھی یہ ہمارے لئے دین نہیں کیونکہ یہ ہماری شریعت کے موافق نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوسفؑ کے لئے ان کے بھائیوں کے سجدے کو بیان کیا اور اصحاب کہف کی غار پر مسجد بنانے والوں کا تذکرہ کیا مگر یہ چیزیں ہماری شریعت میں ممنوع قرار پائیں لہٰذا توسل بالذات اگر موسوی شریعت میں جائز بھی تھا تو ہماری شریعت نے اس کی ممانعت کر دی ہے۔ اس آیت کی صحیح تفسیر یہی ہے کہ یہودی اللہ سے یہ مطالبہ کیا کرتے تھے کہ آخری موعود رسول بھیج دے تاکہ ہم اس کی معیت میں مشرکین کے خلاف فتح حاصل کریں اور وہ اپنے دشمنوں کو ڈرایا کرتے تھے کہ ہمارا آخری رسول آنے والا ہے۔ پھر ہم تم پر غالب آجائیں گے۔

دوسری آیت:۔ ''ان کے نبی نے انہیں کہا کہ اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ یہ تمہارے پاس تابوت لائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے تسکین ہے اور حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی آل کی باقی ماندہ (چیزیں) ہیں۔ اس (تابوت) کو فرشتے اٹھائے ہوں گے۔ بلاشبہ اس میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔'' (البقرۃ۔۲۴۸) اس آیت سے بعض لوگوں نے انبیاء کے آثار سے توسل کو جائز قرار دیا ہے کہ ''جنگوں میں اس تابوت کو سامنے رکھ کر وہ لوگ انبیاء کے آثار سے توسل پکڑتے تھے اور اللہ تعالیٰ اس پر راضی تھے۔ تبھی تو انہیں تابوت دیا اور اسے طالوت کی بادشاہت کی نشانی قرار دیا۔ پھر ان کے اس عمل پر انکار بھی نہیں کیا گیا۔''

مذکورہ شبہات کے جوابات

(ا) اس آیت سے توسل کی دلیل محض عقل کا دھوکہ ہے کیونکہ یہ تابوت بطور نشانی تھا کہ طالوت اللہ کی طرف سے منتخب کیا گیا ہے اور اس انتخاب کی دلیل یہ ہے کہ فرشتے اس کے پاس تابوت موسیٰ پہنچائیں گے۔ جمہور مفسرین

نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ ابن جریر طبری ''السکینۃ'' کی وضاحت میں مختلف تفاسیر ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان میں سب سے قریب قول عطا بن ابی رباح کا ہے کہ اس میں نفس کے لئے تسکین ہے اور یہ تسکین اللہ کی ایک نشانی ہے۔ اہل عرب کے کلام میں سکینہ بروزن فعیلہ ہے اور اس کا معنی ہے کہ فلاں نے فلاں کی طرف اطمینان پکڑا یعنی جب وہ اس سے مطمئن ہو جائے۔ پھر موصوفؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ سکینہ سے مراد یہ تمام نشانیاں ہوں جن سے نفوس کو تسکین حاصل ہوتی ہو۔ (۱)

(۲) بعض اسرائیلی روایات میں اس طرح کے اضافے ہیں کہ جب وہ لوگ جنگ کرتے تو اس تابوت کو اپنے سامنے رکھ لیتے اور دشمن پر غالب آ جاتے مگر ان روایات کی صحت محل نظر ہے۔ اس لئے ان سے استدلال درست نہیں۔

(۳) اگر یہ واقعات درست تسلیم بھی کر لئے جائیں تو اس کا معنی یہ سمجھ آتا ہے کہ وہ اس تابوت سے تبرک حاصل کرتے تھے۔ وسیلہ نہیں پکڑتے تھے۔

(۴) اگر بالفرض یہ بھی مان لیا جائے کہ وہ تابوت سے وسیلہ پکڑتے تھے تو پھر بھی یہ توسل بالذات کی دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ :۔

(ا) یہ سابقہ شریعت کا مسئلہ ہے جسے ہماری شریعت نے برقرار نہیں رکھا بلکہ اس کی مخالفت کی ہے۔

(ب) اس تابوت میں حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی، تختیاں اور ہارونؑ کی لاٹھی وغیرہ تھی جن سے تبرک حاصل کیا جاتا تھا اور نبی کریم ﷺ کے آثار سے تبرک لینا بھی ثابت ہے لیکن غیر نبی کی کسی چیز سے بھی تبرک لینا درست نہیں بلکہ ایسا قیاس فاسد ہے۔

(ج) حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں تورات کا صحیفہ دیکھ کر نبی کریم ﷺ سخت برہم ہوئے کیونکہ ہمیں گذشتہ شریعتوں کی پیروی سے منع کر دیا گیا ہے۔ (۲)

(د) آثار کی پیروی امتوں کے لئے ہلاکت ہے جیسا کہ عمرؓ فرماتے ہیں کہ تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ انبیاء کے آثار پر اپنی عبادت گاہیں کھڑی کر لیتے تھے۔ (۳)

---

(۱) [تفسیر ابن جریر (۶۱۱/۲)]

(۲) [احمد (۳۸۷/۳) مجمع الزوائد (۱۷۳/۱) البزار (۷۸/۱)]

(۳) [ابن ابی شیبۃ (۳۷۶/۲) صححہ الالبانی تحذیر الساجد (۱۳۷)]

(ر) ممکن ہے کہ ان کے ہاں تابوت کی تعظیم اور اس کے ساتھ مدد طلب کرنا مشروع ہو جس طرح ہمارے لئے کعبہ، حجراسود وغیرہ کی تعظیم مشروع ہے۔

تیسری آیت:۔ ﴿واتقوا اللہ الذی تسالون بہ والارحام﴾ (النساء۔۱)

''اس اللہ سے ڈر جاؤ جس کے ساتھ تم آپس میں سوال کرتے ہو اور رشتہ داری (کے معاملے میں بھی ڈر جاؤ)''

اس آیت سے بھی مخلوق سے سوال کرنے اور اس کی قسم کھانے پر استدلال کیا جاتا ہے جس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ''ارحام'' کی دو قرأتیں ہیں۔(۱) پہلی اور عام مشہور قرأت یہ ہے کہ اسے ہمزہ کے فتح کے ساتھ اَرْحام پڑھا جائے جس کا عطف لفظ اللہ پر ہوگا۔ جمہور مفسرین نے اس کو اختیار کیا ہے اور دوسری قرأت میں ہمزہ کو کسرہ کے ساتھ اِرْحام پڑھا جاتا ہے جس کا عطف بہ ضمیر پر کیا جاتا ہے مگر ضمیر پر عطف کلام عرب میں انتہائی نادر الوقوع ہے لہٰذا پہلی قرأت مشہور کے مطابق آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ ''اللہ سے ڈر جاؤ اور رشتہ داری توڑنے سے ڈر جاؤ یا اللہ سے رشتہ داریوں کے بارے میں ڈرتے رہو؟ اِرْحام بالکسرۃ بھی اصح قول کے مطابق جائز ہے۔ ابن مالک کا یہ مذہب ہے۔ اس قرأت میں آیت کا معنی ہوگا کہ اللہ سے ڈرتے رہو جب تم آپس میں سوال کرو۔ جس طرح سائل مسئول سے کہتا ہے، میں تجھ سے رحم کے حق کا سوال کرتا ہوں۔ یہ مخلوق کی قسم نہیں بلکہ صلہ رحمی کو پورا کرنے پر تاکید کی گئی ہے۔

شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ﴿أسألک بالرحم﴾ ''میں تجھ سے ناطے کا سوال کرتا ہوں۔'' یہ رحم (رشتہ داری) قسم نہیں کیونکہ مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں۔ رشتہ داری کے کچھ حقوق و فرائض ہوتے ہیں اس لئے رشتہ داری کے سبب سوال کرلیا جاتا ہے۔ جس طرح عبداللہ بن جعفر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کے بھائی جعفر کے حق سے سوال کیا تو انہوں نے اسے عطا کیا اور یہ قسم سے متعلقہ چیز نہیں کیونکہ قسم کے لئے تو جعفر سے بڑھ کر عظیم چیز موجود ہے اس لئے یہ رشتہ داری کا حق تھا جو جعفر رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تھا۔(۲)

لہٰذا مذکورہ آیت میں ارحام کو بکسرہ پڑھنے کے باوجود یہ مخلوق کی قسم کا معنی ادا نہیں کرتی کیونکہ مخلوق کی قسم کھانے سے منع کیا گیا ہے اور اس ممانعت پر علما کا اتفاق ہے۔

چوتھی آیت:۔ ﴿ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما﴾ (النساء۔۶۴)

---

(۱) [تفسیر طبری (۲۲۶/۴) معالم التنزیل (۳۸۹/۱)]

(۲) [قاعدہ فی التوسل (۳۳۹/۱) اقتضاء الصراط (۴۲۱)]

''اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو تیرے پاس آئیں۔ پس وہ اللہ سے معافی مانگیں اور رسول بھی ان کے لئے (اللہ سے) معافی طلب کرے تو وہ اللہ کو بڑی توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔''

اس آیت سے بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی زندگی میں اگر کوئی گنہگار ہو تو وہ آپ ﷺ کے پاس آکر گناہ معاف کروائے اور آپ ﷺ کی زندگی کے بعد بھی آپ کے ذریعے استغفار طلب کیا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں مزید کچھ واقعات بھی پیش کئے جاتے ہیں جن کا جواب حسب ذیل ہے:۔

(۱) یہ آیت نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ یہ ان کے بارے میں نازل ہوئی جو آپ ﷺ کو چھوڑ کر طاغوت کے پاس اپنا معاملہ لے کر جاتے تھے اور رسول ﷺ کے حقوق میں سے ایک حق کو پس پشت ڈال دیتے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کی توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہو سکتی تھی جب کہ وہ آپ کے پاس آکر اپنی غلطی کا اعتراف نہ کر لیں۔ اسی لئے آیت میں ''لو'' حرف شرط ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ جواب کے لئے شرط کا وجوب ضروری ہے۔ اس لئے مذکورہ آیت میں ایسے لوگوں کا اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آکر اللہ سے معافی مانگنا شرط ٹھہرایا گیا کیونکہ رسول کو چھوڑ کر طاغوت کے پاس معاملہ لے جانا یہی ایک ایسا گناہ ہے جس میں صرف اللہ کی توہین ہی نہیں بلکہ رسول ﷺ کے حقوق میں بھی اہانت ہے اس لئے ایسے لوگوں کے لئے رسول کے پاس آنے کو شرط قرار دیا گیا۔[1]

(۲) اس آیت میں ''جاؤک'' (تیرے پاس آئیں) ہے جو آپ ﷺ کی زندگی پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ جو اللہ کے رسول کی قبر پر آئے، اس کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا بلکہ یوں کہا جائے گا کہ ''اللہ کے رسول کی قبر پر آئے۔''

(۳) ﴿استغفر لهم﴾ تو (نبی) ان کے لئے (اللہ سے) استغفار کر۔ اس میں بھی اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی مراد ہے کیونکہ آپ زندگی ہی میں کسی کے لئے معافی طلب کر سکتے تھے لیکن وفات کے بعد آپ ﷺ کا کسی کے لئے معافی طلب کرنا محتاج دلیل ہے اور ایسی کوئی صحیح وصریح دلیل نہیں اور وہ حدیث کہ ''مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں'' (اس پر مناقشہ ابھی ذکر کیا جائے گا) اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس سے تمام امت کے اعمال مراد ہیں نا کہ صرف ان لوگوں کے جو آپ کے پاس جائیں!

(۴) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو دوسرے لوگوں سے زیادہ قرآن کی تفسیر سمجھنے والے تھے، وہ اس آیت کا یہ مفہوم اخذ نہیں کرتے تھے کہ آپ ﷺ کی زندگی اور زندگی کے بعد بھی آپ ﷺ سے معافی طلب کریں وگرنہ انہیں تو آپ کی وفات کے معا بعد ان گنت مشکلات نے گھیر لیا تھا مثلاً نبی کریم ﷺ کی تدفین، وراثت اور خلافت کا مسئلہ، پھر جنگ جمل اور

---

(۱) [تفسیر المنار (۵/۱۹۰)]

جنگ صفین جس میں انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا مگران میں سے کوئی بھی آپ کی قبر پر معافی یا مدد وغیرہ کے لئے نہیں آیا حالانکہ صحابہ کرام ؓ آپ کی زندگی میں اس سے بدرجہا چھوٹے مسائل میں آپ کی طرف مراجعت کرتے خواہ کسی کو کوئی خانگی مسئلہ ہوتا۔ آپ کی وفات کے بعد کوئی صحابی ؓ بھی آپ کی قبر کے پاس کسی ایسے مسئلہ کے لئے نہیں گیا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اس آیت کا وہ معنی ومفہوم مراد نہیں لیا جو یہ لوگ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ ''صحابہ کرام، تابعین اوران کے بعد آنے والے دیگر مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ کسی نے بھی نبی ﷺ کی موت کے بعد آپ ﷺ کی قبر پر آکر کسی شفاعت کا مطالبہ کیا نہ آپ سے سوال کیا اور نہ ہی کسی ایسے واقعہ کو مسلمانوں کے اماموں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔''(۱)

(۵) آپ ﷺ کی زندگی میں اگر کسی ظالم مسلمان کو آپ ﷺ کے پاس جانے کی دعوت دی جاتی کہ آپ اس کے لئے معافی طلب کریں تو اس پر بشرط قدرت آپ کے پاس جانا واجب ہو جاتا کیونکہ منافقین کا وطیرہ یہ تھا کہ ''جب انہیں کہا جاتا کہ آؤ رسول تمہارے لئے معافی طلب کرے تو وہ اپنے سر پھیر لیتے۔'' (المنافقون۔۵)

اس لئے آیت مذکورہ سے قبر پر حاضری کا جواز ممکن نہیں اور جو شخص آپ کی زندگی اور موت کو یکساں حیثیت سے دیکھتا ہے وہ باطل پر ہے اور اللہ اور اس کے رسول کے کلام حق میں ناحق کی آمیزش کرتا ہے۔(۲) ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں وگرنہ بے شمار محققین نے اس آیت کے مندرجہ غلط مفہوم کی خوب تردید کی ہے۔

پانچویں آیت:۔ ''اے اہل ایمان! اللہ سے ڈر جاؤ اور اس کی طرف وسیلہ طلب کرو اور اس کے راستے میں جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔'' (المائدہ۔۳۵)

اس آیت سے بعض لوگوں نے ولیوں سے مدد طلب کرنے اور انہیں اللہ کے درمیان وسیلہ بنانے کا استدلال کیا ہے اور کہا کہ ''اس آیت میں وسیلہ کے عموم کو پیش کیا گیا ہے جس میں نیک لوگوں کی ذات کا وسیلہ پکڑنا بھی شامل ہے۔

آیت مذکورہ کا جواب:۔

(۱) ہم لغت، شریعت اور علمائے سلف کی عبارتوں سے توسل کا معنی واضح کر چکے ہیں جس میں توسل بالذات ایسا من گھڑت معنی داخل نہیں۔ اس لئے اس سے کسی ایسے توسل کو جائز نہیں کہا جا سکتا جو نزول آیت کے وقت متعارف نہ ہوا تھا چنانچہ کسی مفسر نے بھی اس وسیلہ سے توسل بالذات مراد نہیں لیا۔ بنابریں آیت مذکورہ سے توسل بالذات کی

---

(۱) [قاعدة فی التوسل (۱۹)]

(۲) [الصارم (۳۲۱)]

تفسیر، تفسیر بالرائے ہے جو قابل مذمت ہے۔ توسل سے مراد اعمال صالحہ ہیں جو خود انسان انجام دیتا ہے۔

(۲) ''اللہ کی طرف وسیلہ طلب کرو۔'' اس آیت میں طلب وسیلہ کا حکم دیا گیا ہے اور حکم عدم قرینہ کی وجہ سے وجوب کے لئے ہوتا ہے لہٰذا اگر ہم یوں کہیں کہ اس وسیلہ میں ذات کا وسیلہ بھی شامل ہے تو توسل بالذات واجب قرار پاتا ہے مگر اس کے وجوب کا کوئی بھی قائل نہیں۔ متاخرین میں سے کچھ لوگ صرف اس کے استحباب کے قائل ہیں حالانکہ قرینہ صارفہ بھی موجود نہیں کہ اسے وجوب سے پھیر سکے لہٰذا ثابت ہوا کہ آیت میں توسل بالذات کا مفہوم ہی نہیں ہے۔

(۳) نبی کریم ﷺ قرآن کی وضاحت وتشریح کے لئے مبعوث ہوئے کہ ''ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کے لئے وضاحت کریں اس کی جوان کی طرف نازل کی گئی۔'' (النحل۔۴۴) لیکن آپ ﷺ نے اس وسیلہ کی توسل بالذات سے تشریح نہیں کی کیونکہ آپ نے نہ کبھی اپنی ذات مبارکہ سے وسیلہ طلب کیا، نہ سابقہ انبیاء کی ذات سے، نہ مقرب فرشتوں اور نہ ہی اپنے صحابہ ﷺ سے وسیلہ طلب کیا۔ حالانکہ بے شمار دعائیں آپ ﷺ سے منقول ہیں جن پر کئی کئی جلدوں میں کتابیں لکھی گئی ہیں مگر توسل بالذات کی ایک بھی صحیح یا حسن روایت منقول نہیں۔

(۴) صحابہ کرام ﷺ نے اپنے کسی بھی سفر یا مشکل میں نبی ﷺ کی ذات مبارکہ کا وسیلہ طلب نہیں کیا ورنہ کئی ایک صحابہ سے یہ منقول ہوتا کہ وہ نبی ﷺ اور ابوبکر وعمر، عثمان وحیدر، عشرہ مبشرہ بدری صحابہ اور بیعت رضوان والے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ذاتوں سے مختلف انداز میں وسیلہ طلب کرتے مگر ایسا کوئی واقعہ منقول نہیں۔ کیا وہ لوگ اس آیت کا ایسا مفہوم نہ سمجھے جیسا بعد والوں نے ایجاد کیا؟

(۵) آیت مذکورہ میں عبادات واطاعت کے ذریعے جس وسیلہ کے طلب کا حکم دیا گیا ہے، وہ عبادت ہے اور عبادات توقیفی ہوتی ہے اور توسل بالذات پر کوئی ایک صریح دلیل بھی نہیں لہٰذا اسے اپنانا دین میں اضافہ (بدعت) ہے۔

(۶) آیت مذکورہ کا الٹ مفہوم نکالا جاتا ہے مثلاً آیت میں بذریعہ حصر اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ صرف اللہ سے وسیلہ طلب کیا جائے لیکن توسل بدعی میں اللہ کی طرف رغبت کی بجائے درمیان میں دیگر افراد کو داخل کرلیا جاتا ہے اور آیت کا مطلوبہ حصر ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ امام نوویؒ اعمال صالحہ سے توسل میں غار والوں کے واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

''اس میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ اللہ کی طرف مطلق توجہ ہونی چاہیے کیونکہ دعا کا مقصود ہی یہ ہے۔''[1] جب امام نوویؒ جیسے لوگ دعا میں مطلق طور پر اللہ ہی کی محتاجی کے قائل ہیں تو وہ غیر اللہ کو پکارنے والے بدعی توسل کو کیسے جائز کہہ سکتے ہیں۔

---

(۱) [الاذکار (۳۵۵)]

(۷) سورۃ الاسراء میں بھی لفظ وسیلہ وارد ہوا ہے مثلاً ارشاد باری ہے ''آپ کہہ دیں کہ جنہیں تم اس (اللہ) کے سوا کچھ خیال کرتے ہو، وہ تو تم سے تکلیف دور نہیں کر سکتے نہ اسے پھیر سکتے ہیں۔ یہ لوگ جنہیں وہ پکارتے ہو (یہ تو خود) اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ قریبی ہے اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔ بلاشبہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے۔'' (۵۶،۵۷)

اس آیت میں لفظ وسیلہ کا وہ مفہوم مراد لینا سیاق وسباق کے منافی ہے جو پانچویں آیت میں لیا جا رہا ہے کیونکہ اس آیت کے مطابق مدعوئیں تو خود اللہ کو پکارتے ہوئے اس کا وسیلہ اور قرب تلاش کرر ہے ہیں۔ پھر تمہارا ان مدعوئیں کو پکارنا چہ معنی دارد؟ اس لئے تمہیں بھی ان کے طریقے پر چلتے ہوئے اللہ کا قرب تلاش کرنا چاہیے لہٰذا یہ آیت بدعی وسیلے کی تردید کرتی ہے۔ سو اس آیت نے گذشتہ آیت کی تفسیر کر کے واضح کر دیا کہ اس میں بدعی وسیلہ کی کوئی گنجائش نہیں اور جو کوئی ان آیتوں میں فرق کر کے بدعی وسیلہ ثابت کرے، اسے اپنے دعوے کی دلیل بھی پیش کرنا چاہیے مگر ایسا ناممکن ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے وسیلے کی طلبی کا حکم دیا ہے اور ضروری ہے کہ اس دینی حکم کی وضاحت بھی اللہ تعالیٰ کر دیں اور قرآن مجید میں ہے کہ ''آج کے دن ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا ہے اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا ہے۔'' (المائدہ۔۳)

اتمام دین کے باوجود قرآن مجید میں کسی ایک مقام پر بھی بدعی توسل بالذات کا ثبوت نہیں اور نہ ہی اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور ولیوں کی دعاؤں میں سے کسی دعا میں بیان کیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ یہ اللہ کے قرب کا کوئی ذریعہ نہیں اور نہ یہ دین میں سے کچھ ہے نہ نبیوں اور ولیوں کی دعا سے ثابت ہے لہٰذا یہ بدعت ہے اور آیت مذکورہ سے اس کا مفہوم نکالنا غلطی ہے۔ وسیلہ تلاش کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت، فرمانبرداری اور نیک اعمال کے ذریعے اس کا قرب تلاش کیا جائے جیسا کہ قتادہ، ابووائل، عطا، مجاہد، حسن بصری، ابن کثیر، حذیفہ وغیرہ نے بیان کیا ہے۔[۱]

عبدالرحمٰن بن زید نے وسیلہ سے مراد محبت لی ہے۔ یعنی اللہ سے محبت کرو اور اس محبت کو اس کی رضا کے لئے وسیلہ بناؤ۔ اسی طرح سدی نے وسیلہ سے مراد سوال لیا ہے یعنی صرف اللہ تعالیٰ سے سوال اور قربت طلب کرو۔ غیر اللہ سے نہیں۔ ابن عباس نے وسیلہ سے مراد حاجت لی یعنی صرف اللہ سے اپنی حاجت طلب کرو۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ ''صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اس سے اپنی مراد مانگو کیونکہ اسی کے ہاتھ میں آسمان وزمین کی کنجیاں ہیں لیکن غیر اللہ کی طرف متوجہ ہو کر کچھ طلب نہ کرو کہ تم گھاس پھونس کی طرح عاجز ہو جاؤ۔[۲]

---

(۱) [طبری (۲۲۶/۶) الدر المنشور (۲۸۰/۲) حاکم (۷۸/۲) ابن کثیر (۵۲/۲)]

(۲) [روح المعانی (۱۲٤/٦)]

ان تمام تفاسیر میں وسیلہ سے مراد اللہ کی خالص اطاعت، محبت، اس سے سوال اور حاجت طلب کرنا ہے جس میں کسی ذات کو وسیلہ بنانا شامل نہیں۔ حافظ ابن کثیر وسیلہ کی تفسیر قرب کے ساتھ بیان کر کے لکھتے ہیں کہ ائمہ سے اسی طرح منقول ہے۔ جس میں مفسرین کا اختلاف نہیں۔[1] ابن جریر نے بھی وسیلہ بمعنی قرب بیان کر کے کہا کہ اہل تاویل نے بھی اس کی تفسیر یہی کی ہے۔ پھر ان لوگوں کے اقوال ذکر کئے جو وسیلہ کو بمعنی قرب، سوال، محبت وغیرہ بیان کرتے ہیں اور ثابت کیا کہ یہ موصوف کی تفسیر کے ہم معنی ہی ہے۔[2] قرطبی سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔[3] سلف مفسرین کی تفاسیر بالکل متقارب المعنی ہوتی ہیں اگرچہ الفاظ میں اختلاف ہوتا ہے مگر جاہل اسے حقیقی اختلاف سمجھ لیتا ہے حالانکہ فی الحقیقت ایسا نہیں کیونکہ ان کا طرز استدلال مختلف ہوتا ہے مگر معنوی طور پر سب کا اتحاد ہوتا ہے۔

مذکورہ آیت میں علمائے تفسیر کی تفاسیر سے واضح ہو چکا ہے کہ وسیلہ کا معنی ہے اعمال صالحہ کے ذریعے اللہ کا قرب تلاش کیا جائے لیکن اختلاف اس میں ہے کہ کسی ذات کے ذریعے اللہ کا قرب تلاش کیا جا سکتا ہے؟ یہ بات محتاج دلیل ہے کیونکہ یہ شریعت سے تعلق رکھتی ہے جس کے لئے شرعی دلیل لازمی ہے ورنہ ہر کوئی اپنی طرف سے قرب کا کوئی ذریعہ گھڑ کے اسے وسیلہ بنا لے گا۔ اس لئے شریعت میں اعمال صالحہ کے ذریعے اللہ کا قرب تلاش کرنا تو موجود ہے مگر توسل بدعی کی کوئی شرعی دلیل نہیں۔ صرف اس بنا پر کسی ذات کو وسیلہ نہیں بنایا جا سکتا کہ وہ قابل تعظیم شخصیت ہے کیونکہ اس کا اللہ نے حکم نہیں دیا اور جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا، اس پر عمل کرنا اللہ کی بے ادبی ہے۔ علاوہ ازیں توسل بالذات ہی کی وجہ سے دنیا میں شرک کا دروازہ کھلا تھا لہٰذا ثابت ہوا کہ کسی ذات کی حرمت و تعظیم دلیل نہیں بلکہ اصل دلیل حکم شرعی ہے۔

(۹) اس آیت ہی میں تقویٰ اور جہاد جیسے اعمال صالحہ کی ترغیب دے کر قرب الٰہی کے حصول پر توجہ دلائی گئی ہے اور ان اعمال کا تعلق آخرت سے ہے نا کہ دنیا سے۔ اس لئے سیاق وسباق سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت کا مقصود آخرت کی بہتری ہے۔ شیخ ابن تیمیہؒ کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ''اللہ کا وسیلہ تلاش کرو'' اس کا ''اللہ سے ڈر جاؤ'' پر عطف ہے یعنی خاص کا عام پر عطف ہے لہٰذا وسیلہ تلاش کرنا اتمام تقویٰ سے ہے۔ خاص کو عام پر معطوف کرنے میں خاص کو امتیاز دینا مقصود ہوتا ہے۔ اور ہر کوئی جانتا ہے کہ توسل بالذات کو حصول تقویٰ میں دوسری اطاعات پر کوئی امتیاز نہیں دیا جا سکتا۔

---

(۱) [ابن کثیر (۵۲/۲)]

(۲) [طبری (۲۲۶/۶)]

(۳) [قرطبی (۱۵۹/۶)]

چھٹی آیت:۔ ''اس (سلیمانؑ) نے کہا: اے سردارو! تم میں سے کون اس کے عرش کو ان کے مطیع بن کر آنے سے پہلے لے آئے گا؟'' (النمل۔۳۸)

اس آیت سے بعض لوگوں نے اس چیز کا استدلال کیا ہے کہ مخلوق سے ایسی چیز کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے جو مافوق الاسباب ہو اور صرف اللہ ہی اس پر قادر ہو۔ اس کا جواب حسب ذیل ہے:۔

(۱) سلیمانؑ نے جن سرداروں سے یہ مطالبہ کیا تھا، ان میں جن وشیاطین سب شامل تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ نے ایسی بے شمار چیزوں پر قدرت دے رکھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اور شیاطین میں سے ایسے بھی تھے جو اس کے لئے غوطہ خوری کرتے اور اس کے علاوہ کام کرتے۔'' (الانبیاء۔۸۲) اسی طرح وہ حضرت سلیمانؑ کے حکم سے بڑی بڑی عمارتیں، دیگیں اور دیگر چیزیں بنایا کرتے تھے لہٰذا حضرت سلیمانؑ نے ان سے اسی چیز کا مطالبہ کیا جس پر وہ قادر تھے۔

(۲) اس واقعہ سے توحید باری تعالیٰ کی دلیل ملتی ہے اس لئے کہ جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا، اس نے اللہ سے وسیلہ پکڑا، اس کے حضور دعائیں کیں اور یہ بھی مروی ہے کہ وہ اسم اعظم جانتا تھا اور اس نے یاذالجلال والاکرام کہا، یا یہ بھی مروی ہے کہ اس نے کہا:۔ اے ہمارے معبود! اور ہر چیز کا صرف تو ہی سچا معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تو وہ عرش لا دے۔[1] یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے وضو کر کے دوگانہ ادا کیا اور اللہ کے حضور دعا کی۔ نہ حضرت سلیمان کو پکارا، نہ ان کا یا گذشتہ کسی نبی کا وسیلہ طلب کیا بلکہ صرف اللہ ہی سے دعا کی۔

(۳) حضرت سلیمانؑ نے دعا نہیں مانگی تھی بلکہ حکم دیا تھا جس طرح کوئی بادشاہ اپنی رعیت کو کسی بات کا حکم دیتا ہے۔

(۴) اگر اسے دعا بھی مانا جائے تو یہ زندہ اور حاضر سے دعا کا مطالبہ ہے جو جائز ہے بالخصوص جب کسی کے مستجاب الدعوات ہونا معروف ہو۔ کہا جاتا ہے کہ وہ آدمی اسم اعظم جانتا تھا اور اس کی دعا ہمیشہ قبول ہوتی تھی اور دعا میں یہ بھی شرط نہیں کہ مطلوب طالب سے افضل ہو بلکہ نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ سے دعا کے لئے کہا۔ عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے دعائے استسقاء کی درخواست کی۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرؓ کو اویس قرنی (تابعی) سے استغفار کروانے کی نصیحت کی تھی۔[2]

(۵) یہ بھی ممکن ہے حضرت سلیمانؑ نے وحی کے ذریعے یہ حکم دیا ہو کیونکہ وہ نبی بھی تھے اور اللہ نے انہیں حکم دیا ہو کہ اپنے لشکر کو تخت لانے کا حکم دو اور جن وشیطان اور انسان سب دعا کریں اور سلیمان کے امتی (انسان) کی قبولیت

---

(۱) [دیکھئے طبری (۱۹/۱۶۳) الدر المنثور (۵/۱۰۹)]

(۲) [مسلم (۲۵٤۲)]

کے ذریعے حضرت سلیمانؑ کے پیروکاروں کی کرامت اور فضیلت تسلیم کروائی جائے۔لہٰذا اگر یہ واقعہ وحی کے ساتھ تھا تو اس میں قیاس ممکن نہیں۔

(۶) علاوہ ازیں یہ واقعہ گذشتہ ایک شریعت میں ہوا جس کی ہماری شریعت نے مطابقت نہیں کی بلکہ غیر اللہ سے مافوق القدرت معاملات میں مطالبات کو ناجائز قرار دیا۔

ساتویں آیت:۔ ﴿فاستغاثه الذی من شیعته علی الذین من عدوه﴾ (القصص۔۱۵)

''اس شخص نے اس (موسیٰ) سے اپنے دشمن کے خلاف مدد طلب کی جوان کے گروہ سے تھا''

اس آیت سے بعض لوگوں نے مردوں اور غائبوں سے مدد طلب کرنے پر استدلال کیا ہے۔اسی طرح شفاعت کبری والی[1] اور دیگر روایات سے بھی استدلال کیا گیا ہے جن کا تفصیلی جواب درج ذیل ہے:۔

(۱) معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو جائز اور ناجائز استغاثے کی تمیز معلوم نہیں۔اس لئے یہ علم ہونا چاہیے کہ استغاثہ کی دو قسمیں ہیں۔جائز اور ناجائز۔جائز استغاثہ یہ ہے کہ کسی زندہ حاضر سے کسی ایسی چیز میں مدد طلب کرنا جس کی وہ طاقت رکھتا ہو۔''لہٰذا ظاہری عادی اسباب میں مدد طلب کرنا درست ہے مثلاً جنگ میں، دشمن اور درندے وغیرہ کے خلاف مثلاً اے فلاں! اے مسلمانو! میری مدد کرو۔''[2]

ناجائز استغاثہ یہ ہے کہ حاضر مخلوق سے کسی ایسی چیز کا سوال کرنا جو اس کی طاقت میں نہیں یا غائب، میت وغیرہ سے ایسا سوال کرنا جس پر صرف زندہ قدرت رکھتا ہو۔''لہٰذا غیبی قوت و تاثیر میں یا مرض، خوف، تنگی، محتاجی، طلب رزق وغیرہ جیسے معنوی امور میں مخلوق سے مدد طلب کرنا جائز نہیں۔''[3]

یہ اللہ کے لئے خاص ہے کہ صرف اسی سے مدد طلب کی جائے کیونکہ ''مافوق الاسباب چیزوں پر قدرت، دلوں کی ہدایت، گناہوں کی بخشش، دشمن پر مدد، طلب رزق کی غیر متعین صورت میں، جنت کی کامیابی، آگ سے نجات وغیرہ انتہائی درجے کی چیزیں ہیں اور انہیں طلب کرنے کے لئے بھی انتہائی عاجزی اور مسکینی کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے جو خالق کے علاوہ مخلوق کے لئے بجالانا درست نہیں۔''[4] دعا کے غیر مشروع درجات کی بحث میں بھی اس کی تفصیل گذر چکی

---

(۱) [بخاری (۱٤٧٥) مسلم (١٩٤)]

(۲) [تیسیر العزیز (٢٣٤)]

(۳) [القول الفصل (٥١)]

(٤) [تحفة الطالب (١٠٤)]

ہے۔ مذکورہ آیت جیسی مثالوں سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں جو استغاثہ کی جائز قسم سے متعلقہ ہیں۔ حضرت موسیٰ زندہ اور سامنے موجود تھے تو ان کی قوم کے آدمی نے ان سے مدد طلب کی، اسی طرح روز محشر سب انبیاء لوگوں کے سامنے موجود ہوں گے اور لوگ ان سے شفاعت کی گذارش کریں گے اور فرداً فرداً انبیاء کے پاس جائیں گے۔ لیکن اگر اس میں توسل بالذات وغیرہ کی گنجائش ہوتی تو لوگ انبیاء کے پاس جانے کی بجائے اپنی جگہ سے ہی ان کے ناموں سے انہیں پکار کر اور ان کے واسطے دے کر پکارتے۔

اسی طرح یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکا گیا تو جبریلؑ حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں آپ کی مدد کروں۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ اگر تو اپنی طرف سے آیا ہے تو مجھے ضرورت نہیں۔ اول تو یہ واقعہ ثابت نہیں۔ اگر بالفرض اسے صحیح تسلیم بھی کیا جائے تو یہ استغاثے کی قسم اول سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ جبریلؑ نہایت طاقتور ہیں اور وہ ابراہیمؑ کو آگ سے نکال کر دور پہنچانے کی قدرت رکھتے تھے۔

آٹھویں آیت:۔ ''ان کے لئے اپنے رب کے پاس وہی ہے جس کی وہ طلب کریں۔'' (الزمر۔۳۴)

اس آیت سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ اولیاء اپنی قبروں سے جب کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں اور اللہ سے اس کا مطالبہ کرتے ہیں تو وہ انہیں ضرور ملتی ہے لہٰذا اگر ان ولیوں کو پکارا جائے تو یہ ضرور جواب دیں گے۔

مذکورہ شبہہ کا جواب:۔

(۱) اس آیت کی جو تفسیر ان لوگوں نے کی ہے، اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ ان اولیاء کو مشیت مطلقہ مل چکی ہے حالانکہ مشیت مطلقہ صرف اللہ رب العزت کا حق ہے۔

(۲) یہ آیت صرف اولیاء کے لئے ہی خاص نہیں بلکہ یہ تمام اہل ایمان کو شامل ہے جیسا کہ سورۃ شوریٰ میں ہے کہ ''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے، وہ جنت کے باغوں میں ہوں گے، ان کے لئے ان کے رب کے پاس وہ ہے جو وہ چاہیں گے۔'' (۲۲) اسی طرح سورۃ زمر کی مذکورہ آیت بھی تمام اہل ایمان کو شامل ہے جیسا کہ ابن جریر طبری[1] نے اس سے گذشتہ آیت سے یہ استدلال کر کے اسے راجح قرار دیا ہے کہ یہ تمام اہل ایمان کے بارے میں ہے۔ لہٰذا اگر یہ آیت تمام اہل ایمان کے لئے ہے تو پھر ہر مسلمان ہی اپنی قبر میں تصرف و مشیت سے بہرہ مند ہو اور ہر مسلمان کو بلا تفریق مشکلات میں پکار لینا چاہئے!! حالانکہ یہ اسکے قائل نہیں۔

(۳) یہ تفسیر صحیح دلائل کے خلاف ہے کیونکہ صحیح دلائل کے مطابق میت کو دنیاوی امور میں نہ تصرف کی قدرت ہے

---

(۱) [طبری (٤/٢٤) فتح الباری (٣٩٥/١٣)]

نہ اس میں تاثیر کی مشیت حاصل ہے۔

(۴) آیت کا سیاق وسباق بتاتا ہے کہ یہ جنت میں اہل جنت کو انعام دیا جائے گا کہ جو وہ چاہیں گے، وہاں پائیں گے اور ان کے بالمقابل کافروں کے لئے کہا ''کیا جہنم میں کافروں کے لئے ٹھکانہ نہیں !۔''

(۵) اگر ہم ان کی تفسیر مان لیں کہ قبر میں لوگوں کو مشیت مطلقہ حاصل ہے تو یہ دوسرے نصوص کے متعارض ہے جن میں اعمال پیش کئے جانے کا ذکر ہے۔

(۶) اس آیت کی صحیح تفسیر یہی ہے کہ یہ جزا جنت میں دی جائے گی کہ اہل جنت جو چاہیں گے، جو خواہش کریں گے، وہی انہیں حاصل ہوگا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔''جنت کو متقی حضرات کے قریب کر دیا جائے گا کہ یہ ہے ہر رجوع اور محافظت کرنے والے کے لئے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ جو رحمٰن سے غیب ہی میں ڈر گیا اور رجوع والا دل لے کر آیا۔ تم اس (جنت) میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یہ ہیشگی کا دن ہے ان (اہل جنت) کے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جس کی یہ طلب کریں اور ہمارے پاس مزید (انعامات بھی) ہیں۔ (ق۔۳۱ تا ۳۵)

نیز فرمایا کہ'' آپ کہہ دیں! کیا یہ بہتر ہے یا ہیشگی والی جنت جس کا متقی لوگوں سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ وہ ان کے لئے جزا اور لوٹنے کی جگہ ہے۔ ان کے لئے اس میں ہے جو وہ چاہیں۔ وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ تیرے رب پر وعدہ ہے جس کا سوال کیا جائے گا۔ ارشاد باری ہے کہ

''اس جنت میں وہ کچھ ہوگا جس کی نفس خواہش کرے گا اور آنکھیں لذت پکڑیں گی۔'' (الزخرف۔۷۱)

ان تمام آیات سے واضح ہوا کہ یہ انعامات جنت میں ملیں گے، برزخی زندگی میں نہیں۔ سیاق وسباق اور مفسرین کی تفاسیر بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ طبریؒ، ابن کثیرؒ، قرطبیؒ وغیرہ مفسرین نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔[1] اور کسی بھی مفسر نے اس آیت کی اس سے ہٹ کر قبر یا برزخ کی تفسیر نہیں کی۔ وگرنہ وہ تفسیر بالرائے ہے جس سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔ نواب صدیق حسن خانؒ فرماتے ہیں کہ ''اس میں اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے اور وہ خلاف ورزی نہیں کرتا، یہ کہ انہیں آخرت میں یہ حاصل ہوگا جیسا کہ دیگر آیات اور احادیث سے ثابت ہے اور اس سے عمومیت کا دعویٰ کرنا بعید از کار ہے۔''[2]

نویں آیت:۔ ﴿فالمدبرات امرا﴾ (النازعات۔۵) ''وہ معاملے کی تدبیر کرنے والی ہیں۔''

---

(۱) [طبری (۵/۲٤) ابن کثیر (۵۳/٤) قرطبی (۲۵۷/۱۵)]

(۲) [قطف الثمر (۱۰۵)]

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ مردوں کو ضرورت کے وقت پکارنا جائز ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ فضیلت والی ارواح ہیں جب یہ بدن سے جدا ہوتی ہیں تو کائنات میں اثرات پیدا کرتی ہیں اور اسی آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ''معاملے کی تدبیر کرتی ہیں۔'' کبھی کبھار انسان خواب میں اپنے شیخ کو دیکھتا ہے اور اس سے اپنی مشکل کا سوال کرتا ہے تو وہ اس کی رہنمائی کر دیتا ہے۔(۱)

مذکورہ شبہے کا جواب:۔

(۱) یہ تفسیر چونکہ سلف میں سے کسی سے مروی نہیں اور نہ ہی قرآنی سیاق ونظم اس کی تائید کرتا ہے، اس لئے یہ مذموم تفسیر بالرائے ہے۔

(۲) سلف مفسرین نے مدبرات سے مراد فرشتے لئے ہیں اور اس میں ان کا اختلاف نہیں البتہ نازعات، ناشطات، سابحات اور سابقات میں ان کا اختلاف ضرور ہے لیکن مدبرات پر سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ علی، مجاہد، عطا، ابوصالح، حسن، قتادہ، ربیع بن انس، سدی وغیرہ نے اس سے مراد فرشتے لئے ہیں۔ حسن بصریؒ نے اتنا زیادہ کیا کہ وہ فرشتے آسمان سے زمین کی طرف اپنے رب کے حکم سے تدابیر کرتے ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ لہٰذا اس متفق تفسیر میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔

(۳) مدبرات سے مراد فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم سے تکوینی امور انجام دیتے ہیں لہٰذا انہیں پکارنا اور ان سے مدد طلب کرنا جائز نہیں بلکہ فرشتے انسانوں کے لئے مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں۔ فرشتے تکوینی کاموں پر منجانب اللہ مامور ہیں اور وہ کسی سائل کے سوال پر کچھ زیادہ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اس میں ان لوگوں کی بھی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ ہم آسمان کی طرف ہاتھ فرشتوں کی دعا کے لئے اٹھاتے ہیں جبکہ فرشتے غیر اللہ کو نہیں پکارتے۔

(۴) یہ نظریہ شرک کا دروازہ کھولنے والا ہے کہ مردوں کی روحیں معاملات کی نگرانی اور تدبیر کرتی ہیں۔ اس نظریئے سے بت پرستی شروع ہوئی اور بت پرست عقلی دلائل سے اسے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ قبیح ترین نظریہ ہے جسے کئی نام نہاد مسلمانوں نے بھی اپنا لیا ہے حالانکہ یہ صائبین اور فلاسفہ کا نظریہ ہے جو مردوں کی روحوں کو کائنات میں مؤثر گردانتے ہیں اس لئے کسی سلیم الفطرت مسلمان کو ایسی ہفوات بکنا زیب نہیں دیتا۔

ان آیات کے جوابات سے واضح ہو چکا ہے کہ قرآن مجید میں کسی آیت سے بھی کوئی ایسا ثبوت مہیا نہیں ہوتا کہ جو غیر اللہ کو پکارنے اور مردوں اور غائبوں سے وسیلہ پکڑنے پر دلالت کرے۔ اب ہم سنت صحیحہ ثابتہ سے بھی اسی موقف کو پیش کریں گے۔

---

(۱) [تفسیر رازی (۳۲/۳۰) روح المعانی (۳۰/۳۰)]

مبحث ثانی

صحیح احادیث سے غلط استدلال کا جائزہ

(1) ''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بوقت قحط عباس بن عبدالمطلب کے ذریعے بارش کی دعا کرواتے اور کہتے: یا اللہ! ہم اپنے نبی ﷺ کے ساتھ تجھ سے بارش طلب کیا کرتے تھے اور تو ہمیں بارش سے نوازتا تھا۔ (اب) ہم اپنے نبی کے چچا کے ساتھ تجھ سے وسیلہ طلب کرتے ہیں لہٰذا ہم پر بارش برسا۔ فرماتے ہیں کہ پھر وہ بارش برسائے جاتے۔''[1]

اس حدیث سے کچھ لوگوں نے توسل بالذات یا سفارش کو جائز قرار دیا ہے اور غیر اللہ سے مدد مانگنے پر حجت پکڑی ہے۔

جواب:۔ (۱) اس حدیث سے توسل بالذات وغیرہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس میں مشروع توسل کا ذکر ہے یعنی زندہ اور حاضر سے دعا طلب کرنا، اس میں مذکور ہے۔ علمائے سلف نے اس کا یہی معنی مراد لیا ہے چنانچہ امام بخاری اس حدیث پر یوں عنوان قائم کرتے ہیں۔ ''لوگوں کا حاکم سے بوقت قحط بارش کا مطالبہ کرنا۔''[2] بعض لوگوں نے امام بخاری پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ان کی احادیث عنوان سے مطابقت نہیں کرتیں۔[3] حالانکہ اگر دقت نظر سے کام لیا جائے تو امام بخاری کے زبردست استنباط سے ثابت ہو جاتا ہے کہ احادیث عنوان کے مطابق ہیں اور اعتراض کی کوئی معقولیت نہیں۔ دراصل اس میں لفظ توسل کو صحابہ کے مفہوم میں پیش کیا گیا ہے نا کہ متاخرین کے مفہوم میں۔ صحابہ کے نزدیک توسل بمعنی دعا اور شفاعت تھا، اس لیے وہ آپ ﷺ کی دعا اور سفارش کو وسیلہ پکڑتے تھے۔

جبکہ بہت سے لوگوں نے اسے توسل بالذات سمجھ لیا ہے لیکن اس کا صحیح معنی یہی ہے کہ ہم اپنے نبی ﷺ سے دعا اور سفارش کرواتے ہیں اور اللہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے نبی ﷺ کی دعا قبول کرے اور ہم اسے اپنے لیے سفارشی اور داعی بنا کر لائے ہیں۔ لوگ بھی آپ کے ساتھ دعا کرتے۔''[4] یہ معنی نہیں کہ ہم اس کا نام لے کر دعا کرتے ہیں۔

(۲) صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ سے آپ کی زندگی میں بارش کے لیے دعا کا مطالبہ کرتے جیسا کہ حدیث مذکور میں ہے بلکہ کافر بھی آپ ﷺ کی دعا کا وسیلہ پکڑتے تا کہ اللہ انہیں بارش دے جیسا

---

(۱) [بخاری (۱۰۱۰) ابن حبان (۲۸۵۰) ابن خزیمہ (۱۴۲۱)]

(۲) [بخاری مع الفتح (۴۹۴/۲)]

(۳) [ایضاً]

(۴) [الفتاوی (۳۴۴/۱)]

کہ ابن مسعود ﷜ کی حدیث میں ہے۔

❁ حضرت انس ﷜ سے مروی ہے کہ جمعہ کے روز اللہ کے رسول ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی آیا اور کھڑے ہو کر کہنے لگا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! مویشی ہلاک ہو گئے، راستے منقطع ہو گئے ہیں، آپ ﷺ اللہ سے ہمارے لیے بارش کی دعا کریں۔ نبی ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا شروع کر دی اور کہا: یا اللہ! ہمیں پلا، بارش برسا...... انس ﷜ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم آسمانوں پر ہمیں کوئی بادل نظر نہ آتا تھا پھر زوردار بارش ہونے لگی...... (۱)

❁ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے قحط کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے منبر لانے کا حکم دیا اور اسے عیدگاہ میں رکھا گیا اور اس دن لوگوں سے نکلنے کا وعدہ کیا۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ سورج طلوع ہونے کے بعد نکلے اور منبر پر بیٹھ کر اللہ کی تکبیر و تحمید بیان کی اور کہا کہ تم نے قحط سالی کی شکایت کی ہے اور اللہ نے تمہیں دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور اسے قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے ...... (۲)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام ﷢ آپ ﷺ کے نام یا جاہ و مقام کے واسطے سے سوال نہیں کرتے تھے بلکہ آپ سے بارش طلبی (وغیرہ) کی دعا کی سفارش کیا کرتے تھے حتیٰ کہ کافر بھی آپ ﷺ سے بارش کی دعا کی درخواست کیا کرتے تھے جیسا کہ ابن مسعود ﷜ سے مروی ہے کہ قریش والوں نے اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی تو نبی ﷺ نے ان کے لئے قحط سالی کی بددعا کی چنانچہ وہ قحط کا شکار ہو کر ہلاک ہونے لگے اور مردے اور ہڈیاں کھانے لگے۔ پھر ابو سفیان آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا اے محمد! تم رشتہ داری مضبوط کرنے کا حکم دیتے ہو جبکہ تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے۔ ان کے لئے دعا کیجئے...... چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے دعا کی اور ان پر بارش ہونے لگی۔ پھر سات راتیں مسلسل بارش ہوئی اور لوگوں نے بارش کی کثرت کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے دعا کی: یا اللہ! ہمارے اردگرد بارش برسا، ہمارے اوپر نہیں چنانچہ آپ کے سر کے اوپر سے بادل ہٹ گئے اور دائیں بائیں بارش ہونے لگی۔ (۳)

اس سے بھی ثابت ہوا کہ عمر فاروق ﷜ کی حدیث میں جس توسل کا ذکر ہے اس سے مراد دعا ہے۔ شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام جب قحط سالی کا شکار ہوتے تو نبی ﷺ کی دعا سے وسیلہ پکڑتے اور کسی صحابی سے ثابت نہیں کہ اس نے نبی کی زندگی میں کسی مخلوق وغیرہ سے کسی قسم کی بھی دعا کی ہو۔ (۴)

---

(۱) [بخاری (۹۳۲) مسلم (۸۹۷)]

(۲) [ابو داؤد (۱۱۷۳) حاکم (۳۲۸/۱) ابن حبان (٦٠٤) الارواء (٦٦٨)]

(۳) [بخاری (۱۰۲۰) دلائل النبوۃ (۳۲۹/۲)]

(٤) [قاعدة فی التوسل (٦٥)]

(۳) ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عیدگاہ میں عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اٹھئے! اور بارش کی دعا کیجئے چنانچہ عباس رضی اللہ عنہ اٹھے اور دعا کرنے لگے: ''یا اللہ! تیرے پاس بادل ہیں، تیرے پاس پانی ہے ...... یا اللہ! ہمیں ہمارے اہل و جان میں سفارشی سمجھ۔ یا اللہ! ہم صرف تیری طرف رغبت کرتے ہیں۔ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔''(۱) اس روایت میں عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ کا نام لے کر وسیلہ نہیں مانگا بلکہ ان سے دعا کا مطالبہ کیا ہے۔ پھر عباس رضی اللہ عنہ نے سب حاضرین کی طرف سے کہا کہ ہم سب سفارشی ہیں جو اپنے نفسوں، مالوں، جانوروں کے لئے سفارش کرتے ہیں۔ پھر آخر میں کہا کہ ہم صرف تجھ اکیلے سے مطالبہ اور فریاد کرتے ہیں۔

(۴) بعض روایات میں یہ اضافہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اگر قحط کا شکار ہوتے تو وہ حضور سے بارش کی دعا کی درخواست کرتے اور بارش ہو جاتی۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کی دعا کی درخواست کی تھی۔(۲)

(۵) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دعا میں کہا ''یا اللہ! ہر مصیبت ہمارے گناہوں کی شامت ہے اور یہ توبہ کے بغیر دور نہیں ہوتی اور لوگ تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میری رشتہ داری کی وجہ سے آئے ہیں۔ یہ ہمارے گنہگار ہاتھ تیرے حضور پیش ہیں۔ یہ ہماری پیشانیاں تیرے پاس تائب ہو آئی ہیں لہٰذا ہمیں بارش دے۔''(۳) اس میں اللہ کے حضور دعا ہے ورنہ عمر رضی اللہ عنہ صرف عباس کے نام سے خود ہی وسیلہ پکڑ لیتے مگر ایسا نہیں کیا گیا۔

(۶) اگر توسل بالذات درست ہوتا تو صحابہ عمر رضی اللہ عنہ یا عباس رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کی بجائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آ کر وسیلہ مانگتے یا صحرا میں نکل جاتے مگر وہاں جا کر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کا وسیلہ پکڑتے۔ جبکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسا نہیں کیا کیونکہ توسل بالذات کو وہ جائز نہیں سمجھتے تھے اسی لئے کسی ایک صحابی نے بھی ایسا توسل نہیں پکڑا اور نہ ہی کسی نبی علیہ السلام یا رسول نے کسی مردے (یا ذات) سے کبھی توسل لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے جو لوگ افضل کے باوجود مفضول سے توسل پکڑنے کی دلیل نکالتے ہیں، ان کا جواب یہ ہے کہ

(۱) عادتاً یہ محال ہے کہ انسان انتہائی مجبوری کی حالت میں کسی افضل اور یقینی مستجاب الدعوۃ کو چھوڑ کر کسی مشکوک کی طرف رجوع کرے۔ اسی لئے مجبور شخص حالت مجبوری میں سب سے عظیم کی طرف رجوع کرتا ہے اور

---

(۱) [مصنف عبدالرزاق (۹۲/۳)]

(۲) [ابن حبان (۲۲۸/٤) فتح الباری (٤٩٥/٢)]

(۳) [طبرانی فی الدعا (۲۲۱۱) فتح الباری (٤٩٧/٢) حاکم (٣٣٤/٣)]

دوسروں کو بھول جاتا ہے اس لئے مشرکین مکہ کی سخت حالت یوں بیان کی گئی کہ ''جب سمندر میں تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اس ایک (اللہ) کے سوا تم سب کو بھول جاؤ گے۔'' (الاسراء۔٦٧)

(ب) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مفضول سے توسل کے جواز کے لئے ایسا نہیں کیا تھا کیونکہ آپ نے متعدد مرتبہ اپنے سے افضل شخص سے دعا کروائی۔

(ج) اسی طرح معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن اسود سے دعا کروائی تھی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جب قحط پڑا تو معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل دمشق بارش کے لئے صحرا میں نکلے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یزید کہاں ہے؟ لوگوں نے اسے بلایا اور وہ گردنیں پھلانگتا ہوا منبر پر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قدموں میں جا بیٹھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا اللہ! ہم آج تیرے پاس اپنے سب سے بہتر اور افضل یعنی یزید بن اسود جرشی کو سفارشی بناتے ہیں۔ اے یزید! ہاتھ اٹھاؤ اور اللہ سے دعا کرو۔ یزید نے ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے بھی اپنے ہاتھ اٹھا لئے۔ مغرب میں جہاں کہیں بھی بادل کی ٹکڑیاں تھیں ہوا انہیں کھینچ لائی اور بارش ہونے لگی یہاں تک کہ لوگوں کے لئے گھر واپس جانا مشکل ہو گیا۔ (١)

حافظ ابن حجر نے تلخیص اور اصابۃ میں اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ (٢) اسی طرح ضحاک بن قیس نے یزید بن اسود سے دعا کروائی۔ (٣) علاوہ ازیں ایک روایت میں ہے کہ معاویہ نے ابو مسلم خولانی سے دعائے استسقاء کروائی۔ (٤) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے توسل میں مبالغہ کرتے ہوئے عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کروائی کہ وہ اللہ کے رسول کے قریبی تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے کسی خاص سبب سے ایسا کیا ہوگا جو عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی صحابی میں انہیں نظر نہ آیا ہوگا نیز معاویہ رضی اللہ عنہ اور ضحاک نے یزید بن اسود سے کس قرابت کے پیش نظر دعا کروائی تھی؟ وہاں تو قرابت کی علت مفقود ہے۔ بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ کی تعظیم چونکہ اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت ہے اس لئے ان کی کرامت اور اقتدائے نبوی ﷺ کے پیش نظر ایسا کیا گیا۔ مثلاً یوم رمادہ کو عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ سے استسقاء کے لئے درخواست کی اور کہا کہ اللہ کے رسول عباس رضی اللہ عنہ سے اس طرح معاملہ کرتے جس طرح بیٹا باپ سے کرتا ہے لہٰذا لوگو! اللہ کے رسول ﷺ کی پیروی کرو اور انہیں اللہ کی طرف وسیلہ بناؤ۔ (٥) اس روایت میں کئی علتیں ہیں لیکن

---

(١) [ابن سعد (٧/٤٤٤) الفسوی (٢/٣٨٠)]

(٢) [تلخیص (٢/١٠١) الاصابة (٦٧/٦٩١)]

(٣) [الفسوی (٢/٣٨١) الارواء (٣/١٤٠) منقطع]

(٤) [احمد فی الزھد (٣٩٢) منقطع ایضا]

(٥) [طبرانی فی الدعا (٢٢١١) فتح الباری (٢/٤٩٧) حاکم (٣/٣٣٤)]

بفرض صحت اس میں عباس رضی اللہ عنہ کی خصوصیت کا صرف سبب ہی بیان کیا گیا ہے اور ''انہیں اللہ کی طرف وسیلہ بناؤ'' اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ انہیں دعا کے ذریعے اپنا سفارشی پکڑو تا کہ صرف ان کا نام لے کر وسیلہ پکڑو!

جس نے یہ دعوی کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ سے اس لئے دعا کروائی کہ کہیں ضعیف الاعتقاد مسلمان کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں تو ان کے لئے عرض ہے کہ

(ا) اس گمان کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ یہ ایک غیبی دعوی ہے جس کی دلیل چاہیے!

(ب) اگر مسئلہ یہی تھا تو پھر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ضحاک کو یزید بن اسود سے دعا کروانے میں کیا خدشہ تھا؟

(ج) بفرض تسلیم، کیا عمر رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ راشد کو خیر القرون کے لوگوں پر بد اعتقادی کا خطرہ تھا؟ اور متاخرین کی حالت زار پر کوئی خوف نہ تھا؟

کوثری کا زعم باطل ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کو وسیلہ بنایا۔[1] اور صحابہ کرام نبی ﷺ کو ان کی زندگی اور موت کے بعد وسیلہ بنایا کرتے تھے۔ یہ عام واقعہ ہے جس میں تخصیص کرنا حدیث میں تحریف اور جعلی تاویل کے مترادف ہے۔ کوثری کا دعوی باطل پر مبنی ہے جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم پر بہتان عظیم باندھا گیا ہے اور خود کوثری نے خواہش نفس کی پیروی میں تحریف سے کام لیا ہے اور بلا دلیل دعوی کر دیا ہے۔ نص صریح سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام نبی ﷺ کی زندگی میں آپ سے بارش کی دعا کرواتے اور جب آپ فوت ہو گئے تو عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قحط سالی کی وجہ سے عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کروائی اور خود عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ''یا اللہ! ہم قحط کی وجہ سے عہد نبوی میں حضور ﷺ سے بارش کی دعا کرواتے اور تو بارش برسا دیتا تھا۔ اب ہم تیرے نبی ﷺ کے چچا سے بارش کی دعا کرواتے ہیں۔ تو ہم پر بارش برسا۔''

(2) اسی طرح واقعہ معراج میں موسیٰ کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھنے والی روایت[2] اور نبی ﷺ کا سب انبیاء کو امامت کروانے سے مردوں سے نفع ملنے پر جواز نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے حالانکہ انبیاء اپنی قبروں میں برزخی زندگی گذار رہے ہیں جس کی کنہ و حقیقت سے ہم عاجز ہیں۔ اس سے انہیں پکارنے کا جواز نہیں ملتا کیونکہ

(۱) انبیاء سے تو ان کی زندگی میں بھی مانگنا یا انہیں مافوق الاسباب چیزوں میں پکارنا منع تھا تو اب مرنے کے بعد یہ کیسے ممکن ہو گیا؟

(۲) نبی کی زندگی میں ان کے غائب ہونے پر انہیں بلانا اور پکارنا جائز نہ تھا تو اب وفات کے بعد یہ کیسے

---

(۱) [المقالات (۳۸۷)]

(۲) [مسلم (۲۳۷۵) ابن کثیر (۲/۳ تا ۲٤)]

جائز ہوا؟

(۳) انبیاء کو مرنے کے بعد پکارنے والا گویا یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ ان کی پکار کو ہمہ وقت سنتے اور جانتے ہیں حالانکہ یہ صرف اللہ ہی کا خاصہ ہے۔

(۴) انبیاء تو اس سے ہمیشہ منع کرتے رہے کہ مخلوق کو پکارا جائے بلکہ اس سے بھی کم تر بات آپ نے قبول نہ کی کہ جب ایک آدمی نے کہا: جو اللہ اور آپ چاہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا ہے؟[۱] اسی طرح جب آپ ﷺ نے ایک بچی کی بات سنی کہ ''ہم میں ایک نبی ہے جو کل کی بات (پہلے ہی) جانتا ہے۔'' تو آپ نے اسے اس بات سے روک دیا۔[۲]

(۵) انبیاء کی زندگی برزخی ہے جس کا ہمیں قطعاً ادراک نہیں۔ جس طرح فرشتے لوگوں کے لئے بخشش کی دعا کرتے ہیں لیکن ہمیں اس کی خبر نہیں ہوتی اور نہ ہم انہیں پکارتے ہیں، اس طرح انبیاء کا معاملہ ہے۔ اس کی تفصیل آگے ذکر کی جائے گی۔

(3) یا اللہ! جبریل، اسرافیل، میکائیل اور محمد کریم ﷺ کے رب! میں تجھ سے آگ کی پناہ مانگتا ہوں۔''

اس حدیث سے بعض لوگوں نے توسل بالذات پر استدلال کیا ہے جس کا جواب یہ ہے کہ

(۱) اس حدیث میں توسل بالذات نہیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کے رب ہونے کی صفت ربوبیت سے سوال کیا جا رہا ہے نا کہ ان فرشتوں یا نبیوں سے، اور ان تین فرشتوں کے رب کہنے کی ابن قیم یہ حکمت پیش کرتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے انہیں زندگی پر وکیل بنایا ہے۔ جبریل وحی لے کر آتا ہے جو دلوں کے لئے زندگی ہے۔ میکائیل بارش لے کر آتا ہے جو بدن کے لئے زندگی ہے اور اسرافیل صور میں پھونکیں گے اور سب لوگ دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ اس توسل کے ذریعے انسان اللہ کی ربوبیت کے واسطے سے اپنے لئے ہدایت مانگتا ہے۔

(۲) اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔[۳] البتہ یہ روایت صحیح اسناد سے بھی مروی ہے اور ان میں اللہ کی ربوبیت سے وسیلہ پکڑنے کی وضاحت بھی ہے مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''جب نبی ﷺ تہجد کے وقت نماز کے لئے دعائے افتتاح پڑھتے تو کہتے: یا اللہ! جبریل، میکائیل اور اسرافیل کے رب! آسمانوں اور زمین کے خالق،

---

(۱) [ابن ماجة (۲۱۱۷) احمد (۲۱۴/۱) ابن اسنی (۶۶۷) الصحیحة (۱۳۹)]

(۲) [بخاری (۵۱۴۷) ابن ماجة (۱۸۹۷)]

(۳) [ابن السنی (۱۰۳) حاکم (۶۲۲/۳) حسنه ابن حجر فی نتائج الافکار (۳۸۳/۱)]

ظاہر وباطن کے جاننے والے تو ہی اپنے بندوں کے اختلافات میں فیصلہ کرے گا۔اپنے اذن سے اختلافات میں مجھے ہدایت بخش۔بے شک تو جسے چاہے صراط مستقیم کی ہدایت سے نوازتا ہے۔[(۱)]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ یہ اللہ کے اسمائے حسنٰی سے وسیلہ پکڑا گیا ہے کہ وہ مقرب فرشتوں کا رب ہے، ارض وسماء کا خالق ہے، ظاہر وباطن کا عالم ہے۔اس لئے اس میں توسل بدعی قطعاً ثابت نہیں وگرنہ اللہ کے رسول ﷺ کیا واضح الفاظ میں نہ کہہ سکتے تھے، یا اللہ! میں جبریل کا واسطہ پکڑتا ہوں! لیکن آپ ﷺ نے کہا، یا اللہ! میں جبریل کے رب (کی ربوبیت) کا واسطہ پکڑتا ہوں۔جبکہ آپ ﷺ افصح العرب ہیں۔

بعض احادیث میں رب جبریل کی طرح رب الشیاطین (شیاطین کے رب) کا ذکر ہے۔[(۲)] تو کیا ان سے مراد نعوذ باللہ شیاطین کا واسطہ پکڑنا ہے! نہیں، بلکہ شیاطین کے رب کی ربوبیت کا واسطہ ہے۔

(4) عثمان بن حنیفؓ فرماتے ہیں کہ ''ایک نابینا اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آکر کہنے لگا کہ آپ اللہ سے میری صحت کی دعا کریں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو تو دعا کر دیتا ہوں اور اگر چاہو تو دعا نہیں کرتا اور یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ایک روایت میں ہے کہ اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔اس نے کہا آپ دعا کریں تو آپ ﷺ نے اسے وضو اور دوگانہ پڑھ کر اس دعا کا حکم دیا کہ ''یا اللہ! میں تجھ سے تیرے رحمت والے نبی محمد ﷺ کے ساتھ سوال کرتا ہوں۔اے محمد! میں تیرے ساتھ تیرے رب کی طرف اپنی اس حاجت روائی کے لئے اپیل کرتا ہوں۔یا اللہ! انہیں میرا سفارشی مان لے اور میری ان کے بارے میں سفارش قبول کر۔راوی کا کہنا ہے کہ اس آدمی نے ایسے کیا اور وہ تندرست ہو گیا۔''

اس روایت سے بعض لوگوں نے توسل بالذات کے جواز پر دلیل نکالی ہے۔اسی طرح بعض نے اس سے مردوں کو پکارنے اور ان سے مدد طلب کرنے پر دلیل پکڑی ہے۔جبکہ بعض نے اسے اپنے موقف کی سب سے قوی دلیل قرار دیا ہے لہٰذا سب سے پہلے ہم اس حدیث کی سند اور متن کو پرکھتے ہیں۔

حدیث کی سند:۔ یہ حدیث ابو جعفر سے مروی ہے۔ان سے شعبہ بن حجاج، حماد بن سلمہ، ہشام دستوائی اور روح بن قاسم چار راویوں نے روایت کیا لیکن شعبہ اور ابن سلمہ نے اسے ابو جعفر سے ان کے چچا کی سند (عمارۃ بن خزیمہ بن ثابت عن عثمان بن حنیف) سے بیان کیا جبکہ ہشام اور روح بن قاسم نے اسے جعفر عن ابی امامہ بن سہل بن حنیف عن عمہ عن عثمان بن حنیف کی سند سے بیان کیا۔(سند اور متن کی بحث آگے ہے) ان میں سب سے قوی سند شعبہ کی

---

(۱) [مسلم (۷۷۰)]

(۲) [ترمذی (۳۵۲۳) ضعیف الجامع (۱/۱۵۸)]

ہے۔شعبہ سے تین راویوں عثمان بن عمر، روح بن عبادۃ اور غندر نے بیان کیا۔عثمان کی روایت ترمذی،[1] نسائی[2] میں محمود بن غیلان سے ہے۔مسند احمد،[3] عبد بن حمید[4] اور ابن ماجہ[5] میں احمد بن منصور بن یسار سے ہے اور ابن خزیمہ[6] میں محمد بن بشار اور ابوموسیٰ سے ہے۔طبرانی[7] میں ادریس بن جعفر عطار سے، حاکم[8] میں حسن بن مکرم سے اور عباس بن محمد دوری سے، بیہقی میں[9] حاکم کی سند سے اور محمد بن یونس سے۔بخاری کی تاریخ کبیر[10] میں ابن مدینی سے معلق ہے۔

محمود بن غیلان، احمد، ابن حمید، ابن یسار، ابن بشار، ابوموسی، عطار، ابن مکرم، دوری، ابن یونس، ابن مدینی، یہ سب عثمان بن عمر عن شعبہ عن ابی جعفر عن عمارۃ بن خزیمہ عن عثمان بن حنیف کی سند سے بیان کرتے ہیں۔

روح بن عبادہ کی روایت احمد[11] نے روح عن شعبہ کی سند سے، بیہقی[12] نے کتاب الدعوات میں احمد بن ولید عن شعبہ کی سند سے اور دلائل النبوۃ[13] میں کہا کہ ہم نے دعوات میں روح بن عبادۃ عن شعبہ کی صحیح سند سے اسے بیان کر دیا ہے۔غندر کی روایت حاکم[14] نے عبداللہ بن احمد عن ابیہ عن محمد بن جعفر عن شعبہ سے بیان کی ہے۔

﴿اللهم فشفعه فی﴾ ''یا اللہ انہیں میرا سفارشی بنا'' کے لفظوں میں شعبہ کی روایت ان سے متفق ہے مگر'' مجھے ان کا سفارشی قبول کر'' ﴿و شفعنی فیه﴾ کے لفظوں میں اختلاف ہے اور بعض نے اسے زیادتی کہا ہے۔

حماد بن سلمہ کی سند سے امام احمد[15] نے مؤمل ابن اسماعیل عن حماد عن ابی جعفر عن عمارۃ عن عثمان روایت کیا ہے۔

تاریخ کبیر[16] میں شہاب بن عباد عن حماد عن ابی جعفر پر معلق ہے۔

نسائی[17] نے محمد بن معمر از حبان از حماد از ابوجعفر سے بیان کیا۔ابن ابی خیثمہ[18] نے مسلم بن ابراہیم از حماد از ابو

---

(١) [ترمذی (٣٥٧٨)]

(٢) [عمل اليوم والليلة (٦٥٩)]

(٣) [احمد (١٣٨/٤)]

(٤) [المنتخب (٣٧٩)]

(٥) [ابن ماجة (١٣٨٥)]

(٦) [ابن خزيمة (١٢١٩)]

(٧) [الدعا (١٠٥١) المعجم الكبير (٨٣١١)]

(٨) [حاكم (٥١٩/١)]

(٩) [دلائل النبوة (١٦٦/٦)]

(١٠) [التاريخ الكبير (٢١٠/٦)]

(١١) [مسند (١٣٨/٤)]

(١٢) [الدعوات (١/٢٢)]

(١٣) [الدلائل (١٦٧/٦)]

(١٤) [حاكم (٥١٩/١)]

(١٥) [مسند احمد (١٣٨/٤)]

(١٦) [التاريخ الكبير (٢٠٩/٦)]

(١٧) [عمل اليوم والليلة (٦٥٨)]

(١٨) [قاعدة فى التوسل (ص٩٨)]

جعفر سے بیان کیا۔ ھشام کی سند سے نسائی[1] نے محمد بن مثنی از معاذ بن ہشام از ابی از ابو جعفر از ابوامامۃ از عمہ از عثمان بیان کیا ہے۔ تاریخ کبیر[2] میں اسے معلق بیان کیا۔ ہشام کی روایت کے لفظ ہیں۔ ''انہیں میرا سفارشی بنا اور مجھے اپنا ہی سفارشی بنا۔'' جبکہ حماد بن سلمہ کے لفظ ہیں ''یا اللہ! میرے نبی کو میرا سفارشی بنا اور مجھے اپنے نفس کا سفارشی بنا۔ روح بن قاسم سے دو راویوں شبیب بن سعید حبطی اور عون بن عمارہ بصری نے بیان کیا ہے۔

شبیب بن سعید سے ان کے دو بیٹوں احمد اور اسماعیل اور عبداللہ بن وھب نے روایت کیا۔ احمد بن شبیب سے ابن السنی[3] نے عباس بن فرح اور حسین بن یحیٰی کی سند سے بیان کیا۔ حاکم[4] نے محمد بن علی بن زید کی سند سے اور اسی سند سے بیہقی[5] نے روایت کیا۔ عباس، حسین ثوری اور محمد بن علی احمد بن شبیب بن سعید روح بن قاسم سے روایت کرتے ہیں مگر اس میں پورا قصہ مروی نہیں۔ یعقوب فسوی[6] نے ان کے بالمخالف پورا قصہ روایت کیا ہے۔ اور کہا کہ مجھے احمد بن شبیب نے اسے اس کے باپ نے روح بن قاسم سے بیان کیا۔

اسی سند سے بیہقی[7] نے دلائل النبوۃ میں اور عبدالغنی مقدسی[8] نے کتاب الترغیب فی الدعا میں اسے بیان کیا۔ اسماعیل بن شبیب سے بیہقی[9] نے ابی عروبہ از عباس از اسماعیل بیان کیا اور پورا قصہ بھی ذکر کیا۔ لیکن اس روایت میں کسی راوی سے غلطی ہوئی ہے کیونکہ ابن السنی نے اسے اسی سند سے بیان کر کے احمد بن شبیب کی روایت بنا دیا ہے نہ کہ اسماعیل بن شبیب جبکہ اس میں مذکورہ قصہ بھی نہیں ہے۔

عبداللہ بن وھب کی سند کو امام بخاری نے[10] تاریخ کبیر میں عبدالمتعال بن طالب از ابن وہب از ابی سعید شبیب از روح بن قاسم از ابو جعفر بیان کیا ہے لیکن اس کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔ اسے طبرانی نے کتاب الدعاء،[11] معجم صغیر[12] اور معجم کبیر[13] میں طاہر بن عیسی از اصبغ بن فرج از ابن وھب از ابو سعید مکی از روح بن قاسم از ابو جعفر از ابو امامہ از عثمان بن حنیف روایت کیا اور قصہ کے شروع میں یہ بھی زیادہ ہے کہ ایک آدمی عثمان بن عفان کے پاس اپنی

---

(١) [عمل اليوم والليلة (٦٦٠)]
(٢) [التاريخ الكبير (٢١٠/٦)]
(٣) [عمل اليوم (٦٢٨)]
(٤) [حاكم (٥٢٦/١)]
(٥) [دلائل (١٦٧/٦)]
(٦) [تاريخ فسوى (٢٧٢/٣)]
(٧) [دلائل (١٦٨/٦)]
(٨) [الترغيب فى الدعا (٥٩)]
(٩) [دلائل (١٦٧/٦)]
(١٠) [التاريخ الكبير (٢١٠/٦)]
(١١) [الدعاء (١٠٥٠)]
(١٢) [المعجم الصغير (١٨٣/١)]
(١٣) [المعجم الكبير (١٧/١٩)]

ضرورت کے لئے آیا کرتا اور عثمان اس سے بے رخی کرتے تو وہ ابن حنیف سے ملا اور شکوہ کیا تو ابن حنیف نے کہا کہ تو وضو کر۔ مسجد میں دو رکعتیں پڑھ اور کہہ: یا اللہ! میں تجھ سے تیرے رحمت والے نبی ﷺ کی جاہ سے سوال کرتا ہوں۔ اے محمد! میں تیرے ساتھ تیرے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ میری حاجت پوری ہو جائے۔ پھر تو اپنی حاجت ذکر کر یہاں تک کہ میں تیرے پاس آ جاؤں۔ وہ آدمی گیا اور اس نے ایسا ہی کیا جو اسے کہا گیا تھا۔ پھر وہ عثمان بن عفان کے دروازے پر گیا۔ دربان آیا اور اسے پکڑ کر عثمان کے پاس لے گیا اور اسے بٹھا دیا۔ کہا اپنی ضرورت پیش کرو۔ اس نے ضرورت بیان کی تو انہوں نے اس کی ضرورت پوری کر دی۔ اور کہا (اس سے پہلے تو) میں تیری ضرورت قیامت تک نہ سمجھ سکتا تھا۔ پھر وہ آدمی وہاں سے نکل کر ابن حنیف کے پاس گیا اور شکریہ ادا کیا کہ اگر آپ ان سے میری بات نہ کرتے تو میری ضرورت پوری نہ ہو سکتی۔ عثمان بن حنیف نے کہا کہ میں نے تمہارے بارے میں ان سے کوئی بات نہیں کی۔ میں نے تو دیکھا تھا کہ ایک نابینا اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور آپ نے اسے اس دعا کا حکم دیا.....ابن حنیف فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! وہ نابینا اب ایسے معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس کی بینائی بالکل ٹھیک ہے۔

حاکم[1] نے عباس دوری از عون بن عمارۃ از روح بن قاسم از ابوجعفر، یہ روایت بغیر اس قصہ کے نقل کی ہے۔ لہٰذا عون بن عمارہ کی روایت جو قصہ کے بغیر مروی ہے، زیادہ لوگوں کی روایت کے موافق ہونے کی وجہ سے شبیب بن سعید کی روایت سے راجح ہوگی۔ اگرچہ اس میں ضعف ہے لیکن شبیب کی روایت میں زیادتی کا اختلاف ہے۔ طبرانی نے عون کی سند سے اپنی کتاب الدعا میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہا کہ اس میں عون زبردست وہم کا شکار ہوا ہے۔ کتاب ہٰذا کے محقق نے بھی اس کے امکان کا احتمال ظاہر کیا ہے لیکن یہ وہم عون کو نہیں ہوا جس کی دلیل حاکم کی گذشتہ روایت ہے۔[2]

خلاصہ کلام:۔

(۱) سب سے قوی سند شعبہ کی ہے کیونکہ وہ ان سب راویوں سے زیادہ حافظے والا ہے اور اس کی روایت میں اختلاف بھی نہیں۔

(۲) شعبہ اور حماد کا اتفاق ہے کہ ابوجعفر کا استاد عمار بن خزیمہ بن ثابت ہے۔

(۳) ہشام دستوائی اور روح بن قاسم نے اس کے بالمخالف ابوامامۃ بن سہل کو ابوجعفر کا استاد بنا دیا ہے۔

---

(۱) [حاکم (۱/۵۲۶)]

(۲) [الدعا (۱۰۵۳)]

(۴) شعبہ، ابن سلمہ اور ہشام قصہ کے بغیر روایت کرنے پر متفق ہیں۔

(۵) روح بن قاسم نے پہلے قصہ بیان کیا، پھر عون بن عمارہ نے ان سے قصہ کے بغیر دوسرے لوگوں کی طرح روایت کیا۔ شبیب بن سعید کی روایت میں بھی اختلاف واقع ہوا ہے۔ ان کے بیٹے احمد نے اکثر روایات میں ان سے بغیر اس قصہ کے بیان کیا ہے، صرف یعقوب فسوی ان سے قصے کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح شبیب سے ان کے بیٹے اسماعیل اور ابن دھب قصہ زیادہ کر کے بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قصہ کی زیادتی منکر ہے کیونکہ شبیب اس میں متفرد اور ضعیف راوی ہے اور ثقات کی مخالفت کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں اس کی روایت بھی مضطرب ہے۔ کبھی قصہ شامل ہے کبھی خارج ہے۔

شیخ ابن تیمیہؒ(۱) نے اس روایت کی سند اور متن پر کلام کیا ہے۔ سند پر انہوں نے چار علتیں بیان کیں کہ

(ا) یہ اپنے سے بڑے اور حفاظ سے منفرد ہے۔

(ب) اہل سنن اس سے اعراض کرتے ہیں۔

(ج) اس کے الفاظ میں اضطراب ہے۔

(د) روح بن قاسم سے یہ راوی منکر احادیث بیان کرتا ہے۔

لہٰذا یہ قابل حجت نہیں۔ اگر اسے صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو

(۱) نبی ﷺ نے اپنی زندگی میں صحابی کی درخواست کہ میری سفارش کریں، پر عمل کیا۔ لہٰذا جو شخص آپ ﷺ کے پاس گیا نہیں، آپ ﷺ کی زندگی میں ملا نہیں، اس کے لئے اس میں دلیل نہیں بنتی۔

(۲) یہ اس طرح شریعت نہیں بن سکتی جس طرح دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے عبادات حرام اور حلال چیزیں مروی ہوتی ہیں چہ جائیکہ دیگر صحابہ اس کی موافقت پر نہ ہوں۔ ایک چیز (قول صحابی) نبی ﷺ کی سنت ثابتہ کے مخالف ہو تو اس کی اتباع امت پر واجب نہیں کیونکہ اس میں اجتہاد کا امکان ہو سکتا ہے یا اس میں مسلمانوں کا نزاع ہو سکتا ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹانا ضروری ہے مثلاً ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دوران وضو اپنی آنکھوں میں پانی ڈالا، ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کندھے تک ہاتھ دھوئے، اسی طرح دیگر کئی صحابہ سے ایسے واقعات مروی ہیں جو مجمع علیہ نہیں۔

(۳) علماء کا یہ قول کہ قول صحابی حجت ہے، مقید ہے یعنی جب قول صحابی دیگر صحابہ اور نص صریح کے مخالف نہ ہو یا وہ قول مشہور ہو مگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر انکار نہ کیا ہو۔ لیکن اگر وہ قول صحابی سنت کے خلاف ہو تو سنت ہی قابل اتباع

(۱) [قاعدة في التوسل (۱۰۰)]

ہوگی جس پر کسی عالم کو شک نہیں۔

(۴) اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ عثمان بن حنیف وغیرہ نبی ﷺ کی موت کے بعد آپ ﷺ سے توسل کے استحباب کے قائل ہوں علاوہ اس کے کہ نبی ﷺ داعی یا شافع ہوں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر صحابہ کے عمل سے اس کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ انہوں نے نبی کی زندگی میں بارش کے لئے آپ کا وسیلہ پکڑا تھا مگر آپ ﷺ کی موت کے بعد آپ سے وسیلہ طلب نہیں کیا۔ اگر کسی صحابی نے بالفرض کسی شخص کو حضور کی ذات کے وسیلے کا کہا ہو نہ کہ آپ کی شفاعت اور مشروع دعا کا، تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل ہی قابل قبول ہوگا کیونکہ وہ سنت کے مطابق ہے اور ان کے مخالف کسی کا قول قبول نہیں ہوگا کیونکہ وہ دراصل سنت رسول ﷺ کا مخالف ہوگا اور اس کی روایت کردہ حدیث خود ہی اس کے مخالف ہوگی۔

ابو جعفر خطمی راوی:۔ ابو جعفر کا پورا نام عمیر بن یزید بن عمیر بن حبیب انصاری، مدنی، بصری، خطمی ہے۔[1] ابن معین، نسائی، ابن مھدی، ابن نمیر، عجلی اور طبرانی نے اسے ثقہ کہا ہے۔ ابو الحسن ابن مدینی فرماتے ہیں کہ یہ مدنی ہے۔ پھر بصرہ آ گیا، اہل مدینہ نے اس سے کوئی روایت نہیں کی اور نہ ہی اسے پہچانتے ہیں۔[2] حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں کہ یہ چھٹے درجے میں صدوق ہے۔[3] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی حدیث حسن درجہ کی ہے اور جس نے یہ دعوی کیا کہ ابو جعفر خطمی نہیں بلکہ رازی ہے جو ضعیف راوی ہے، اس کا دعوی غلط ہے۔

حدیث ہذا محدثین کی نظر میں:۔ ابو زرعۃ رازی نے شعبہ از ابو جعفر از عمارۃ از عثمان کی روایت کو ہشام از ابو جعفر از ابو امامۃ از عثمان کی روایت پر ترجیح دی ہے۔ کیونکہ شعبہ زیادہ حافظ ہے۔[4] البتہ ابن ابی حاتم نے اس کے برعکس ہشام دستوائی کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے کہا کہ ہشام کی روح بن قاسم نے متابعت کی ہے جس کی ثقاہت متفقہ ہے اور اس روایت کا متن بھی بھاری ہے لہٰذا ان دونوں کی روایت زیادہ صحیح ہے۔

علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ صرف روح بن قاسم نے ہی اسے یاد رکھا ہے۔ ان دونوں اقوالوں کے مطابق ہشام کی روایت کو راجح قرار دیا گیا ہے کہ اس کی متابعت بھی موجود ہے مگر متابعت تو شعبہ کی بھی موجود ہے۔ حماد بن سلمہ نے ان کی متابعت کی ہے۔ پھر شعبہ ہشام دستوائی اور روح بن قاسم سے زیادہ حافظ ہے لہٰذا یہ دونوں روایتیں کم از کم مساوی

---

(۱) [تھذیب (۸/۱۵۱)]

(۲) [ایضا]

(۳) [تقریب (۵۱۹۰)]

(٤) [العلل ابن ابی حاتم (۲/۱۸۹)]

درجہ کی ہیں جن میں کسی ایک کو دوسری پر ترجیح کی صورت نظر نہیں آتی۔ ابوجعفر پر اس اختلاف کا احتمال پڑتا ہے کیونکہ اس نے اس میں اضطراب پیدا کیا ہے کہ کبھی ایک طرح سے روایت کیا اور کبھی دوسری طرح سے روایت کر دیا ہے اور اگر یہ احتمال قوی ہے تو یہ اس کے حافظے کی کمزوری کی نشانی ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی یہ احتمال بیان کیا ہے۔ لیکن یہ احتمال اس وقت تک حتمی نہیں ہوسکتا جب تک کہ کسی مختلف فیہ راوی کی جہت متعین نہ ہو جائے البتہ ابوجعفر پختہ اور ثقہ ترین راویوں میں سے نہیں کیونکہ اس کی روایت میں سند و متن ہر دو صورتوں میں اضطراب ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ

(۱) ابوجعفر اپنے شیخ کے نام میں مضطرب ہے اور یہ اضطراب فی السند ہے۔ اسی طرح متن میں اضطراب ہے کہ کبھی یہ الفاظ ہیں ''انہیں میرا سفارشی بنا'' کبھی یہ الفاظ ہیں ''مجھے ان کا سفارشی بنا'' کبھی یہ الفاظ ہیں کہ ''مجھے اپنا سفارشی بنا'' کبھی وضو اور نماز کا ذکر ہے۔ کبھی نہیں۔ جس سے کم از کم یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے قصہ صحیح یاد نہیں رکھا یا روایت بالمعنی میں غلطی کر گئے ہیں۔

(۲) ابوجعفر ایسا قوی راوی نہیں کہ جس پر سنت نبوی ﷺ میں کسی ایسی بات پر اعتماد کیا جا سکے کہ جسے روایت کرنے میں وہ منفرد ہو۔ اسی لئے حافظ ابن حجر نے اسے صدوق کہا کیونکہ یہ تام الضبط راوی نہیں۔

(۳) یہ ایک ایسے واقعہ کو بیان کرنے میں منفرد ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں پیش آیا اور کسی معجزہ سے کم نہیں تھا جبکہ ایسا واقعہ بیان کرنے والے تو وافر ہوا کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا نکات اس حدیث کی صحت کے ساتھ ابوجعفر کے حافظے کو بھی مشکوک بنا دیتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

معنوی اعتبار سے حدیث پر کلام:۔ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو جائے تو اس میں زندہ سے مشروع دعا کے وسیلہ کا ذکر ہے کیونکہ حدیث کے لفظ ''اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی زندگی میں آپ سے دعا کا مشروع وسیلہ جائز ہے۔''(۱) لیکن اس میں آپ ﷺ کی ذات سے وسیلہ پکڑنے کی دلیل نہیں ملتی کیونکہ

(۱) نابینا آدمی آپ ﷺ سے دعا کروانے کے لئے آیا تھا۔ اگر محض آپ ﷺ کے نام سے وسیلہ درست ہوتا تو وہ گھر بیٹھے ہی اس سے بہرہ مند ہو جاتا اور وہیں یہ دعا کر لیتا، ''یا اللہ! میں تیرے نبی ﷺ کے جاہ و مقام کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں کہ میری بینائی لوٹا دے'' اور نبی ﷺ کے پاس آنے کی زحمت نہ اٹھاتا!

(۲) اس نے صراحت کے ساتھ دعا کے لئے درخواست کی کہ ''آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے صحت و عافیت بخشے۔'' اس نے یہ کام نہیں کیا جس طرح ہمارے ہاں مرید اپنے شیخوں اور ولیوں کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں

---

(۱) [الرد علی البکری (۱۲۷)]

کہ وہ ان کے تمام احوال سے آگاہ ہیں اور انہیں اپنے احوال سے مطلع کرنا فضول ہے۔ ایسے ہی اہل قبور کا وطیرہ ہے کہ وہ ولی کی زیارت کے وقت کہتے ہیں کہ ''ولی (عارف) وہ ہے جسے حاجت بتانے کی ضرورت ہی نہ ہو'' (خود ہی پہچان لے۔ معاذ اللہ)

(۳) نبی ﷺ نے نابینے صحابی سے دراصل وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ صبر نہیں کرتا تو میں دعا کر دوں گا۔ اب آپ ﷺ نے اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے اس کے لئے دعا کی تھی۔ (۱)

(۴) نابینے شخص نے اپنے حق میں دعا کے لئے اصرار کیا بلکہ بعض روایات میں ہے کہ اس نے دو یا تین مرتبہ دعا کی درخواست کی۔(۲) اور ایک روایت میں ہے کہ ''اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کوئی چلانے والا نہیں اور مجھے بڑی دقت ہوتی ہے۔''(۳) اس قدر اصرار کے بعد آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا کی۔

(۵) نبی ﷺ نے اس شخص کو یہ دعا سکھائی ''یا اللہ! میرے نبی کے بارے میں سفارشی بن جا۔''(۴) ایک روایت میں ہے ''یا اللہ! میرے متعلق نبی ﷺ کی سفارش قبول کر۔''(۵) اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے اس کے لئے سفارش اور دعا کی تھی وگرنہ اس نابینے شخص نے یہ کیوں کہا کہ یا اللہ! میرے بارے میں نبی ﷺ کی سفارش قبول کر۔

(۶) جن روایات میں یہ لفظ ہیں کہ ''تو اپنے نبی ﷺ کے بارے میں میری سفارش قبول کر۔''(۶) اس کا معنی یہ ہے کہ اس شخص نے اللہ سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں اپنے نبی ﷺ کی سفارش قبول کر کے مجھے عافیت بخشے۔ لہٰذا اس میں نبی ﷺ سے حاجت طلب نہیں کی گئی۔ بلکہ سفارش طلب کی گئی ہے اور پھر اللہ سے سفارش کی گئی ہے کہ نبی کی اس سفارش کو یا اللہ! قبول فرما۔ لہٰذا نبی ﷺ نے اس شخص کے لئے سفارش اور دعا کی۔

(۷) علما نے اس حدیث سے نبی ﷺ کی دعا کا وسیلہ مراد لیا ہے اسی لئے اس حدیث کو نبی ﷺ کے معجزات میں دعا کی قبولیت کے ضمن میں بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ کی دعا سے خرق عادت امور رونما ہوتے، آفات سے عافیت مل جاتی، اسی طرح نابینے شخص کو آپ ﷺ کی دعا سے بینائی مل گئی۔

---

(۱) [التوسل وانواعه (ص ۷٦)]

(۲) [عمل الیوم (٦٥٨) تاریخ کبیر (۱۰۹/٦)]

(۳) [عمل الیوم لابن اسنی (٦٢٨)]

(٤) [عمل الیوم (٤١٧)]

(٥) [ایضا]

(٦) [احمد (۱۳۸/٤)]

(۸) اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے نابینے کے لئے دعا فرمائی تھی لہٰذا جس شخص کے لئے رسول کریم ﷺ دعا نہ فرمائیں، اس کے لئے اس حدیث پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس میں مماثلت نہیں۔

(۹) صحابہ نے یہ فرق ملحوظ رکھا ہے وگرنہ ''ہر نابینا صحابی آپ ﷺ سے دعا کروانے کی بجائے آپ ﷺ کا وسیلہ پیش کر کے دعا کرتا اور تمام نابینے صحابہ یا کم از کم چند ایک دیگر نابینے صحابہ بھی ضرور بینائی حاصل کرتے۔ پھر ان کی تابعداری میں دنیا میں ہر نابینا شخص وضو کر کے دوگانہ ادا کرتا اور مطلوبہ دعا کا وسیلہ پکڑتا اور بینائی حاصل کر لیتا اور دنیا میں کوئی نابینا مسلمان نظر نہ آتا!!

(۱۰) اگر ہم اسے توسل بالذات اور توسل بالغائب پر دلیل بھی تسلیم کر لیں تو یہ خاص اس صحابی رضی اللہ عنہ کے لئے تھا جسے آپ نے دعا سکھا کر یہ حکم دیا نہ کہ ہر شخص کے لئے! اگر اسے تمام صحابہ کے لئے عام کر دیا جائے تو پھر بھی یہ عہد نبوی میں نبی ﷺ کے لئے خاص ہوگا۔

(۱۱) اس واقعہ کو عموم پر قائم کرنے کے لئے یہ قباحت پیدا ہوگی کہ یہ صحیح نصوص کے مخالف ہے!

(۱۲) اگر بالفرض ہم اسے توسل بالذات کے لئے جائز تسلیم کر لیں تو پھر اس سے مردوں کو پکارنے اور ان سے فریاد مانگنے پر کوئی دلیل حاصل نہیں ہوتی کیونکہ زیادہ سے زیادہ یہ ثبوت ہو سکتا ہے کہ اس شخص نے آپ سے آپ کی زندگی میں یہ مطالبہ کیا تھا جبکہ یہاں لوگ مرنے والوں کو پکار رہے ہیں! اگر یہ کہا جائے کہ حضور کی عدم موجودگی میں پکارنے کی دلیل اس روایت سے ملتی ہے تو یہ بات غلط ہے کیونکہ ''وسیلہ طلب کرنے والا دراصل اللہ کو پکار کر مخاطب کرتا ہے اور اللہ سے طلب کرتا ہے غیر اللہ سے نہیں۔''(۱)

اللہ وحدہٗ لاشریک ہی اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں پکارا جائے اور ان سے مدد مانگی جائے۔ نبی ﷺ نے نابینے شخص کو جو دعا سکھلائی ہے، وہ اس کے منافی نہیں کیونکہ اس کا وضو کر کے نماز پڑھنا اور دعا مانگنا دراصل اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کرنے کے مترادف ہے اور نبی ﷺ کا اس کے لئے دعا کرنا زندہ شخص سے دعا کروانے کا مشروع وسیلہ ہے لہٰذا یہ دعا دو مشروع وسیلوں کے ساتھ متصل ہے۔ اس سے ہر اس شخص کا رد ہو جاتا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ نبی ﷺ نے اس کے لئے دعا نہیں کی بلکہ اسے توسل بالذات کا طریقہ بتایا ہے۔ اس نابینے صحابی کے یہ الفاظ کہ ''یا اللہ! میں تیرے نبی محمد ﷺ کے ساتھ تیری طرف سوال کرنے کے لئے متوجہ ہوتا ہوں۔'' کا یہ معنی نہیں کہ آپ کی ذات یا جاہ و مقام کا وسیلہ پکڑتا ہوں کیونکہ توسل اور متوجہ ہونے کے الفاظ شریعت اور سلف کی اصطلاح میں توسل بالدعا کا

(۱) [الفتاوی (۲۷۶/۳)]

مفہوم ادا کرتے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں ذات یا دعا کو مقدر نکالا جائے گا اور دونوں میں سے دعا اس کے زیادہ لائق ہے کہ اسے مقدر مانا جائے لیکن پہلا جواب زیادہ صحیح اور واضح ہے جہاں کسی مقدر کی ضرورت نہیں اگر چہ بعض علما نے دوسرے جواب کو پسند کیا ہے۔

﴿اني تـوجهت بـک الی ربی﴾ ''(اے محمد ﷺ) میں تیرے ذریعے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔'' اس جملے میں غائب کو پکارنے اور اس سے مدد مانگنے کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ :۔

(ا) نبی کریم ﷺ اس نابینے صحابی کے پاس ہی موجود تھے جیسا کہ سیاق روایت سے واضح ہے اور کوئی ایسی بات ثابت نہیں کہ وہ صحابی نبی ﷺ سے دور چلا گیا ہو اور وہاں جا کر یہ دعا کی ہو۔ عثمان بن حنیف والی روایت کہ پھر وہ شخص ہمارے پاس آیا اور اس کی تکلیف دور ہو چکی تھی، ضعیف (منکر) اور نا قابل دلیل ہے۔

(ب) اگر یہ صحیح تسلیم کر لیا جائے (کہ اس نے غائب کو پکارا ہے) تو پھر اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح کوئی شخص کسی غائب کو دل میں حاضر رکھ کر خطاب کرتا ہے، اسی طرح اس نے کیا ہو گا۔ جیسے نمازی کہتا ہے ''اے نبی! آپ پر سلامتی، اللہ کی رحمت اور اس (اللہ) کی برکتیں نازل ہوں۔'' ﴿السـلام عـلیک ایها الـنبی ورحـمة الـلـه وبـرکاته﴾ اسی طرح انسان اپنے تصور میں کسی کو حاضر کر کے خطاب کر لیتا ہے جس کی بے شمار مثالیں ہیں حالانکہ اس کا وجود عالم میں نہیں ہوتا۔

(ج) اگر یہ روایت بسند صحیح ثابت ہے تو اس میں یا کے ساتھ خطاب بھی ثابت ہے لیکن آپ پڑھ آئے ہیں کہ اس روایت میں اضطراب ہے جس کی وجہ سے اس کے ثبوت میں تردد ہے۔ روایت بالمعنی کی وجہ سے اس میں یہ اختلافات پیدا ہوئے ہیں۔ ابن ابی خیثمہ از مسلم بن ابراہیم از حماد بن سلمہ کی روایت میں ہے کہ ''یا اللہ! مجھے اپنے آپ کا سفارشی بنا اور میرے نبی کو میری بینائی لوٹانے میں سفارشی بنا۔'' اس روایت میں کئی علتیں ہیں مثلاً :۔

(۱) حماد بن سلمۃ اس روایت میں دیگر تمام راویوں سے منفرد ہیں اور وہ حماد سے زیادہ حافظ اور ثقہ راوی ہیں لہٰذا یہ روایت ان کی مخالفت کی وجہ سے شاذ ہے اور ''زیادت ثقہ مقبول ہے۔'' کا قاعدہ یہاں منطبق نہیں ہوتا۔ اس کی وضاحت اپنی جگہ پر آئے گی۔

(۲) اس بات سے بھی حماد کے شذوذ کی دلیل مہیا ہو جاتی ہے کہ حماد سے بیان کرنے والے اپنی روایت میں متفق نہیں۔ حماد سے مسلم بن ابراہیم، مؤمل بن اسماعیل اور حبان بن ھلال نے روایت کیا ہے۔ مسلم کی روایت ابن ابی خیثمہ نے، مؤمل کی احمد نے اور حبان کی نسائی نے روایت لی ہے لیکن ان الفاظ کی زیادتی صرف مسلم

بن ابراہیم نے کی ہے اور یہ بھی حماد بن سلمہ سے شاذ ہے۔

(۳) اس بات کا احتمال ہے کہ اسے روایت بالمعنی بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت بالمعنی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

(۴) یہ بھی احتمال ہے کہ یہ عثمان بن حنیف کا مدرج کلام ہو اور سیاق روایت سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے۔اس بحث کے بعد مسئلہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس حدیث کو اگر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی اس سے توسل بالذات ثابت نہیں ہوتا بلکہ زندہ سے دعا کروانے کا توسل ثابت ہوتا ہے اور یہ مشروع ہے۔لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ توسل بالذات والوں کے پاس کوئی ایک بھی صحیح صریح دلیل نہیں۔اب ہم ان کے غیر صحیح دلائل پر مناقشہ کریں گے۔

❊ ❊ ❊

فصل ثانی

غیر صحیح دلائل کا مناقشہ

مبحث اول:۔

ضعیف روایات کے بارے میں

غیر مشروع دعا کے ثبوت میں بہت سی روایات ایسی پیش کی جاتی ہیں جو سنداً انتہائی ضعیف ہیں۔ان میں سے بعض تو خارج از موضوع ہیں اور بقیہ ضعیف روایتوں کا ضعف دور نہیں ہوتا۔ میں ان میں سے ان کی پیش کردہ اہم ترین مگر ضعیف روایات پر بحث کروں گا۔

❁ ''میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم مجھ سے باتیں کرتے ہو اور میں تم سے گفتگو کرتا ہوں اور میری موت بھی تمہارے لئے بہتر ہے، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر میں اچھائی دیکھتا ہوں تو اللہ کی تعریف کرتا ہوں اگر برائی دیکھتا ہوں تو تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔''

اس حدیث سے نبی ﷺ سے دعا،فریادو غیرہ کرنے کے لئے دلیل لی جاتی ہے بلکہ اس سے معاملہ آگے بڑھ جاتا ہےاور ہر مُردے کے بارے میں یہ دعوی کر دیا جاتا ہے کہ وہ پکارنے والوں کی پکار کو سنتے ہیں اور زندہ افراد کے لئے دعا کرتے ہیں۔بعض تو یہاں تک مبالغہ کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کو ان کی وفات کے بعد پکارنا زیادہ فائدہ مند ہے کیونکہ ان کی قبر میں ان کی امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔یعنی زندگی کی بجائے مرنے کے بعد پکارنا زیادہ نفع مند ہے۔

روافض (غالی شیعہ) نے اسے مزید کھینچا اور کہا کہ ان کے اماموں پر بھی اعمال پیش ہوتے ہیں چنانچہ کلینی نے اپنی کتاب ''الکافی''(۱) میں اس آیت ﴿و قل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمؤمنون﴾ آپ کہہ دیں کہ تم عمل کرو۔تمہارے اعمال اللہ، اس کا رسول اور اہل ایمان دیکھ رہے ہیں۔'' میں کہا کہ اہل ایمان سے مراد ''امام'' ہیں۔(۲) اسی طرح مروی ہے کہ کسی شخص نے ان کے امام علی رضا سے کہا کہ میرے اور میرے گھر والوں کے لئے اللہ سے دعا کریں تو اس نے کہا: کیا میں پہلے نہیں کرتا! اللہ کی قسم تمہارے اعمال ہر شب و روز مجھ پر پیش ہوتے ہیں۔مجھ پر یہ بات گراں گذری تو اس نے کہا،کیا تم یہ آیت ﴿قل اعملوا فسیری اللہ عملکم....﴾

(۱) [(۱۷۱/۱)]

(۲) [أیضا]

نہیں پڑھتے۔ کہا کہ قسم خدا کی اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔[1] ''بصائر الدرجات''[2] کتاب میں ابو جعفر صفار نے کئی عنوان قائم کر کے ثابت کیا کہ اماموں پر اعمال پیش ہوتے ہیں۔ اگر یہ اعمال والی کہانی صرف نبی ﷺ تک محدود رکھی جاتی تو شاید معاملہ ہلکا رہتا مگر یہ اماموں کے ذریعے پیروں، فقیروں، ولیوں وغیرہ تک جا پہنچی۔ اسی وجہ سے مردوں کو پکارا جاتا ہے کہ ان پر اعمال پیش ہوتے ہیں ورنہ لوگ انہیں نہ پکاریں کہ اگر لوگوں کو علم ہو کہ مردے دنیاوی زندگی سے بے خبر ہیں۔

مذکورہ حدیث کی سند کا جائزہ:۔ اس حدیث کو بزارؒ نے اپنی سند سے روایت کیا کہ ہمیں یوسف بن موسیٰ نے عبدالمجید بن عبدالعزیز از سفیان از عبداللہ بن سائب از زاذان از عبداللہ از نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا'' اللہ کے کچھ فرشتے زمین پر چلتے پھرتے ہیں اور میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں .... میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے ....محدث بزارؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت عبداللہ سے اسی سند سے مروی ہے۔[3]

اس حدیث کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ بہت سے راوی بیان کرتے ہیں جبکہ دوسرا حصہ عبدالمجید بن ابی رواد زائد بیان کر کے ان کے مخالف ہے۔ پہلا حصہ سفیان ثوری سے کئی سندوں سے مروی ہے۔ تقریباً دس سندوں سے مروی ہے اور وہ دس عبدالرحمٰن بن مھدی، یحییٰ بن سعید، وکیع بن جراح، ابن مبارک، معاذ بن معاذ، عبدالرزاق بن ھمام، عبداللہ بن نمیر، محمد بن یوسف، ابواسحاق فزاری اور فضیل بن عیاض ہیں۔

عبدالرحمٰن بن مھدی سے امام احمد نے[4] روایت لی۔ قطان سے اسماعیل قاضی[5] نے، وکیع سے ابن ابی شیبہ[6]، احمد[7]، نسائی[8] نے اور ابن حبان نے[9]، ابن مبارک سے نسائی نے[10]، معاذ سے احمد[11] اور نسائی نے[12]، عبدالرزاق نے اپنی مصنف[13] میں اور اس سے نسائی[14] اور طبرانی نے،[15] عبداللہ بن نمیر سے احمد نے،[16] محمد بن یوسف

---

(۱) [ایضاً]
(۲) [(ص ٤٤٤ تا ٤٥٤)]
(۳) [کشف الاستار (٨٤٥)]
(٤) [مسند (١/٤٤١)]
(٥) [فضل الصلاۃ علی النبی (٢١)]
(٦) [مصنف (١١٧٧٠)]
(٧) [مسند (١/٤٤١)]
(٨) [نسائی (٣/٣٧)]
(٩) [موارد الظمآن (٢٣٩٣)]
(١٠) [عمل الیوم واللیلۃ (٦٦)]
(١١) [مسند (١/٤٥٢)]
(١٢) [نسائی (٣/٣٧)]
(١٣) [مصنف (٣١١٦)]
(١٤) [نسائی (٣/٣٧)]
(١٥) [المعجم الکبیر (١٠/٢٧١)]
(١٦) [مسند (١/٣٨٧)]

سے دارمی نے،[1] ابواسحاق سے حاکم[2]، طبرانی[3] اور ابونعیم[4] نے، فضیل سے طبرانی[5] نے روایت لی ہے۔ ابو اسحاق اس روایت کو اعمش اور ثوری سے بیان کرتا ہے لہٰذا اعمش ثوری کا متابع ہوا۔ دارقطنی فرماتے ہیں کہ ثوری کے اصحاب میں سے فضیل بن عیاض وغیرہ نے اسے روایت کیا ہے۔ اسی طرح ثوری کی اعمش، حسین حلقانی، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی، عوام بن حوشب اور شعبہ نے متابعت کرتے ہوئے عبداللہ بن سائب از زاذان از ابن مسعود اس حدیث کا پہلا حصہ روایت کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن دس اصحاب نے ثوری سے اس روایت کا صرف پہلا حصہ روایت کیا ہے، وہ سب ثقات راوی ہیں اور عبدالمجید بن عبدالعزیز بن ابی رواد نے ان کی مخالفت کی ہے اور دوسرا حصہ بھی روایت کیا ہے۔ لہٰذا یہ دوسرا حصہ شاذ یا منکر ہے کیونکہ عبدالمجید کو ثقہ اور ضعیف کہنے والے بھی ہیں۔ اسے صرف احمد، ابن معین اور ابوداؤد نے ثقہ کہا ہے باقی سب نے ضعیف ہی کہا۔ اسے ثقہ کہنے والوں نے یہ بھی کہا کہ یہ بدعتی تھا اور عقیدہ رجا کی تبلیغ کرتا تھا۔ اسے ضعیف کہنے والوں نے اس پر مفسر جرح کی ہے۔ لہٰذا اگر بالفرض اسے ثقہ بھی تسلیم کریں تو اس کی روایت شاذ ہونے کی وجہ سے قبول نہیں۔ لیکن اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ ثقہ کی زیادتی قبول ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عمومی قاعدہ نہیں بلکہ قرائن و احوال کا محتاج ہے۔[6] مثلاً حافظ ابن حجرؒ امام علائی کا قول نقل کرتے ہیں کہ

''متقدم ائمہ اصول حدیث مثلاً عبدالرحمٰن بن مہدی، سعید القطان، احمد بن حنبل اور بخاری وغیرہ کا کلام اس کا متقاضی ہے کہ وہ اس مسئلہ پر کلی حکم نہیں لگاتے تھے بلکہ وہ اس مسئلہ میں ترجیح کی ان صورتوں کو عمل میں لاتے جن کے ساتھ وہ کسی حدیث کو دوسری سے تقویت دینے کے لئے استعمال کرتے تھے۔''

کسی ثقہ کی زیادتی اس لئے بالکلیہ قبول نہیں کی جاتی کہ غالب گمان ہے کہ اس نے غلطی کی ہو گی کیونکہ مخرج حدیث تو ایک ہی ہے اور اس سے زیادہ حفاظ کی جماعت ایک طرح روایت کر رہی ہے اور ایک کم ثقہ کی وہی روایت ان کے مخالف جملوں کی زیادتی سے بیان ہو رہی ہے اگرچہ وہ زیادتی متن میں ہو یا سند میں لہٰذا اس فرد واحد کی وہ زیادتی

---

(١) [مسند (٢٧٧٧)]

(٢) [حاکم (٤٢١/٢)]

(٣) [المعجم الکبیر (٢٧٠/١٠)]

(٤) [اخبار اصبھان (٢٥/٢)]

(٥) [المعجم الکبیر (٢٧١/١٠)]

(٦) [تفصیل کے لئے دیکھیں النکت لابن حجر (٦٠٣/٢) توضیح الافکار (٣٣٩/١) فتح الباری (٢٠٣/١٠)]

کیسے قبول ہوسکتی ہے جس سے ایک بڑی اور ثقہ جماعت غافل رہی!''اس لئے کہا جائے گا کہ اگر اس (شیخ) نے اس (زائد عبارت) کو روایت کیا ہوتا تو سب راویوں نے اسے سنا ہوتا اور اگر سب نے اسے سنا ہوتا تو اسے روایت بھی کرتے اور اسے ترک کرنے پر ان کی مطابقت نہ ہوتی لہٰذا اس طرح کے مسئلہ میں ظن غالب یہی ہے کہ یہ راوی کی طرف سے زیادتی ہوئی ہے۔''(۱)

حاصل کلام یہ ہے کہ زیادتی صرف اس راوی کی مقبول ہے جو دوسرے راویوں کے مساوی درجہ ثقاہت پر فائز ہو لیکن اگر دیگر راوی اس سے تعداد اور حافظے میں زیادہ ہوں یا یہ غیر حافظ ہو اگرچہ صدوق بھی ہو تو اس کی زیادتی قابل قبول نہیں۔(۲) لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ شیخ البانیؒ نے اسے السلسلة الضعيفة (۹۷۵) میں ،ضعیف الجامع (۴۵ ۲۷) میں ضعیف کہا اور کہا کہ ہیثمی نے اس کی سند کے تمام راویوں پر صحت کا حکم لگا دیا جس سے سیوطی کو بھی دھوکہ ہوا اور اس نے اس کی سند کو صحیح کہہ دیا مگر ہیثمی کا استاد حافظ عراقی جو بزار کی اسناد میں خوب واقفیت رکھتا ہے، اس نے کہا کہ ''اس کی سند کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے عبدالمجید کے اگرچہ اس سے مسلم نے روایت لی اور ابن معین اور نسائی نے اسے ثقہ کہا ہے مگر بعض محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے۔'' اور میں کہتا ہوں کہ اس کی سند جید نہیں کیونکہ عبدالمجید ثقات کی مخالفت کر رہا ہے اور یہی اس حدیث کی علت ہے۔''

البانیؒ سے پہلے بزارؒ اور ابن کثیرؒ نے بھی اس علت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس لئے البانیؒ پر اس سلسلے میں الزام مردود ہے۔ اسی طرح دوسری علت یہ ہے کہ عبدالمجید راوی کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ غالی مرجۂ تھا اور اپنے عقیدے کی دعوت دیتا تھا اور یہ حدیث بھی اس کے عقیدے کو تقویت پہنچاتی ہے۔ علمائے جرح وتعدیل نے اس راوی کی روایت قبول نہیں کی جو بدعتی ہونے کے ساتھ اپنی بدعت کا مبلغ بھی ہو بالخصوص جب وہ اپنی خواہش میں غالی ہے۔ بدعتی شخص کے بارے میں یہ مذہب ہی درست ہے۔ اس طرح اس حدیث کی ایک اور علت یہ ہے کہ ابن مسعود سے یہ روایت مرفوع مروی ہے جیسا کہ ابن عدی نے عبیداللہ بن زحر عن علی بن یزید عن قاسم عن ابی امامہ عن ابن مسعود روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں ''سوموار اور جمعرات کے روز تمام نوع آدم کے اعمال مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں، رحم کرنے والوں پر اللہ رحم کرتے ہیں اور معاف کرنے والوں کو اللہ بھی معاف کر دیتے ہیں البتہ کینہ رکھنے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔''

---

(۱) [النكت (۶۸۸/۲)]

(۲) [ایضا (۶۹۰/۲)]

ابن عدی نے عبید اللہ بن زحر کے منکر الحدیث ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بعض نے اسے ثقہ اور بعض نے ضعیف کہا ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ یہ ثقہ راویوں سے موضوع روایات بیان کرتا ہے لیکن جب علی بن یزید سے روایت کرے تو قیامتیں برپا کرتا ہے اور جس سند میں عبید اللہ، علی بن یزید اور قاسم ابوعبدالرحمان جمع ہو جائیں، وہ ان کی اپنی تیار کردہ روایت ہوتی ہے۔(۱) اس روایت میں اللہ تعالیٰ کے حق کے بارے میں مسئلہ بیان ہوا ہے جس طرح گذشتہ روایت نبی کریم ﷺ کے بارے میں خاص تھی، اس لئے اس کی سند کا جائزہ بھی لئے چلتے ہیں۔ اس کی دو سندیں ہیں۔ ایک حضرت انس سے جس کی مزید دو سندیں ہیں اور ان میں کذاب راوی ہیں۔

(۱) ابوسعید حسین بن علی عدوی از خراش از انس از نبی کریم...... اس میں حسین بن علی عدوی کذاب راوی ہے جیسا کہ ابن عدی، ابن حبان اور دارقطنی نے اس پر کذب کا الزام عائد کیا ہے۔ خراش بن عبداللہ کو بھی ابن عدی اور ابن حبان نے کذاب کہا ہے۔(۲) لہٰذا یہ روایت من گھڑت ہے۔

(۲) یحییٰ بن خدام از محمد بن عبدالملک از ابوسلمہ انصاری از مالک بن دینار از انس...... اس سند میں ابوسلمہ انصاری ضعیف راوی ہے جسے امام عقیلی، ابن حبان، ذھبی اور ابن طاہر نے منکر اور ضعیف کہا۔ یحییٰ بن خدام کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا کہ میرے علم کے مطابق وہ صدوق ہے۔ ان شاء اللہ مگر ابواحمد حاکم نے ابوسلمہ کے بیان میں کہا کہ یحییٰ بن خدام اس سے منکر احادیث روایت کرتا ہے۔(۳) اللہ اعلم۔

ایک روایت بکر بن عبداللہ مزنی تابعی سے مرسل مروی ہے جس کے تین طرق ہیں۔

(ا) ابن سعد از اسماعیل از سلیمان بن حرب از حماد بن زید از غالب قطان از بکر بن عبداللہ۔ ابن عبدالھادی نے بکر مزنی تک اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(ب) اسماعیل قاضی از حجاج بن منہال از حماد بن سلمۃ از کثیر از بکر مزنی۔

(ج) حارث بن ابواسامہ از جسر بن فرقد از بکر مزنی۔

جر بن فرقد ضعیف راوی کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔ اس کی روایت کو صحیح کہنے والوں نے غلطی کی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس روایت کی تمام اسناد ضعیف ہیں البتہ بکر مزنی والی سند صحیح ہے مگر وہ مرسل ہونے کی وجہ سے

(۱) [المجروحین (۶۲/۲) المیزان (۷/۳)]

(۲) [سؤالات السھمی (۲۸٤) الکامل (۹٤۵/۳) المجروحین (۲٤۱/۱)]

(۳) [الضعفا (۹٦/٤) المجروحین (۲٦٦/۲) المیزان (۵۹۸/۳) دیوان الضعفا (۳۸۰۳)]

قابل قبول نہیں کیونکہ مرسل روایت بھی ضعیف کی ایک قسم ہے۔اسی طرح اس کے دیگر طرق (سندیں) جو حضرت انس تک جاتی ہیں، وہ بھی ضعیف راویوں کی وجہ سے تقویت کے لائق نہیں لہٰذا غماری کا یہ دعوٰی غلط ہے کہ ''یہ حدیث صحیح ہے اور اسے ضعیف کہنے والوں نے انصاف نہیں کیا۔'' اس لئے کہ یہ اصول حدیث کے مطابق کسی طرح بھی صحیح ثابت نہیں ہوتی۔

مذکورہ حدیث کے متن کا جائزہ:۔

(1) صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ سوموار اور جمعرات کو اللہ کے سامنے اعمال پیش ہوتے ہیں جیسا کہ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''ہر سوموار اور جمعرات کو اللہ کے حضور اعمال پیش ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ مشرک کے سوا ہر شخص کو معاف فرما دیتے ہیں البتہ وہ آدمی محروم رہتا ہے جو اپنے بھائی کے لئے کینہ رکھتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ انہیں صلح کر لینے تک مؤخر رکھو، انہیں صلح کر لینے تک مؤخر رکھو۔(۱) اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہ حدیث نبوی ﷺ بیان کرتے ہیں کہ ان دو دنوں میں اللہ کے حضور اعمال پیش ہوتے ہیں اور مجھے پسند لگتا ہے کہ حالت روزہ میں میرے اعمال پیش ہوں۔(۲)

لہٰذا جب صحیح احادیث سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ لوگوں کے اعمال اللہ کے حضور پیش ہوتے ہیں تو یہ بات نبی ﷺ کے لئے منسوب کرنا شرک ہے اور مخلوق کی خالق کے ساتھ مشابہت ہے جبکہ نبی ﷺ تو خود ان لوگوں میں شامل ہیں جن کے اعمال اللہ کے دربار میں پیش ہوتے ہیں۔اس بات کا قوی امکان ہے کہ کسی راوی نے اس حدیث میں مذکور اللہ کے حق کو نبی کی طرف منسوب کر دیا ہے جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دونوں طرح کی روایتیں مروی ہیں لیکن اللہ پر اعمال پیش ہونے والی روایت صحیح ہے جبکہ حضور ﷺ پر پیش ہونے کی روایت سخت ضعیف ہے۔

(2) نبی کریم ﷺ تو اپنی زندگی میں بھی احوال غیب سے آگاہ نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو کچھ وحی کے ذریعے ہم آپ کو بتا دیں، آپ صرف وہی جانتے ہیں اور تمام غیبی باتوں کا علم صرف اور صرف اللہ رب العزت کو ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔'' آپ کہہ دیں کہ میں اپنے نفس کے نفع یا نقصان کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔اگر میں غیب جانتا تو بہت سی بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھے تکلیف نہ پہنچتی۔(الاعراف۔۱۸۸)

اسی طرح بہت سی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ غیب کا علم نہیں رکھتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر

---

(۱) [مسلم (۲۵٦۵) احمد (۲٦۸/۲)]

(۲) [احمد (۲۰۰/۵) دارمی (۱۷۵۷) ارواء (۹٤۸)]

تہمت کا واقعہ ہے جس کی برأت آپ کو قرآن کے نزول کے بعد ہی معلوم ہوئی۔اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہوا اور آپ نے اسے ڈھونڈنے کا حکم دیا جبکہ وہ ہار اونٹ کے نیچے تھا۔(۱)

لہٰذا جب رسول کریم دنیاوی زندگی میں غیب سے واقف نہیں تھے تو اب آپ ﷺ کی برزخی زندگی میں عالم الغیب ہونے کے بارے میں کیسے دعویٰ کیا جا سکتا ہے! جب کہ جہلا نے تو یہاں تک مبالغہ کر رکھا ہے کہ اللہ کا علم اور نبی ﷺ کا علم برابر ہے۔نعوذ باللہ من ذٰلک

(3) مذکورہ روایت بے شمار صحیح احادیث کے مخالف ہے مثلاً ''کچھ لوگ آپ ﷺ کے حوض سے دور ہٹائے جائیں گے تو آپ کہیں گے، یہ میرے ساتھی ہیں لیکن آپ ﷺ سے کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا بدعات جاری کی تھیں تو نبی ﷺ فرمائیں گے، پھر اس کے لئے بدبختی ہو جس نے میرے بعد دین بدل دیا۔(۲) یہ حدیث متواتر ہے جس میں آپ ﷺ کے عالم الغیب ہونے کی نفی ہے جبکہ اعمال پیش کیے جانے کی روایت ضعیف ہے جو اس متواتر کے مقابلے میں مردود ہے۔

(4) اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:''تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ ہے۔اس دن مجھ پر بکثرت درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ آپ ﷺ کو ہمارا درود کیسے پہنچے گا کہ جب آپ ﷺ مٹی ہو چکے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے انبیا کے اجسام حرام کر دیئے ہیں۔''(۳) اس روایت میں نبی ﷺ تک لوگوں کے درود پہنچنے کا بالخصوص ذکر ہے۔اگر سب اعمال آپ پر پیش ہوتے تھے تو یہ درود والی بات لغو ہوتی! اس لئے شک ہے کہ کسی راوی نے اس خصوص کو عموم میں بدل دیا کہ آپ پر سب اعمال پیش ہوتے ہیں جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والوں میں زیادہ راویوں نے درود کے الفاظ بیان کئے ہیں جبکہ عبدالمجید راوی نے تمام اعمال پیش ہونے کا ذکر کیا۔شیخ ابن تیمیہؒ نبی کریم ﷺ پر درود والے دلائل بیان کر کے فرماتے ہیں کہ ''ان نصوص سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ قریب والے کا درود وسلام سنتے ہیں اور دور والے کا درود وسلام آپ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ایسا نہیں کہ آپ ﷺ دور والے کا درود وسلام سنتے ہوں۔جب آپ ﷺ دور والے کے درود کو بھی بغیر واسطے کے نہیں سن سکتے تو غائب کی پکار و فریاد بالاولیٰ نہیں سن

---

(۱) [بخاری (۳۳٤) مسلم (۳٦۷)]

(۲) [بخاری (٦٥۸۲) مسلم (۲۳۰٤)]

(۳) [احمد (۸/٤) ابو داؤد (۱۰٤۷) نسائی (۷٥/۳) ابن ماجۃ (۱۰٥۰) دارمی (۱٥۸۰) حاکم (۲۷۸/۱)]

سکتے اور نصوص سے یہ ثابت ہوا کہ فرشتے آپ تک درود پہنچاتے ہیں۔''(۱)

شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ دعوی کرے کہ حضور ﷺ دور سے درود و سلام سنتے ہیں تو یہ ناممکن ہے۔ اگر اس کی مراد یہ ہو کہ آپ ﷺ تک درود پڑھنے والے کی آواز پہنچ جاتی ہے تو یہ مکابرہ ہے کیونکہ دور سے سب مخلوقات اور بندوں کی پکار سننا صرف اللہ رب العالمین کی شان ہے۔ ارشاد باری ہے۔''کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ اور اعلانیہ (گفتگو) نہیں سنتے؟ کیوں نہیں! اور ہمارے نمائندے ان کے پاس لکھتے ہیں۔'' (الزخرف۔۸۰) نیز فرمایا کہ ''کوئی مجلس تین کی ہو تو چوتھا وہ (اللہ) ہوتا ہے، پانچ کی ہو تو چھٹا وہ ہوتا ہے......'' (المجادلۃ۔۷) لہٰذا کوئی انسان بلکہ کوئی مخلوق بھی سب لوگوں کی آواز سننے کی طاقت نہیں رکھتی۔(۲)

(5) اگر بالفرض یہ مان لیں کہ آپ تک امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں تو پھر بھی آپ ﷺ کو پکارنا اس روایت سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ

(۱) اس روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اپنی زندگی میں اپنی امت کے لئے بخشش طلب کرتے ہیں اور صحابہ ﷺ نے آپ ﷺ سے اس بخشش کا کبھی سوال نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے آپ ﷺ کو (وفات کے بعد) پکارا حالانکہ وہ آپ کی موت کے بعد استغفار کے زیادہ لائق تھے۔

(۲) دعا عبادت ہے اور آپ ﷺ کو پکارنا شریعت نہیں ورنہ خیر القرون کے لوگ اس عبادت سے محروم نہ رہتے۔

(۳) بفرض صحت اس روایت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کو اپنے بعض صحابہ ﷺ کے غیبی واقعات بتا دیئے جاتے تھے، اسی طرح امت کے اعمال سے باخبر کر دیا جاتا ہے لیکن ان صحابہ کرام نے کبھی حالات کی سنگینی میں آپ سے مدد نہیں مانگی نہ ہی آپ ﷺ کو پکارا جیسا کہ حضرت خبیب ﷺ اور بئر معونہ والوں کا واقعہ ہے،(۳) پھر مہاجرین حبشہ تھے۔(٤) بالخصوص حضرت خبیب نے بوقت شہادت اللہ کی طرف اپنی مشکل کی شکایت کی مگر نبی ﷺ کو مشکل میں نہیں پکارا۔ اس طرح کے ان گنت واقعات صحابہ ﷺ کی زندگیوں سے پیش کئے جا سکتے ہیں کہ انہوں نے کبھی کسی مشکل میں آپ کی ذات کو وسیلہ نہیں بنایا اور نہ ہی آپ ﷺ کو پکارا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انبیاء اور فرشتوں کو پکارنے سے منع کیا ہے:۔''آپ کہہ دیجئے کہ پکارو جنہیں

---

(۱) [الرد علی البکری (۳٤)]

(۲) [الرد علی الاخنائی (۲۱۰)]

(۳) [بخاری (۳۷۸/۷)]

(٤) [بخاری (٤۸٤/۷)]

تم اللہ کے سوا (معبود) خیال کرتے ہو، وہ تمہاری تکلیف دور کرنے یا ہٹانے پر قادر نہیں۔ وہ لوگ جنہیں یہ پکارتے ہیں (وہ تو خود) اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ قریب ہے اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور عذاب سے خائف ہیں۔ بلاشبہ تیرے رب کے عذاب سے ڈرا گیا ہے۔'' (الاسرا۔۵٦،۵۷)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور فرشتوں کو پکارنے سے منع کر دیا ہے اگر چہ فرشتے لوگوں کے لئے بخشش کی دعائیں کرتے ہیں مگر انہیں پکارنا منع ہے۔ اسی طرح اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان پر اعمال پیش ہوتے ہیں تو پھر بھی انہیں پکارنے سے اللہ نے منع کر دیا ہے۔ اسی لئے سلف صالحین میں سے کسی نے بھی نبیوں یا فرشتوں کو نہیں پکارا کیونکہ یہ شرک اور عبادت لغیر اللہ کا ذریعہ ہے۔ ''انبیاء، صلحاء اور ملائکہ کے احوال ومعاملات تکوینی ہیں جس میں سائل کے سوال کی کوئی تاثیر نہیں۔ جس طرح انبیاء وصلحاء کی زندگی میں سائل کی تاثیر ہوتی ہے کہ اس وقت سوال کو پورا کرنا مشروع ہے لیکن موت کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور اس وقت معاملہ محدود ہو جاتا ہے اور وہ صرف اللہ کے حکم کے پابند ہو جاتے ہیں لہٰذا اس وقت کسی سائل کا سوال اس میں کوئی زیادتی نہیں کر سکتا اور وہ سوال سائل کو نفع دینے کی بجائے نقصان پہنچاتا ہے۔ بعض لوگ یہ دلیل پکڑتے ہیں کہ آپ ﷺ روز قیامت اپنی امت پر گواہی دیں گے اور اس سے لازم آتا ہے کہ آپ ان کے اعمال سے مطلع ہیں۔ حالانکہ یہ دعویٰ کئی وجوہات کی بنا پر غلط ہے:۔

(ا) نبی ﷺ امت کے اعمال پر گواہی نہیں دیں گے بلکہ آپ ﷺ اس بات کی گواہی دیں گے کہ یہ لوگ آپ پر ایمان لائے تھے۔ ابن جریر نے عطا، قتادہ اور دیگر مفسرین سے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ (۱)

(ب) ابن مسعود سے مروی ہے کہ اس آیت کے بارے میں (کیسا ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور تجھے ہم ان سب پر گواہ بنائیں گے) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ میں جب تک ان میں موجود رہا تب تک ان پر گواہ ہوں اور جب تو نے مجھے فوت کر لیا تو تو ہی ان پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔'' (۲) اس تفسیر کے پیش نظر یہ گواہی نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ تک خاص تھی۔

(ج) دوسرے انبیاء کی گواہی بھی اسی گواہی کی طرح ہے جس طرح حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ہے کہ ''میں نے انہیں صرف وہی بات کہی تھی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو، وہ میرا اور تمہارا رب ہے اور جب تک میں ان میں زندہ رہا، تب تک ان پر گواہ ہوں اور جب تو نے مجھے فوت کر لیا تو تو ان پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔'' (المائدہ۔۱۱۷)

---

(۱) [طبری (۱۰/۲) (۲۰۸/۱۷)]

(۲) [بخاری (٤٥٨٢) مسلم (۸۰۰) حمیدی (۱۰۲) طبری (۹۲/٥) ابو یعلیٰ (٥٠٢٠)]

(د) اس گواہی کی طرح امت محمدیہ بھی گذشتہ امتوں پر گواہی دے گی لیکن کیا اس کا یہ معنی ہے کہ ہم گذشتہ امتوں کے تمام اعمال سے باخبر ہیں؟

(ذ) اس گواہی کی مکمل وضاحت احادیث میں اس طرح وارد ہے کہ روز قیامت حضرت نوحؑ کو بلایا جائے گا تو وہ کہیں گے اے میرے رب! میں حاضر ہوں تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آپ کی گواہی کون دے گا؟ وہ کہیں گے کہ محمد ﷺ اور ان کی امت۔ وہ گواہی دیں گے کہ اس نے تبلیغ کی اور رسول تم پر گواہی دے گا۔ یہی اس آیت میں ہے:۔﴿وکذلک جعلناکم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیدا﴾(البقرۃ۔۱۴۳)(۱)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہماری امت حضرت نوحؑ کی تبلیغ پر گواہی دے گی اور نبی ﷺ اس امت کی تبلیغ اور ایمان کی گواہی دیں گے نا کہ امت کے سارے اعمال کی۔ غماری نے ایک اثر سے استدلال کیا کہ سعید بن میبّب فرماتے ہیں کہ ہر روز صبح وشام رسول کریم ﷺ پر آپ کی امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور آپ ان کے ناموں اور کاموں سے واقف ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''ہم نے آپ کو ان پر گواہ بنایا ہے۔''(۲)

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ ''اس اثر میں انقطاع ہے اور ایک راوی مجہول ہے اور یہ سعید بن میبّب کا کلام نہیں۔''(۳)

لہٰذا ان علتوں کی بنا پر یہ روایت صحیح نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ مرسل حجت ہوتی ہے تو پھر عرض ہے کہ یہ مرسل قطعی دلائل کے خلاف ہے جو پیچھے بیان کئے جا چکے ہیں جبکہ اس کا مرسل ہونا بھی محل نظر ہے اور حافظ ابن کثیرؒ کی بات ابن حجر پر راجح ہے کہ یہ روایت مرسل تابعی نہیں۔ علاوہ ازیں یہ اثر تین مرفوع احادیث کے خلاف ہے:۔

(۱) ابن مسعود ؓ کی گذشتہ روایت کے مخالف ہے۔

(۲) اس روایت کے مخالف ہے کہ آپ نے ایک قاری کو تلاوت کا حکم دیا۔ جب وہ اس آیت پر پہنچا﴿فکیف اذا جئنا من کل امة شهیدا....﴾ تو آپ ﷺ زاروقطار رو دیئے اور فرمایا: اے میرے رب میں ان موجود لوگوں پر تو گواہ ہوں اور جنہیں میں نے دیکھا نہیں، ان پر کیسے گواہی دوں گا۔''(۴)

(۳) اسی طرح کی ایک روایت ابوعبدالرحمٰن لبیبہ سے مروی ہے

ضعیف روایات سے استدلال کرنے والوں کا تیاپانچہ کرنے کے بعد اب ہم ان کی موضوع اور من گھڑت روایات سے پردہ اٹھاتے ہیں

---

(۱) [بخاری (٤٤٨٧)]

(۲) [ابن کثیر (٤٩٩/١) فتح الباری (٩٩/٩)]

(۳) [ابن کثیر (٤٩٩/١)]

(٤) [مجمع الزوائد (٤/٧)]

مبحث ثانی

موضوع، من گھڑت روایات

(1) سواد بن قارب نے اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے یہ اشعار پڑھے:۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں اور آپ ہر غائب پر مامون ہیں

آپ تمام رسولوں کی بہ نسبت اللہ کے ہاں وسیلے کے اعتبار سے قریب ہیں اے محبوب اکرم!

آپ اس دن میں سفارشی بن جائیں کہ جب کوئی سفارشی نہیں

جو سواد بن قارب کی بقدر فتیل ہی کفایت کر دے

اس سے بعض لوگوں نے یہ دلیل پکڑی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے "سفارشی اور وسیلہ بن جائیں" کے الفاظ پر انکار نہیں کیا۔

جواب:۔ سواد بن قارب سے صحیح بخاری میں ایک روایت مروی ہے جس میں عمر بن خطاب نے ان سے ان کے اسلام لانے اور نبی ﷺ کی بعثت کے بارے میں جنوں کی خبروں کے متعلق دریافت کیا ہے لیکن یہ روایت ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ متعلقہ روایت کے تقریبا چھ طرق (سندیں) ہیں جو تمام کے تمام ضعیف ہیں:۔

(ا) علی بن منصور از عثمان بن عبدالرحمٰن از محمد بن کعب فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے..... سواد نبی ﷺ کے پاس آیا اور دو شعر (بیت) پڑھے۔[۱] اس سند میں کئی علتیں ہیں۔

(۱) امام ذہبی کے بقول علی بن منصور مجہول ہے۔[۲]

(۲) امام ذھبی کے بقول عثمان بن عبدالرحمٰن بھی متروک ہے۔[۳]

(۳) محمد بن کعب ۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور عمر بن خطاب سے ان کی ملاقات بقول حافظ ابن حجر ثابت نہیں لہٰذا یہ روایت منقطع ہے۔ اسی لئے حافظ ذھبی، حافظ ابن کثیر اور امام ہیثمیؒ نے اس کی اسناد کو ضعیف قرار دیا ہے۔[٤]

(ب) سعید بن عبیداللہ از عبیداللہ از ابوجعفر محمد بن علی فرماتے ہیں کہ سواد بن قارب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا..... آپ (محمد ﷺ) تمام رسولوں سے زیادہ لائق وسیلہ ہیں۔ اس میں سفارشی بننے کا جملہ نہیں۔ اس سند میں بھی

---

(۱) [حاکم (۳/۶۰۸) دلائل (۲/۲۵۳) البدایة (۲/۳۰۹) المعجم الکبیر (۷/۱۰۹)]

(۲) [السیرة (۱۳۱)]

(۳) [ایضا]

(٤) [تقریب (٦٢٥٧) البدایة (۲/۳۱۰) مجمع الزوائد (۸/۲۵۰)]

کئی خرابیاں ہیں مثلاً:۔

(۱) سعید بن عبداللہ کو ابو حاتم نے ضعیف کہا ہے البتہ ابن حبان کا اسے ثقہ کہنا مرجوح ہے کیونکہ ان کا تساہل معروف ہے۔

(۲) عبیداللہ وصافی کو امام نسائی، فلاس، ابن حبان نے متروک اور ابن معنی، ابوزرعہ اور ابوحاتم وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔[۱]

(۳) ابوجعفر باقر اور عمر بن خطاب کے درمیان انقطاع ہے کیونکہ ان کے والد بھی عمر فاروق کی شہادت کے بعد پیدا ہوئے تھے!۔[۲]

لہٰذا مذکورہ دونوں سندیں ضعیف اور ناقابل دلیل ہیں۔ حافظ ابن حجر کا یہ قول کہ ''یہ اسناد اگرچہ مرسل ہیں مگر ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں''[۳] محل نظر ہے کیونکہ ان کا ضعف بالکل واضح ہے جو قابل تقویت نہیں لیکن اگر حافظ ابن حجر بخاری کے مختصر قصہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں تو یہ خارج از موضوع ہے۔

(ج) زیاد بن یزید بن بادویہ از محمد بن تراس کوفی از ابوبکر بن عیاش از ابواسحاق از براءؓ از عمرؓ۔ اس روایت میں وسیلے کی جگہ شفاعت کا لفظ ہے۔ اس سند میں بھی کئی خرابیاں ہیں مثلاً:۔

(۱) زیاد بن یزید مجہول راوی ہے۔

(۲) محمد بن تراس کوفی بھی مجہول راوی ہے۔

(۳) ابوبکر بن عیاش ثقہ ہے مگر بڑھاپے میں اس کا حافظہ متغیر ہوگیا تھا۔

(۴) ابواسحاق سبیعی ثقہ ہونے کے ساتھ مدلس ہے اور مختلط ہوگیا تھا۔ مذکورہ سند میں اس کا تصریح بالسماع بھی نہیں لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔[٤] حافظ ذھبی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر (ضعیف) ہے۔ محمد بن تراس اور زیاد مجہول ہیں لہٰذا یہ روایت ناقابل قبول ہے بلکہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ روایت موضوع ہو، ابوبکر بن عیاش کی وجہ سے۔ لیکن اصل حدیث مشہور ہے۔[٥] یعنی سواد بن قارب کا عمر بن خطاب سے ملاقات کرنا جس میں مذکورہ اشعار نہیں۔

---

(۱) [الکامل (١٦٣٠/٤) المجروحین (٦٣/٢) المیزان (١٧/٣)]

(۲) [سیر اعلام (٣٨٦/٤)]

(۳) [فتح الباری (١٧٩/٧)]

(٤) [علل ابن ابی حاتم (٣٥/١) تهذیب (٣٧/١٢) تقریب (٧٩٨٥)]

(٥) [السیرة (١٣٠)]

(د) فضل بن عیسی از علاء بن زیدل از انس بن مالک.....اس روایت کے آخر میں یہ شعر ہے کہ '' آپ میرے سفارشی بن جائیں کہ جس دن کوئی سفارشی نہ ہوگا۔ آپ کے سوا جو سواد بن قارب کی بقدر کفایت سفارش کر سکے۔ اس سند کے راوی علاء بن زیدل کے بارے میں علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں گھڑتا تھا۔ امام بخاری، ابن عدی اور عقیلی نے اسے منکر الحدیث اور ابن حبان اور حاکم نے کہا کہ یہ حضرت انس سے جعلی احادیث روایت کرتا ہے۔ لہٰذا یہ سند بھی نا قابل قبول ہے۔

(ھ) محمد بن سائب کلبی از ابیہ از عمر بن خطاب۔ اس سند میں کلبی راوی جھوٹا (ضعیف) ہے۔

(و) حسن بن عمارۃ از عبداللہ بن عبدالرحمٰن از سواد بن قارب، حسن بن عمارہ کو حافظ ابن حجرؒ نے متروک الحدیث کہا ہے۔[1] ثابت ہوا کہ اس روایت کی کوئی سند بھی قابل دلیل نہیں بلکہ یہ روایت ثقات کی مخالفت کی وجہ سے منکر ہے۔

متن کے اعتبار سے:۔ اگر بالفرض اس کی اسناد صحیح تسلیم کر لیں تو پھر یہ روایت نا قابل دلیل ہے کیونکہ اس میں نبی ﷺ کو اللہ کی طرف قریبی وسیلہ کہنے کے کئی معانی ہو سکتے ہیں مثلاً :۔

(۱) سب سے واضح معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے ہاں ساری مخلوق سے زیادہ رتبے اور درجے والے ہیں۔ اسی طرح وسیلہ بمعنی درجہ بھی مستعمل ہے جیسا کہ وسیلہ کے بیان میں گذر چکا ہے۔

(۲) نبی ﷺ تبلیغ اور رسالت کے اعتبار سے اللہ کے سب سے قریبی ہیں اور آپ کی شریعت باقی تمام رسولوں کی شریعتوں سے زیادہ اللہ کے ہاں قرب رکھتی ہے۔

(۳) آپ اپنی زندگی میں لوگوں کے لئے دعا کرنے کے لئے باعث وسیلہ تھے جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے۔ (دیکھئے النساء۔۶۴)

(۴) اسی طرح آپ ﷺ روز قیامت شفاعت عظمٰی کے لئے وسیلہ ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ برزخی زندگی میں کسی کے لئے وسیلہ نہیں لیکن جو اس کا قائل ہے، اسے اپنے دعویٰ کی دلیل پیش کرنا چاہیے۔ لیکن وسیلہ کے معانی میں ان گنت احتمالات ہیں لہٰذا جب احتمال واقع ہو جائے تو اس دلیل سے استدلال باطل قرار پاتا ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ کو اپنا سفارشی بنوانے کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ سے روز قیامت اللہ کی اجازت کے ساتھ اپنے لئے سفارش کی درخواست کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

(2) ھشام بن کلبی از ابیہ از عبداللہ عمانی از مازن بن غضوب (غضوبۃ) کہ مازن نے اللہ کے رسول کے

---

[1] [مذکورہ راویوں کے حالات کے لئے دیکھئے: الکامل (۱۸۶۲/۵) المجروحین (۱۸۰/۲) المیزان (۹۹/۳) تھذیب (۱۸۳/۸) البدایة (۳۱۲/۲) الاصابة (۲۱۹/۲)]

سامنے یہ اشعار پڑھے:

''اللہ کے رسول! آپ کی طرف میری سواری نے عمان سے عرج تک کے صحراؤں کو کاٹنے کی مشقت برداشت کی تا کہ آپ سے جوان سنگریزوں (صحراؤں) کو روندنے والے سے بہت بہتر ہیں، میری سفارش کریں اور میرے گناہ بخش دیئے جائیں اور میں کامیاب واپس جاؤں۔ (۱)

جواب:۔ ھشام بن محمد بن سائب کلبی متروک رافضی راوی ہے۔ اس کا باپ بھی اس سے کم نہیں۔ ھیثمی نے ان دونوں کو ضعیف (متروک) قرار دیا ہے۔ (۲) لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔ اگر اس کی سند صحیح بھی مان لیں تو اس کا معنی بالکل واضح ہے۔ اس شخص نے آپ ﷺ سے گناہوں کی معافی کی درخواست کی ہے اور یہ قرآن میں ہے کہ ''جب کبھی وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں اور آپ کے پاس آئیں تو آپ ان کے لئے بخشش کی دعا کریں۔'' (النساء۔۶۴) لہٰذا یہ آپ ﷺ کی زندگی کے لئے خاص ہے جس کا کوئی نزاع واختلاف نہیں۔

(3) ابو حارث عبداللہ بن مسلم از اسماعیل بن مسلمہ از عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم از ابیہ از جدہ از عمرؓ: ''جب آدمؑ سے غلطی ہوئی تو انہوں نے کہا:۔ اے میرے رب! میں محمد ﷺ کے حق سے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ ان کی بدولت آپ مجھے معافی بخش دیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے کہا: آدم! تو نے محمد ﷺ کو کیسے پہچان لیا کہ ابھی تو میں نے انہیں پیدا ہی نہیں کیا؟ آدمؑ نے کہا: اے میرے رب! جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، مجھ میں اپنی روح پھونکی اور میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے ہر پائے پر لکھا تھا ﴿لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ﴾ میں نے معلوم کر لیا کہ آپ کے نام کے ساتھ صرف وہی نام منسوب (متصل) ہوسکتا ہے جو آپ کی مخلوق میں سے آپ کا سب سے زیادہ محبوب ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے کہا: میں نے تمہیں بخش دیا اور اگر یہ محمد نہ ہوتا تو میں تمہیں پیدا ہی نہ کرتا۔'' (۳) اس روایت سے بہت سے لوگوں نے نبی ﷺ کی ذات سے وسیلہ پکڑنے کا جواز نکالا ہے۔

<u>سند کے اعتبار سے جائزہ:۔</u> بڑے بڑے حفاظ ائمہ حدیث نے اس روایت کو موضوع، باطل اور من گھڑت قرار دیا ہے مثلاً امام ذھبیؒ، ابن حجرؒ، ابن تیمیہؒ، ابن الھادی، علامہ البانیؒ۔ (۴) امام حاکم کی اس بات پر عیب لگایا گیا ہے کہ

(۱) [المعجم الكبير (۳۳۷/۲۰) الاحاديث الطوال (٦٢) دلائل (۲٥٨/۲) الاصابة (٧٠٤/٥)]

(۲) [مجمع الزوائد (۲٤٨/٨)]

(۳) [طبرانی صغير (۸۲/۲) حاكم (٦١٥/۲) دلائل (٤٨٩/٥)]

(٤) [تلخيص المستدرك (٦١٥/۲) الميزان (٥٠٤/۲) اللسان (۳٥٩/۳) منهاج السنة (۱۳۱/۷) السلسلة الضعيفة (۳۸/۱) الصارم (۳٦)]

انہوں نے اس حدیث کے بارے میں کہا ''یہ سنداً صحیح ہے اور پہلی روایت ہے جو میں نے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے اس کتاب میں نقل کی ہے۔''(۱) حالانکہ امام حاکم نے عبدالرحمٰن بن زید کو اپنی کتاب ''المدخل فی المجروحین'' میں ذکر کیا کہ یہ اپنے باپ سے من گھڑت روایتیں بیان کرتا ہے جو اس فن سے ذرا برابر واقفیت رکھنے والے سے مخفی نہیں۔(۲) لہٰذا امام حاکم نے خود ہی اس راوی کی اصلیت واضح کر کے روایت کو موضوع بنا دیا ہے۔

متن کے اعتبار سے جائزہ:۔

(۱) حضرت آدمؑ نے اپنے گناہوں کی معافی کے لئے جو دعا کی، وہ قرآن میں ہے کہ ''اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم نقصان اٹھانے والے ہو جائیں گے۔'' (الاعراف۔۲۳) لہٰذا یہ دعا ہی راجح ہے جو قرآن سے واضح ہے۔امام طبری نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔(۳)

(۲) امام طبری اور ابو حاتم نے آدمؑ کے بارے میں مختلف اقوال نقل کئے ہیں کہ انہوں نے اپنے گناہ سے معافی کے لئے کون کون سے کلمات کہے۔ابو حاتم نے چھ کلمات نقل کئے ہیں مگر کلمہ شہادت والے الفاظ کو راجح نہیں کہا۔

(۳) خود عبدالرحمٰن بن زید نے ان کلمات کی تفسیر میں ﴿ربنا ظلمنا انفسنا.....﴾ کے کلمات کو بیان کیا ہے۔

(۴) اس روایت کے بموجب حضرت آدمؑ نے از خود نبی کریم ﷺ کے نام کو پہچان لیا اور انہی کلمات سے معافی مانگ لی جبکہ قرآنی آیت کے بموجب آپ نے اللہ تعالیٰ سے معافی کے لئے کلمات سیکھے ہیں لہٰذا یہ روایت قرآن کی نص صریح کے مخالف ہے۔

(۵) اگر بالفرض آدمؑ کی توبہ ان کلمات کی ادائیگی سے قبول ہوگئی تھی تو امت محمد ﷺ ان کلمات کی زیادہ حق دار ہے مگر کوئی ایک بھی ایسی روایت نہیں کہ نبی ﷺ نے اپنی امت کو ان کلمات کا حکم دیا ہو نہ ہی صحابہ ؓ سے ایسا منقول ہے اور نہ کسی جید عالم نے ایسا فتویٰ دیا ہے۔(٤)

(٦) توبہ گناہ کے اعتراف و اقرار اور بخشش مانگنے سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

''اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم نقصان اٹھانے

---

(۱) [حاکم (٦١٥/٢)]

(۲) [المدخل (١٥٤)اللسان (٢٣٣/٥) المیزان (٦٠٨/٣)]

(۳) [طبری (٢٤٥/١)]

(٤) [الرد علی البکری (ص ١١)]

والے ہو جائیں گے۔" لہٰذا جب ان کلمات سے مقصود پورا ہو رہا ہے تو دیگر کلمات چہ معنی دارد؟

(۷) یہ بات بدیہی ہے کہ کافر و فاسق بھی بوقت ضرورت اللہ پر کسی کی قسم نہیں ڈالتے تھے تو آدمؑ کو اس کی احتیاج کیسے ہو سکتی ہے؟

(۸) اگر اسے درست بھی مان لیں تو یہ گذشتہ شریعت ہے جس کی ہماری شریعت میں اجازت نہیں کیونکہ ہمیں خالق پر مخلوق کی قسم ڈالنے سے منع کیا گیا ہے۔

(۹) یہ روایت دیگر قطعی نصوص کے مخالف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور اس کی اولاد کو محمد ﷺ کے لئے نہیں بلکہ اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔﴿وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون﴾ (الذاریات۔۵۶)"میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

(۱۰) اس روایت کے موضوع ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعض شیعہ ابو عبداللہ (جعفر) سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کے سامنے اس کی اولاد کو وعدے کے لئے پیش کیا تو ان میں نبی کریم ﷺ، حضرت علی، فاطمہ، حسن، حسین بھی تھے تو آدمؑ نے ان سے حسد کیا (معاذ اللہ) ایک روایت میں ہے کہ آدمؑ نے ان کی ولایت کو تسلیم نہ کیا چنانچہ اس وجہ سے انہیں جنت سے نکال دیا گیا اور جب آدمؑ نے اپنے حسد سے توبہ کی اور ان کی ولایت کو تسلیم کیا اور پنجتن پاک کے نام سے دعا کی تو اللہ نے انہیں بخش دیا۔ اسی لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ" آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لئے۔"(۱) معلوم ہوتا ہے کہ بعض ضعیف راویوں نے رافضیوں سے یہ بات نقل کر کے روایات میں خلط ملط کر دی ہے۔ ان راویوں نے اس میں صرف آدم کا نبی کریم ﷺ سے وسیلہ طلب کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ کہا کہ نوحؑ اپنی کشتی میں اور ابراہیمؑ آگ سے آدم کا واسطہ دے کر نجات پائے تھے!

(4) حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ جب فاطمہ بنت اسد ام علی رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں تو نبی ﷺ تشریف لائے اور آپ ﷺ کے سرہانے بیٹھ کر فرمانے لگے" اللہ آپ پر رحم کرے۔ اے میری اماں جان! آپ میری والدہ کے بعد میری والدہ تھیں مجھے کھلاتی پلاتی اور کپڑے پہناتی تھیں، خود فاقہ کاٹ کر میرا پیٹ بھرتی اور اللہ کی رضا اور آخرت کا گھر پانے کے لئے آپ ایسا کرتی تھیں۔" پھر حکم دیا کہ انہیں تین تین مرتبہ غسل دیا جائے اور جب مشک آمیز پانی لایا گیا تو آپ نے خود اپنے ہاتھ سے انڈیلا۔ پھر اپنی قمیص انہیں پہنائی اور اپنی چادر سے ان کو کفن دیا۔ پھر اسامہ بن زید، ابوایوب انصاری، عمر بن خطاب اور ایک سیاہ غلام کو قبر کھودنے کا حکم دیا۔ جب وہ قبر کھودتے ہوئے لحد تک پہنچے تو

(۱) [تفسیر صافی (۸۲/۱) طبری (۸۹/۱) عیاش (۴۱/۱) الکافی (۶/۲) الموضوعات (۳/۲)]

آپ نے اپنے ہاتھ سے لحد کھودی اور مٹی باہر نکالی۔ جب قبر بالکل تیار ہوگئی تو حضور ﷺ اس میں لیٹے اور کہا ''اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ وہ خود زندہ ہے کہ جسے موت نہیں آئے گی۔ (الٰہی) میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور اسے اس کی دلیل یاد کروادے، اس کی قبر وسیع کردے۔ اپنے نبی اور گذشتہ سب نبیوں کے واسطے سے اس دعا کو قبول کر۔ بلاشبہ تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔'' آپ ﷺ نے اس پر چار تکبیریں کہیں اور اسے عباس اور ابوبکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ لحد میں دفنا دیا۔

سند کے اعتبار سے جائزہ:۔ یہ روایت حضرت انس، ابن عباس، جابر رضی اللہ عنہ نے متصل اور محمد بن حنفیہ اور محمد بن عمر بن علی رضی اللہ عنہ نے مرسل روایت کی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث امام طبرانی نے معجم کبیر [1] اور اوسط [2] میں اور ان کی سند سے ابونعیم نے حلیہ [3] میں احمد بن حماد از روح بن صلاح از سفیان ثوری از عاصم الاحول از انس بیان کی۔

اس سند میں درج ذیل علتیں ہیں:۔

(۱) روح بن صلاح مختلف فیہ راوی ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے اسے ثقہ کہا جبکہ ابن عدی نے اسے ضعیف کہا اور اس کی حدیث کو منکر کہا ہے ابن ماکولا اور دارقطنی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ [4] یہ جرح مقدم ہے کیونکہ اسے ضعیف کہنے والے قابل اعتماد ہیں اور ثقہ کہنے والے متساہل ہیں اور اس پر ہونے والی جرح مفسر ہے۔

(۲) روح اسے سفیان سے روایت کرنے میں منفرد ہے اور ضعیف ہونے کی وجہ سے اس کی روایت بھی منکر ہے۔ امام طبرانی اور ابونعیم نے بھی اس علت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شیخ البانیؒ نے بھی یہ دونوں علتیں بیان کی ہیں۔ [5]

(۳) صلاح ۲۳۳ھ میں فوت ہوا جبکہ ثوری ۱۶۱ھ میں فوت ہوئے اور ان دونوں کی وفات کے درمیان تقریباً ۷۴ سال کا فاصلہ ہے جبکہ ثوری سے روایت سننے کے لئے صلاح کی عمر کم از کم ۲۰ سال ہونی چاہیے۔ لہٰذا صلاح کا سفیان ثوری سے سماع شک سے خالی نہیں۔ ابن حبان کا کہنا ہے کہ روح بن صلاح مصری ہے اور یہ یحییٰ بن ایوب اور اپنے اہل علاقہ ہی سے روایت کرتا ہے۔ جبکہ ثوری کوفی ہیں اور امام مزی نے تھذیب الکمال میں صلاح کو سفیان

(۱) [الکبیر (۸۷۱)]

(۲) [الاوسط (۱۹۱)]

(۳) [الحلیة (۱۲۱/۳)]

(٤) [الکامل (۱۰۰٦/۳) المیزان (۵۸/۲) اللسان (٤٦٥/۲)]

(۵) [الضعیفة (۳۲/۱)]

ثوری کے شاگردوں میں شمار نہیں کیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کو طبرانی نے اوسط [1] میں اور ابن عبدالبر [2] نے تعلیقاً سعدان بن ولید از عطا از ابن عباس بیان کیا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ فوت ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی قمیص پہنائی اور ان کے ساتھ ان کی قبر میں لیٹے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہ کہ ہم نے پہلے کبھی آپ کو ایسا کرتے نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوطالب کے بعد ان (فاطمہ) سے زیادہ کوئی بھی میرے حسن سلوک کا متقاضی نہیں۔ میں نے اسے اپنی قمیص اس لئے پہنائی ہے تاکہ اسے جنت کے چوغے پہنائے جائیں اور میں اس کے ساتھ اس لئے لیٹا ہوں تاکہ اس پر تخفیف ہو۔ اس روایت کی سند میں سعدان بن ولید مجہول راوی ہے جیسا کہ امام ہیثمی نے اسے مجہول کہا۔

حضرت جابر کی روایت کو ابن شبہ [3] نے قاسم بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عقیل از جدہ عبداللہ از جابر بیان کیا ہے۔ اس کی سند میں قاسم بن محمد ہے جسے ابوحاتم، امام احمد اور ابوزرعہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [4]

محمد بن حنفیہ کی مرسل روایت کو ابن شبہ نے عبدالعزیز دراوردی از عبداللہ بن جعفر بن مسور بن مخرمہ از عمرو بن دینار از محمد بن علی از محمد بن حنفیہ بیان کیا ہے۔ اس روایت میں توسل کا ذکر نہیں بلکہ تلاوت قرآن کا ذکر ہے۔ اس کی سند میں عبدالعزیز دراوردی مختلف فیہ راوی ہے اور یہ روایت بھی مرسل ہے۔

محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب کی مرسل روایت ابن ابی عاصم [5] نے اور ان کی سند سے ابن اثیر [6] نے (از عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی از ابیہ) بیان کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت اسد کو اپنی قمیص پہنائی اور ان کی قبر میں لیٹے اور ان سے اچھا سلوک کیا۔ عبداللہ بن محمد اور ان کے والد محمد بن عمر کو اگرچہ حافظ ابن حجر نے صدوق قرار دیا ہے۔ [7] مگر یہ مرسل اور معضل روایت ہے۔ [8]

---

(۱) [مجمع الزوائد (۲۵۷/۹)]

(۲) [الاستیعاب (۱۸۹۱/٤)]

(۳) [تاریخ المدینه (۱۲٤/۱)]

(٤) [المیزان (۳۷۹/۳)]

(٥) [الاصابة (٦٠/۷)]

(٦) [اسد الغابة (۲۱۷/٦)]

(۷) [تقریب (۳٥۹٥)]

(۸) [ایضا (٦۱۷۰)]

حاصل کلام یہ ہے کہ اس روایت کی تمام اسناد سخت ضعیف اور نا قابل دلیل ہیں۔

متن کے اعتبار سے جائزہ:۔

(۱) اس میں عہد نبوت ﷺ کے عمومی واقعات کے خلاف مبالغہ آمیزی کی گئی ہے۔

(۲) اس روایت کے الفاظ رکیک ہیں۔

(۳) اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے از خود انہیں غسل دیا اور کفن پہنایا حالانکہ یہ آپ ﷺ کی عمومی ہدایات وسنن کے برخلاف ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اپنی سگی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنھا کے غسل کے لئے دیگر عورتوں کو حکم دیا تھا۔ (۱)

(۴) اسی طرح قبر کو کھودنا، اپنے ہاتھوں سے مٹی باہر نکالنا اور قبر میں لیٹنا آپ کی عمومی ہدایات کے خلاف غلو ہے۔

(۵) اس روایت میں دعا کے لئے پہلے غائب کا صیغہ شروع کیا، پھر اچانک مخاطب کا صیغہ آ گیا ہے حالانکہ آپ ﷺ کا اسلوب بیان اس کے منافی ہے۔ علاوہ ازیں اس میں ﴿اللّٰہ الذی﴾ کے الفاظ سے دعا کی ابتدا ہے جبکہ آپ نے بالعموم ﴿اللّٰھم﴾ کے ساتھ دعا کرتے تھے لہٰذا روایت مشکوک ہے۔

(۶) خود راوی کے اقرار سے اس شک کو تقویت ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلی مرتبہ اس عورت کے ساتھ ایسا سلوک کیا تھا۔

(۷) ممکن ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو کرنے والوں نے یہ روایت گھڑی ہو تا کہ آپ ﷺ کے خاندان کی فضیلت ثابت کر سکیں اور ضعیف راویوں نے اسے چرا کر بیان کر دیا ہو جیسا کہ کلینی اپنی سند سے ابو عبداللہ سے اس طرح کی روایت بیان کر کے کہتا ہے کہ ''پھر نبی ﷺ اس کی قبر میں لیٹ گئے اور اس سے سرگوشیاں کرنے لگے کہ تمہارا بیٹا! تمہارا بیٹا! پھر قبر سے نکل کر اس پر مٹی ڈال دی۔ پھر آپ ﷺ قبر پر جھکے اور کہنے لگے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، یا اللہ! میں اسے تیرے سپرد کرتا ہوں۔ لوگوں نے اس جھکنے کی وجہ دریافت کی تو فرمانے لگے کہ اس سے اس کے رب اور رسول کے بارے میں سوال کیا گیا تھا تو اس نے جواب دے دیا۔ پھر اس سے اس کے ولی اور امام کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس پر کپکپاہٹ طاری ہو گئی تو میں نے کہا: تیرا بیٹا، تیرا بیٹا۔'' (۲)

(5) ''یا اللہ! میں تجھ سے تیرے نبی محمد ﷺ، تیرے خلیل ابراہیمؑ، تیرے سرگوشی کرنے والے موسیٰؑ، تیرے کلمے

---

(۱) [بخاری (۱۲٦) مسلم (۹۳۹)]

(۲) [الکافی (۳۷۷/۱)]

اور روح حضرت عیسیٰ کے ساتھ اور تورات، انجیل، زبور اور قرآن کے ساتھ سوال کرتا ہوں......"

یہ روایت ابوبکر صدیق، ابن مسعود اور ابن عباس سے زھری نے مرسل روایت کی ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت کو ابو شیخ نے "ثواب الاعمال" میں اور ابو العباس ابن ابراہیم نے "کتاب الدعا" میں حسن بن عرفہ از زید بن حباب از عبدالملک بن ھارون از ابیہ روایت کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کیا کہ میں قرآن یاد کرتا ہوں مگر بھول جاتا ہوں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ دعا سکھادی......"

شیخ ابن تیمیہؒ، ابن الجوزی نے عبدالملک بن ھارون (ضعیف راوی) کی وجہ سے اس روایت کو موضوع کہا ہے۔ (۱) دارقطنی نے اس کے باپ ھارون بن عنترہ کو بھی متروک (ضعیف) کہا ہے۔ (۲) علاوہ ازیں ھارون اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درمیان سند منقطع ہے لہٰذا یہ روایت معضل ہے یا عنترہ پر مقطوع ہے۔ ابن تیمیہؒ اور ابن جوزیؒ کی طرح ابن عراق اور سیوطی نے بھی اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ (۳)

(6) خطیب بغدادی نے موسیٰ بن ابراہیم از وکیع از عبیدہ از شقیق از ابن مسعود مرفوع روایت بیان کی جس میں یہ لفظ ہیں کہ "میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کے ساتھ تجھ سے سوال کرتا ہوں......" (٤) یہ روایت بھی موضوع ہے۔ امام ذھبی نے موسیٰ بن ابراہیم کو، امام دارقطنی نے بھی اسے متروک الحدیث (ضعیف) قرار دیا ہے۔ ابن جوزیؒ نے عمر بن صبح از ابو عبداللہ شامی اور محمد بن ابی عائشہ سندی از یزید بن عمر از عمر بن عبدالعزیز از مجاھد از ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی اسے روایت کیا ہے اور عمر بن صباح کی وجہ سے اس روایت کو موضوع کہا ہے۔ (٥)

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ سند تو گذشتہ سے بڑھ کر ضعیف ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ عمر بن صبح جعلی روایات پیش کرتا تھا۔ اس کی حدیث قابل تحریر نہیں البتہ اہل فن کو حیران کرنے کے لئے اسے بیان کیا جاسکتا ہے۔

(7) طبرانی نے "الدعا" میں موسیٰ بن عبدالرحمٰن صنعانی از ابن جریج از عطاء از ابن عباس اور از مقاتل بن حیان از مجاھد از ابن عباس رضی اللہ عنہ اسے روایت کیا ہے۔ اس میں موسیٰ بن عبدالرحمٰن اور مقاتل ضعیف راوی ہیں۔

---

(۱) [قاعدة فی التوسل (ص۸۳) الموضوعات (۱۷٤/۳)]

(۲) [الضعفا (۳٦۲)]

(۳) [الموضوعات (۱۷٤/۳) اللآلی (۳۵۷/۲) تنزیه الشریعة (۳۲۲/۲)]

(٤) [الجامع لاخلاق الراوی (۲٦۱/۲)]

(٥) [المیزان (۱۹۹/٤) تنزیه الشریعة (۳۲۲/۲) الموضوعات (۱۷۵/۳) قاعدة فی التوسل (۸۸)]

(8) احمد بن اسحاق از ابواشعث از زہیر بن علا از یوسف بن یزید از زھری سے مروی ہے کہ ''جو حفظ کرنا چاہے، وہ سات روزے رکھے اور آخری روزے کی افطاری اس دعا کے ساتھ کرے کہ...... (گذشتہ دعا)۔''[1]

یہ روایت مرسل بھی ہے اور اس میں زہیر بن علاؔ راوی ہے جسے ابو حاتم نے کذاب (ضعیف) کہا ہے۔ ابن تیمیہؒ نے بھی اس سند کو من گھڑت قرار دیا ہے۔ یحییٰ بن سعید قطان اور ابن معین نے زھری کی مراسیل کو ہوائی فائر (موضوع) قرار دیا۔ ابن جوزی، سیوطی، ابن عراق اور ابن تیمیہؒ نے مذکورہ روایت کو موضوع کہا ہے۔[2]

متن کے اعتبار سے بھی یہ روایت موضوع ہے۔ اس کی ایک اور سند سے مروی ہے کہ صاف، شفاف برتن میں اسے شہد، زعفران اور بارش کے پانی سے لکھا جائے۔ یہ الفاظ ہی اس کے موضوع ہونے پر کافی ہیں۔ قرآن مجید اور دعاؤں کو زعفران اور شہد سے لکھنا ان کی توہین کے مترادف ہے۔ کسی صحیح حدیث سے اس کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ شعبدہ باز، جادوگر، کاہن، دجال وغیرہ لوگوں کے مال کھانے کے لئے ایسی حرکات کرتے ہیں۔ یہ باطل عقائد ان خواہش پرستوں سے صوفیاء میں نقل ہوئے۔ پھر صوفیاء نے انہیں سب مسلمانوں میں پھیلا دیا۔

(9) ''جب تمہیں کوئی حاجت ہو تو اللہ تعالیٰ سے میرے واسطے سے دعا کیا کرو کیونکہ اللہ کے ہاں میرا مقام بڑا عظیم ہے۔'' اس حدیث کو بہت سے محدثین نے موضوع قرار دیا ہے۔ شیخ ابن تیمیہؒ، علامہ البانیؒ، مفسر آلوسیؒ وغیرہ نے اسے بناوٹی روایت کہا ہے۔[3] سلامہ عزامی نے اسے روایت بالمعنی کے اعتبار سے قوی روایت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جب راوی صحیح الفہم اور عربی ادب سے واقف ہو تو ایسی روایت بالمعنی جائز ہے حالانکہ اس سے ہر وہ موضوع روایت صحیح بن جائے گی جس کا معنی واضح اور الفاظ مستقیم ہوں علاوہ ازیں مذکورہ روایت یا اس سے ملتی جلتی کوئی روایت بسند صحیح ثابت نہیں اور حدیث نبوی ﷺ ہے کہ

''جس شخص نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا، وہ اپنا ٹھکانہ آگ (جہنم) میں بنالے۔''[4]

مذکورہ روایت موضوع ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل ہے۔ اگرچہ علماء نے ضعیف حدیث پر (کچھ شرائط کے

---

(١) [قاعدة فى التوسل (ص٥٨)]

(٢) [الميزان (٨٣/٢) جامع التحصيل (ص٨٧) المراسيل (ص٣) الموضوعات (١٧٤/٢) اللآلى (٣٥٧/٢) تنزيه (٣٢٢/٢)]

(٣) [الرد على البكرى (٤٥) الفتاوى (٣١٩) الضعيفة (٣٠/١) روح المعانى (١٣٧/٦)]

(٤) [فتح البارى (٢٠٣/١) بخارى (١٠٩)]

ساتھ) عمل کرنے کی اجازت دی ہے مگر موضوع روایت پر عمل کرنے کی بالکل اجازت نہیں۔ اس روایت کے موضوع ہونے پر شاذلی کا یہ قول بھی گواہ ہے کہ ''جب تمہیں اللہ کی طرف کسی چیز کی حاجت ہو تو ابو حامد کے واسطے سے اللہ سے مانگو۔''

(10) ''جب تم کسی امر میں حیران وسرگرداں ہو جاؤ تو اہل قبور سے مدد مانگو۔'' یہ حدیث بالاتفاق محدثین کے میزان میں موضوع ہے۔ شیخ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیم (وغیرہ) نے اسے من گھڑت، دین اسلام کے برخلاف اور روافض کی سازش قرار دیا ہے۔[۱]

(11) ''اگر کوئی شخص کسی پتھر سے اچھی امید (اعتقاد) رکھے تو اللہ تعالیٰ اس پتھر کے ذریعے اسے نفع پہنچا دیتے ہیں۔''

یہ حدیث بھی موضوع ہے۔ اسے امام سخاوی نے المقاصد الحسنہ میں نقل کیا۔[۲] شیخ ابن تیمیہؒ نے اسے موضوع قرار دیا۔[۳] ابن قیمؒ نے اسے موضوع قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ ایسی ہی روایات شرک کا باعث ہیں اور اسے مشرک بت پرستوں نے وضع کیا ہے۔[٤] حافظ ابن حجر، امام سخاوی، ملا علی قاری، ابن تیمیہ، علامہ البانی رحمہم اللہ نے اسے موضوع قرار دیا۔[٥]

موضوع روایات کی حقیقت کشائی کے بعد اب ہم ان جعلی حکایات وواقعات کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں جو زبان زد عام ہو چکی ہیں۔ ﴿حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل﴾

❋ ❋ ❋

---

(۱) [قاعدہ فی التوسل (۱۵۲) الفتاوی (۱/۳۵٦) الرد علی البکری (۳۰۲) اقتضا (۳۳۷) اغاثۃ (۱/۱٦۷)]

(۲) [(۸۸۳)]

(۳) [منهاج السنة (۱/٤۸۳)]

(٤) [المنار المنيف (۳۱۹)]

(٥) [اغاثة (۱/۱٦۷) المقاصد الحسنة (۳٤۱) الموضوعات ملا علی قاری (۲٤۸) الضعيفة (٤٥۰) زاد المعاد (٥/۷۸۷)]

مبحث ثالث

خواب، حکایات اور تصورات ونظریات

اس میں ذرا برابر شک نہیں کہ جعلی حکایات اور بناوٹی واقعات شرکیہ اور بدعیہ دعاؤں کے پھیلاؤ میں فی الواقع مؤثر ہیں۔ان حکایات کے پوسٹ مارٹم سے قبل ہم شرعی نکتہ نظر سے ایک جائزہ لیتے ہیں کہ نقلی حکایات اور جعلی واقعات ونظریات کی کیا حیثیت ہے:۔

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ'' آج کے دن میں نے تمہارے لئے اپنا دین مکمل کر دیا ہے، میں نے اپنی نعمت کا تم پر اتمام کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا ہے۔''(المائدۃ۔۳) لہٰذا دین کی تکمیل عہد نبوی ﷺ ہی میں ہو چکی ہے اور حکایات اور خواب وغیرہ اہل علم کے مطابق شریعت کا حصہ نہیں بلکہ عبادات میں قیاس بھی داخل نہیں کیونکہ عبادات توقیفی ہیں۔''علمائے اسلام کے نزدیک احکامات کا ثبوت کتاب وسنت اور سلف صالحین کے راستے (عمل) سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا کسی شرعی حکم کا جواز واستشہاد ان اصول ثلاثہ کے سوا جائز نہیں۔

(2) بالعموم جن لوگوں کی طرف ان روایات کو منسوب کیا جاتا ہے، ان سے یہ واقعات ثابت نہیں ہوتے بلکہ مجاورین انہیں خود ہی گھڑ کر لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں تا کہ ان کی اہمیت دو چند ہو اور خوب مال واسباب ہاتھ آتا رہے۔شیخ ابن تیمیہؒ ان جعلی واقعات کا تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ''ہم تو کسی حدیث کی سند کے مجہول راوی کیوجہ سے اس حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں اور یہ تو محض قصے کہانیاں ہیں، بھلا ان کی کیا وقعت![1]

اگر یہ واقعات بسند صحیح اولیا سے منقول بھی ہوں تو پھر بھی یہ شریعت نہیں کیونکہ

(۱) ممکن ہے کہ لوگوں نے ان کی کسی بات کا غلط مفہوم سمجھا ہو اور بیان کرنے والوں نے اسے چٹ پٹا بنا کر پیش کیا ہو اور ہم تک پہنچتے پہنچتے بات کا بتنگڑ بن گیا ہو۔

(۲) صاحب حکایت چونکہ انبیاء کی طرح معصوم نہیں اس لئے ممکن ہے کہ اسے اس امر خاص میں غلطی لگی ہو جیسا کہ ابن کثیرؒ کا خیال ہے اور ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ''ان لوگوں کے قابل اعتماد دلائل یا تو ضعیف اور موضوع روایات ہیں یا پھر ان لوگوں کے قصے ہیں جو صاحب حجت نہیں اور وہ قصے کہانیاں بھی یا تو محض بناوٹی ہیں یا ان کی غلطیاں ہیں کیونکہ نقل کرنے والے بھی غیر صادق ہیں اور جن سے بیان کیا جا رہا ہے، وہ بھی غیر معصوم ہیں۔اگر یہ کسی ثابت ومستند حدیث نبوی

(۱) [اقتضا (۳٤۳) منہاج (۲/۱۰٤۵) قاعدۃ (۱۵٤)]

دیکھتے ہیں تو اس میں تحریف کر ڈالتے ہیں اور عیسائیوں کی طرح محکم دلائل کو چھوڑ کر متشابہات کو تلاش کرتے ہیں۔

(۳) بسا اوقات شیطان ان لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے صالحین کا روپ دھار کر مختلف واقعات رونما کرتا ہے اور یہ لوگ اسے ولیوں کی کرامتیں سمجھ کر گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ حکایات کسی طرح بھی قابل سند و قابل حجت نہیں جیسا کہ ابن جوزیؒ صوفیاء کے واقعات و حکایات کی تردید میں فرماتے ہیں کہ ''اگر ان شیوخ سے ایسی باتیں ثابت بھی ہیں تو وہ ان کی ''اغلاط'' ہیں اور ان کی علم سے دوری کی علامات ہیں لہٰذا اگر فی الواقع یہ حکایات ان سے صحیح منقول ہیں تو حق کے دفاع میں ان حکایات کی تردید ضروری ہے اور اگر یہ ثابت نہیں تو پھر ہم ہر ایسے قول سے احتیاط کریں گے۔

(3) اس طرح کے ان گنت واقعات یہود و نصاریٰ میں معروف ہیں تو کیا ان واقعات کی بنیاد پر ہم ان کے مذہب کو صحیح تسلیم کر لیں؟ اگر نہیں تو پھر ان حکایات کو بھی ہم قابل حجت تسلیم نہیں کر سکتے۔

(4) اگر یہ حکایات صحیح ثابت ہیں تو پھر کتاب و سنت کے قطعی دلائل کے مخالف ہونے کی وجہ سے نا قابل تسلیم ہیں۔

(5) علماء کے بقول خوابوں اور کہانیوں سے شرعی مسائل اخذ نہیں کئے جا سکتے کیونکہ نیند کی حالت بیداری کی ضبط و تحقیق کی حالت سے یکسر مختلف ہے۔

(6) ان حکایات میں بالعموم یہ بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے اس ولی یا اس قبر کے پاس آ کر دعا مانگی اور صاحب قبر سے فریاد کی تو وہ فوراً پوری ہوگئی۔ حالانکہ یہ بات شریعت کے مخالف ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کی جا سکتی۔ دعا کی قبولیت مشیت الٰہی کے تحت ہے۔ اگر اللہ چاہے تو مشرکین کی دعا بھی کسی وقت قبول کر لیتے ہیں۔ لہٰذا قبولیت دعا اہل قبور کی مرہون منت نہیں!۔ بسا اوقات انسان اضطراری کی حالت میں دعا کرتا ہے اور مضطر و مجبور کی دعا اللہ تعالیٰ ضرور قبول کرتے ہیں۔ بسا اوقات تقدیر کے سبب کسی شخص کی دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے اور وہ دعا قبول کر لی جاتی ہے (خواہ وہ کسی قبر پر کھڑا ہو) لیکن اس میں مشیت الٰہی کا عمل دخل ہے کسی انسان (مخلوق) کا نہیں۔ کبھی بطور استدراج دعا قبول ہو جاتی ہے مگر اس میں انسان کی دنیا و آخرت کی تباہی ہوتی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

''جب وہ اس چیز کو بھول گئے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں سے خوش ہو گئے جو انہیں دیا گیا تھا تو ہم نے انہیں ان کی سرکشی کی وجہ سے اچانک (اپنے عذاب میں) گرفتار کر لیا۔ (الانعام۔۴۴)

اس لئے کسی دعا کے مؤثر ہونے سے اس کی مشروعیت کا ثبوت فراہم نہیں ہوتا جس طرح ہمیں علم ہے کہ صحیح مذہب کے

مطابق جادو کی تاثیر ہے مگر جادو کفریہ عمل ہے اس لئے کسی چیز کے مؤثر ہونے سے اس کے جواز کی گنجائش نہیں ملتی۔ اس طرح کی دعاؤں میں نفع کی بجائے نقصان زیادہ ہے اور ایسے شخص کو دراصل اللہ تعالیٰ فتنے سے دوچار کر کے ہدایت سے محروم کر دیتے ہیں جو امر شرعی اور امر تکوینی میں فرق نہیں سمجھتا۔

حکایات وواقعات کا تفصیلی جائزہ

❁ مالک دار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے غلے پر مامور تھے۔ کہتے ہیں کہ عہد فاروقی میں قحط سالی ہوئی تو ایک آدمی روضۂ رسول ﷺ پر آیا اور کہنے لگا، یارسول اللہ! اپنی امت کے لئے بارش بھیجیں۔ وہ ہلاک ہو رہے ہیں۔ اس آدمی کو خواب میں کہا گیا کہ تم عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ۔ اسے سلام کہو اور بتاؤ کہ تم سیراب کئے جاؤ گے اور کہو کہ دانائی سے چلو۔ اس شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آکر خبر دی تو عمر رضی اللہ عنہ روتے ہوئے کہنے لگے ''اے میرے رب! میں نے کسی چیز میں کوتاہی نہیں کی بجز اس کے کہ میں عاجز آ جاؤں۔''

سیف بن عمر تمیمی نے ''الفتوح'' میں بیان کیا کہ خواب دیکھنے والا بلال بن حارث مزنی صحابی تھا۔ اس واقعہ سے بعض لوگوں نے نبی ﷺ سے ان کی وفات کے بعد اور اسی طرح دیگر لوگوں سے دعا کرنے کا جواز پیش کیا ہے۔

سند کے اعتبار سے جائزہ: اس اثر (خبر) کو اعمش از ابوصالح از مالک دار کی سند سے ابن ابی شیبہ [(۱)] وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے [(۲)] بیہقی کے طریق سے اس سند کو صحیح کہا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند میں یہ نکتہ بیان کیا کہ ابن ابی شیبہ نے اسے ابوصالح سمان کی صحیح سند سے مالک دار سے روایت کیا۔ [(۳)]

کیونکہ ابوصالح سمان تک اس کی سند صحیح ہے اور مالک دار، مجہول الحال راوی ہے۔ حافظ منذری، حافظ ھیثمی نے اسے مجہول کہا ہے۔ علامہ البانیؒ نے بھی اسی علّت کی وجہ سے اس کی روایت کو ضعیف کہا ہے اور ابن ابی حاتم کے حوالے سے بیان کیا کہ انہوں نے اسے الجرح والتعدیل (۲۱۳/۴) میں بیان کر کے سکوت اختیار کیا ہے جس سے اس راوی کی جہالت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ [(۴)] ممکن ہے کہ اسے غیر مجہول کہا جائے کیونکہ ابن حجر نے اسے ''الاصابہ'' میں قسم ثالث کے ان لوگوں میں شمار کیا ہے جنہوں نے عہد نبوی ﷺ اور عہد جاہلیت دونوں ادوار میں دیکھے ہیں لیکن ان کی

---

(۱) [مصنف (۳۱/۱۱)]

(۲) [البداية (۹۳/۷)]

(۳) [فتح الباری (۴۹۵/۲)]

(۴) [التوسل (ص ۱۳۰)]

نبی ﷺ سے ملاقات ثابت نہیں لہٰذا یہ خضرمی ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ ''ان کا ادراک ثابت ہے، انہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سنا، ابوبکر وعمر، معاذ اور ابوعبیدہ سے روایت بیان کی اور ان سے ابوصالح سمان اور اس کے دو بیٹوں عون اور عبداللہ نے اس سے روایت بیان کی ہے۔ پھر ابن حجرؒ نے عبدالرحمٰن بن سعید کا مالک دار سے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ لہٰذا مالک دار سے روایت کرنے والے چار افراد کی وجہ سے اس کی جہالت رفع ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ابن سعد نے اسے اہل مدینہ کے طبقہ اولیٰ میں تابعین میں شامل کیا اور کہا یہ معروف آدمی تھا۔''(۱)

ابوعبیدہ فرماتے ہیں کہ ''اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل وعیال کے غلے پر مامور کیا تھا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں تقسیم پر مامور کر دیا اور اسی بنا پر انہیں ''مالک دار'' کہا جانے لگا۔(۲) اسماعیل قاضی فرماتے ہیں کہ مالک دار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خزانچی تھا۔ ''خلیفہ'' نے اسے بنوعدی کا حلیف اور عمر بن خطاب کا آزاد کردہ غلام قرار دیا ہے۔(۳)

لہٰذا ابن ابی حاتم(٤) اور بخاری کے سکوت(٥) سے اس کی جہالت ثابت نہیں ہوتی جبکہ دیگر افراد نے اسے معروف شخص قرار دیا ہے۔ لیکن یہ امکان بھی مسترد نہیں کیا جا سکتا کہ گذشتہ بحث سے اس کی ''جہالت عین'' تو رفع ہو گئی ہے مگر ''جہالت حال'' رفع نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں جمہور محدثین مجہول الحال کی روایت اس شرط پر قبول کر لیتے تھے کہ جب وہ منکر (عجیب) روایت بیان نہ کرے جبکہ مذکورہ روایت منکر (عجیب) ہے اور ایک ایسے واقعہ کے بارے میں ہے جو وافر افراد کی روایت کا محتاج ہے۔ جبکہ اسے صرف ایک راوی (مالک دار) بیان کر رہا ہے اور وہ بھی مجہول الحال!

اس روایت کی دوسری علت یہ ہے کہ ابوصالح کا مالک دار سے سماع مشکوک ہے۔ اگرچہ یہ دونوں مدنی ہیں اور مدلس نہ ہونے کی وجہ سے اس کا عنعنہ بھی قبول ہے لیکن اس کے باوجود عدم سماع کا احتمال قوی ہے کیونکہ ہم مالک دار کی تاریخ وفات سے مطلع نہیں اور نہ ہی ابوصالح نے اپنے سماع کی صراحت بیان کی ہے۔ اس کی تیسری علت یہ ہے کہ اعمش مدلس نے اسے تصریح بالسماع کے بغیر بیان کیا ہے۔

اگرچہ حافظ ذھبیؒ کے بقول اعمش اگر اپنے کبار شیوخ مثلاً ابوصالح، ابووائل، ابراہیم نخعی سے روایت کرے اور سماع کی صراحت نہ ہو تو یہ روایت سماع پر محمول کی جائے گی۔

---

(۱) [طبقات ابن سعد (۱۲/۵) الاصابة (۲٦۸/٦)]

(۲) [الاصابة (۲۷٤/٦)]

(۳) [طبقات (۲۳)]

(٤) [الجرح والتعديل (۲۱۳/۸)]

(٥) [التاريخ الكبير (۳۰٤/۷)]

متن کے اعتبار سے جائزہ:

(1) معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں آدمی کا روضۂ رسول ﷺ پر آ کر دعا کرنے کے واقعہ کا اضافہ کیا گیا ہے اور یہ اضافہ باعث نکارت ہونے کی وجہ سے نا قابل قبول ہے اس کی تائید مندرجہ ذیل امور سے ہوتی ہے:۔

(۱) امام بخاری نے اس واقعہ میں صرف عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ''اے میرے رب! میں نے کبھی کوتاہی نہیں کی سوائے اس کے کہ میں عاجز آ جاؤں۔''(۱) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر پر آنے والا واقعہ اس میں اضافہ ہے۔

(۲) مصنف عبدالرزاق کی روایت کے مطابق قبر پر آ کر سوال و دعا کرنے کا واقعہ ضعیف ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ ''لوگوں کو قحط سالی کا سامنا ہوا۔ ایک دیہاتی آدمی نے اپنے ساتھیوں کو باہر نکال کر نماز پڑھائی اور بارش کی دعا مانگی۔ پھر وہ سو گیا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ اس کے پاس آئے اور کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو میرا اسلام کہو اور پیغام دو کہ تمہاری دعا قبول کر لی گئی ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی دعائے استسقاء کا اہتمام کیا تھا۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ میرے وعدے کو پورا کرو چنانچہ وہ آدمی عمر فاروق کے پاس حاضر ہوا اور کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو آنے کی اجازت دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ سنے تو کہا ''رسول اللہ پر بہتان لگانے والا یہ کون ہے؟ آدمی نے کہا امیر المؤمنین! جلد بازی نہ کریں۔ پھر انہیں سارا واقعہ گوش فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔''(۲)

اس واقعہ کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر ابن عمیر کا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سماع ولقا ثابت نہیں لہٰذا روایت منقطع (ضعیف) ہے۔ اس واقعہ میں یہ صراحت ہے کہ اس آدمی نے خود صحرا میں نکل کر اس استسقاء کا اہتمام کیا اور وہ روضۂ رسول ﷺ پر حاضر نہیں ہوا بلکہ اسے خواب میں نبی ﷺ کی طرف سے ایک پیغام ملا اور شرعی نکتہ نظر سے اس میں کوئی کلام نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ قبر پر آنے والا واقعہ غیر صحیح ہے اور یہ دعویٰ غیر محقق لوگوں کا ہے کہ انہیں الگ الگ واقعہ قرار دیں کیونکہ ایسے لوگ حدیث کے ظاہری الفاظ یا مفہوم میں اختلاف دیکھتے ہیں تو اسے تعدد واقعات پر محمول کر دیتے ہیں لیکن محقق محدثین ایسا نہیں کرتے۔ دیکھئے زاد المعاد۔(۳)

(۳) اس واقعہ کی تائید سیف بن عمر از سھل بن یوسف از عبدالرحمٰن بن کعب کی روایت سے ہوتی ہے کہ ۱۷ھ کے آخر سے ۱۸ھ کے اوائل میں رمادۃ والے سال اہل مدینہ قحط کا شکار ہوئے اور بہت سے لوگ ہلاک ہوئے حتیٰ کہ

---

(۱) [التاریخ الکبیر (۳۰٤/۷)]

(۲) [مصنف عبدالرزاق (۹۳/۳)]

(۳) [(٤۲/۳)]

وحشی درندے انسانوں کی طرف نکل آئے۔ اسی اثناء بلال بن حارث مزنی آئے اور عمرؓ سے اجازت طلب کر کے کہا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کا نمائندہ ہوں، آپ کو رسول کریم ﷺ نے کہا ہے کہ تمہارا دور بہت اچھا رہا ہے۔ اب کیا حال ہے؟ عمرؓ نے پوچھا کہ یہ خواب کب دیکھا ہے؟ اس نے کہا: گذشتہ رات۔ وہ نکلے اور لوگوں سے کہا کہ نماز کے لئے جمع ہو جاؤ، پھر انہیں دوگانہ پڑھا کر کھڑے ہوئے اور کہا:۔

''اے لوگو! میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نے مجھ میں کوئی گھٹیا پن دیکھا ہے؟'' لوگوں نے کہا: بخدا نہیں۔ کہا: بلال بن حارث نے اس طرح کہا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ بلال نے سچ کہا ہے آپ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں.....لوگ پیدل استسقاء کے لئے نکلے اور ان کے ساتھ حضرت عباسؓ بھی تھے۔ انہوں نے مختصر خطبہ دیا۔ نماز پڑھائی اور گھٹنوں کے بل ہو کر کہا: یا اللہ! ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ یا اللہ! ہمیں بخش دے، ہم پر رحم فرما اور ہم سے راضی ہو جا.....''(۱) اس کی سند میں سیف بن عمر راوی ہے جسے ابن حجر نے حدیث میں ضعیف اور تاریخ میں عمدہ کہا۔(۲)

حافظ ابن حجر کی فتح الباری (۴۹۶/۲) کی عبارت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ قبر پر آنے والا بلال بن حارث مزنی تھا مگر یہ وہم غیر معتبر ہے کیونکہ ابن حجرؒ نے سیف کی روایت کے الفاظ نقل نہیں کئے۔ اس لئے یہ بات بالکل واضح ہے کہ بلال حضور ﷺ کی قبر پر نہیں گئے البتہ انہوں نے خواب میں دیکھا تھا جیسا کہ ابن عمیر کی روایت اس پر شاہد ہے لہٰذا یہ دعوی غلط ہے کہ صحابی روضۂ رسول ﷺ پر آیا اور ابن حجر نے اس واقعہ کو صحیح کہا!۔

(۴) اس کی مزید تائید سیف از مبشر بن فضیل از جبیر بن صخر از عاصم بن عمر کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ''عام الرمادۃ'' میں ایک آدمی نے اپنے اہل وعیال کو بکری ذبح کرنے کا حکم دیا اور اس نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے اسے عمرؓ کے پاس جانے کا حکم دیا........'' یہ روایت بھی اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ آدمی اللہ کے رسول ﷺ کی قبر پر نہیں آیا۔

(2) اگر یہ کہا جائے کہ اس روایت میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ:۔

(۱) اگر یہ روایت صحیح بھی تسلیم کر لیں تو امر واقع کے مجہول راوی کی وجہ سے یہ قابل دلیل نہیں۔ اگر اسے معروف مان لیں تو پھر بھی کسی ایک صحابی کا وہ عمل حجت نہیں ہوتا جو سنت رسول ﷺ کے مخالف ہو اور حضرت عمرؓ کو اس نے

(۱) [تاریخ طبری (۹۸/۳) البدایۃ (۹۳/۷)]

(۲) [تقریب (۲۷۲٤)]

یہی خبر دی تھی کہ اس نے خواب میں ایسا دیکھا ہے۔قبر پر جانے کا ذکر اس میں موجود نہیں۔

(۲) نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین دعائے استسقاء کے لئے کھلے میدان میں نکلا کرتے تھے، نبی ﷺ کی قبر کی طرف کوئی نہیں جاتا تھا اس لئے اس شخص کا یہ عمل سنت نبوی ﷺ اور خلفائے راشدین کے طرز عمل کے خلاف ہے۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خواب کے الفاظ نبوی ''دانائی اختیار کرو'' یہ مفہوم سمجھا کہ مشروع طریقے کے مطابق صحرا میں نکل کر بارش کی دعا کی جائے چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کیا۔

(۴) خواب حجت نہیں کیونکہ یہ کوئی شرعی دلیل نہیں۔لہٰذا مذکورہ روایت سے استدلال کسی طرح بھی درست نہیں۔

❁ مروی ہے کہ اہل مدینہ کو سخت قحط سالی کا سامنا ہوا تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف شکوہ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی قبر کی طرف دیکھو اور اس کے اور آسمان کے درمیان سے چھت کی رکاوٹ دور کر کے روشن دان بنا دو۔راوی کا کہنا ہے کہ جب اس طرح کیا گیا تو خوب بارش برسی حتی کہ انگوریاں اُگ پڑیں، اونٹ خوب موٹے تازے ہو گئے اور اسے عام الفتق کہا گیا۔

اس روایت سے بھی توسل بالذات کی دلیل پیش کی جاتی ہے۔

سند کے اعتبار سے جائزہ:۔ اس واقعہ کو دارمی [۱] نے ابو نعمان از سعید بن زید از عمرو بن مالک از ابو جوزا اوس بن عبداللہ کی سند سے بیان کیا ہے۔اس سند میں کئی علتیں ہیں:۔

(۱) سعید بن زید ضعیف راوی ہے۔[۲]

(۲) ابو نعمان محمد بن فضل مختلط راوی ہے اور دارمی نے اسے ان میں شمار نہیں کیا جن سے دارمی نے قبل از اختلاط سنا ہے۔[۳]

(۳) اگر یہ سند صحیح بھی ہو تو یہ موقوف ہونے کی وجہ سے حجت نہیں، ممکن ہے یہ اجتہادات سے ہو اور کسی صحابی کا ایسا قول جو خلاف سنت ہو، قابل حجت نہیں ہوتا۔

(۴) ابن عدی نے ابو جوزا کے حالات میں بیان کیا کہ ''اس سے عمرو بن مالک نے تقریباً دس روایات بیان کی ہیں اور وہ غیر محفوظ ہیں۔''[٤]

---

(۱) [(٤٣/١)]

(۲) [الکامل (١٢١٢/٣) المیزان (١٣٨/٢)]

(۳) [الکواکب النیران (٣٨٢)]

(٤) [الکامل (٤٠٢/١)]

امام بخاری نے بھی ابو جوزا کی سند کے بارے میں کہا کہ یہ محل نظر ہے۔[1] حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابوالجوزا کی اسی خاص روایت کے بارے میں یہ الفاظ کہے ہیں جو اس سے عمرو بن مالک نکری بیان کرتا ہے کیونکہ یہ امام کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔ ابن حبان نے بھی اس کے منکر الروایۃ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اگرچہ ''کتاب الثقات'' میں اسے ثقہ بھی کہہ گئے ہیں جس کی تطبیق اس طرح ہوگی کہ اس راوی کی روایات بطور شواہد ومتابعات قابل حجت ہوں گی لیکن اس کی منفرد روایات قبول نہیں کی جائیں گی۔

ابن ابی حاتم نے اس کے متعلق جرح یا تعدیل میں خاموشی اختیار کی ہے۔ اس سے اسکے مجہول ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ ابن معین نے اسے ثقہ کہا ہے۔ ذھبی نے بھی اسے ثقہ کہا۔ ابن حجر نے کہا کہ ''صدوق ہے مگر اوہام کے ساتھ۔''[2] لہٰذا ثابت ہوا کہ نکری کی ابوالجوزا سے مذکورہ روایت غیر محفوظ ہے اور امام بخاری، ابن ابی حاتم، ابن حبان اور ابن عدی نے چونکہ اسے ضعیف، مجہول قرار دیا ہے اس لئے ان کی تعداد ثقہ کہنے والوں سے زیادہ ہونے کی وجہ سے قابل ترجیح ہے۔

(۵) حضرت عائشہ اور ابوالجوزا کے درمیان سند منقطع ہے۔ اسی لئے امام بخاری نے کہا کہ اس کی سند محل نظر ہے۔[3] ابن عدی نے امام بخاری کے اس کلام سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ ابوالجواز اکا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ سے سماع ثابت نہیں۔ اور یہ مطلب نہیں کہ وہ امام صاحب کے نزدیک ضعیف ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ ابوالجوزا نے ابن عباس، عائشہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایت کیا ہے۔ ابوالجوزاؒ تو قابل اعتماد ہے مگر اس کی ان صحابہ سے روایات کو صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ ابن عبدالبر نے بھی یہ کہا ہے کہ ابوالجوزاؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے نہیں سنا۔ چونکہ امام بخاری، ابن عدی، ابن عبدالبر، عراقی اور ابن حجرؒ جیسے بلند پایہ محدثین کے بقول ابو جوزا کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے سماع ثابت نہیں۔ اس لئے یہ روایت قابل حجت نہیں۔

متن کے اعتبار سے جائزہ:۔

(۱) یہ واقعہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کے صریح مخالف ہے کیونکہ دعائے استسقاء یا تو خطبہ جمعہ میں کرنا ثابت ہے یا کھلے میدان میں نکل کر۔ اور کسی قطعی امر کے خلاف روایت ''موضوع'' ہونے پر دال ہے۔

(۲) اس روایت کے من گھڑت ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کی زندگی میں اس

---

(۱) [التاریخ الکبیر (۱۷۲/۱)]

(۲) [تقریب (۵۱۰۴)]

(۳) [التاریخ الکبیر (۱۷۲/۱)]

حجرے میں کوئی روشن دان نہیں تھا بلکہ وہ عہد نبوی ﷺ کی گذشتہ حالت پر ہی باقی تھا کہ اس کا کچھ حصے پر چھت اور کچھ خالی تھا۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ عصر کی نماز پڑھتے اور سورج (کی روشنی) ابھی حجرے میں ہوتی اور ابھی تک سایہ ظاہر نہ ہوا ہوتا۔[1] ولید بن عبدالملک نے سب سے پہلے تبدیلی کی اور حجرے کو مسجد نبوی ﷺ میں داخل کر دیا اور اس کے اردگرد اونچی دیوار کھڑی کروا دی۔ پھر اس میں ایک روشن دان بنایا گیا تا کہ کسی ضرورت کے لئے اس (حجرے) میں پہنچا جا سکے مثلاً صفائی ستھرائی کے لئے۔ لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دور میں یہ روشن دان ثابت کرنا صاف جھوٹ ہے۔

(۳) اگر یہ بالفرض صحیح واقعہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ ان لوگوں کے خلاف دلیل بنتی ہے جو مخلوق پر قسم ڈالتے ہیں، میت سے وسیلہ پکڑتے ہیں اور اللہ سے سوال دعا نہیں کرتے کیونکہ اس واقعہ کے مطابق صرف حصول رحمت کے لئے قبر سے چھت ہٹائی گئی ہے نا کہ قبر سے دعا، سوال کیا گیا ہے!!۔

✿ یعقوب بن اسحاق بن ابی اسرائیل از ابن حمید بیان کرتے ہیں کہ ابوجعفر امیر المومنین نے امام مالک سے مسجد نبوی ﷺ میں مناظرہ کیا تو امام مالکؒ نے کہا: اے امیر المؤمنین! اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کرو...... ابوجعفر نے کہا: اے ابوعبداللہ (مالک)! کیا میں قبلے کی طرف رخ کر کے دعا کروں یا روضہ رسول ﷺ کی طرف؟ امام مالک نے کہا کہ روضۂ رسول ﷺ کی طرف رخ کرنے سے کیا امر مانع ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ تیرے لئے اور تیرے باپ آدمؑ کے لئے روز قیامت اللہ کے حضور وسیلہ ہوں گے اس لئے روضۂ رسول ﷺ کی طرف رخ کر کے سفارش کی دعا کرو، اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو تمہارا سفارشی بنا دیں گے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اگر وہ اپنے نفسوں پر ظلم کریں اور تیرے پاس آئیں تو وہ اپنے لئے اللہ سے بخشش طلب کریں اور ان کے لئے رسول ﷺ بھی اللہ سے بخشش طلب کرے تو وہ اللہ کو بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔'' (النساء۔۶۴)[2]

سند کے اعتبار سے جائزہ:

پہلی علت:۔ اس واقعہ کے ایک راوی محمد بن حمید رازی کو امام بخاری، امام نسائی، جوزقانی، اسحاق بن منصور، صالح بن محمد، ابوزرعہ نے سخت ضعیف، کذاب اور جھوٹا قرار دیا ہے۔ امام احمد اور ابن معین نے اسے ثقہ کہا ہے لیکن یہ ثقاہت مرجوح ہے کیونکہ اسے ثقہ کہنے والے اس کے حال سے ناواقف رہے ہیں۔ ابن خزیمہ سے کہا گیا کہ کاش

(۱) [بخاری (۵۲۲) مسلم (۶۱۱)]

(۲) [الشفا قاضی عیاض (۲/۵۹۵)]

آپ محمد بن حمید سے بھی روایت کریں۔ یقیناً امام احمد نے اس کی تعریف کی ہے تو ابن خزیمہ نے جواب دیا کہ امام احمد نے اسے اس طرح نہیں پہچانا جس طرح سے ہم اس سے آگاہ ہیں اور وہ بھی اگر اس طرح اس سے آگاہ ہوتے تو اس کی کبھی تعریف نہ کرتے۔[1] دراصل اس راوی کو جھوٹا کہنے والے اس کے ہم وطن خراسانی محدثین ہیں جو اس کے کذب سے خوب آگاہ تھے اور ممکن ہے کہ جب امام احمد اور ابن معین سے بغداد میں اس راوی نے ملاقات کی ہو تو انہیں اپنی صحیح احادیث بیان کی ہوں جیسا کہ ابن معین کے اس قول سے اس کی تقویت ہوتی ہے کہ جب انہوں نے ابو حاتم سے پوچھا کہ آپ اس (محمد بن حمید) سے کسی چیز کا انتقام لینا چاہتے ہیں؟ تو ابو حاتمؒ یہ سبب بیان کر دیا۔ ابن معین اور امام احمد کا بعض روایات کے بموجب محمد بن حمید کی توثیق سے رجوع ثابت ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل امور کی وجہ سے اس راوی پر ہونے والی جرح مقدم ہوگی:۔

(۱) جرح مفسر ہے۔

(۲) جرح کرنے والے زیادہ تر اس کے ہم وطن ہیں اور اس کے احوال سے خوب باخبر ہیں۔

(۳) توثیق کرنے والے بھی حقیقت حال سے آگاہی کے بعد اپنی توثیق سے رجوع کر گئے۔

کوثری نے ابن عبدالھادی پر الزام لگایا کہ وہ اپنے شیخ (ابن تیمیہ) کی پیروی میں کسی راوی کی جرح بیان کر دیتا ہے مگر اس کی تعدیل سے صرف نظر کر لیتا ہے۔[2] حالانکہ یہ بات غلط ہے کیونکہ ابن عبدالھادی بہت بڑے حافظ ناقد ہیں اور انہوں نے تعدیل کی بجائے جرح مفسر کو اختیار کیا ہے اور خود کوثری نے بھی محمد بن حمید کے بارے میں کہا کہ یہ مختلف فیہ راوی ہے۔ بہت سے لوگوں نے اسے سخت جھوٹا قرار دیا ہے۔[3] بلکہ کہا کہ بہت سے (محدثین) اسے قابل حجت تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے کوثری خود خواہش نفس کا شکار ہو کر تضاد بیانیاں کر رہے ہیں۔

دوسری علت:۔ محمد بن حمید اور امام مالک کے درمیان انقطاع ہے کیونکہ اس کی امام مالک سے ملاقات یا سماع ثابت نہیں مثلاً:۔

(۱) حافظ ذھبی کے بقول ابن حمید ۱۶۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوا اور امام مالک ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے ہیں۔[4]

---

(۱) [الجرح والتعدیل (۲۳۲/۷) الکامل (۲۲۷۷/۶)] المجروحین (۳۰۳/۲) المیزان (۵۳۰/۳) تھذیب (۱۲۷/۹)]

(۲) [المقالات (ص۳۹۲)]

(۳) [المقالات (ص۴۵۶)]

(٤) [سیر اعلام (۵۰۳/۱۱)]

(۲) شیخ الاسلام کے بقول ابن حمید بڑھاپے کی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ اپنے علاقے سے باہر روایت حدیث کے لئے نکلا تھا۔[۱]

(۳) ابو جعفر نے کئی مرتبہ حج کیا مثلاً ۱۴۰ھ، ۱۴۴ھ، ۱۵۲ھ، میں اور انہی ایام میں وہ امام مالک سے مدینہ میں آکر ملے ہیں اور آخری حج اس نے ۱۵۸ھ میں کیا مگر مدینہ آنے سے قبل فوت ہوگیا۔ ان ایام میں ابن حمید امام مالک کے پاس نہیں آسکا کیونکہ بقول ذھبی ابن حمید اس وقت پیدا ہی نہ ہوا تھا اور اگر بالفرض وہ پیدا بھی ہوگیا تھا تو اپنے علاقے (خراسان) سے باہر نہیں گیا تھا اور یہ واقعہ مدینے میں پیش آیا۔

کوثری نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اس ملاقات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور کہا کہ ابن حمید امام مالک کی وفات کے وقت پندرہ سال سے کم عمر کا نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس کی یہ دلیل خود اس کے خلاف ہے کیونکہ زیادہ سے زیادہ یہ مناظرہ ۱۵۲ھ میں واقع ہوا اور امام مالک ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے۔ درمیان میں زیادہ سے زیادہ سترہ سال کا وقفہ ہو سکتا ہے اور محمد بن حمید نے خراسان سے بڑھاپے میں قدم باہر نکالا اور ۲۴۸ھ میں فوت ہوا۔

تیسری علت:۔ بقول ابن تیمیہ محمد بن حمید سے پہلے بھی راوی مجہول ہے۔[۲] ابن عبدالھادی کے بقول، اس کی سند منقطع اور مظلم (اندھیری) ہے۔ اس میں کئی کذاب اور کئی مجہول راوی ہیں۔[۳]

چوتھی علت:۔ اگر بالفرض یہ صحیح بھی تسلیم کرلیں تو امام مالک کی بات کتاب وسنت کے مخالف ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔

پانچویں علت:۔ امام مالک کے شاگردوں میں سے کوئی بھی اس واقعہ کو نقل نہیں کرتا البتہ محمد بن حمید اسے تنہا بیان کرتا ہے اور یہ ہے بھی ضعیف راوی اور جب اس کی روایت بھی مرسل ہو تو یہ اس سے بھی بڑی قباحت ہے۔ امام مالک کے اصحاب صرف مدنی اور مصری راویوں کی امام مالک سے مرویات کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں اور اس خراسانی اور ضعیف راوی کی روایت کیونکر قابل اعتماد ہوسکتی ہے جو امام مالک کے صحیح مذہب کے بھی خلاف ہے!!۔

امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ "تم اصحاب مالک کو دیکھو گے کہ وہ اپنے (فقہی) مذہب میں صرف ابن القاسم، اشہب وغیرہ جیسے مالک کے شاگردوں کی روایت تسلیم کرتے ہیں اور جب عبداللہ بن عبدالحکم وغیرہ جیسے ان سے روایت کریں تو یہ

(۱) [قاعدة فی التوسل (ص٦٧)]

(۲) [قاعده (ص٦٧)]

(۳) [الصارم (۲۵۸)]

ان کے نزدیک قابل تسلیم نہیں ہوتی۔ جب فروعی مسائل میں ان کی یہ عادت ہے کہ وہ ان ثقہ راویوں کے سوا کسی کی بات کو تسلیم نہیں کرتے تو پھر ایسے اہم اور عظیم مسئلہ میں اس (روایت مذکورہ) کو کیسے تسلیم کرلیں گے!''(۱)

درایت کے اعتبار سے اس کا جائزہ:۔

(۱) یہ روایت امام مالک کے صحیح مذہب کے خلاف ہے کیونکہ امام مالک سے ان کے اصحاب اسماعیل بن اسحاق وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ وہ حجرۂ رسول ﷺ کی طرف رخ کر کے زیادہ دیر کھڑے ہو کر دعا کرنے یا اپنے لئے دعا کرنے والوں کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔(۲) کوثری نے ابن حمید کے بالمقابل اس روایت کو ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ کہ ابن وھب کی روایت اس کے مخالف ہے۔ حالانکہ ابن وھب کی روایت اس کے مخالف نہیں۔ اس کی وضاحت گذر چکی ہے۔ غماری نے ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا کہ قبر پر دعا سے ان لوگوں کو منع کیا گیا ہے جنہیں آداب اسلامی سے واقفیت نہیں اور جو آداب سے آگاہ ہو، اسے منع نہیں کیا گیا۔ لیکن یہ جمع صحیح نہیں کیونکہ دعا کی اجازت والی حکایت ہی ضعیف ہے اور قبر پر دعا سے امام مالک نے مطلق طور پر منع کیا ہے۔ شرعی احکامات بالکل واضح ہیں جو کسی ایک گروہ کے لئے مخصوص نہیں۔

(۲) امام مالکؒ تو بدعات کے بڑے سخت مخالف تھے حتی کہ وہ کسی کی یہ بات بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ ''میں نے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کی۔'' مدینہ کے ''آثار'' کی زیارت بھی مکروہ جانتے تھے حتی کہ قبا کی مشروع زیارت بھی مکروہ سمجھتے صرف اس لئے کہ سنت کی حفاظت ہو اور بدعت کا اضافہ نہ ہو لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ وہ قبر پر دعا کو درست کہیں جبکہ سنت سے اس کا کوئی ثبوت بھی نہ ہو۔

(۳) یہ حکایت سلف صالحین کے طرز عمل کے مخالف ہے کیونکہ سلف میں سے کسی نے بھی اس طرح کا کوئی عمل نہیں کیا۔ لہٰذا اگر یہ مشروع ہوتا تو نیکیوں کی سب سے زیادہ رغبت کرنے والے (سلف صالحین) اس سے محروم نہ رہتے۔

(۴) اس حکایت کے الفاظ لغوی اعتبار سے رکیک (بھدے) ہیں مثلاً ﴿استشفع به فيشفعك الله﴾ یعنی حضور ﷺ کی سفارش طلب کر۔ اللہ تمہیں سفارشی بنا دے گا۔ حالانکہ اگر اس سے روز قیامت والی سفارش مراد ہے تو جملہ اس طرح ہونا چاہیے تھا ﴿استشفع به فيشفعه الله فيك﴾ حضور ﷺ کی سفارش طلب کر۔ اللہ انہیں

---

(۱) [معالم السنن (۴/۱)]

(۲) [تفصیل کے لئے دیکھیں: الرد علی البکری (۲۵) قاعدة (۶۸) المقالات (۳۹۳) الرد المحكم (۹۱) و ف (۱۳۷۷/۴)]

تمہارا سفارشی بنا دیں گے۔ دراصل بہت سے لوگوں نے شفاعت (سفارش) کو بمعنی توسل استعمال کرنا شروع کر دیا ہے حالانکہ سلف کے نزدیک اس کا یہ مفہوم بالکل نہیں تھا۔

(۵) تاریخ میں علماء اور خلفاء کے درمیان مناظرہ نہیں ہوتا تھا بلکہ علماء کا آپس میں مناظرہ ہوتا تھا یا بسا اوقات خلفاء کے دربار میں علماء کا آپس میں مناظرہ ہوتا جیسا کہ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا یا مالکؒ اور ابو یوسفؒ کا بنو عباسیہ کے خلفاء کے سامنے مناظروں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۶) اگر یہ حکایت درست ہو تو ممکن ہے کہ اس میں امام مالک نے اللہ کے حکم سے مسجد نبوی ﷺ میں آوازیں بلند کرنے سے منع کیا ہو اور بعد میں اس میں دوسرے الفاظ کی آمیزش کر دی گئی ہو۔ علاوہ ازیں اس شفاعت سے مراد وہ شفاعت ہے جو روز قیامت مسلمانوں کو نصیب ہو گی اور اس سے مراد توسل ہرگز نہیں ہو سکتا لیکن یہ حکایت بنیادی طور پر ضعیف ہے۔ اس لئے اس سے استدلال درست نہیں۔

✿ عمر بن اسحاق از علی بن میمون سے مروی ہے کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں''میں ہر روز امام ابوحنیفہؒ کی قبر پر جا کر تبرک حاصل کیا کرتا تھا۔ اگر مجھے کوئی طلب ہوتی تو میں دوگانہ ادا کرتا، آپ کی قبر پر آتا اور اللہ سے اپنی حاجت کا سوال کرتا اور وہاں سے دور ہونے سے پہلے میری ضرورت پوری کر دی جاتی۔''[1]

(۱) اس حکایت کی سند ضعیف ہے کیونکہ عمر بن اسحاق بن ابراہیم ضعیف (مجہول) راوی ہے۔[2] اور معنوی اعتبار سے اس کا کذب بالکل واضح ہے جیسا کہ شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اس حکایت کا کذب ہر اس شخص کے لئے بالکل واضح ہے جو نقل روایت کی شدھ بدھ رکھتا ہو۔ امام شافعیؒ جس وقت بغداد آئے، اس وقت ایسی کوئی قبر ہی نہیں تھی بلکہ امام شافعیؒ کے معروف عہد میں کوئی قبر نہیں تھی۔

(۲) امام شافعیؒ نے حجاز، یمن، شام، عراق اور مصر میں انبیاء، صحابہ ﷺ اور دیگر تابعین عظام کی قبریں دیکھی ہیں جو بالاتفاق امت مسلمہ ابوحنیفہؒ سے افضل شخصیات تھیں لیکن ان کی قبروں پر امام شافعی نے ایسی کوئی دعا نہیں کی!۔

(۳) ابوحنیفہؒ کے وہ اصحاب جنہوں نے امام صاحب کو دیکھا مثلاً ابو یوسف اور محمد شیبانی وغیرہ، وہ تو نہ ابوحنیفہؒ کی قبر پر دعا کرتے تھے اور نہ ہی کسی اور شخص کی قبر پر۔

(۴) امام شافعیؒ سے صراحت کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ عوام میں فتنے کے خوف سے قبروں کی تعظیم کو بھی مکروہ سمجھتے تھے۔

---

(۱) [تاریخ بغداد (۱۲۳/۱)]

(۲) [الضعیفة (۳۱/۱)]

(۵) کیا امام شافعیؒ اتنے فارغ الوقت تھے کہ روزانہ ہی امام ابوحنیفہؒ کی قبر پر حاضری دیتے اور وہاں دعائیں مانگتے رہتے؟ یہ بات خارج از امکان اور دور از کار ہے۔

✿ حسن بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ مجھے جب بھی کوئی پریشانی لاحق ہوئی تو میں نے موسیٰ کاظم کی قبر کا رخ کیا اور ان کا وسیلہ پکڑا چنانچہ اللہ نے میری مشکل آسان کر دی۔(۱)

دراصل دین اسلام کی تکمیل نبی کریم ﷺ کی زندگی ہی میں کر دی گئی تھی اور ایسی حکایات اور خواب وغیرہ ہمارے لئے حجت نہیں اور ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ دعائے غیر اللہ کو رواج دینے میں شیعوں کا بڑا کردار ہے۔ موسیٰ کاظم خود اپنے آپ کو امام کہا کرتے تھے اور اہل سنت بھی جاہلوں کی دیکھا دیکھی ان کے مقبرے پر دعا وغیرہ کے لئے جانے لگے۔ فی الحقیقت ان لوگوں کو یہ شبہ ہے کہ مردوں اور غائبوں کو پکارنا، ان سے دعا کرنا، اللہ کے حضور رسائی کا ذریعہ اور وسیلہ ہے کہ ''ہم گناہوں کی وجہ سے اللہ سے دور کر دیئے گئے ہیں اور اللہ کے ہاں ہمارا کوئی مقام و مرتبہ نہیں اس لئے ہم اللہ کے محبوب ولیوں کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بنا لیتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے ہاں ایک مقام رکھتے ہیں اور ان کی شفاعت رد نہیں ہوتی۔ جس طرح بادشاہوں تک رسائی کے لئے ان کے مقرب وزیروں اور درباریوں کا واسطہ پکڑنا ضروری ہے، اسی طرح اللہ کا معاملہ ہے اور اس میں اللہ کا ادب ملحوظ خاطر رہتا ہے اور ہماری حاجات پوری کر دی جاتی ہیں۔''(۲)

پہلا جواب:۔ یہ عقیدہ شرکیہ ہے کیونکہ مشرک یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں تکلیف پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔'' (یونس۔۱۸) ''ہم ان کی صرف اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں۔'' (الزمر۔۳)

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''بت پرستوں کا کہنا تھا کہ سب سے بڑا معبود انسان کی عبادت سے بھی برتر ہے۔ اس لئے انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ کے عظیم بندوں کی عبادت میں مشغول ہو جائے۔''(۳)

لہٰذا ثابت ہوا کہ مشرکین اللہ کے تقرب کے لئے ہی ان کی عبادت کرتے تھے تاکہ یہ (ولی، بت وغیرہ) اللہ کے ہاں ان کی شفاعت کر سکیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں مخاطب فرمایا۔

☆ ''کیا تم نے (اپنے تئیں) اللہ کے سوا سفارشی پکڑ رکھے ہیں؟'' (الزمر۔۴۳)

---

(۱) [تاریخ بغداد (۱۲۰/۱)]

(۲) [تفسیر رازی (۲۴۱/۲٦)]

(۳) [ایضا]

☆ ''کیا میں اس (اللہ) کے سوا اور معبود بنالوں؟ اگر رحمٰن میرے ساتھ تکلیف کا ارادہ کرلے تو ان کی شفاعت مجھے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔'' (یونس۔۲۳) غیر اللہ یعنی فرشتوں اور ولیوں کو پکارنے والے چار قسم کے لوگ ہیں:۔

(۱) ایسے لوگ جن کا یہ اعتقاد ہے کہ ہم اس قابل نہیں کہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے سوال کریں لہٰذا ہم واسطہ ڈال کر سوال کریں گے۔ گویا انہوں نے اللہ کی عبادت کی تعظیم ہی یہ سمجھی ہے کہ بلاواسطہ سوال نہ کیا جائے!

(۲) کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ نبی ﷺ اور فرشتے اللہ کے ہاں بڑا مقام و مرتبہ رکھتے ہیں لہٰذا ان کی تصویریں بنا کر ان سے محبت کا اظہار کیا جائے تا کہ یہ ہمیں اللہ کے قرب سے نوازدیں۔

(۳) کچھ لوگوں نے اپنی دعا اور عبادت کا قبلہ ان ہستیوں کو بنالیا۔

(۴) کچھ لوگ اس خیال میں مبتلا ہیں کہ فرشتوں اور نبیوں کی تصویروں کے مماثل ہر تصویر اللہ کے حکم سے وکیل بنا دی جاتی ہے اور جو شخص ان کی طرف متوجہ ہو کر انہیں پکارتا ہے تو یہ وکیل اللہ کے حکم سے اس کی پکار کو سنتے اور قبول کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فرشتوں، نبیوں، ستاروں اور بتوں کے پجاری اور عالم ساوی کی تاثیرات کے پجاری فلاسفہ تمام کے تمام اپنے معبودوں کے بارے یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ انہیں اللہ کے قرب سے نوازتے ہیں اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ان کا مطلوب ان کے ہاتھوں میں ہے اور وہ نفع، نقصان، عزت، ذلت، وسعت، بندش کے مالک ہیں۔ اسی لئے قرآنی تعبیر نے انہیں ان کا سفارشی ہونے کی نفی کی ہے اور انبیاء نے بھی اس دعوے کی تردید کی ہے۔

یہ شیطان کی بہت بری سازش تھی کہ انہیں بظاہر اللہ کی تعظیم کے بہانے گمراہ کردیا۔ عبدالرحمٰن مھدی فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں کو اس (شیطان) نے اس طرح ہلاک کردیا کہ اللہ تعالیٰ کتاب یا رسول بھیجنے سے بلند و بالا ہے حالانکہ ''انہوں نے اللہ کی تعظیم کا صحیح حق ادا نہیں کیا جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے انسان پر کچھ بھی نازل نہیں کیا۔'' مجوسی بھی اسی تعظیم کے دھوکے سے ہلاک ہوئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی کیسے عبادت کریں؟ وہ تو بڑا عظیم ہے البتہ ہمیں اللہ کے قریبی حضرات کی عبادت کرنی چاہیے چنانچہ انہوں نے سورج کی پرستش کی اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہونے لگے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ ''جن لوگوں نے اس (اللہ) کے سوا ولی پکڑ لئے (اور کہا) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے نزدیک درجہ دلاتے ہیں۔'' (الزمر۔۳)

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ''ان (مشرکین) کی مثال آج بھی دیکھی جاسکتی ہے کہ بہت سے لوگ بڑے آدمیوں کی قبروں کی تعظیم کرتے ہوئے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی بن جائیں گے۔''[(۱)]

(۱) [تفسیر رازی (۶۳/۱۷)]

دوسرا جواب:۔ اس واسطے اور وسیلے میں ایسے مفاسد پنہاں ہیں جو صحیح اعتقاد کو متزلزل ومنہدم کر دیتے ہیں۔ اس اعتقاد سے اللہ کی بے ادبی لازم آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کمال علم، سمع، بصر، سخاوت کے باوجود کسی ذریعے، وسیلے اور واسطے کا محتاج ہے! اس سے اللہ کے علم، سمع، بصر وغیرہ کی نفی ہوتی ہے جو کوئی معمولی گناہ نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ ''کیا جھوٹے معبود اللہ کے سوا تم چاہتے ہو؟ تمہارا رب العالمین کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' (الصافات۔۸۶،۸۷)

یعنی کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ تمہیں غیر اللہ کی عبادت کرنے سے اچھا بدلہ دے گا؟ کیا تم اس زعم باطل میں مبتلا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے حالات سے آگاہی کے لئے کسی ذریعے اور واسطے کی احتیاج ہے؟ یہ تو بادشاہوں کے لئے ممکن ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہر وقت، ہر جگہ اور ہر چیز سے براہ راست مطلع اور آگاہ ہیں۔ لہٰذا اللہ کے لئے واسطہ بنانے والا اللہ کے بارے میں بدظنی کا شکار ہے اور واسطے کا تصور شریعت اور عقل وفطرت کے لحاظ سے بھی ناممکن ہے۔

عقل وفطرت سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے تمام معاملات کو کسی کی ضرورت اور مدد کے بغیر خود تنہا چلاتا ہے اور ارض وسما کی کوئی مخفی چیز بھی اس کے سامنے مخفی نہیں۔ وہ ہر طرح کی آواز، ہر قسم کی حاجت بلا مشقت سنتا ہے۔

غیر اللہ کو وسیلہ پکڑنے میں ایک قباحت یہ ہے کہ خالق کی مخلوق کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے مثلاً ''بادشاہ کے غلام اور تابعدار کی تعظیم وتوقیر، بادشاہ تک رسائی کا ایک بہترین ذریعہ ہے لہٰذا وہ غلام جس قدر اس کے قریب ہوگا، اسی قدر ضرورت کا پورا ہونا یقینی اور قریبی ہوگا......'' لیکن اللہ کے ساتھ اس طرح کی مشابہت قطعی طور پر درست نہیں۔ کیونکہ بادشاہوں تک رسائی کے ذرائع تین طرح کے ہوتے ہیں اور اللہ کے لئے ان میں سے کوئی ایک بھی ممکن نہیں:۔

(۱) بادشاہ کو ان حالات سے مطلع کرنا جس سے وہ آگاہ نہیں۔

(۲) بادشاہ کو سیاست میں معاونین کی محتاجی ہو۔

(۳) بادشاہ اپنی رعیت سے حسن سلوک نہ کرتا ہو اور بادشاہ کو نصیحت کرنے کے لئے کسی کو تیار کیا جائے۔

اسی طرح کسی کو واسطہ بنانے سے یہ قباحت پیدا ہوتی ہے کہ اس کی اس طرح تعظیم کی جاتی ہے جس کا صرف اللہ تعالیٰ ہی مستحق ہے۔ جبکہ عقل وشرع اس کو جائز تسلیم نہیں کرتے۔ اسی طرح ایک قباحت یہ بھی ہے کہ اللہ پر یہ بہتان ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ واسطے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔ چنانچہ ان مشرکوں نے اللہ کے بندوں کے دلوں کو اللہ سے پھیر کر قبروں اور کمزور مخلوق کی طرف کر دیا ہے جو اپنے نفع نقصان کے بھی مالک نہیں۔ پھر اسے قرب الٰہی کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ یعنی اللہ کے ساتھ شرک کر کے اللہ کا قرب تلاش کرنے کی بھاری کوششیں وجود میں لائی گئیں اور غیر اللہ سے

دعا مانگنے کو عین اللہ سے دعا مانگنا ثابت کیا جانے لگا!

یہ تمام مفاسد اس لئے پیدا ہوئے کہ خالق کو مخلوق کے ساتھ مماثل کیا گیا حالانکہ بادشاہ (مخلوق) کسی وقت سفارش کرنے والے کے ہاتھوں محتاج ہوتا ہے، کبھی اس سے خوف زدہ ہوتا ہے۔ کبھی اس کا احسان چکانا چاہتا ہے، کبھی اپنی اولاد، بیوی اور خدام کی سفارش کو ٹالنا نہیں چاہتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اس طرح کی کسی سفارش کے سامنے مجبور و محتاج نہیں۔

تیسرا جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی مشکلات رفع کرنے کے لئے کسی واسطے کا حکم نہیں دیا بلکہ براہ راست پکارنے کا حکم دیا ''جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں تو (آپ کہہ دیں) میں قریب ہوں (اور) پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں کہ جب وہ مجھے پکارے۔'' (البقرۃ۔۱۸۶)

اس آیت میں ایک نکتہ یہ ہے کہ بندوں کے سوال کے جواب میں بالعموم اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتے تھے کہ آپ کہہ دیں..... لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لفظوں کو بیان نہیں کیا تا کہ اللہ اور بندوں کے درمیان کسی واسطے کی نفی میں ادنیٰ سا شک بھی نہ رہے۔ دین اسلام میں کہیں بھی وسیلے اور واسطے کی دلیل نہیں ملے گی۔ خواہ اللہ نے مخلوق کو پیدا کرنا ہو، معاملات چلانے ہوں، رزق دینا ہو، زندہ کرنا ہو، موت دینی ہو، دعا سننی ہو، داعی کی پکار کو قبول کرنا ہو بلکہ تمام رسولوں اور ان کے متبعین کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ فقط اللہ کی عبادت کی جائے، اسی سے سوال کیا جائے، اسی کی عبادت کی جائے، اسی کے لئے نماز پڑھی جائے، اسی کے لئے سجدہ کیا جائے، وہی لاچاروں اور مجبوروں کی دعا سنتا اور قبول کرتا ہے، فریاد رسوں کی فریاد پوری کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اللہ لوگوں کے لئے جو کچھ رحمت کھول دیں، اسے کوئی بند نہیں کر سکتا اور جسے اللہ بند کر دیں تو پھر اس کے بعد اسے کوئی نہیں کھول سکتا۔'' (فاطر۔۲)

شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ''اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان عبادت، دعا، فریاد کے لئے کوئی واسطہ مقرر نہیں بلکہ وہ (مسلمان) اللہ تعالیٰ کو بلا واسطہ پکارتے اور عبادت کرتے ہیں۔'' دراصل اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو لوگوں کے درمیان تبلیغ کا واسطہ بنایا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

☆ ''ہم رسولوں کو صرف خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجتے ہیں۔'' (الانعام۔۴۸)(الکھف۔۵۶)

☆ میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ میں غیب جانتا ہوں، نہ میں تمہیں یہ کہتا ہوں کہ میں اللہ کا فرشتہ ہوں.......'' (ھود۔۳۱)

☆ نبی کریم ﷺ کو بھی حضرت نوح کی طرح کہا گیا کہ ''آپ کہہ دیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اپنی طرف آنے والی وحی کی

پیروی کرتا ہوں۔'' (الانعام۔۵۰)

چوتھا جواب:۔ انبیا وصلحاء تو حکم الٰہی کے پابند ہوتے ہیں لہٰذا یہ بعید از امکان ہے کہ کسی نبی یا ولی نے اپنے آپ کو مخلوق اور خدا کے درمیان عبادت کے لئے واسطہ قرار دیا ہو بلکہ اگر کوئی شخص انہیں واسطہ بنانے کی کوشش کرے تو یہ اسے کبھی پسند نہیں کرتے۔ علاوہ ازیں اگر کوئی سزا کا مستحق ہو تو انبیاء کی دعا بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی جس طرح نوحؑ کی اپنے بیٹے کے بارے میں دعا کے متعلق کہا گیا ''مجھ سے اس چیز کا مطالبہ نہ کر جس کا تمہیں علم نہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں وگرنہ تم جاہلوں میں سے ہو جاؤ گے۔'' (ھود۔۴۶) اس طرح انبیاء اور اہل ایمان کو مشرکین کے لئے استغفار سے منع کر دیا گیا کہ ''کسی نبی یا ایمان والوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں اگر چہ وہ (مشرک) ان کے قریبی ہوں۔'' (براۃ۔۱۱۳) روز قیامت بھی انبیاء اللہ کی اجازت سے اس کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اہل ایمان گنہگاروں کی شفاعت کریں گے۔

پانچواں جواب:۔ یہ محض وہم ہے کہ ہم لوگ بڑے گنہگار اور دربار الٰہی سے راندہ ہوئے افراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ''جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں قریب ہوں اور پکارنے والے کی پکار کو قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارے۔'' آیت مذکورہ ہر فرد سے مخاطب ہے کہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کو پکارے۔ اسی طرح حکم الٰہی کے مطابق ہم ہر نماز میں یہ آیت پڑھتے ہیں ﴿ایاک نعبد و ایاک نستعین﴾ ''(یا اللہ!) ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔ لہٰذا اللہ سے بلا واسطہ ہی سوال و دعا اور مناجات کی جاتی ہیں۔

چھٹا جواب:۔ ان کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ ہم صرف انہیں بطور سفارشی سمجھ کر پکارتے ہیں بلکہ انہیں ''مختار کل'' سمجھ کر پکارا جاتا ہے کہ یہی کرنی والے ہیں، بیڑی پار لگانے والے، مشکل دور کرنے والے ہیں۔ لہٰذا اگر کچھ لوگ بھی غیر اللہ کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے ہوں تو ان کی وجہ سے سب کو اس سے منع کرنا ضروری ہے۔

حدیث شفاعت کا شبہ:۔ کچھ لوگ نبیوں کو بلکہ مردوں کو بھی پکارنے کے جواز کے لئے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ روز قیامت سب لوگ انبیاء کے پاس جائیں گے اور ان سے سفارش کا مطالبہ کریں گے، اسی طرح عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کی روایت سے دلیل نکالتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں شامل کر دے (جو بلا حساب جنت میں جائیں گے) تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو ان میں شامل ہے۔[1] اسی طرح

---

(۱) [بخاری (٦٥٤١) مسلم (٢٢٠)]

ربیعہ بن کعب کی روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ہاں رات بسر کی۔ پھر میں آپ ﷺ کے وضو کا برتن لے کر آیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے کہا، مانگ کیا مانگتا ہے؟ میں نے کہا کہ میں جنت میں آپ کا ساتھ مانگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: کچھ اور؟ کہا: نہیں تو آپ نے فرمایا: پھر کثرت سجود کے ساتھ میری مدد کر۔[1]

ان روایات سے توسل بالذات، غیر اللہ کو پکارنے اور انہیں اپنا سفارشی بننے کی درخواست کرنے کا جواز پیش کیا جاتا ہے۔

جواب:۔ (۱) حدیث شفاعت تو مذکورہ مسئلہ میں دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ یہ سوال اس وقت ہوگا جب تمام انبیاء میدان محشر میں زندہ ہوں گے، مردہ یا غائب نہیں ہوں گے۔ اسی طرح دیگر روایات سے بھی مردوں کو پکارنے کا جواز نہیں ملتا کیونکہ یہ آپ ﷺ کی زندگی میں آپ سے دعا کا مطالبہ کیا گیا ہے اور آپ اللہ سے دعا کرنے پر قادر تھے۔ جیسا کہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ میرے لئے دعا کریں۔ تو یہ مطالبۂ دعا مشروع ہے جس طرح آپ سے استغفار کروانا مشروع ہے۔

(۲) نبی کریم ﷺ کی زندگی کے واقعات پر آپ کی وفات کے بعد کے حالات کو یہاں منطبق نہیں کیا جاسکتا کیونکہ آپ ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں بخوبی جانتے تھے کہ کس کیلئے سفارش کی جائے اور کس کے لئے نہ کی جائے لہٰذا آپ ﷺ نے عکاشہ کے لئے سفارش کی اور بعد والوں کے لئے یہ دروازہ بند کر دیا۔

(۳) حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ سبق دیا ہے کہ میری سفارش اسے حاصل ہوگی جو ایمان خالص کے ساتھ عمل صالح کرے جیسا کہ اس کی وضاحت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت سے ہوتی ہے کہ ''آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کی شفاعت کا حق دار کون ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرے۔'' اسی لئے آپ نے ربیعہ کو کثرت سجود کا حکم دیا لیکن جو سجدہ ہی نہ کرے، نماز ہی نہ پڑھے اور نہ ایمان لائے بلکہ شرک پر عمل پیرا ہو کر غیر اللہ سے دعا کرے، وہ کیسے نبی کریم ﷺ کی اپنے حق میں سفارش پر اعانت کر سکتا ہے؟ بلکہ وہ اپنی گمراہی میں شیطان لعین کی مدد کر رہا ہے۔ اللہ ہمیں شیطان سے محفوظ رکھے۔

ذات اور اعمال میں مماثلت کا شبہ:۔ یہ لوگ اعمال کو ذات کے ہم مثل قرار دے کر یہ دعوی کرتے ہیں کہ اگر اعمال جو مخلوق ہے، کے ساتھ سوال کیا جا سکتا ہے تو نبی کریم ﷺ اس سے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کے واسطے سے دعا کی جائے۔ یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ عبادات توقیفی ہیں۔ علاوہ ازیں اعمال کے ذریعے توسل اس لئے درست ہے کہ یہ انسان کا کسب ہیں جس پر دنیوی یا اخروی سزا کا دارومدار ہے جبکہ یہ علت کسی ذات کو وسیلہ بنانے میں مفقود

---

(۱) [مسلم (۴۸۹)]

ہے۔ لہٰذا علت مشترکہ کے ناپید ہونے کی وجہ سے یہ اعتراض درست نہیں۔

حیات پر ممات کو قیاس کرنے کا شبہ:۔ بعض لوگوں کا دعوی ہے کہ ''رسول کریم ﷺ سے بعد از حیات مدد طلب کرنا درست ہے کیونکہ آپ ﷺ کی دنیاوی زندگی اور برزخی زندگی میں مماثلت ہے اور آپ ﷺ دونوں جہانوں میں زندہ اور اللہ کے حکم سے مختار کل ہیں......'' یہ قیاس بھی کئی وجوہات کی بناء پر فاسد ہے:۔

(۱) زندگی اور موت کے مابین فرق اظہر من الشمس ہے جس میں کسی اہل علم نے اختلاف نہیں کیا۔

(۲) انبیا وصلحاء اپنی زندگیوں میں اپنے پاس توسل کے لئے آنے والوں کے لئے اللہ کے حضور دعا کیا کرتے تھے لیکن عالم برزخ میں یہ ممکن نہیں۔

(۳) یہ بھی ممکن نہیں کہ حضور ﷺ کی زندگی کے تمام احکامات وضروریات آپ ﷺ کی برزخی زندگی پر ثابت آئیں کیونکہ آپ کی زندگی میں آپ کی اقتدا میں نمازیں پڑھی جاتی تھیں تو کیا اب آپ کی قبر کو امام بنا کر نماز ادا کی جاسکتی ہے؟ اس طرح بے شمار باتیں اب ناممکن ہیں۔

(۴) صحابہ کرام آپ سے صرف دعا کی درخواست کیا کرتے تھے نا کہ آپ کے جاہ ومقام کا واسطہ دیتے حالانکہ وہ آپ ﷺ کی مجلس میں بھی شریک ہوتے تھے تو اب آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کا جاہ ومقام کیسے واسطہ بنایا جاسکتا ہے؟ اور اگر کوئی صحابی کہیں دور ہوتا تو آپ سے خط وکتابت کے ذریعے رابطہ کر لیتا یا عاصم بن ثابت کی طرح اس طرح کہتا یا اللہ! ہماری خبر اپنے نبی ﷺ کو پہنچا دے......''

(۵) اسی طرح انبیا وصلحاء کی زندگیوں میں ان کے سامنے غیر اللہ کو اللہ کا شریک اور حصہ دار بنانا ممکن نہیں تھا تو پھر ان کی موت کے بعد خود انہیں اللہ کا شریک بنا دینا کہاں کا انصاف ہے؟ لہٰذا یہ قیاس فاسد ہے۔ شیخ ابو بطین نے اس شبہ کے بے شمار منطقی جوابات دے کر اس کی تردید کی ہے اور کسی بدعتی کو شیخ کے جواب کی ہمت نہیں!۔[1]

* * *

(۱) [دیکھیں تاسیس التقدیس (ص ٥٤ تا ٦٠)]

فصل ثالث

غیر مشروع دعا کی ممانعت کے دلائل پر اعتراضات کا جائزہ

مُردوں اور غائبوں کو پکارنے والوں نے جب ایسے بے شمار دلائل دیکھے جو غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت پر روز روشن کی طرح واضح تھے تو ان کے جوابات سے عاجز آ کر ان میں مختلف شبہات پیدا کر کے اپنے تئیں محفوظ کرنے کی ناکام کوششیں کیں اور کہا کہ یہ ان کے شرکیہ اعمال کے خلاف منطبق نہیں ہوتیں بلکہ ان واضح دلائل کو کھینچ تان کر اپنے حق میں ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، مگر بے سود! ستم بر ستم یہ کہ یہ نام نہاد ''علما'' کے گروہ میں شامل ہیں۔ ان کی ذمہ داری تو یہ تھی کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خیر خواہی کے پیش نظر غیر اللہ کے پجاریوں کو منع کرتے لیکن یہ انہیں پناہ دینے کے لئے محنتیں کرنے لگے اور شرعی دلائل سے سر مو انحراف کرنے لگے۔ اس فصل میں اسی پر بحث کی جائے گی اور گذشتہ دو فصلوں میں ان کی طرف سے پیش کئے جانے والے دلائل پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔

ان لوگوں نے ممانعت پر مبنی صحیح دلائل میں شبہات کی رخنہ اندازی کا فریضہ اس وقت انجام دیا جب شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ کی دعوت توحید کے اثرات چہار دانگ عالم میں گہرے ہونے لگے اور یہ اس سلفی بابرکت دعوت سے خائف ہو کر اس میں شکوک و شبہات کی پیوند کاریاں کرنے لگے۔ شیخ محمد بن عبدالوھابؒ نے اپنے رسائل و جرائد اور کتابوں میں ان کے شبہات کی خوب خبر لی اور ان کے بعد بھی علماء نے اس مشن کو تا حال جاری رکھا۔

پہلا شبہ:۔ ان لوگوں کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ یہ نصوص اس شخص کے بارے میں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو خالق و رازق تسلیم نہیں کرتا یعنی جو توحید ربوبیت کا قائل نہیں لیکن جو توحید ربوبیت کا قائل ہے، وہ دعائے غیر اللہ کے دلائل کی زد میں نہیں آتا خواہ غیر اللہ سے مدد مانگے یا ان کے لئے ذبح کرے اور نذر مانے۔ علاوہ ازیں ان کا کہنا ہے کہ جو شخص توحید ربوبیت کا اقرار کرتا ہے وہ گویا توحید الوہیت کا بھی اقرار کر لیتا ہے لہٰذا یہ (غیر اللہ کو پکارنے سے ممانعت والے) دلائل اس امت محمدیہ پر منطبق نہیں ہوتے جو اللہ کی ربوبیت کی قائل ہے.........

جواب:۔ ان لوگوں کے شبہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں اور پہلے مشرکوں میں توحید ربوبیت کا فرق ہے اور مشرکین توحید ربوبیت کے قائل نہ تھے۔ حالانکہ یہ دعویٰ سراسر باطل اور غلط ہے کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے جن لوگوں (مشرکوں) سے قتال کیا، وہ توحید ربوبیت کے قائل تھے اور قرآن کی درج ذیل آیات اس پر گواہ ہیں:۔

☆ ”آپ کہیئے کہ وہ کون ہے جوتم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ ”اللہ“ تو ان سے کہیئے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے۔“ (یونس۔۳۱)

☆ ”پوچھیئے تو سہی کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ بتلاؤ اگر جانتے ہو۔ فوراً جواب دیں گے کہ اللہ کی۔ کہہ دیجئے کہ پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ دریافت کیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت باعظمت عرش کا رب کون ہے؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجئے: کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ پوچھیئے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا۔ اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ۔ یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجئے پھر تم کدھر سے جادو کر دیئے جاتے ہو۔“ (المؤمنون۔۸۴،۸۹)

☆ ”اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ زمین وآسمان کا خالق اور سورج چاند کو کام میں لگانے والا کون ہے تو ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ پھر کدھر الٹے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے فراخ روزی دیتا ہے اور جسے چاہے تنگ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اور اگر آپ اسے سوال کریں کہ آسمان سے پانی اتار کر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کس نے کیا تو یقیناً ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے۔“ (العنکبوت۔۶۱،۶۳)

☆ ”اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔“ (الزمر۔۳۸)

☆ ”اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً ان کا جواب یہی ہو گا کہ انہیں غالب ودانا (اللہ) نے ہی پیدا کیا ہے؟“ (الزخرف۔۹)

☆ ”اگر آپ ان سے دریافت کیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو یقیناً یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے۔“ (الزخرف۔۸۷)

☆ ”بھلا بتاؤ تو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ کس نے آسمان سے بارش برسائی۔ پھر اس سے ہرے بھرے بارونق باغات اگا دیئے؟ ان باغوں کے درختوں کو تم ہرگز نہیں اگا سکتے۔ کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی بھی معبود ہے؟ بلکہ یہ لوگ ہٹ جاتے ہیں (سیدھی راہ سے) کیا وہ جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں جاری کر دیں اور اس کے لئے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان روک بنا دی، کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر کچھ جانتے ہی نہیں۔ بے کس کی پکار کو جبکہ وہ پکارے، کون قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے؟

اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہو۔ کیا وہ جو تمہیں خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے اور جو اپنی رحمت سے پہلے ہی خوشخبریاں دینے والی ہوائیں چلاتا ہے، کیا اللہ کیساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ جنہیں یہ شریک کرتے ہیں، ان سب سے اللہ بلند و بالاتر ہے۔ کیا وہ جو مخلوق کی اول دفعہ پیدائش کرتا ہے، پھر اسے لوٹائے گا اور جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزیاں دے رہا ہے، کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے۔ کہہ دیجئے کہ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔'' (النمل۔۶۰،۶۴)

☆ ''ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں۔ (یوسف۔۱۰۶)

☆ ''اور سمندروں میں مصیبت پہنچتے ہی جنہیں تم پکارتے تھے، سب گم ہو جاتے ہیں۔ صرف اللہ باقی رہ جاتا ہے۔'' (الاسراء۔۶۷)

☆ ''اور جب ان پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ (نہایت) خلوص کے ساتھ اعتقاد کر کے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں۔'' (لقمان۔۳۲)

☆ ''تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں، سب اس کی دی ہوئی ہیں۔ اب بھی جب تمہیں کوئی مصیبت پیش آجائے تو اس کی طرف نالہ وفریاد کرتے ہو اور جہاں اس نے وہ مصیبت تم سے دفع کر دی، تم میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔'' (النحل۔۵۳،۵۴)

☆ ''اور جہاں اس نے وہ مصیبت تم سے دفع کر دی، تم میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔'' (النحل۔۵۴)

☆ ''اور مشرکین اپنے شریکوں کو دیکھ لیں گے تو کہیں گے اے پروردگار! یہی ہمارے وہ شریک ہیں جنہیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارا کرتے تھے۔'' (النحل۔۸۶)

☆ ''اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آگئے جس طرح ہم نے اول بار تم کو پیدا کیا تھا۔ اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا، اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے اور ہم تو تمہارے ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعوی رکھتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں شریک ہیں۔'' (الانعام۔۹۴)

☆ ''کہہ دیجئے! کہ اگر اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسے کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو ضرور وہ اب تک مالک عرش کی جانب راہ ڈھونڈ نکالتے۔'' (الاسرا۔۴۲)

☆ ''یہ مشرکین (یوں) کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ

ہم کسی چیز کو حرام کہہ سکتے۔'' الانعام۔۱۴۸)

☆ ''مشرک لوگوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادے اس کے سوا کسی اور کی عبادت ہی نہ کرتے نہ اس کے فرمان کے بغیر کسی چیز کو حرام کرتے۔'' (النحل۔۳۵)

☆ ''اور ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے میں سے کچھ دو تو یہ کفار ایمان والوں کو جواب دیتے ہیں کہ ہم انہیں کیوں کھلائیں جنہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود کھلا پلا دیتا۔'' (یٰس۔۴۷)

☆ ''اور انہوں نے اللہ کے بعض بندوں کو اس کا جز ٹھہرا دیا۔ یقیناً انسان کھلم کھلا ناشکرا ہے۔ کیا اللہ نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں تو خود رکھ لیں اور تمہیں بیٹوں سے نوازا اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے عبادت گزار ہیں، عورتیں قرار دے لیا۔ کیا ان کی پیدائش کے موقع پر یہ موجود تھے۔ ان کہ یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے (اس چیز کی) باز پرس کی جائے گی۔ اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے۔'' (الزخرف۔۱۵،۲۰)

☆ ''یا یہ اس وقت موجود تھے جبکہ ہم نے فرشتوں کو مؤنث پیدا کیا۔ آگاہ رہو! کہ یہ لوگ صرف اپنی افترا پردازی سے کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ یقیناً یہ محض جھوٹے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح دی۔'' (الصافات۔۱۵۰،۱۵۳)

☆ ''ان کے رسولوں نے انہیں کہا، کیا حق تعالیٰ کے بارے میں تمہیں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔'' (ابراہیم۔۱۰)

☆ ''لوگو! تم پر جو انعام اللہ تعالیٰ نے کئے ہیں، انہیں یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا اور کوئی بھی خالق ہے جو تمہیں آسمان وزمین سے روزی پہنچائے۔ (فاطر۔۳)

☆ ''تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اس جیسا ہے جو پیدا نہیں کرسکتا؟'' (النحل۔۱۷)

☆ ''یہ ہے اللہ کی مخلوق۔ اب تم مجھے اس کے سوا دوسرے کسی کی مخلوق تو دکھاؤ۔'' (لقمان۔۱۱)

☆ ''آپ کہئے! کہ تم اپنے قرارداد شریکوں کا حال تو بتلاؤ جن کو تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو یعنی مجھ کو یہ بتلاؤ کہ انہوں نے زمین میں سے کون سا (جزو) بنایا ہے یا ان کا آسمانوں میں کچھ ساجھا ہے۔'' (فاطر۔۴۰)

☆ ''آپ ان سے کہئے کہ اچھا یہ تو بتاؤ، جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اگر اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ یا اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟'' (الزمر۔۳۸)

☆ اب بھی جب تمہیں کوئی مصیبت پیش آ جائے تو اس کی طرف نالہ وفریاد کرتے ہو اور جہاں اس نے وہ وہ مصیبت دفع کر دی، تم میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔'' (النحل۔۵۳،۵۴)

☆ ''کیا جنہیں یہ اللہ کے شریک ٹھہرا رہے ہیں، انہوں نے بھی اللہ کی طرح مخلوق پیدا کی ہے۔'' (الرعد۔۱۶)

☆ ''انہوں نے کہا کہ کیا آپ ہمارے پاس اس واسطے آئے ہیں کہ ہم صرف اللہ ہی کی عبادت کریں۔'' (الاعراف۔۷۰)

☆ کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کا ایک ہی معبود کر دیا۔'' (ص۔۵)

☆ ''جب اللہ اکیلے کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے۔ (الزمر۔۴۵)

☆ ''اور جب تو صرف اللہ کا ذکر اس کی توحید کے ساتھ اس قرآن میں کرتا ہے تو وہ روگردانی کرتے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔'' (الاسراء۔۴۶)

☆ ''(اور کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کر دیں۔'' (الزمر۔۳)

☆ ''اور یہ لوگ اللہ (وحدہ) کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔'' (یونس۔۱۸)

☆ ''پس قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اللہ کے سوا جن جنکو اپنا معبود بنا رکھا تھا، انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی؟'' (الاحقاف۔۲۸)

☆ ''کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا (اوروں) کو سفارشی مقرر کر رکھا ہے؟'' (الزمر۔۴۳)

☆ ''اور جبکہ ابراھیم نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو بجز اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا۔'' (الزخرف۔۲۶،۲۷)

☆ ''آپ نے فرمایا، کچھ خبر بھی ہے جنہیں تم پوج رہے ہو۔ تم اور تمہارے اگلے باپ دادا وہ سب میرے دشمن ہیں بجز سچے اللہ تعالیٰ کے جو تمام جہان کا پالنہار ہے۔'' (الشعراء۔۷۵،۷۷)

☆ ''جبکہ تم ان سے اور اللہ کے سوا ان کے اور معبودوں سے کنارہ کش ہو گئے۔'' (الکھف۔۱۶)

یہ مسئلہ بالکل واضح اور نا قابل تطویل تھا مگر ان لوگوں نے مشرکین کی توحید ربوبیت کی نفی کی ہے، اس لئے ضروری ہے

کہ ان علماء کے اقوال واستشہادات بھی ذکر کردیئے جائیں جنہوں نے دوٹوک الفاظ میں مشرکین مکہ کی توحید ربوبیت کے اقرار کی صراحت کی ہے مثلاً:۔

(۱) ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ (ت ۲۶۷ھ):۔ انسانی فطرت کی بحث کے بعد فرماتے ہیں کہ ''میں نے کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں دیکھا جو کسی صانع اور مدبر (رب) کا اقرار نہ کرتا ہو اگرچہ وہ اس صانع کا کوئی اور نام (اللہ کے سوا) استعمال کرتا ہوں یا اس کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اپنے وہم کے مطابق کسی اور کی بھی عبادت کرتا ہو یا اس کا کوئی ایسا وصف بیان کرتا ہو جو اس (اللہ) کا نہیں یا اس (اللہ) کی طرف ان چیزوں کی اضافت کرتا ہو جو اللہ کے شایان شان نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اور اگر آپ ﷺ ان سے سوال کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔''[1]

(۲) ابوالحسن اشعری (ت ۳۲۴ھ):۔ ''اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تمام جہانوں کی طرف مبعوث کیا ہے۔ یہ لوگ مختلف جماعتوں اور گروہوں میں تقسیم ہیں، کچھ اہل کتاب، کچھ ابراہیمی، کچھ دہریئے، کچھ بت پرست اور کچھ مجوس ہیں۔ بت پرست بت کے لئے اعتکاف کرتا ہے اور اس کا خیال ہے کہ اس کا ایک رب ہے جس کے تقرب کے لئے وہ اس بت کی عبادت کرتا ہے۔''[2]

(۳) امام ابومحمد علی بن احمد بن حزم (ت ۴۵۶ھ):۔ کفر وشرک کے مابین فرق پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ مشرکین، یہود ونصاریٰ، مجوسی، برہمن سب اللہ تعالیٰ کا اقرار کرتے ہیں البتہ دہریئے اللہ کے وجود کے منکر ہیں۔[3]

(۴) محمد بن عبدالکریم المتکلم الشہرستانی (ت ۵۴۸ھ):۔ فرماتے ہیں کہ عالم کو صانع سے معطل سمجھنے کا کوئی قائل نہیں۔ البتہ کچھ دہریئے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ پھر موصوف نے کائنات کی تخلیق پر بحث کی اور کہا کہ صانع کے انکار پر اس قول سے کوئی دلیل نہیں مل سکتی۔ نیز فرماتے ہیں کہ فطرت انسانی ضروری طور پر صانع کے وجود کی قائل ہے اسی لئے انسان کو معرفت صانع کا مکلف نہیں بنایا گیا اور اسی مسئلہ پر رسولوں اور مخلوق کے درمیان توحید وشرک کیلئے نزاع ہوتا رہا اور اس آیت کو پیش کیا کہ ''یہ اس لئے کہ جب ایک اللہ کو پکارا جاتا ہے تو تم کفر کرتے ہو اور اگر

---

(۱) [مختلف الحدیث (۱۲۹)]

(۲) [رسالة الی اهل الثغر (ص۷۹)]

(۳) [المحلی (۲۴۵/٤)]

اس کے ساتھ شرک کیا جاتا ہے تو تم تسلیم کر لیتے ہو۔'' (غافر۔۱۲)[1]

(۵) قاضی ابویعلی محمد بن حسین بن فراء (ت ۴۵۸ھ):۔

''ہر کوئی ایک صانع کا اقرار ضرور کرتا ہے اگرچہ اس کا نام کچھ بھی رکھتا ہو جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے کہ اگر آپ ان سے سوال کریں........''[2]

(۶) ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی (ت ۵۹۷ھ):۔

فلاسفہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''فلاسفہ سے صانع کے وجود کا انکار ناممکن ہے۔ بلاشبہ اکثر فلاسفہ صانع کے وجود کے قائل ہیں اور یہ نبوت کے منکر بھی نہیں اگرچہ نبوت کے مسئلہ میں یہ زیادہ غور وفکر نہیں کرتے۔ چند ایک دہریئے ان سے مستثنیٰ ہیں جن کی عقلیں یک دم فاسد ہو چکی ہیں۔''[3] ''اکثر اہل ہند بھی ربوبیت کے قائل ہیں اور اللہ کے فرشتوں کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔''[4]

(۷) محمد بن عمر رازی (ت ۶۰۴ھ):۔ امام رازی نے اپنی تفسیر میں بے شمار مقامات پر مشرکین کے توحید ربوبیت کے اقرار پر بحث کی ہے مثلاً ''یاد رکھو کہ کائنات میں کوئی فرد ایسا نہیں جو اللہ کے لئے کسی کو شریک بناتا ہو، جو قدرت اور علم وحکمت میں اللہ کے ہم پلہ (مساوی) ہو اور آج تک کوئی جماعت ایسی نہیں ملتی البتہ ثنوی دو معبودوں کے قائل ہیں۔ ایک حکیم ہے جو خیر کے کام کرتا ہے اور دوسرا سفیہ (بے وقوف) ہے جو شر پیدا کرتا ہے اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کا شمار ناممکن ہے.....''[5]

(۸) ابومحمد عز بن عبدالسلام (ت ۶۶۰ھ):۔ ﴿افمن یخلق کمن لایخلق﴾ (النحل۔۱۷) کیا پیدا کرنے والا اور پیدا نہ کرنے والا (مخلوق) برابر ہو سکتے ہیں۔'' اس آیت کی تفسیر میں شیخ رقمطراز ہیں کہ ''یہ دعویٰ ممکن نہیں کہ وہ (مشرک) اپنے بتوں کی اللہ سے بڑھ کر تعظیم کرتے تھے کیونکہ معاملہ اس کے برعکس یوں تھا کہ وہ کہا کرتے تھے ''ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کی قربت سے نوازتے ہیں۔'' (الزمر۔۳)[6] علاوہ ازیں

(۱) [نهاية الاقدام (۱۲۳) درء تعارض العقل (۳۹٦/۷)]

(۲) [درء تعارض العقل (۳٥۹/۸)]

(۳) [تلبيس ابليس (٤۹)]

(٤) [ايضا (٤)]

(٥) [تفسير رازى (۳۷/۱۳) (۲٤۱/۲٦)]

(٦) [الفوائد فى مشكل القرآن (ص ۹۰)]

عز بن عبدالسلام فرماتے ہیں کہ بتوں کو سجدہ بھی وہ اس لئے کرتے تھے کہ اس سے اللہ کا قرب حاصل ہوگا۔ (۱)

(۹) ابن منظور محمد بن مکرم ابوالفضل الکفوی (ت ۷۱۱ھ):۔

موصوف ''شرک'' کے مادہ میں مشرکین کی تلبیہ کا ذکر کرتے ہیں کہ ''مگر ایک شریک ہے، اس کا تو مالک ہے اور جو کچھ اس کے اختیار میں ہے اس کا بھی (دراصل) تو ہی مالک ہے۔ پھر کہا: یا اللہ! ہم تجھ سے صحیح توحید و اخلاص اور ایمان کا سوال کرتے ہیں۔ دیکھو! ان مشرکوں کو ان کے طواف، ان کے تلبیے اور ان کی یہ وضاحتیں کہ تو اپنے شریک کا بھی خود ہی مالک ہے، کوئی فائدہ نہ دے سکیں بلکہ ان کے سارے اعمال اکارت گئے اور اللہ نے ان کے اس استثناء کے باوجود ان کی معذرت کو قبول نہیں کیا۔'' (۲)

(۱۰) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ:۔ شیخ الاسلام نے بھی اس مسئلہ کو اپنی کتابوں میں جا بجا تفصیل سے ذکر کیا ہے مثلاً فرماتے ہیں کہ متکلمین کا زیادہ سے زیادہ کام یہ ہے کہ واجب الوجود (رب) کا اثبات پیش کیا جائے'' اور یہ ایسی اٹل حقیقت ہے جس سے کسی کو انکار کی مجال نہیں، نہ کسی معطلی کو اور نہ کسی مشرک کو'' کیونکہ سب لوگ اس پر متفق ہیں ماسوائے ان لوگوں کے جو یہ کہتے ہیں کہ کائنات از خود وجود میں آ گئی۔ لیکن یہ دعویٰ کرنے والے گنتی کے چند افراد ہیں جن کے دل میں ایسی خطرناک بات آئی ہے ورنہ ان کا کوئی مخصوص گروہ نہیں۔'' (۳)

نیز فرماتے ہیں کہ ''یہ بات بالکل واضح ہے کہ کوئی فرد بھی یہ گمان نہیں کرسکتا کہ انبیاء، علماء، درویش اور مسیح ابن مریم اللہ کے تخلیقی کاموں میں شریک ہیں بلکہ کسی بھی انسان نے یہ گمان بھی کبھی نہیں کیا کہ کائنات کے دو مساوی صانع ہیں بلکہ بنی آدم کے سب افراد حتی کہ مشرکین بھی اس کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا شریک نہیں جو تمام صفات و افعال میں اس کا مساوی ہو۔'' (۴) نیز فرماتے ہیں کہ ''توحید ربوبیت کے اقرار میں بنی آدم کے کسی فرد نے انکار نہیں کیا.....'' (۵)

(۱۱) ابن قیم شمس الدین ابوعبداللہ (ت ۷۵۱ھ):۔ حافظ ابن قیم لات، منات، عزیٰ کی بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ''طاغوت کے پجاریوں میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ یہ (طاغوت) تخلیق، رزق یا

---

(۱) [الاعلام بقواطع الاسلام (۱۹)]

(۲) [لسان العرب (۲۲۴۹/٤)]

(۳) [منهاج السنة (۳۹۵/۳)]

(٤) [الفتاوى (۹۹/۳)]

(٥) [الفتاوى (۳۷/۲) الفتاوى الكبرى (۲۰۰/٥)]

زندگی اور موت کے مالک ہیں اور وہ اپنے طاغوتوں کے پاس ہر وہ کام کرتے تھے جو آج لوگ ان طاغوتوں کے پاس کرتے ہیں۔''(۱)

(۱۲) ابن ابی العزالحنفی علی بن علی (ت ۷۹۲ھ):۔ توحید ربوبیت کی بحث میں فرماتے ہیں کہ بنی آدم کا کوئی بھی معروف گروہ اس کا انکاری نہیں اور فرمایا کہ یہ (توحید) انسانی فطرت میں شامل کر دی گئی ہے۔(۲)

(۱۳) احمد بن علی المقریزی (ت ۸۴۵ھ):۔ ﴿تاللہ ان کنا لفی ضلال مبین اذ نسویکم برب العالمین﴾ ''اللہ کی قسم! ہم تو کھلی گمراہی میں رہے کہ ہم رب العالمین کے ساتھ تمہیں برابری دیتے رہے۔'' (الشعراء۔۹۷،۹۸) اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ ''قطعی طور پر یہ ثابت ہے کہ ان کے اور اللہ کے درمیان کسی اور رب یا خالق کی برابری موجود نہیں۔ بلکہ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور خالق تسلیم کرتے رہے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بیان کیا ہے....''(۳)

(۱۴) علی بن سلطان ھروی حنفی قاری (ت ۱۰۱۴ھ):۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ توحید الوہیت کے اقرار سے توحید ربوبیت کا خود بخود اقرار شامل ہو جاتا ہے لیکن اس کے برعکس (صرف توحید ربوبیت کے اقرار سے توحید الوہیت کا اقرار شامل) نہیں ہوتا۔(٤)

(۱۵) احمد بن عبدالرحیم دہلوی (ت ۱۱۷۶ھ):۔ شاہ عبدالرحیم دہلویؒ نے بھی اس بات کو متعدد مقامات پر واضح طور پر بیان کیا ہے۔(٥)

(۱۶) شیخ الاسلام محمد بن عبدالوھابؒ (ت ۱۲۰۶ھ):۔ شیخ موصوف نے اپنی کتابوں میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث فرمائی ہے۔(٦)

(۱۷) محمد بن عمر حنفی ابن عابدین (ت ۱۲۵۲ھ):۔ ابن عابدین ''ردالمختار'' کے حاشیہ میں مؤلف کے کلام پر تعاقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وثنیہ صانع کا اقرار نہیں کرتے۔ پھر فرماتے ہیں کہ بت پرست اللہ کے اقرار

---

(۱) [زاد المعاد (۵۰٦/۳) اغاثه (۲۰۸/۲) مفتاح دار السعادة (۱۲۱/۱)]

(۲) [شرح الطحاویة (۱٦ تا ۲۰)]

(۳) [تجرید التوحید (۱۵)]

(٤) [شرح الفقه الاکبر (ص ۵۱)]

(٥) [الفوز الکبیر (۲۳) حجة الله (٥٩/١)]

(٦) [قسم العقیده (۱۵۵) الرسائل الشخصیه (١٥١/٥)]

کے قائل تھے جیسا کہ قرآن میں ہے "گر آپ ان سے پوچھیں......" لیکن یہ مشرک اللہ کی وحدانیت کے قائل نہ تھے، ارشاد باری تعالیٰ ہے "بے شک جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ تکبر کرتے۔" (الصافات۔۳۵)(۱)

(۱۸) ان کے علاوہ متعدد علماء نے اس مسئلہ کی وضاحت کی ہے۔موجودہ دور کے بے شمار علماء نے بھی اس کا اقرار کیا ہے۔

کچھ مزید اعتراضات:

(1) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتوں کو گالی دینے سے منع کیا ہے "اور نہ گالی دو ان لوگوں کو جو غیر اللہ کو پکارتے ہیں مبادا کہ وہ دشمنی اور لاعلمی میں اللہ تعالیٰ کو گالی دیں گے۔(الانعام۔۱۰۸) لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ وہ ان پتھر کے معبودوں کو ہی اصل معبود سمجھتے تھے اور انہیں اللہ کے قرب کا ذریعہ نہیں سمجھتے تھے کیونکہ اگر وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ سمجھتے تو پھر اللہ کو گالی کیوں دیتے؟ اس اعتراض کے کئی جواب ہیں مثلاً:۔

پہلا جواب:۔ اس آیت میں جس خدشے کا اظہار کیا گیا ہے، وہ فقط مقابلہ بازی سے پیدا ہونے والی ایک بات ہے جس میں ہر شخص حد سے تجاوز کر جاتا ہے مثلاً ایک عیسائی کسی مسلمان کے نبی (حضرت محمد ﷺ) کو گالی دے تو مسلمان اس عیسائی کے نبی (حضرت عیسیٰؑ) کو گالی دے دیتا ہے۔اسی طرح اگر کوئی شیعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گالی دے تو سنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی دیتا ہے حالانکہ مسلمان جانتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو گالی دینا بھی اسی طرح کفر ہے جس طرح محمد ﷺ کو گالی دینا کفر ہے اور سنی مسلمان جانتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی دینا بھی اسی طرح فسق ہے جس طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گالی دینا فسق ہے۔(۲)

عام معمول میں اس کی بے شمار مثالیں دیکھی جاسکتیں ہیں کہ ایک آدمی دوسرے کے باپ کو یا بھائی کو گالی دیتا ہے تو وہ جواب میں اس کے باپ یا بھائی کو گالی دیتا ہے اور اس میں بنیادی علت کسی ذات کی محبت ہوتی ہے کہ اگر دوسرا اس کے کسی محبوب کو خواہ وہ معبود ہی کیوں نہ ہو، کو برا کہتا ہے تو یہ اس کے کسی محبوب کو برا کہہ دیتا ہے اس لئے کہ اس کی عصبیت حرکت میں آجاتی ہے۔حدیث نبوی ہے کہ "آدمی کا اپنے والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آدمی اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کسی آدمی کے باپ کو گالی دیتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے (یعنی اپنے باپ کو گالی دلوانے کا یہ خود سبب بنا ہے)(۳)

---

(۱) [ابن عابدین (۲۲٦/٤) البحر الرائق (۱۳۹/۵)]

(۲) [الصارم المسلول (٥٦٨ تا ٥٨٧)]

(۳) [مسلم (۹۰) احمد (۱٦٤/۲)]

اس بات کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ”ایک مسلمان اور ایک یہودی کے درمیان گالی گلوچ ہوئی تو مسلمان نے کہا کہ اللہ کی قسم جس نے محمد ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے منتخب فرمایا۔ یہودی نے کہا اس ذات کی قسم! جس نے موسیٰ کو تمام جہانوں پر فضیلت دی۔ مسلمان نے یہودی کو تھپڑ رسید کیا تو وہ یہودی اللہ کے رسول ﷺ کے پاس شکوہ لے گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”مجھے موسیٰ پر مختار نہ بناؤ۔“[1] ایک روایت میں ہے کہ ”کسی شخص کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کہے ”میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔“[2]

ان روایات میں ان باتوں سے منع کیا گیا ہے جن کی وجہ سے بلا قصد کسی کی اہانت در آتی ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت ﴿عدوا بغیر علم﴾ میں علم منفی کو پیش کیا گیا ہے ”جس کی وجہ سے انسان بلا قصد مسبوب کی ذلت و اہانت کے لئے اسے گالی دیتا ہے۔ اور وہ اپنے مخاطب کو ذلیل کرنے کے لئے فوراً جوابی گالی دیتا ہے۔“[3]

دوسرا جواب:۔ یہ (مشرک) لوگ صراحۃً اللہ تعالیٰ کو گالی نہیں دیتے بلکہ اللہ کے ذکر کو لھو ولعب بنا لیتے ہیں اور اس کی شان کے منافی امور بجالاتے ہیں۔ امام راغب نے بھی یہ جواب ذکر کیا ہے۔ لہٰذا ”ان کی گالی سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے لئے ایسے اقدامات کریں گے جو ان کی طرف سے خالق و مالک کو گالی دینے کے مترادف ہوگا اگرچہ وہ اللہ کو گالی دینے کے قائل نہیں ہوں گے۔“[4]

تیسرا جواب:۔ اللہ کو گالی دینے کا معنی یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے معاملات کو برا بھلا کہیں گے اور یہ بات دراصل اللہ پر بطور الزام ثابت ہوگی لیکن وہ اللہ کو صراحتاً گالی نہیں دیں گے کیونکہ وہ خود اللہ کو خالق تسلیم کرتے ہیں۔[5] یعنی اگر کافروں کے دین کو برا کہا جائے گا تو وہ لامحالہ مسلمانوں کے دین کو برا کہیں گے اور یہ برائی دراصل اس دین کے شارع یعنی اللہ کی طرف لوٹے گی۔

چوتھا جواب:۔ کچھ جاہل یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ محمد ﷺ کا معبود کوئی شیطان ہے اور وہ اپنی طرف سے اس شیطان کو گالی دیتے لہٰذا محمد کے الٰہ کو گالی دینا دراصل اللہ رب العزت کو گالی دینے کے مترادف ہے۔[6] کیونکہ جھگڑا

---

(۱) [بخاری (۲٤۱۱) احمد (۲۳۷۳)]

(۲) [بخاری (۳٤۱۳) مسلم (۲۳۷٦)]

(۳) [تفسیر المنار (۷/٥٥٤)]

(٤) [ایضا]

(٥) [زادالمسیر (۳/۱۰۲)]

(٦) [تفسیر رازی (۳/۱۰۲)]

کرنے والا گویا یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اس کا مدمقابل کسی اور رب کی عبادت کرتا ہے جس میں اس کے رب کی صفات موجود نہیں کیونکہ مختلف ادیان میں رب کو مختلف صفات سے متصور کیا گیا ہے حتی کہ وہ صفات باہمی طور پر متعارض ہیں لیکن اس کے باوجود سب لوگوں کا یہ اعتقاد بہر حال مشترک تھا کہ ان کا معبود ارض وسماوات اور ان کے مابین موجودات کا خالق وموجد ہے۔ (۱)

پانچواں جواب:۔ یہ لوگ اگرچہ اللہ کو اپنا رب تسلیم کرتے تھے لیکن مخصوص حالات کی وجہ سے ان کی اپنے معبودوں سے محبت اللہ کی محبت سے زیادہ ہو چکی تھی لیکن یہ مطلق طور پر اپنے معبودوں کو اللہ سے افضل قرار نہیں دیتے تھے۔ (۲)

چھٹا جواب:۔ دراصل اللہ کو گالی دینے کا مطلب اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے کیونکہ شرک باللہ ہی اللہ کے لئے سب سے بڑی گالی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ''ابن آدم مجھے گالی دیتا ہے حالانکہ یہ اسے زیب نہیں دیتا کہ وہ مجھے گالی دے یا مجھے جھوٹا کہے۔اس کا گالی دینا یہ ہے کہ میری اولاد ہے ....'' (۳) لہٰذا اس شرک کی وجہ سے جھگڑنے سے ایک تعصب پیدا ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مدمقابل بھی بات سننے اور سمجھنے کی بجائے جھگڑے پر اتر آتا ہے اور اپنی طرف سے بلاسوچے سمجھے عجیب دلائل پیش کرتا ہے لیکن جب اسے علم ہو کہ میرے سامنے ایسا شخص ہے جو میرے معبود کو برا نہیں کہہ رہا اور حق وانصاف کی بات کرنا چاہتا ہے تو پھر وہ اس کی بات سننے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''اہل کتاب سے احسن طریقے سے مجادلہ (جھگڑا) کرو۔'' (العنکبوت۔۴۶) اسی طرح اس آیت کی دیگر کئی وجوہات بھی پیش کی گئی ہیں مثلاً اللہ کو گالی دینے کا مطلب ہے کہ وہ نبی کو گالی دیں گے یا یہ آیت دہریوں کے بارے میں ہے۔لیکن یہ توجیہات سیاق آیت سے مطابقت نہیں رکھتیں۔

(2) مذکورہ آیت سے بعض لوگوں نے یہ دلیل نکالنے کی کوشش کی ہے کہ بت پرستوں کے نزدیک اللہ کی قدرومنزلت بتوں سے کم تھی۔ ''اور انہوں نے اللہ کے لئے اپنی کھیتیوں اور جانوروں میں سے ایک حصہ مقرر کر رکھا تھا۔وہ اپنے زعم سے کہتے کہ یہ (حصہ) اللہ کے لئے ہے اور یہ (حصہ) ہمارے شرکاء کے لئے ہے۔جو ان کے شرکاء کا حصہ ہوتا وہ تو اللہ کے لئے نہ پہنچتا اور جو اللہ کا ہوتا وہ ان کے شریکوں کو پہنچ جاتا۔ان کے فیصلے برے ہیں۔'' (الانعام۔۱۳۶)

---

(۱) [المنار (۵۵٤/۷)]

(۲) [منهاج السنة (۳۹۷/۵)]

(۳) [بخاری (۳۱۹۳)]

جواب:۔ یہ آیت ان کے فہم کے بالکل برعکس ہے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہدؒ نے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ یہ لوگ اپنی کھیتیوں میں ایک حصہ اللہ کے لئے کرتے اور دوسرا اپنے شریکوں اور بتوں کے لئے مقرر کرتے۔ پھر اگر آندھی طوفان یا کسی آفت سے ان کے شریکوں کا حصہ تباہ ہوتا تو اس کی تلافی اللہ کے حصے سے پوری کر دیتے اور کہتے اللہ تو غنی ہے اور اگر اللہ کے حصے میں نقصان ہوتا تو اپنے شرکاء کے حصے سے اس میں کچھ نہ ڈالتے اور کہتے کہ یہ (شرکاء) بے چارے تو محتاج اور فقیر ہیں۔ سدی نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ (۱)

ان دونوں ماثور تفسیروں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ کی قدر و منزلت اپنے بتوں سے بدر جہا بلند اور عظیم تھی۔ اسی لئے یہ اللہ کو غنی اور اپنے بتوں کو فقیر اور محتاج سے موصوف کرتے تھے۔ لہٰذا یہ آیت ان کے وہم و گمان کے بالکل مخالف ہے لیکن اگر ہم ان کا اعتراض تسلیم بھی کر لیں کہ اللہ کی قدر ان کے نزدیک بتوں سے کم تھی تو پھر بھی یہ ثابت ہے کہ توحید ربوبیت کا اقرار یہ ضرور کیا کرتے تھے۔

(3) جنگ احد میں ابوسفیان نے ھبل کا نعرہ (ھبل بلند ہو) لگایا تاکہ ان کا بت مسلمانوں کے معبود پر غالب آجائے۔ (۲)

جواب:۔ (۱) ''اعل ھبل'' سے مراد یہ ہے کہ تیرا (ھبل کا) دین بلند ہو یعنی تیرا دین مسلمانوں کے دین پر غالب ہو جائے یا تو اپنا دین مسلمانوں کے دین پر غالب کر دے۔ یہ معنی نہیں کہ تو ارض و سماوات کے خالق پر غالب آجائے۔ ابن جوزی نے بھی یہی تفسیر کی ہے کہ تیرا دین غالب آجائے۔ (۳)

(۲) اگر بالفرض اس سے مراد یہ تھی کہ ھبل مسلمانوں کے معبود پر غالب آجائے تو پھر بھی مشرکین کی مراد اللہ تعالیٰ نہیں تھے بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کا معبود کوئی اور ہے اور اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو رسول بنا کر نہیں بھیجا۔ اسی لئے مشرکین حضور ﷺ کو ساحر، کاذب، شاعر وغیرہ کے طعنے دیتے تھے۔ ﴿نعوذ باللہ من ذلک﴾

اس کی وضاحت صلح حدیبیہ کے واقعہ سے بھی ہوتی ہے جب اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھوایا کہ ''یہ محمد رسول اللہ کی طرف سے فیصلہ ہے'' تو سہیل نے کہا: اللہ کی قسم! ہم آپ کو اگر اللہ کا رسول سمجھتے تو کبھی تمہیں بیت اللہ سے نہ روکتے اور تمہارے ساتھ لڑائی نہ کرتے۔ اس لئے آپ محمد بن عبد اللہ لکھیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم!

---

(۱) [طبری (۴۱/۸) بغوی (۱۳۳/۲) ابن کثیر (۱۷۹/۲)]

(۲) [بخاری (۴۰۴۳)]

(۳) [تلبیس ابلیس (۵۷)]

میں اللہ کا رسول ہوں اگر چہ تم مجھے جھوٹا کہتے ہو۔ محمد بن عبداللہ لکھ دو۔''(۱)

(۳) اسی طرح ابوجہل کے بارے میں کیا خیال ہے جس نے بدر کے روز لات، منات، عزیٰ اور ہبل کی بجائے اللہ رب العالمین سے سچوں کے لئے فتح کی دعا کی تھی۔(۲) یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی توحید ربوبیت کا قائل تھا۔

گذشتہ بحث کا ملخص یہ ہے کہ اکثر اقوام وملل نے اللہ کی ربوبیت کا ضرور اقرار کیا ہے اور بالخصوص اہل عرب کے مشرکین جن میں قرآن مجید نازل ہوا لیکن وہ غیر اللہ کی عبادت صرف اس لئے کرتے تھے کہ ان کے ذریعے اللہ کا قرب اور شفاعت مل جائے گی۔ چنانچہ ماسوائے چند معدودہ افراد کے ہر فرد نے توحید ربوبیت کو تسلیم کیا اور توحید ربوبیت کے منکروں کی فطرت بھی توحید ربوبیت کی قائل تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''انہوں نے اس کا انکار کیا حالانکہ ان کے نفس اس کا یقین رکھتے تھے۔'' (النمل۔۱۴) اور موسیٰ نے فرعون سے کہا ''تو خوب جانتا ہے کہ انہیں صرف آسمانوں اور زمین کے رب نے اتارا ہے۔'' (الاسراء۔۱۰۲)

اس لئے یہ دعویٰ کذب و باطل پر مبنی ہے کہ مشرکین مکہ ربوبیت کے قائل نہیں تھے بلکہ ساری دنیا کے سارے مشرک ماسوائے چند لوگوں کے، سب توحید ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں اور ہر قاعدے میں کچھ استثناء تو ہوتے ہیں اسلئے ہماری مراد مستثنیات کی طرف نہیں بلکہ جمہور مشرکین کی طرف ہے اگرچہ واسطے اور وسیلے کے لئے وہ بتوں وغیرہ کی عبادت کرتے۔

دوسرا شبہ:۔ ولیوں کو پکارنا اور ان سے مدد طلب کرنا عبادت نہیں اور جب یہ عبادت نہیں تو پھر شرک کیسے ٹھہرا؟ لہٰذا دعائے غیر اللہ کی ممانعت کے دلائل اس پر صادق نہیں آتے کیونکہ ان آیات میں دعا سے مراد عبادت ہے۔ پکارنا اور سوال کرنا اس میں شامل نہیں لہٰذا غیر اللہ کو پکارنا اور ان سے سوال کرنا منع نہیں۔ اسی طرح ان کا کہنا ہے کہ ہم غیر اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ ہم انہیں اس لئے پکارتے ہیں کہ یہ ہمارا وسیلہ اور سفارش بن سکیں۔

جواب: (1) یہ دعویٰ ان واضح نصوص کے خلاف ہے جس میں دعا کو عبادت قرار دیا گیا ہے یعنی ''دعا ہی عبادت ہے۔'' اسی طرح متعدد قرآنی آیت میں دعا بمعنی سوال مذکور ہے جس میں کسی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں مثلاً:۔

☆ ''آپ کہہ دیں! تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب یا قیامت آپہنچے تو کیا غیر اللہ کو تم پکارو گے (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ بلکہ صرف اسی (ایک خدا) کو تم پکارو گے۔ اگر وہ چاہے تو کھول دے گا جس کے لئے تم اسے پکارو گے اور تم انہیں بھول جاؤ گے جنہیں شریک ٹھہراتے ہو۔'' (الانعام۔۴۰،۴۱)

---

(۱) [بخاری (۲۷۳۱)]

(۲) [احمد (۴۳۱/۵) طبری (۲۰۷/۹) حاکم (۸۲/۲)]

☆ ''آپ کہہ دیں (انہیں) کہ پکارو انہیں جنہیں تم اس کے سوا (کچھ) خیال کرتے ہو۔ وہ تم سے تکلیف نہ ہٹا سکتے ہیں اور نہ دور کر سکتے ہیں۔'' (الاسراء۔۵٦)

☆ اسی کے لئے حق کی پکار ہے جو اس (اللہ) کے سوا کو پکارتے ہیں، وہ ان کی کسی پکار کا جواب نہیں دے سکتے مگر جس طرح (دور سے) پانی کی طرف اپنے ہاتھ پھیلانے والا ہے کہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے لیکن وہ اس تک پہنچنے والا نہیں اور کافروں کی پکار محض گمراہی ہے۔'' (الرعد۔۱۴)

اس طرح کی بے شمار آیات ہم اس سے پہلے بھی پیش کر چکے ہیں۔

(2) کتاب وسنت اور اہل عرب کی لغت میں لفظ دعا بالعموم پکار اور سوال کے لئے استعمال ہوا ہے۔ (اس کی تفصیل ابتدائی صفحات میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے) ''اسی طرح محدثین نے اپنی کتابوں کے ''باب الدعوات'' یا ''کتاب الدعوات'' کے عنوان کے تحت وہ دعائیں ذکر کی ہیں جو سوال اور پکار پر مشتمل ہیں۔'' علاوہ ازیں دعا کے نام سے جو کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، ان میں بھی دعا بمعنی سوال کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ لفظ دعا بالعموم سوال اور پکار کے لئے مستعمل ہے۔

(3) اگر بالفرض ہم یہ تسلیم کر لیں کہ یہاں دعا بمعنی عبادت ہے تو اس عبادت میں سوال وطلب بھی شامل ہے کیونکہ اس کے بغیر عبادت کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور دعا کوئی ایک عبادت نہیں بلکہ عبادات کا مجموعہ ہے جس میں امید، خوف، توکل، تضرع، عاجزی، انکساری، طمع رغبت الی اللہ، حسن ظن، مراقبہ شامل ہے۔ اسی طرح اللہ سے سوال کرنا، اس کا ذکر کرنا، حمد وثنا کرنا اور اس کے اسمائے حسنیٰ کا واسطہ پکڑنا سب شامل ہے۔ اس لئے ان سب امور کے بغیر عبادت کا تصور ناممکن ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ دعا عبادت ہے۔ دعا عبادت کی روح اور مغز ہے۔

''لہٰذا دعا تمام عبادات سے اعلیٰ ہے۔ اگر دعا میں شرک کو شرک نہ کہا جائے تو دنیا میں شرک کہیں نہیں اور اگر دنیا پر شرک موجود ہے تو دعا میں شرک سب سے بڑا شرک ہے۔'' ثابت ہوا کہ دعا عبادت میں داخل ہے اور قرآن وسنن میں جہاں بھی غیر اللہ کی عبادت سے ڈرایا گیا ہے وہاں دعا بھی عبادت کے مفہوم میں شامل ہے اور دعائے حاجت اور دعائے عبادت کے مابین نسبت کو ہم شروع میں واضح کر چکے ہیں لہٰذا ان دلائل میں دعا کو بمعنی عبادت اور عبادت کو نماز، روزے تک محدود کرنا درست نہیں۔ امیر صنعانی فرماتے ہیں کہ ''یہ عبادت سے جہالت کا نتیجہ ہے کیونکہ عبادت انہی میں (نماز، روزے) میں منحصر نہیں بلکہ عبادات کا سر اور بنیاد عقیدہ ہے۔ اور یہ لوگ اپنے اعتقاد کے ساتھ ان (ولیوں اور بتوں وغیرہ) کو پکارتے ہیں، ان کا وسیلہ طلب کرتے ہیں، ان سے فریادیں کرتے ہیں، ان کی

قسمیں اٹھاتے ہیں، ان کے لئے نذر و نیاز کرتے ہیں وغیرہ۔''

(4) یہ دعوی غلط ہے کہ سوال اور طلب غیر اللہ کو پکارنے میں شامل نہیں بلکہ یہ ندا ہے اور غائب کو آواز (ندا) لگانا جائز ہے، یہ دعوی اس لئے غلط ہے کہ

(۱) اللہ تعالیٰ نے بے شمار آیات میں ندا کو دعا قرار دیا ہے مثلاً:۔

☆ ''اپنے رب کی اس رحمت کو یاد کرو جو اس کے بندے زکریا پر ہوئی کہ جب اس نے اپنے رب کو خفیہ انداز سے پکارا کہ اے میرے رب! میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں، میرا سر سفید ہوگیا اور میں تجھ سے دعا کرنے سے بد بخت نہیں رہا۔'' (مریم۔۳،۴) اسی طرح ان آیات میں ندا اور دعا مترادف استعمال ہوئے ہیں:

☆ ''اور کافروں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اسے ہانکتا ہے جو ندا اور پکار ہی صرف سنتا ہے۔'' (البقرۃ۔۱۷۱)

☆ ''اور جب نوح نے اس سے پہلے ہمیں پکارا تو ہم نے اس کی پکار قبول کی۔'' (الانبیاء۔۷۶)

☆ ''اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں مغلوب ہوں تو میری مدد کر'' (القمر۔۱۰) ان آیات میں دعا اور ندا ہم معنی ہیں۔

(۲) ایک شخص رب کو پکارتا ہے اور دوسرا غیر اللہ (میت، غائب وغیرہ) کو پکارتا ہے تو پھر ان دونوں میں کیا فرق ہوا؟ لغت اور شریعت کے مطابق یہ دونوں ہی دعا کر رہے ہیں۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

(۳) ایک شخص بت کو پکارتا ہے اور دوسرا میت (یا قبر) کو۔ کیا ان میں سے ایک کی پکار کو ''دعا'' کہہ کر شرک اور دوسرے کی پکار کو ''ندا'' کہہ کر توحید قرار دیا جائے گا؟ یہ تو قرآن میں تحریف اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی ہے کیونکہ ندا اور دعا میں یہاں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ دونوں کا کام شرک ہے۔

(5) ولیوں کو پکارنے کو عبادت سے موسوم کرنے کی بجائے وسیلے اور شفاعت سے موسوم کرنے کا دعوی باطل ہے کیونکہ نام بدل دینے سے حقیقت نہیں بدل جاتی بلکہ دارومدار ہی نیت پر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جس میں تم غلطی کر جاؤ لیکن اس میں (گناہ) ہے جہاں تمہارے دلوں کا قصد ہو۔'' (الاحزاب۔۵)

حدیث نبوی ہے کہ ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔'' نبی ﷺ نے فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو شراب کا نام بدل کر اسے حلال بنالیں گے۔ اس لئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شراب (خمر) کو جھوٹ، کذب، بہتان وغیرہ سے موسوم کر کے حلال کیا جاسکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر غیر اللہ کو پکارنے (دعا) کو توسل، شفاعت، تبرک وغیرہ سے موسوم کر کے جائز قرار نہیں دیا جاسکتا! حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ شرک اور کفر اپنی حقیقت کی بناء پر کفر و شرک ہیں۔ محض ناموں کے ساتھ نہیں۔ جو شخص مخلوق کو سجدہ کرے اور کہے یہ اسے سجدہ نہیں کیا بلکہ اس کے لئے عاجزی کا اظہار کیا ہے یا زمین کو

بوسہ دیا ہے یا اس کی تعظیم کی ہے تو ان تاویلوں سے وہ غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی وعید سے خارج نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کوئی شخص شیطان کے لئے ذبح کرے، شیطان کو پکارے اور اس سے پناہ طلب کرے تو اس نے شیطان کی عبادت کی ہے خواہ وہ اس (اپنے عمل) کو عبادت سے موسوم نہ کرے۔'' اس سے ثابت ہوا کہ جو لوگ قبروں پر نذر و نیاز، ذبح ،طواف وغیرہ جیسے شرکیہ اعمال بجا لیتے ہیں، وہ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں گو وہ اسے عبادت سے موسوم نہ کریں۔

جب شیطان نے دیکھا کہ قرآن کی تلاوت کرنے والا ہر شخص شرک سے نفرت کرتا ہے تو اس نے لوگوں کے دلوں میں یہ بھروسہ پیدا کیا کہ ولیوں کی خدمت میں یہ (شرکیہ) کام عبادت سے موسوم نہیں ہوتے بلکہ یہ تو شفاعت، وسیلہ اور ان کی توقیر ہے چنانچہ اس طرح عبادت اور شرک کے اسماء کو ان کے دلوں سے کھرچ دیا اور انہیں ایسا لبادہ اوڑھا کر پیش کیا جس سے لوگ نفرت نہ کریں۔

(6) لوگ اس لئے اس شرک میں مبتلا ہوئے کہ انہوں نے عبادت کا دائرہ محدود کر دیا اور اسے صرف سجود و رکوع کا نام دیا۔ اسی طرح یہ خیال کیا کہ غیر اللہ کو سجدہ اور رکوع شرک نہیں مگر اس وقت شرک ہے جب غیر اللہ کی الوہیت کو تسلیم کر کے اور اسے عبادت کا حقدار سمجھ کر کیا جائے۔ وگرنہ نہیں۔ اس لئے ان میں سے بہت سے لوگوں نے صراحت کے ساتھ یہ دعویٰ کیا کہ غیر اللہ کو پکارنا صرف اس وقت شرک ہے جب انہیں اس کا مستحق قرار دے کر پکارا جائے لیکن اگر کسی میت، غائب یا پتھر وغیرہ کو اس اعتقاد کے بغیر پکارا جائے تو یہ شرک نہیں۔ یہ دعویٰ کئی وجوہات کی بناء پر غلط ہے:۔

(۱) شرک اسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص اللہ کے ساتھ کسی غیر کو ان عبادات میں شریک کرے جن کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ باطنی عبادت ہو یا ظاہری عبادت جیسے محبت، خشوع و خضوع، امید و خوف، دعا...... لہٰذا جو شخص ان میں سے کسی چیز کو غیر اللہ کے لئے بجا لاتا ہے۔ وہ شرک کرتا ہے اور اس میں اس کے اعتقاد کو دیکھنے کی کوئی شرط نہیں کہ وہ غیر اللہ کو مستحق سمجھ کر پکارتا ہے یا کسی اور وجہ سے۔

(۲) مذکورہ دعویٰ کے بقول شرک صرف اسی وقت شرک ہوگا جب اس میں اعتقاد قلبی شامل ہوگا تو اس سے شریعت کی راہیں مسدود ہو جائیں گی اور کثیر فقہاء کی مخالفت ہوگی جنہوں نے بغیر اعتقاد کے بعض الفاظ کی ادائیگی پر ارتداد کا حکم لگایا ہے۔ یہ محض الزامی جواب ہے وگرنہ یہ سب پورے اعتقاد سے غیر اللہ کو پکارتے ہیں۔

(۳) جن لوگوں نے عبادت کو محض رکوع و سجود تک محدود کیا ہے، ان سے پوچھا جائے کہ سجدہ بھی عبادت ہے اور دعا، نذر، ذبح یہ بھی عبادت میں شامل ہیں لیکن تمہارے پاس کون سی دلیل ہے جس کے ساتھ تم غیر اللہ کو سجدہ کرنے کو شرک مانتے ہو مگر غیر اللہ کے لئے دیگر عبادات کرنے والوں کو مشرک نہیں کہتے!

(۴) علاوہ ازیں یہ بھی محض خام خیالی ہے کہ عبادت صرف رکوع وسجود اور نماز، روزے تک محدود ہے بلکہ عبادت کی بنیاد ہی عقیدہ ہے اور یہ پورے قلبی اعتقاد سے غیر اللہ کو پکارتے اور ان سے مدد مانگتے ہیں، ان کی قسمیں کھاتے ہیں اور ان کے لئے نذر و نیاز پیش کرتے ہیں۔''

(۵) جو شخص یہ کہے کہ وہ مردوں کو پکارنے اور ان کے لئے قربانی کرنے کو عبادت سمجھ کر نہیں کرتا تو اس سے پوچھا جائے کہ پھر کس مقصد کے لئے یہ کام کرتا ہے؟ بوقت مصیبت غیر اللہ کو پکارنے پر تیرے دل کا ردعمل ہے جو زبان سے ظاہر ہوتا ہے اور اگر فی الواقع ایسا نہیں تو پھر تیرے دماغ میں خرابی اور عقل میں فتور ہے!!۔

(7) ان کا یہ دعویٰ بھی جھوٹا ہے کہ یہ صرف توسل کے لئے غیر اللہ کو پکارتے ہیں بلکہ بہت سے لوگ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ ولیوں سے وسیلہ پکڑنے، شفاعت مانگنے اور ان سے مدد طلب کرنے اور انہیں پکارنے میں کوئی فرق نہیں سمجھتے لیکن جب انہیں یہ کہا جاتا ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا اور فریاد کرنا.......قرآن وسنت کی روشنی میں شرک ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم اولیاء کے توسل اور شفاعت کے لئے ایسا کرتے ہیں!۔

لہٰذا ان لوگوں پر حقائق ملتبس ہو چکے ہیں اور یہ اولیاء کی شفاعت اور اولیاء سے مدد مانگنے میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے حالانکہ یہ دونوں کام سرے سے غلط اور شرک میں شامل ہیں۔سبکی کا کہنا ہے کہ ''نبی کریم ﷺ سے شفاعت طلب کرنا، آپ کو وسیلہ پکڑتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا جائز ہے۔''(۱) حالانکہ یہی بات مشرکین مکہ کیا کرتے تھے کہ ہم ان بتوں کو اللہ کا سفارشی سمجھ کر پکارتے ہیں تا کہ ہمیں اللہ کا قرب نصیب ہو جائے۔علاوہ ازیں ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم اللہ کے رسولوں سے (اور ولیوں سے) مجازی طور پر مدد مانگتے ہیں کیونکہ فی الحقیقت مدد کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن مجازی طور پر رسول ﷺ مدد کرتے ہیں جیسا کہ ھیثمی نے اس کی دلیل یہ ذکر کی کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے ''اور آپ نے تیر نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔'' (الانفال۔۱۷) یعنی تیر پھینکنے کا کسب آپ کا ہے لیکن تیر کی خلق وایجاد خالق حقیقی کی ہے۔اسی طرح فرمایا کہ '' آپ نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا۔'' (الانفال۔۱۷) لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی جائے تو یہ حقیقی مطالبہ ہے اور اگر رسول وغیرہ سے مدد مانگی جائے تو مجازی مطالبہ ہے۔لیکن مذکورہ دعویٰ کاذبہ کے درج ذیل مفاسد پیدا ہوں گے:۔

(۱) نبی کریم ﷺ اور نیک لوگوں سے مدد طلب کرنا جائز ہے اور ان کے نزدیک نبی ولی میں کوئی فرق نہیں۔

(۲) نبی اور ولی سے ہر وقت مدد طلب کرنے سے ان کی زندگی اور موت میں عدم تفریق لازم آئے گی۔حالانکہ

---

(۱) [شفا السقام (۱۷۱)]

اس کی تفصیلی تردید ہم واضح کر چکے ہیں۔

(۳) ان کا یہ دعویٰ فرقہ اشاعرہ بلکہ فرقہ جبریہ کے مماثل ثابت ہوگا!۔

(۴) اس دعویٰ کے بموجب ان کے نزدیک توسل، سفارش اور استغاثہ میں کوئی فرق نہیں رہے گا کیونکہ ہر چیز سے مقصود کسی ولی یا نبی کا واسطہ لے کر اپنی حاجت روائی کروانا ہے۔

ان نتائج کی روشنی میں ہم پوچھتے ہیں کہ پھر ان لوگوں میں اور مشرکین مکہ میں کس چیز کا فرق ہے! یہی دعوے اور یہی تاویلات وہ پیش کرتے تھے لیکن قرآن نے ان کی تاویلات فاسدہ کو پرکاہ برابر بھی حیثیت نہ دی اور انہیں دوٹوک الفاظ میں مشرک اور جہنمی قرار دیا!!۔ (لہٰذا ایسے نظریات سے توبہ کر لینی چاہیے)۔

تیسرا شبہ:۔ ممانعت کے دلائل بتوں کے بارے میں وارد ہوئے ہیں اور اولیاء وصلحاء بت نہیں ہیں لہٰذا انہیں پکارنے والا بتوں کو پکارنے والے کی طرح نہیں۔

جواب:۔(1) جن مشرکوں کے متعلق یہ دلائل منقول ہیں، وہ تمام کے تمام بتوں کے پجاری نہیں تھے بلکہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو ولیوں اور نیک لوگوں کو پکارتے تھے، کچھ فرشتوں کو پکارتے تھے، کچھ نبیوں کو پکارتے تھے، کچھ پتھروں کی عبادت کرتے تھے اور کچھ مورتیوں اور تصویروں کی پرستش کرنے والے تھے۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو جابجا اجاگر کیا ہے مثلاً ''آپ کہہ دیں کہ تم جنہیں اس (اللہ) کے سوا کچھ سمجھتے ہو، انہیں پکارو۔ پس وہ تم سب سے تکلیف دور کرنے اور بدلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ یہی لوگ جنہیں یہ (مشرک) پکارتے ہیں یہ (تو خود) اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں سے کون (رب کا) زیادہ قریبی ہے اور یہ اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔ بے شک تیرے رب کے عذاب سے ڈرا گیا ہے۔'' (الاسرا۔۵۶،۵۷)

یہ آیت ذوی الارواح (عقلاء) کے بارے میں نازل ہوئی ہے اگرچہ ان کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے مثلاً:۔

(۱) اس سے مراد جن لئے گئے ہیں جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کچھ لوگ کچھ جنوں کی عبادت کرتے تھے۔ وہ جن مسلمان ہو گئے لیکن انسانوں نے ان کی عبادت نہ چھوڑی تو یہ آیت نازل ہوئی کہ ''یہ لوگ جنہیں پکارتے ہیں، وہ (تو خود) اپنے رب کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔'' ایک روایت میں ہے کہ جنوں نے اسلام قبول کر لیا اور ان کی عبادت کرنے والے انسان شعور نہیں رکھتے تھے۔[1]

(۲) ایک روایت میں عبداللہ بن مسعود اور عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت فرشتوں کے

---

(۱) [بخاری (٤٧١٤) مسلم (٣٠٣٠)]

بارے میں نازل ہوئی۔(۱)

(۳) ایک روایت کے بموجب یہ آیت حضرت عزیرؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت مریمؑ اور فرشتوں کے حوالے سے نازل ہوئی۔(۲) اس آیت کی تفسیر میں سلف کے مذکورہ اقوال میں اختلاف نہیں کیونکہ یہ عام ہیں اور الفاظ کے عموم کا اعتبار کیا جاتا ہے، خاص سبب کا نہیں۔ اس لئے جنہوں نے اس سے جن یا فرشتے مراد لئے ہیں، انہوں نے بطور تمثیل انہیں ذکر کیا ہے نا کہ آیت کو ان سے خاص قرار دیا ہے۔

شیخ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ تمام اقوال صحیح ہیں۔ اور ہر اس فرد کو شامل ہے جس کا معبود خود خدا کی بندگی کرتا ہے خواہ وہ فرشتہ ہو، خواہ جن ہو، خواہ انسان ہو اور سلف اس آیت سے بطور تمثیل اسی جنس کو بیان کرتے ہیں۔ جس طرح کوئی شخص خبز (روٹی) کی تعریف پوچھنے والے کے سامنے روٹی کر کے کہے، یہ روٹی کی تعریف ہے تو اس سے مراد صرف وہ ایک ہی روٹی نہیں بلکہ اس کی پوری جنس مراد ہے۔ اس لئے اس آیت کو کسی خاص نوع سے متعین کرنا درست نہیں کیونکہ یہ دونوں انواع سے متعلق ہے۔ اور اس میں ہر وہ شخص مخاطب ہے جو اللہ کے سوا اسے پکارے جو خود اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرتا ہے اور اس کی رحمت کی امید اور عذاب کا خوف رکھتا ہے اور یہ چیز فرشتوں، جنوں اور انسانوں (سب) میں ہے۔''(۳)

لہٰذا آیت مذکورہ کا معنی یہ ہے کہ مشرک جنہیں پکارتے ہیں، وہ (مدعوئین) تو خود اللہ کی اطاعت کے ساتھ اس کا قرب تلاش کرنے والے نیک لوگ ہیں اور انہیں رب کی رحمت کی امید کے ساتھ اس کے عذاب کا خوف بھی ہے لہٰذا انہیں پکارنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''کیا کافر یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ میرے ہی بندوں کو میرے سوا ولی بنالیں!۔'' (الکھف۔۱۰۲) یہ بات محل نظر ہے کہ ''یہ آیت صرف ان لوگوں کے بارے میں ہے جو بوقت نزول آیت زندہ اور موجود تھے مثلاً فرشتے اور جن وغیرہ لیکن حضرت عزیرؑ اور حضرت مریمؑ وغیرہ کے بارے میں نہیں۔'' یہ قول اس لئے محل نظر ہے کہ اس میں ان لوگوں کی زندگی کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ بہر صورت مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت عقلاء کے بارے میں ہے، بتوں کے بارے میں نہیں۔ مثلاً امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ''اس آیت کا مقصود مشرکین کا رد ہے کیونکہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ کی براہ راست عبادت کے لائق نہیں اس لئے ہم

---

(۱) [طبری (۱۰۵/۱۵)]

(۲) [ایضا]

(۳) [الفتاوی (۲۲۶/۱۵)]

اس کے بعض نیک بندوں کی عبادت کے ساتھ اس کا تقرب تلاش کرتے ہیں اور وہ نیک بندوں سے مراد فرشتے تھے۔ پھر انہوں نے ان فرشتوں کے بت تراش لئے اور اس تاویل کے ساتھ ان بتوں کی عبادت کرنے لگے اور آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی ہے اور اس سے مراد بت نہیں کیونکہ بتوں میں وسیلہ طلب کرنے (رحمت کی امید رکھنے وغیرہ) کی صفت نہیں پائی جاتی۔'' جن مشرکوں کے بارے میں قرآن نازل ہوا ہے، وہ بتوں کے ساتھ فرشتوں، نبیوں، ولیوں، ستاروں، جنوں وغیرہ کی عبادت بھی کرتے تھے اور یہ سب دراصل شیطان کی عبادت ہے۔ قرآن مجید میں یہ حقیقت مختلف مقامات پر واضح کی گئی ہے مثلاً :۔

☆ کسی ایسے انسان کو جسے اللہ تعالیٰ کتاب وحکمت اور نبوت دے، یہ لائق نہیں کہ پھر بھی وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو کہے گا کہ تم سب رب کے ہو جاؤ، تمہارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمہارے کتاب پڑھنے کے سبب اور یہ نہیں (ہوسکتا) کہ وہ تمہیں فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم کرے۔ کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد بھی تمہیں کفر کا حکم دے گا۔'' (آل عمران۔۷۹،۸۰)

☆ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ اللہ کے معبود قرار دے لو۔'' (المائدہ۔۱۱۶)

☆ ''جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں، خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے۔ وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں۔'' (الاسراء۔۵۷)

☆ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنالیا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔'' (التوبۃ۔۳۱)

☆ ''اور ان سب کو اللہ اس دن جمع کر کے فرشتوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے، وہ کہیں گے تیری ذات پاک ہے اور ہمارا ولی تو تو ہے نہ کہ یہ بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر کو انہی پر ایمان تھا۔'' (سبا۔۴۰،۴۱)

☆ ''بات یہ ہے کہ چند انسان بعض جنات سے پناہ طلب کیا کرتے تھے جس سے جنات اپنی سرکشی میں اور بڑھ گئے۔'' (الجن۔۶)

☆ ''ہاں اس کا غلبہ ان پر تو یقیناً ہے جو اسی سے رفاقت کریں اور اسے اللہ کا شریک ٹھہرائیں'' (النحل۔۱۰۰)

(2) اگر بالفرض ہم یہ تسلیم کرلیں کہ یہ نصوص صرف بتوں کے بارے میں ہیں تو پھر بھی ہم کہیں گے کہ یہ بت ولیوں اور نیک لوگوں کے تھے جیسے ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر وغیرہ قوم نوح کے نیک لوگوں کے تراشے ہوئے بت تھے۔ اسی طرح ''لات'' ایک نیک آدمی جو حاجیوں کے لئے ستو گھولتا تھا، اس کا تراشیدہ بت تھا۔ لہٰذا ان بتوں کی عبات درحقیقت نیک لوگوں کی عبادت ہی ٹھہرتی ہے۔ بہت سے علماء نے اس کی یہی وضاحت کی ہے۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ دراز کا کہنا ہے کہ ''مختلف مذہبی لوگوں کی نفسیات اور عقول پر بحث کرنے والے اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ اس وقت ہر دین میں گمراہی پنہاں تھی۔ انہوں نے محسوسات اور مادی اشیاء کو معبود بنالیا تھا لیکن کسی بھی بت پرست کا اصل ہدف ان محسوس ہونے والے بتوں کی عبادت نہیں تھی اور نہ ہی وہ ان حسی بتوں کے وجود کو اصل باعث تکریم سمجھتے تھے بلکہ وہ انہیں کسی غیبی قوت کا نشان خیال کرتے تھے اور ان کی بے انتہا تعظیم بھی اسی لئے کرتے تھے۔ ان کے نزدیک ان بتوں کی حقیقت بالکل اسی طرح تھی جس طرح کوئی تعویذ، فال وغیرہ سے برکت کا حصول اور جادو وغیرہ سے محفوظ ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے...... پھر موصوف ان حبشیوں کی مثال ذکر کرتے ہیں جو ''نوبہ'' کے پہاڑی علاقے میں کسی آدمی کی عبادت کرتے ہیں اور اس سے مصیبت ٹالنے اور نفع (بارش اور رزق وغیرہ) حاصل کرنے کے لئے سوال کرتے ہیں۔ پھر اگر ان کا مطلوب پورا نہ ہو تو اس آدمی کو جیل میں ڈال دیتے ہیں یا کبھی اسے قتل بھی کر دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس میں کوئی غیبی قدرت اور حاجت پوری کرنے کی محدود قوت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ جس طرح گذشتہ زمانوں میں مشرکین اپنے اولیاء کے بارے میں ایسا اعتقاد رکھتے تھے لیکن یہ اعتقاد ان کے سب سے بڑے معبود (اللہ) کے اعتقاد میں رکاوٹ نہیں ہوتا۔''(۱)

(3) مذکورہ دلائل ہر اس شخص پر صادق آتے ہیں جو غیر اللہ کو پکارتا ہے خواہ وہ غیر اللہ جمادات کی قسم بت وغیرہ ہوں یا ذی روح اشیا ہوں بلکہ بعض آیات میں ذی روح کی وضاحت بھی ملتی ہے مثلاً ''اور جو لوگ اللہ کے سوا کو پکارتے ہیں، وہ تو کوئی چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ تو خود پیدا کئے گئے ہیں۔ (اب وہ) مردے ہیں۔ زندہ بھی نہیں اور انہیں یہ بھی شعور نہیں کہ کب وہ اٹھائے جائیں گے۔ (النحل۔۲۰،۲۱)

مذکورہ آیت پتھروں، درختوں یا لکڑیوں کے بارے میں بالکل نہیں کیونکہ ان کا زندگی موت سے کوئی تعلق نہیں۔ علاوہ ازیں قرآنی نصوص میں غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت عمومی انداز میں کی گئی ہے اور اس عموم کے تقاضے کے مطابق ذی روح اور غیر ذی روح سب اس حکم میں شامل ہیں لہٰذا اللہ کے علاوہ کسی غیر کو پکارنا درست نہیں خواہ وہ جمادات ہوں، شجرات ہوں یا ذوی الارواح ہوں اور جو شخص ان نصوص کے عموم میں تخصیص کرتا ہے، اس پر اس کی دلیل پیش کرنا لازم

(۱) [الدین ص (۴۲۔۴۳)]

ہے جبکہ ایسی کوئی دلیل نہیں۔ غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت پر عمومی نصوص کی چند مثالیں درج ہیں:۔

☆ ''اور جنہیں تم اس (اللہ) کے سوا پکارتے ہو، وہ ایک گٹھلی کے بھی مالک نہیں۔'' (فاطر۔۱۳)

☆ ''اور اللہ کے سوا اسے مت پکار جو تیرے نفع یا نقصان کا مالک نہیں۔'' (یونس۔۱۰۶)

☆ ''آپ کہہ دیں کہ تم انہیں پکارو جنہیں اس (اللہ) کے سوا کچھ گمان کرتے ہو.....'' (الاسرا۔۵۶)

لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ نصوص عام ہیں اور غیر اللہ میں بت اور ذی روح سب شامل ہیں۔

چوتھا شبہ:۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ جن مشرک لوگوں کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں، وہ کلمہ گو نہیں تھے اور رسول کی بھی تکذیب کرنے والے تھے، آخرت اور قرآن کے بھی منکر تھے جبکہ ہم تو ان سب باتوں پر ایمان رکھتے ہیں، نماز، روزے پر عمل پیرا ہیں.......لیکن محض ولیوں کی شفاعت کے مسئلہ پر تم ہمیں ان مشرکین کے ساتھ برابر کیوں کر دیتے ہو؟ پھر یہ اس طرح کی احادیث سے دلیلیں پیش کرتے ہیں کہ ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑائی کروں حتی کہ وہ کلمہ شہادت کا اقرار کرلیں......'' اور ایسی روایات جن میں کلمہ گو کو قتل کرنے کی مذمت ہے۔

جواب:۔ محض کلمہ شہادت کا اقرار کرلینا اس بات سے مستغنی نہیں کرسکتا کہ اب انسان ایمان سے خارج نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس سے یہ لازم آتا ہے کہ انسان ''کفریات'' کا ارتکاب بھی کرے مگر اس کا کلمہ نہ ٹوٹے![1] لہٰذا چند ایک دلائل حسب ذیل ہیں:۔

(۱) علماء کا اجماع ہے[2] کہ اگر کوئی شخص رسول کی ایک چیز میں تصدیق کرے مگر دوسری میں تکذیب کردے تو وہ کافر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''یقیناً وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض حصے پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کی تکفیر کرتے ہیں اور اس کے درمیان کا کوئی راستہ تلاش کرنا چاہتے ہیں، یہی لوگ قطعی کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (النساء۔۱۵۰،۱۵۱) یہ بات معلوم ہے کہ توحید اسلام کا سب سے اہم رکن ہے اور جو اس سے کلی یا جزئی طور پر انکار کرے، وہ کافر ہے۔

(۲) تاریخ اسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کے کسی حصے کے منکر کے کفر پر علماء کا اجماع رہا ہے مثلاً صحابہ ﷺ کا اجماع تھا کہ مرتدین (اور زکوۃ کے منکرین) کے خلاف قتال واجب ہے اگرچہ وہ اسلام کا اقرار کرتے

(۱) [تطہیر الاعتقاد (۳۱) الدر النضید (۲۱)]

(۲) [دیکھئے الشفا لعیاض (۱۰۷۲/۲) الروضۃ للنووی (۷۱/۱۰) جلاء العینین (۴۴۶)]

تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وضاحت کے بعد اسے تسلیم کیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو جلا دیا جو ان کے بارے میں غلو کرتے تھے اور انہیں معبود بنا رہے تھے جبکہ کسی صحابی یا تابعی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کی نفی نہ کی اگرچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے قتل کی نفی تو نہ کی لیکن آگ میں جلانے کو ناپسند کیا تھا۔

(۳) فقہائے اسلام ہمیشہ اپنی کتابوں میں ''مرتد کے احکام'' کا عنوان قائم کرتے آئے ہیں۔اگر کلمہ پڑھنے کے بعد ارتداد سے حفاظت ہو جاتی ہے تو ان عناوین کی کیا ضرورت تھی؟!

(۴) کئی آیات سے ان (منافق) لوگوں کے ارتداد کا ثبوت ملتا ہے جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوتے رہے مثلاً ''وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ انہوں نے ایسا نہیں کہا لیکن انہوں نے کلمہ کفر کہا ہے اور اپنے اسلام کے بعد انہوں نے کفر کیا اور اس چیز کا قصد کیا جس کو وہ پا نہ سکے۔'' (التوبۃ۔۷۴) ''اگر آپ ان سے سوال کریں تو یہ ضرور کہہ دیں گے کہ ہم تو محض دل لگی کر رہے تھے۔آپ کہہ دیں، کیا تم اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسولوں کے ساتھ مذاق کرتے ہو عذر پیش نہ کرو۔تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ہے۔اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر دیں اور ایک کو سزا دیں کیونکہ وہ مجرم ہیں۔'' (التوبۃ۔۶۵،۶۶) یہ آیات غزوۂ تبوک کے موقع پر نازل ہوئیں لہٰذا اگر مجرد کلمہ پڑھ لینے سے ایمان محفوظ ہو جاتا ہے تو پھر ان لوگوں پر کفر کا قرآنی فتویٰ کیوں ہے؟

(۵) قرآن مجید سے واضح ہوتا ہے کہ شرک کرنے والے کے سارے نیک عمل ضائع ہو جاتے ہیں خواہ وہ کوئی نبی یا رسول ہی کیوں نہ ہو۔حالانکہ انبیاء کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔جبکہ اللہ تعالیٰ مختلف انبیاء کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ''اگر انہوں نے شرک کیا تو ان کے اعمال بھی اکارت جائیں گے۔'' (الانعام۔۸۸) نیز ارشاد باری ہے کہ ''تحقیق تیری طرف اور تجھ سے پہلے رسولوں کی طرف وحی کی گئی کہ اگر تو نے بھی شرک کیا تو عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور تو ضرور نقصان اٹھانے والوں سے ہوگا۔'' (الزمر۔۶۵)

(۶) انبیاء اور رسول بھی اپنے بارے میں شرک سے ڈراتے رہے لہٰذا اگر کلمہ پڑھ لینا ہی کافی ہوتا تو انہیں خائف ہونے کی کیا ضرورت تھی مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچا۔ اے میرے رب! انہوں نے بڑے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔'' (ابراہیم۔۳۵،۳۶) حدیث نبوی ہے کہ ''لوگو! اس شرک سے بچ جاؤ۔یہ تو چیونٹی کی چال سے بھی خفیف ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ پھر ہم کیسے محفوظ رہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا، یہ دعا پڑھا کرو کہ یا اللہ! ہم اس بات سے تیری پناہ پکڑتے ہیں کہ ہم جانتے ہوئے شرک کریں اور ہم تجھ

سے لاعلمی کے بارے میں بخشش طلب کرتے ہیں۔''(۱)

(۷) لہٰذا جو شرک متقدم مشرکوں میں پایا جاتا تھا، اگر وہ بعد والوں میں بھی پایا جائے تو ان پر بھی وہی حکم صادر ہو گا جو پہلے مشرکوں پر صادر ہوا تھا کیونکہ اصول فقہ کے مطابق الفاظ کا عمومی اعتبار کیا جاتا ہے۔ کسی خاص سبب پر الفاظ کو محمول نہیں کیا جاتا اور جو کوئی ان الفاظ کو صرف قرآن کے نزول کے دوران پیش آنے والے واقعات کے لئے خاص کرتا ہے، وہ سنگین غلطی کا مرتکب ہے۔ اس طرح تو قرآنی احکامات اس وقت کے لئے مخصوص ہو کر رہ جائیں گے! حدیث نبوی ﷺ ہے کہ ''تم ضرور پہلے لوگوں کی قدم بقدم پیروی کرو گے۔''(۲)

جن احادیث میں کلمہ گو کی تکفیر یا اسے قتل کرنے سے ممانعت ہے، ان کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک وہ ایمان کے متقاضی جملہ معاملات پر عمل کریں تو محض کسی غلطی سے انہیں کافر نہیں کہا جائے گا لیکن اگر وہ ایمان کے منافی کفر کا ارتکاب کریں تو پھر ان کی تکفیر میں شک نہیں کیا جائے گا۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ ''جس شخص نے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لیا اور غیر اللہ کی عبادت سے انکار کر دیا تو اس کا مال، خون حرام ہے اور اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔''(۳) اس حدیث میں کلمے کے ساتھ یہ شرط لگائی گئی ہے کہ غیر اللہ کا کفر کیا جائے۔ علاوہ ازیں دیگر روایات میں ہے کہ ''مگر اسلام کے حق کے ساتھ۔''(۴) اس کا مفہوم یہ ہے کہ ''کلمے کا حق (تقاضہ) یہ ہے کہ بندگی صرف ایک اللہ کی کیجائے جبکہ قبر پرست محض ایک اللہ کی بندگی نہیں کرتے۔ اس لئے انہیں کلمہ شہادت کسی چیز کا فائدہ نہیں دے سکتا اگر چہ وہ کلمے کا التزام کرتے ہیں۔ جس طرح یہودیوں کو ان کے کلمے نے کوئی فائدہ نہ دیا کیونکہ وہ بعض انبیاء کا انکار کرتے تھے۔(۵)

بعض علماء نے کہا ہے کہ ''کلمہ گو سے ہاتھ روکنے والی روایات عرب کے کلمہ گو مشرکین کے ساتھ خاص ہیں لیکن جو شخص یہود کی طرح توحید کا اقرار کرے تو اس کا یہ اقرار اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہ رسول کریم ﷺ کی جملہ تعلیمات کو قبول نہ کر لے۔'' لہٰذا ثابت ہوا کہ محض کلمہ اور نماز، روزہ اس وقت تک مفید نہیں جب تک کہ اسلام کے منافی تمام امور سے اجتناب نہ کر لیا جائے لیکن جو شخص کلمہ کا التزام بھی کرے اور کلمہ کے منافی (نواقض) اعمال بھی کرے اس کے کلمے کا چنداں فائدہ نہیں۔

---

(۱) [احمد (۴۰۳/۴) ابن السنی (۲۸۶) صحیح الجامع (۳۳۳/۳)]

(۲) [بخاری (۳۴۵۶) مسلم (۲۶۶۹)]

(۳) [مسلم (۲۳) احمد (۴۷۲/۳)]

(۴) بخاری (۲۵) مسلم (۲۰)]

(۵) [تطہیر الاعتقاد (۳۲)]

پانچواں شبہ:۔ پانچواں شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ امت محمدیہ شرک میں مبتلا نہیں ہو سکتی۔اس کے ثبوت میں درج ذیل روایات سے سہارا لیا جاتا ہے:۔

❁ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ ''شیطان اس بات سے ناامید ہو چکا ہے کہ نمازی جزیرہ نمائے عرب میں اس کی عبادت کریں لیکن ان کے درمیان اختلافات سے ناامید نہیں۔''(۱)

❁ ''یااللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی عبادت ہو۔''(۲)

❁ عقبہ بن عامر نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ ''اللہ کی قسم! میں اس بات سے خائف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے لیکن میں تمہارے متعلق یہ خدشہ رکھتا ہوں کہ تم اس (دنیا) میں خوب رغبت کرو گے۔''(۳)

پہلی حدیث کا جواب:۔ (۱) شیطان کے ناامید ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ تم سب کے کفر پر جمع ہو جانے سے ناامید ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ وعدہ کیا ہے کہ انہیں زمین میں خلافت عطا کرے گا اور سب سے پہلے جزیرہ نما عرب کی سرزمین اس آیت کا مصداق بنی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کے لئے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور خلافت عطا کرے گا۔'' (النور۔۵۵) علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کی یہ دعا بھی قبول کی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اس امت پر ایسا دشمن حاوی نہیں کریں گے جو سب مسلمانوں کو کلیتاً ہلاک کر دے۔''(۴)

لہٰذا ان دلائل کا مصداق پورا جزیرہ عرب ہے کہ یہ سب لوگ اسلام سے مجموعی طور پر مرتد نہیں ہو سکتے۔

(۲) مذکورہ حدیث میں یہ کہا گیا ہے کہ شیطان ناامید ہو چکا ہے۔اس بات کا تعلق صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہے قیامت تک کے لوگوں کے لئے نہیں کیونکہ مذکورہ بات نبی کریم ﷺ نے اپنے ظن کے مطابق ارشاد فرمائی ہے (جس کے مصداق صرف آپ کے صحابہ تھے) وگرنہ آپ مستقبل کی غیبی باتوں سے آگاہ نہیں تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔''یقیناً اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، وہی بارش نازل کرتا ہے، وہ جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے اور کوئی نفس نہیں جانتا کہ کل کیا کمائے گا اور کوئی نفس نہیں جانتا کہ کس زمین پر وہ مرے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ علم وخبر والے ہیں۔'' (لقمان۔۳۴)

---

(۱) مسلم (۲۸۱۲) احمد (۳/۳۱۳)]

(۲) [احمد (۲/۲٤٦) حمیدی (۱۰۲۵) المؤطا (۸۵)]

(۳) [بخاری (۱۳٤٤) مسلم (۲۲۹٦)]

(٤) [مسلم (۲۸۸۹)]

(۳) نبی کریم ﷺ کی متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ یہ امت شرک میں ضرور مبتلا ہوگی بلکہ جزیرہ عرب کے لوگوں کے بارے میں خاص طور پر ارشاد فرمایا کہ ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ قبیلہ دوس کی عورتیں ذوالخلصہ (بت) کا طواف کریں گی۔(۱) ذوالخلصہ قبیلہ دوس کا دور جاہلیت میں ایک بت تھا جو جزیرۂ عرب کے جنوب میں واقع تھا۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے ''دن اور رات (کی گردش) ختم ہونے سے پہلے لات اور عزیٰ کی عبادت کی جائے گی۔''(۲) لات طائف میں اور عزیٰ وادی نخلہ میں مکہ کے قریب تھا۔

(۴) تاریخی طور پر مسلمانوں کا کفر وشرک میں مبتلا ہونا ثابت ہے مثلاً جزیرہ عرب کے بے شمار لوگ حضور ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہوئے اور انہوں نے دوبارہ بت پرستی شروع کر دی اور بے شمار لوگوں نے جھوٹے نبیوں (مسیلمہ وغیرہ) کا ساتھ دیا۔ اسی طرح فرقہ قرامطہ جنہوں نے حجر اسود چرایا اور بے شمار حاجیوں کو قتل کیا، کے کفر پر امت کا اجماع ہے۔

(۵) امت محمدیہ ﷺ کے شرک میں مبتلا ہونے پر بے شمار علماء کا اتفاق ہے۔ ہم صرف امام رازی کا بیان نقل کرتے ہیں کہ ''ان لوگوں نے انبیاء واولیاء کے ہم مثل بت تراشے اور یہ خیال کر لیا کہ اگر وہ ان کی عبادت میں مشغول رہیں تو ان کے بڑے (اولیاء وانبیاء) ان کی شفاعت کر دیں گے۔ آج بھی اس کی مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ بہت سے لوگ قبروں کی تعظیم اسی نظریہ سے کرتے ہیں کہ یہ اہل قبور ان کی شفاعت کریں گے۔''(۳)

دوسری حدیث کا جواب:۔ (۱) نبی کریم ﷺ اگر اپنی امت کے شرک میں واقع ہونے سے خائف نہ ہوتے تو کبھی یہ دعا نہ کرتے کہ یا اللہ! میری قبر کو عبادت کئے جانے والا بت نہ بنانا۔ اور فی الواقع یہ خدشہ ظاہر ہوا اور بے شمار لوگ حضور نبی کریم ﷺ کی قبر سے دعائیں مانگتے ہیں!

(۲) اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ میری امت مجموعی طور پر میری قبر کو بت نہ بنائے کیونکہ گذشتہ امتوں نے مجموعی طور پر اپنے نبیوں کی قبروں کو بت بنا کر پوجنا شروع کر دیا تھا۔ لہٰذا امت محمدیہ اس گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔

(۳) بعض علماء نے اس کا یہ جواب بھی دیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی یہ دعا اس طرح پوری ہوئی ہے کہ آپ کی قبر کے اردگرد تین دیواریں بنا دی گئی ہیں اور کوئی شخص اللہ کے سوا آپ کی عبادت کرنے یا دعا مانگنے کے لئے آپ تک رسائی نہیں پا سکتا۔

---

(۱) [بخاری (۷۱۱٦) مسلم (۲۹۰٦) احمد (۲/۲۷۱)]

(۲) [مسلم (۲۹۰۷)]

(۳) [تفسیر رازی (۱۷/٦۳)]

(۴) نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں اپنی قبر پر شرک سے ڈراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں پر مسجدیں بنالیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ اس فعل (شنیع) سے ڈرا رہے تھے۔''(۱) اسی طرح آپ نے اپنی موت سے پانچ روز قبل ارشاد فرمایا ''خبردار! تم سے پہلے لوگوں نے اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔ خبردار! تم قبروں کو مسجد نہ بنانا۔ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔''(۲) اگر نبی کریم ﷺ کو اپنی امت کے شرک میں مبتلا ہونے کا کوئی خدشہ نہ ہوتا تو پھر اس طرح تاکید کے ساتھ آپ اس فعل شنیع سے کیوں ڈرا رہے ہیں!

تیسری حدیث کا جواب:۔ ''میں تمہارے بارے میں شرک میں مبتلا ہونے سے نہیں ڈرتا۔'' اس حدیث کے کئی جواب ہیں:۔

(۱) یہ حدیث صحابہ ﷺ کے لئے خاص ہے کہ وہ شرک میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ باقی امت محمدیہ ﷺ اس حدیث کی مخاطب نہیں کیونکہ دیگر روایات جن میں امت محمدیہ ﷺ کے شرک میں مبتلا ہونے کا ذکر ہے، انہیں اس کے ساتھ جمع کرنے سے مذکورہ جواب حاصل نتیجہ ہے۔

(۲) اس امت کا پہلا حصہ شرک کی بجائے دنیا طلبی میں مبتلا ہوا اور آخری حصہ شرک میں بھی مبتلا ہوا۔

(۳) ممکن ہے کہ یہ بات نبی کریم ﷺ نے اس وقت ارشاد فرمائی ہو جب آپ کی طرف دوسری وحی نہ آئی ہو کہ اس امت کے گروہ شرک میں مبتلا ہوں گے۔

(۴) اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ یہ امت من حیث المجموع شرک میں مبتلا نہیں ہوگی البتہ بعض لوگ شرک میں ضرور مبتلا ہوں گے۔

چھٹا شبہ:۔ لوگ اپنے ان اعمال کو کفر وشرک قرار نہیں دیتے اور لوگوں کو اس کا علم ہی نہیں کہ ان کے اعمال شرک پر مبنی ہیں حتی کہ اگر آپ کسی کے سر پر تلوار رکھ کر بھی پوچھیں تو وہ اپنے اعمال کو شرک نہیں کہے گا بلکہ اگر وہ انہیں شرک سمجھے تو کبھی اس کا اقدام نہ کرے!

جواب:۔ (۱) اللہ محفوظ فرمائے کفر کے حکم میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کفر کرنے والے کو اسی کفر کا علم ہے یا نہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ ارتداد کے بیان میں یہ شرط نہیں کہ صاحب عمل کو اس کفر کا علم ہو۔ پھر فرماتے ہیں کہ

---

(۱) [بخاری (٤٣٥) مسلم (٥٣١)]

(۲) [مسلم (٥٣٢)]

''بہر صورت جو شخص ان قبوریوں میں وہ اعمال دیکھے جن کی وجہ سے انہیں شرک سے متصف کیا جاتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ ان پر شرعی حجت پوری کرے اور انہیں بتائے کہ دور جاہلیت میں مشرکین بعینہ یہی کام کیا کرتے تھے اور جب انہیں قطعی طور پر اس کا علم ہو جائے مگر وہ اپنے شرکیہ اعمال پر مصرر ہیں تو انہیں باخبر کر دیا جائے کہ اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو ان کا خون اور مال حلال ہو جائے گا اور ان پر مشرکین کا حکم چسپاں کیا جائے گا۔''(۱)

(۲) علماء نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی شخص قصد وعمد سے کلمہ کفر کہے اگر چہ اس پر اس کا اعتقاد نہ ہو لیکن یہ کفر ہے جیسا کہ علمائے احناف سے ان کی کتابوں میں یہ بات ارتداد کے عنوان میں موجود ہے اور اس کی عبارت میں ہے کہ اس کی جہالت کا عذر تسلیم نہیں ہوگا اور اسے ان کے نزدیک اصح مذہب قرار دیا گیا ہے۔(۲)

اسی طرح مالکیوں اور شافعیوں کی کتابوں میں جہالت کو عذر تسلیم نہیں کیا گیا۔ امام قرافیؒ مالکی حرام اور کفر یہ دعاؤں کو بیان کر کے فرماتے ہیں کہ ''ایسی دعائیں اگر چہ جہالت میں پڑھی جائیں مگر اللہ کے ہاں یہ عذر قابل قبول نہیں کیونکہ شرعی قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جسے دور کرنا مکلف کے لئے ممکن ہے تو اس سے جاہل رہنا اللہ کے لئے کوئی عذر نہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی طرف اپنے رسولوں کے ذریعے اپنا پیغام بھیجا ہے اور ساری مخلوق کے لئے اس پیغام پر عمل پیرا ہونا واجب ٹھہرایا ہے اور اس کا علم اور عمل دونوں ہی واجب ہیں لہٰذا جس شخص نے اس پیغام سے واقفیت اور اس پر عمل کی کوشش نہ کی تو گویا اس نے دو واجب چیزوں کو ترک کرنے کی نافرمانی کا ارتکاب کیا ہے اور اگر اس نے علم حاصل کر کے عمل نہ کیا تو اس نے ایک نافرمانی کا ارتکاب کیا۔ طول زمانی اور گردش ایام کے ساتھ جس جہالت کو دور کرنا ممکن ہو کہ اگر آج اس کا علم نہیں تو کل اس کا علم ہو جائے گا اور اس علم کی واقفیت کو مؤخر کرنا کسی فسا کا لازمہ نہ ہو تو یہ کسی شخص کے لئے عذر نہیں بن سکتا۔ اسی لئے امام مالکؒ نے عبادات میں جاہل اور قصداً غلطی کرنے والوں کو مساوی قرار دیا ہے کیونکہ اس کی جہالت دور ہو سکتی ہے لہٰذا اس پر رفع جہالت کا اعتبار کیا جائے گا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کا یہ قول بیان کیا کہ ''بے شک میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں تجھ سے کوئی ایسا سوال کروں کہ جس کا مجھے علم نہیں۔'' لہٰذا سوال کا جواز علم پر مبنی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اصلا دعا کی تحریم ہے سوائے ان دعاؤں کے جن کے جواز کی دلیل موجود ہو۔ اسی جلیل قاعدہ پر فقہ کے ان گنت فقہی مسائل کا دارومدار ہے۔''(۳)

---

(۱) [الدر النضید (۳٤)]

(۲) [دیکھئے الشرح الصغیر (٤٣٩/٤) الفتاوی البزازیۃ (٣٤٧/٣) البحرا الرائق (١٣٥/٥) الفتاوی الھندیۃ (٣٧٦/٢)]

(۳) [الفروق (٢٦٤/٤)]

امام قرافی کے اس کلام کو حافظ ابن حجرؒ اور ھیثمی شافعی نے بطور تائید بیان کیا ہے۔

(۳) جن لوگوں نے جہالت کو عذر تسلیم کیا ہے، انہوں نے اسے حجت پر موقوف کیا ہے کہ اگر اس پر حجت شرعی پوری کر دی گئی ہو تو پھر اس کا جہل اسی طرح نا قابل عذر ہے جس طرح کوئی جاہل حق کو پا لینے کی استطاعت کے باوجود حق کو قبول کرنے سے اعراض کر دے اور یہ کفرِ اعراض ہے۔ عذر صرف اس شخص کا قابل قبول ہے جو دل و جان سے حق کا متلاشی ہو لیکن حق تک رسائی نہ پا سکے۔ اسی طرح بعض علماء نے باریک فقہی مسائل میں جہالت کا عذر تسلیم کیا ہے مگر اس طرح کے بنیادی مسئلہ میں جہالت کا عذر تسلیم نہیں کیا۔

(۴) اگر ان کے بقول عذر جہالت کو عذر تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے شرک جائز نہیں ہو جاتا اور نہ ہی شرک کرنے والے کا دفاع یا اسے منع نہ کرنا لازم آتا ہے جس طرح کوئی شخص نیا نیا مسلمان ہو اور جہالت سے شراب نوشی کرے تو اس کی جہالت سے شراب مباح نہیں ہو جاتی اور نہ ہی یہ لازم آتا ہے کہ دیکھنے والے اسے منع نہ کریں۔ اس لئے مذکورہ مسئلہ میں اگر کوئی شخص مسلمانوں کے علاقے میں غیر اللہ کو جہالت سے پکارے اور مسلمانوں کے درمیان زندگی بسر کرے تو اس پر حجت قائم کر دینے کے بعد اس کا عذر تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

(۵) عقلمند کو چاہیے کہ شرک اور اس کے ذرائع سے بلکہ کسی اختلافی مسئلہ میں بھی احتیاط کے پیش نظر اس سے اجتناب کرے۔ جب فقہاء اختلافی فروعی مسائل میں بھی احتیاط کرتے تھے تو عقائد کے اختلافی مسائل میں احتیاط کیوں نہ کی جائے۔ جبکہ اس کا دارومدار ارتداد اور خلود فی النار پر ہے۔ لہٰذا بلا شک وشبہ اس میں احتیاط ضروری ہے۔

<u>ساتواں شبہ</u>:۔ میت کو پکارنے والے عملی کفر کا شکار تو ہو سکتے ہیں، اعتقادی کفر کا نہیں۔ جس طرح نماز اور حج وغیرہ کے تارک کو علماء نے عملی کفر کا مرتکب تو کہا ہے لیکن اعتقادی کفر کا حکم ان پر نہیں لگایا کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں لیکن شیطان نے انہیں ورغلایا کہ یہ اللہ کے نیک بندے ہیں جو نفع، نقصان، شفاعت وغیرہ کا اختیار رکھتے ہیں تو انہوں نے جہالت کی وجہ سے ان کے بارے میں وہ اعتقاد پیدا کر لیا جو جاہل اپنے بتوں کے متعلق رکھتے تھے لیکن ان کافروں کے برعکس یہ لوگ بہر حال توحید کے قائل بھی ہیں۔

جواب:۔ یہ بات درست ہے کہ کفر کی دو قسمیں ہیں: اعتقادی اور عملی۔ لیکن ان قبر پرستوں کے بارے میں عملی کفر کا دعویٰ چند وجوہات کی وجہ سے محل نظر ہے:۔

(۱) یہ لوگ اپنے مردوں وغیرہ کے بارے میں اختیارات کا قلبی اعتقاد رکھتے ہیں لہٰذا آپ کا دعویٰ متناقض ہے۔

(۲) اگر یہ ان کے بارے میں کوئی اعتقاد نہیں رکھتے تو کیا محض کھیل تماشے کے لئے انہیں پکارتے ہیں! کوئی

عقلمند اسے تسلیم نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ اعتقادی طور پر انہیں پکارتے ہیں۔

(۳) یہ عذر بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ شیطان نے شرکیہ اعمال کو ان کے لئے مزین کر کے ان میں یہ اعتقاد جاہلانہ طور پر پیدا کیا ہے کیونکہ مجموعی طور پر ہمیشہ سے شیطان نے کافروں اور مشرکوں کو کفر و شرک پر جاہلانہ اعتقاد سے گمراہ کیا ہے اور کیا یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ان کافروں کا اعتقاد علم پر مبنی تھا؟

(۴) ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ان قبر پرستوں میں اپنے مردوں کے بارے میں گذشتہ کفار سے زیادہ قلبی اعتقاد پایا جاتا ہے۔

(۵) اسی طرح بفضل الٰہی ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ دعا اعتقادی طور پر صفات ربوبیت والوہیت کو مستلزم ہے اور بلا اعتقاد دعا کا کوئی تصور نہیں۔ ہم نے اس کی صراحت میں قطعی دلائل بھی بیان کر دیئے ہیں لہٰذا دعائے غیر اللہ کو عملی کفر کہنا دعا کی حقیقت اور معانی کے منافی ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔

آٹھواں شبہ :۔ ان کا کہنا ہے کہ غیر اللہ (ولیوں) کو پکارنا شرک اصغر ہے جس طرح غیر اللہ کی قسم اٹھانا یا بدشگونی لینا شرک اصغر ہے۔

جواب :۔ (۱) غیر اللہ کو پکارنا اور اس کی قسم کھانا یا شگون لینا مساوی درجہ کے گناہ نہیں اور ان کے درمیان خاصا فرق پایا جاتا ہے مثلاً ''دعا عظیم الشان عبادات میں سے ہے جس کا شریعت نے بطور وجوب یا (بسا اوقات) بطور استحباب حکم دیا ہے جبکہ قسم کا اللہ نے حکم نہیں دیا اور نہ ہی قسم عبادت ہے اس لئے قسم کھانا مباح ہے یا قسم کی راجح مصلحت ہو تو پھر مستحب ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی کو قرآن مجید میں صرف تین مقامات پر (بطور استحباب) قیامت کے بارے میں قسم کھانے کا حکم دیا ہے اور یہ بطور تاکید ہے۔ اس کے علاوہ کہیں قسم کھانے کا حکم نہیں دیا۔ [1]

دعا رغبت، رہبت، امید، خوف، توکل وغیرہ جیسے لوازمات پر مشتمل ہے اور جس نے غیر اللہ سے دعا کی، اس نے گویا مذکورہ عبادات میں شرک کیا جبکہ قسم کا معاملہ ایسا نہیں۔

(۲) اسے شرک اصغر کہنے والوں کے پاس کیا دلیل ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنے کو شرک اکبر اور غیر اللہ سے مانگنے کو شرک اصغر کہا جائے؟ حالانکہ دونوں کاموں میں بندوں سے مطالبہ کیا گیا ہے (کہ صرف اللہ کے لئے انہیں بجا لائیں) اور یہ دونوں کام عبادت ہیں اور غیر اللہ کی عبادت قطعاً جائز نہیں۔ علاوہ ازیں قرآن مجید میں دعائے غیر اللہ کی ممانعت پر جتنا کلام ہوا ہے، سجدہ لغیر اللہ کے بارے میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں بلکہ کفر وارتداد کی کوئی قسم ایسی نہیں

(۱) [ابن كثير (۲/۰ ٤٢) النبذة الشريفة (۱۱ ٦)]

جس کے متعلق اس قدر تفصیلی دلائل ہوں جس قدر دعائے غیر اللہ کی ممانعت اور اس کی وعید کے بارے میں ہیں۔

(۳) آغاز اسلام کے احکامات میں ہی شرک فی الدعا کی ممانعت کا حکم شامل کر دیا گیا تھا کیونکہ مشرکین غیر اللہ کو پکارتے، غیر اللہ سے مدد طلب کرتے، غیر اللہ کے لئے اعتکاف، ذبح، نذر و نیاز وغیرہ کا اہتمام کرتے اور یہی ان کا بنیادی شرک تھا جس سے اسلام نے بلا تاخیر انہیں منع کیا جبکہ غیر اللہ کی قسم کی ممانعت پر قرآن میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا البتہ اسلام کے آخری دور میں احادیث میں اس کی ممانعت کی گئی۔ اس کے باوجود بسا اوقات کئی صحابہ ؓ سے اس کا ارتکاب ہوا مگر آپ نے ان کی تکفیر نہیں فرمائی جیسا کہ حضرت عمر ؓ نے اپنے باپ کی قسم کھائی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اپنے باپوں کی قسم نہ کھاؤ" نیز فرمایا کہ "جو شخص قسم کھانا چاہے، وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔"(۱)

اسی طرح بدشگونی کی ممانعت کے احکامات نہ قرآن میں ہیں نہ ہی اسلام کے ابتدائی دور میں اور یہ ایسی چیز ہے جو توحید پرستوں کے دل میں بھی پیدا ہو سکتی ہے جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے مروی ہے کہ بدشگونی شرک ہے اور ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جسے اس کا سامنا نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ انسان کے توکل علی اللہ کی وجہ سے اسے محو کر دیتے ہیں۔"(۲) لہٰذا ثابت ہوا کہ انتہائی پریشانی اور لاچاری میں غیر اللہ کو اللہ کے مقام عظمت پر فائز کر کے پکارنا اور بلا قصد و تعظیم غیر اللہ کی قسم کھانا برابر نہیں۔ اسی طرح بدشگونی اور غیر اللہ سے مدد مانگنے میں بعد المشرقین ہے جو کسی صاحب بصیرت سے مخفی نہیں۔ امیر صنعانی نے ظاہری دلائل کی وجہ سے غیر اللہ کی قسم کھانے والے کو خارج از اسلام قرار دیا ہے۔(۳) لیکن جمہور کے نزدیک یہ شرک اصغر ہے لیکن اگر غیر اللہ کی قسم کھانے والا غیر اللہ کی تعظیم و توقیر کے پیش نظر ایسا کرے تو پھر بالاتفاق یہ شرک اکبر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بدشگونی سے غیبی علم کے حصول کا عقیدہ رکھے کہ اس فال کی وجہ سے اسے مستقبل کے حالات سے آگاہی ہو جائے گی یا اس کے ذریعے نظام کائنات میں کوئی تبدیلی ممکن ہے تو یہ بھی شرک اکبر ہے۔(۴)

نواں شبہ:۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلمان کے کلام کو حسن ظن پر محمول کرنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص غیر اللہ کے لئے ایسا کام کرے جو صرف اللہ کے شایان شان ہے تو اسے "مجاز عقلی" پر محمول کرنا چاہیے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کی وجہ یہ قرینہ ہے کہ یہ شخص مؤحد مسلمان ہے اور اس کا فلاں (شرکیہ) عمل اسے واسطہ بنانے یا شفاعت حاصل کرنے کے لئے ہے۔

جواب: (مجاز عقلی) جواب کی تفصیلات سے پہلے مجاز عقلی سے آگاہی ضروری ہے۔ مجاز بروزن مَفْعَل کے باب

(۱) [بخاری (۲٦۷۹) مسلم (۱٦٤٦)]

(۲) [احمد (۳۸۹/۱) ابو داؤد (۳۹۱۰) ترمذی (۱٦۱٤) ابن ماجة (۳۵۳۸)]

(۳) [سبل السلام (۱٤۳۳/٤)]

(٤) [تحفة الطالب (۱۲٦)]

میں تجاوز کا معنی پایا جاتا ہے یعنی ایک جگہ سے گذر کر دوسری جگہ چلے جانا۔اس لئے مجاز کا (اصطلاحی) معنی یہ ہوا کہ ایک اصلی معنی چھوڑ کر دوسرا (نقلی) معنی اختیار کرنا۔(۱) لہٰذا مجاز کی اصطلاحی تعریف یہ ہوئی کہ کسی کلمے کو اس کے موضوع لہ معنی کی بجائے کسی اور معنی کے لئے استعمال کرنا بشرطیکہ کوئی علاقہ یا قرینہ مانعہ موجود ہو۔مجاز عقلی یہ ہے کہ کسی فعل یا شبہ فعل کو اس سے ملتے جلتے غیر موضوع لہ معنی کے ساتھ کسی تاویل (یعنی قرینہ صارفہ) کے ذریعے ملانا۔

امام سکاکیؒ رقمطراز ہیں کہ ''(مجاز) وہ کلام ہے جس سے متکلم کی بات کے منافی بات ثابت ہو اور یہ منافی (برعکس) فائدہ کسی تاویل کی وجہ سے حاصل ہو نہ کہ موضوع لہ کی وجہ سے۔جس طرح یہ قول ہے کہ موسم بہار نے کھیتی اگائی یا ڈاکٹر نے مریض کو شفا دی یا خلیفہ نے کعبہ کو کپڑا پہنایا۔پھر اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے عقل کے برعکس کی بجائے متکلم کی بات کے برعکس کے لفظ اس لئے استعمال کئے ہیں تاکہ دھریوں کا بھی رد ہو سکے کیونکہ دہریہ جاہلانہ اعتقاد سے جب یہ بات کہے کہ بہار نے بڑی اچھی فصل اگائی ہے تو اس کا کلام مجازی نہیں بلکہ حقیقی ہے۔(کیونکہ دہریہ یہ اعتقاد نہیں رکھتا کہ فصل درحقیقت بہار نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اگائی ہے۔)(۲)

مجاز عقلی میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا لغت عرب میں مجاز کا وجود ہے یا نہیں۔

(۱) بعض نے کہا کہ لغت میں بنیادی طور پر کوئی مجاز نہیں۔

(۲) بعض نے کہا کہ لغت میں مجاز نہیں البتہ قرآن میں مجاز مستعمل ہے۔

(۳) بعض نے کہا کہ لغت اور قرآن دونوں میں مجاز ہے۔

پہلے قول کے قائلین ابو اسحاق اسفرائینی اور ابو علی فارسی ہیں۔دوسرے قول کے قائلین ظاہری، بعض حنبلی، کچھ مالکی اور کچھ شافعی ہیں۔جمہور علمائے بلاغت، متاخر اصولی اور فقہاء تیسرے قول کے قائل ہیں۔شیخ ابن تیمیہؒ نے پہلے قول کو راجح قرار دیا ہے اور کئی مقامات پر ان کی تائید کی ہے۔(۳) اسی طرح ابن قیم نے پچاس سے زیادہ صورتوں میں ان کی تائید کی ہے۔(٤) علاوہ ازیں محمد امین شنقیطی اور(٥) ڈاکٹر لطفی عبدالبدیع(٦) نے بھی پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔پہلا قول اپنے دلائل کی قوت کی وجہ سے اعتراضات سے محفوظ اور راجح ہے مثلاً

---

(۱) [ارشاد الفحول (ص۲۱)]

(۲) [مفتاح العلوم (۳۹۳) التلخيص (٤٧)]

(۳) [الایمان (۷۹ تا ۱۰۵)]

(٤) [مختصر الصواعق (۲/۲)]

(٥) [منع جواز المجاز فی المنزل للتعبد والاعجاز]

(٦) [فلسفة المجاز بين البلاغة العربية والفكر الحديث]

(۱) ان کا دعویٰ ہے کہ حقیقت ومجاز کی تقسیم بدعت ہے جو خیر القرون کے بعد وجود میں آئی اور کسی لغت ونحو کے امام مثلاً خلیل نحوی، سیبویہ اور ابو عمرو بن علاء وغیرہ نے اس کی بات نہیں کی۔

(۲) جو لوگ حقیقت ومجاز کی تقسیم کے قائل ہیں، وہ ان دونوں کے درمیان کوئی جامع ومانع حد فاصل قائم نہیں کر سکتے۔[۱]

(۳) اہل عرب حقیقت ومجاز کو ایک ہی طرح (بنیادی طور پر) استعمال کرتے آئے ہیں اس لئے ایک کو حقیقت اور دوسرے کو مجاز کا نام دینا تحکم ہے کیونکہ لفظ اسد (شیر) درندے (شیر) اور بہادر انسان دونوں کے لئے بیک وقت وضع کیا گیا ہے اور جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ پہلے یہ فلاں معنی کے لئے وضع ہوا، پھر فلاں میں مستعمل ہوا، اس کے پاس اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ روئے ارضی پر کوئی انسان اس کا ثبوت نہیں پیش کر سکتا اور اس کا حتمی علم اللہ کی وحی کے بغیر ممکن نہیں۔[۲]

(۴) بعض کلمات کے بے شمار معنی ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض حروف معانی بھی متعدد مفہوم (معانی) ادا کرتے ہیں جیسے من اور با ہے۔ اسی طرح لفظ ''سر'' کا اطلاق انسان کے سر، چشمے کے پھوٹنے کی جگہ، قوم کے سردار، مہینے کے آغاز اور راستے کے پھاٹک وغیرہ پر بھی ہوتا ہے۔

(۵) اسی طرح بعض کلمات بیک وقت دو مختلف معنوں پر دلالت کرتے ہیں۔ ان میں سے کون سا حقیقی اور کون سا مجازی ہے؟[۳] (اس کا جواب ناممکن ہے)

(۶) لغت میں بعض مفرد الفاظ ایسے ہیں جو تنہا اپنے معانی کی پہچان نہیں کرا سکتے بلکہ کسی دوسرے لفظ سے مل کر وہ اپنے مابین فوائد کو واضح کرتے ہیں۔ اس لئے یہ دعویٰ غلط ہے کہ لفظ اسد پہلے حیوان مفترس کے لئے مستعمل ہوا۔ پھر بہادر انسان کے لئے .... الخ۔ کیونکہ یہ لفظ مفرد کی دلالت کے لئے موضوع نہیں اور جب یہ جملہ تامہ میں استعمال ہوتا ہے مثلاً ''میں نے ایک شیر دیکھا جو تیر پھینک رہا تھا۔'' تو یہاں یہ لفظ بہادر آدمی کے لئے مستعمل ہے اور اس کے علاوہ کسی اور معنی کا یہاں دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔

مذکورہ بحث کا ملخص یہ ہے کہ جن لوگوں نے لغت میں مجاز کا انکار کیا ہے، انہوں نے مجاز کے وجود کا انکار نہیں کیا کیونکہ انہوں نے اپنی مثالوں میں مجاز کو استعمال کیا ہے البتہ ان کے نزدیک لفظ اپنے ہر معنی کے لئے حقیقتاً وضع کیا گیا ہے اور

---

(۱) [الایمان (۸۷) الصواعق (۱۰/۱)]

(۲) [فلسفة المجاز (۲۷) الوصول الی الاصول (۹۹/۱)]

(۳) [دلائل الاعجاز (ص ٤١٥)]

یہ دعویٰ غلط ہے کہ فلاں جگہ پر یہ لفظ حقیقی اور فلاں جگہ یہ لفظ مجازی معنی میں مستعمل ہے۔ دکتور عبدالبدیع لطفی سے بھی یہی منقول ہے۔ جن لوگوں نے لغت میں مجاز کے ثبوت کے قول کو اپنایا ہے، ان کا جواب کئی وجوہات کی بنا پر ہے۔ ان وجوہات میں غور وفکر سے پہلے یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ وہ علمائے اصول اور علمائے بلاغت جنہوں نے مجاز کو ثابت کیا ہے، ان کا بھی اتفاق ہے کہ کلام میں اصل حقیقت ہے اور کسی لفظ کو اس کے حقیقی معنی سے مجازی کی طرف لوٹانے کے لئے قوی دلیل ضروری ہے۔ اس لئے ہم مذکورہ مسئلہ میں مجاز عقلی کے دعوے داروں سے تقاضا ومطالبہ کرتے ہیں کہ وہ مجاز عقلی کے لئے قوی دلائل پیش کریں لیکن ان کے پاس ہوائی باتوں اور اٹکل پچوؤں کے سوا کچھ نہیں! اگر ہم اسی اصول پر کاربند رہیں تو ہمارے لئے یہی کافی ہے لیکن ہم ان کے شبہات کا مزید جائزہ لیتے ہیں:۔

(۱) مردوں کو پکارنے اور ان سے فریاد کرنے والوں پر مجاز عقلی کی حد منطبق نہیں ہوتی بلکہ ان پر ان کے پکارنے کا حقیقی معنی ہی منطبق ہوتا ہے کیونکہ علمائے بلاغت نے صراحت کی ہے کہ مجاز عقلی کا حکم لگانے کے لئے ضروری ہے کہ متکلم اپنے ظاہر کے خلاف اعتقاد رکھتا ہو جبکہ میت اور غائب کو پکارنے والے ان کے بارے میں حقیقی وعقلی اعتقاد رکھتے ہیں (کہ یہی مشکل کشا اور حاجت روا ہیں) مجازی اعتقاد نہیں رکھتے۔ ان کے اس حقیقی اعتقاد پر تفصیلی بحث گذر چکی ہے اور ہم مزید انکے صریح اقوال پیش کر کے واضح کریں گے کہ ان کا اعتقاد کیا ہے۔
علاوہ ازیں علم بلاغت کا اصول ہے کہ اگر متکلم کی حالت کا صحیح علم نہ ہو تو اس کا کلام حقیقت پر محمول کیا جائے گا اور جب اس کا حال بھی واضح ہو تو پھر بالا ولیٰ اسے حقیقت پر محمول کیا جائے گا۔ لہٰذا میت اور غائب کے بارے میں کائنات میں تصرف، مشکلات کا حل، پریشانیوں کا مداوا کرنے کا اعتقاد رکھنے والا اپنے اقوال میں اپنی حقیقت پیش کرتا ہے جسے کسی تاویل کی وجہ سے مجاز پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) ہر وہ تاویل جس سے اصل نص (عبادت) کا ابطال ہو، وہ بذات خود باطل ہے لہٰذا غیر اللہ کو پکارنے والوں کے کلام سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بڑی امید اور انتہائی اخلاص سے غیر اللہ کو پکارتے ہیں لہٰذا اگر ہم اس کی مذکورہ تاویل کریں تو اس سے ان کے ان صریح اقوال کا بطلان ہوتا ہے جس کے پیش نظر یہ اپنے ولیوں کے پاس جاتے ہیں اور تاویل وہ ہوتی ہے جس سے متکلم کی مراد بیان کی جائے۔ متکلم کی مراد کی پہچان کے کئی طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ متکلم خود اپنے بیان کی صراحت کر دے یا پھر وہ ایسا لفظ استعمال کرے جو اپنی وضع کے اعتبار سے بالکل ظاہر ہو اور وہ کوئی ایسا قرینہ بھی استعمال نہ کرے جس سے اس کی مراد کے برعکس بات ثابت ہو۔ لہٰذا ایسی صورت میں اس شخص کے کلام کو حقیقی معانی پر محمول کیا جائے گا۔ شیخ نعمی فرماتے ہیں کہ ''انتہائی پریشان کن حالات میں ان لوگوں کے اقوال

وافعال اور طور اطوار سے واضح ہوتا ہے کہ یہ بطور وسیلہ ان (مردوں اور ولیوں) کو نہیں پکارتے بلکہ ان کے خواب وخیال میں بھی اللہ تعالیٰ نہیں ہوتے۔ اگر ہوں بھی تو اللہ کے ساتھ ولیوں کو شریک بنا لیتے ہیں۔''

بہر حال ان کے کلام کو مجاز پر اس وقت تک محمول کیا جا سکتا تھا کہ جب تک ان سے صریح کفر اور شرک صادر نہ ہوتا اور جب ان سے صریح کفر و شرک ثابت ہو جائے تو پھر ان کے اقوال کو مجاز پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔[۱]

(۳) ''موسم ربیع (بہار) نے فصل اگائی'' اس طرح کے جملوں کو مجازی معنی پر محمول کرنے کے واضح قرائن اور ظاہری اسباب موجود ہیں لیکن جو معاملات ظاہری اسباب کی بجائے غیبی اسباب سے متعلق ہوں، ان کو اس طرح کی مثالوں پر منطبق نہیں کیا جا سکتا۔ یہی سب سے بڑی مشکل ہے کہ یہ لوگ مذکورہ دونوں حالتوں میں فرق نہیں کرتے اور ظاہری اور غیبی اسباب کو مساوی سمجھ لیتے ہیں۔ ''بہار نے فصل اگائی'' میں فصل کا تعلق موسم بہار کے ساتھ اس لئے ہے کہ یہ ایک ظاہری سبب ہے اور ظاہری اسباب کی طرف نسبت مجازی ہوتی ہے جسے شریعت نے جائز رکھا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ''اسی طرح رزق، شفا کی دو صورتیں ہیں مثلاً ہم کہتے ہیں کہ امیر نے لشکر کو مال دیا تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ امیر نے اس مال کو تقسیم کیا جو اس نے خوب محنت سے جمع کیا تھا۔ اسی طرح ''ڈاکٹر نے مریض کو شفا پہنچائی۔'' اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ ڈاکٹر نے اپنی پوری کاوش کی اور طبیعت کی سردی یا گرمی کے خواص کو پہچان کر اس کے مطابق دوا دی اور مریض کو صحت تک پہنچا دیا۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اللہ نے مخلوق کو رزق دیا یا مریض کو شفا دی تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر ناسوتی قوت کے انسان کو مال سے نوازا اور اسی طرح بیمار کی بیماری دور کر دی تو وہ صحت مند ہو گیا۔ لیکن یہ اللہ کی مرضی سے ہوا۔''[۲] مندرجہ دونوں حالتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی حالت میں ظاہری اسباب کی موجودگی میں رزق اور شفا کا حصول ممکن ہوا اور دوسری حالت میں (مافوق الاسباب) ظاہری اسباب کی عدم موجودگی سے رزق اور شفا حاصل ہوئی۔

(۴) علمائے بلاغت نے قرینے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ متبادر الی الذہن اور بالکل واضح ہو اور دونوں صورتوں میں اس کی مشابہت بالکل ظاہر ہو۔[۳]

(۵) اسی طرح مجاز کے قائل علماء نے یہ شرط لگائی ہے کہ واضح نصوص میں مجاز اور تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔ مجاز

---

(۱) [صيانة الانسان (۲۴۵)]

(۲) [البدور البازغة (ص ۱۲۳) البصائر (۳۷۲)]

(۳) [بدائع الفوائد (۱/۱۵)]

صرف وہاں ہوتا ہے جہاں ظاہر کلام میں اس کا احتمال ہو۔''
مردوں کو پکارنے والوں کے کلام سے بالکل واضح ہے کہ وہ غیر اللہ کو پکارتے ہیں لہٰذا اس میں کسی مجاز اور تاویل کی ضرورت نہیں۔علماء نے ہر کلام میں تاویل کو درست قرار نہیں دیا بلکہ ان کا کہنا ہے کہ ''ہم اس کے کلام میں تاویل کرتے ہیں جس کی عصمت وحفاظت ثابت ہے تاکہ اس کے دونوں کلاموں کو جمع کر کے اس سے خطا کو دور کیا جائے اور جس کی عصمت ثابت نہیں، اس پر خطا نافرمانی اور کفر بھی جائز ہے لہٰذا ہم اس کے کلام کے ظاہری معنی سے اس کا مؤاخذہ کریں گے اور اس کی کوئی ایسی تاویل قبول نہیں کریں گے جو ظاہر کے خلاف یا بعید از امکان ہو۔''(1) اس لئے کوئی عالم ایسا نہیں جس نے بلا قید و شرط تاویل کو جائز کہا ہو۔

(۶) اگر بالفرض ہم ان لوگوں کے اقوال کو مجاز پر محمول کر لیں تو پھر ان کے شرکیہ اعمال میں کیا تاویل کریں؟ قبروں پر ان کی سجدہ ریزیاں، چڑھاوے، نذریں اور قربانیاں کس تاویل کے لائق ہیں؟ یہ تو خاص عبادات ہیں اور ہر عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔تو کیا غیر اللہ کی عبادت شرک نہیں؟!

(۷) اگر تاویل کے دونوں دروازے چوپٹ کھلے چھوڑ دیئے جائیں تو اس سے لغت، دین اور مصالح دنیا میں ان گنت فساد رونما ہو جائیں گے۔لغت کا فساد اس طرح ہوگا کہ ''ہر شخص مافی الضمیر کو اس کے مطابق الفاظ سے ادا کرتا ہے لیکن اگر سامع ان الفاظ کی غیر موضوع لہ تاویل کرے تو پھر کبھی بھی مخاطب کی بات سمجھ نہ آ سکے گی۔اس سے بہتر ہے کہ انسان زبان کو تالا لگائے کیونکہ جب ہر بات کا مفہوم مخالف ہی نکالا جائے تو پھر اظہار مقصد چہ معنی دارد؟''(2)

تاویل کے نقصانات سے ہی بے شمار گمراہ فرقوں نے وجود پایا اور اسلام کے درخت تلے اس کی جڑیں تاویلوں کے ساتھ کاٹنے لگے۔رافضی اور جہمی فرقوں نے کتاب وسنت کی صریح نصوص میں تاویلات فاسدہ کے ذریعے عقائد میں بگاڑ پیدا کیا۔پھر باطنی آئے جنہوں نے انہی بنیادوں پر شریعت کے عملی احکامات اور امور آخرت میں شکوک وشبہات کو تقویت دی۔(3) اگر تاویل کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر دنیا کے مصالح کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے۔کوئی قاضی کسی مسئلہ میں صحیح فیصلہ نہ کر سکے گا، کوئی شخص دوسرے کے کلام پر اعتماد نہیں کرے گا۔حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ ''اگر مجاز کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا جائے تو کوئی عبادت بھی ثابت نہ ہو سکے گی۔''(4)

---

(۱) [تنبیه الغبی (۲۲)]

(۲) [الصواعق المرسلة (۱/۱۹۱)]

(۳) [ایضا]

(٤) [التمهید (۷/۱۳۱)]

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ''اگر الفاظ کو ان کے ظاہر سے بلا شرعی دلیل اور بلا عقلی قرائن کے پھیرنا شروع کر دیا جائے تو الفاظ کی ثقاہت باطل ہو جائے گی۔''(۱) امام جزریؒ فرماتے ہیں کہ ''اگر ہر اس لفظ میں تاویل کی جائے جس کا ظاہر کفر پر مبنی ہے تو زمین پر کوئی کافر نہ رہے گا۔''(۲) امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ''اگر ہم اقوال میں عذر کا دروازہ کھول دیں اور ناممکن تاویلات پر چلنا شروع کر دیں تو دنیا میں کہیں کفر وضلالت کا نشان باقی نہ رہے گا اور تمام اقوام وملل کی کتابیں اور مختلف ادیان (مسلمان، یہود ونصاریٰ) ختم ہو جائیں۔''(۳)

ابن ارشد آخرت کے بارے میں تاویلات کرنے والوں کی تردید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ''اگر امور آخرت کے متعلقہ کسی نص میں کوئی تاویل کی جائے تو دو باتیں سامنے آئیں گی: یا تو اس تاویل کو اس پر اور اس جیسی دیگر شرعی احکامات پر منطبق کیا جائے گا اور ساری شریعت بازیچۂ اطفال ہو کر رہ جائے گی اور شریعت کی مطلوب حکمت باطل قرار پائے گی۔ دوسری صورت میں انہیں متشابہات قرار دیا جائے گا اور یہ بھی شریعت کو باطل کرنے اور دلوں سے اسے محو کرنے کے زمرہ میں آئے گا اگرچہ یہ کام کرنے والا لاشعوری طور پر شریعت پر اتنے بڑے گناہ کا مرتکب ٹھہرے گا۔''(٤)

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ ''اگر ہم یہ بات کہیں کہ الفاظ کا کوئی اعتبار نہیں تو پھر کلمہ کفر کہنے والا اپنا دفاع کرے گا اور کہے گا کہ تم مجھ پر مرتد ہونے کا حکم کیوں لگاتے ہو؟ (میری مراد تو یہ نہیں تھی) اگرچہ اس کی تاویل باطل ہوگی لیکن وہ حکم کفر سے محفوظ رہے گا اور نہ تو اسے توبہ کی ضرورت ہوگی اور نہ ہی اس پر کوئی ملامت کر سکے گا۔''(٥)

(۸) تاویل کے مذکورہ مفاسد کے علاوہ بھی شارع حکیم نے اپنی شریعت کو موم کا گولا نہیں بنایا بلکہ حکم کی علت کو الفاظ کے ظواہر کے ساتھ مربوط رکھا ہے اور الفاظ کے علاوہ پوشیدہ اور قلبی چیزوں کا تعلق اللہ کے ساتھ ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ''عہد رسالت میں کچھ لوگوں کا مؤاخذہ وحی کے ذریعے ہوتا تھا اور اب وحی کے منقطع ہو جانے کے بعد ہم تمہارے ظاہری اعمال کے ساتھ تمہارا مؤاخذہ کریں گے لہٰذا جو شخص اچھائی ظاہر کرے گا، ہم اسے امن و قرب سے نوازیں گے البتہ اس کے دل کے معاملے کو ہم اللہ کے سپرد کر دیں گے اور جو شخص برائی ظاہر کرے گا، ہم

(۱) [الاحیأ (۱/٤۹)]

(۲) [تنبیه الغبی (۱۹٦)]

(۳) [تاریخ الاسلام بحواله عقد الثمین (۵/۳۳۲)]

(٤) [الكشف (۸۱) فلسفة المجاز (٦۸)]

(٥) [جلاء العینین (٥١٥)]

اسے امن دیں گے نہ اس کی تصدیق کریں گے اگر چہ وہ دعویٰ کرتا ہو کہ میرا ضمیر اچھا (مخلص) ہے۔“[1] تمام اہل علم اور ائمہ اربعہ کے پیروکاروں کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بات کے ساتھ اتفاق پر اجماع ہے اور کسی اہل علم نے اس مسئلہ میں مخالفت نہیں کی۔[2]

ابن حجر ہیثمی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ”کفر کا حکم ظاہری اعمال پر ہوتا ہے اور ہم نیت، مقصد اور اس کی حالت کے قرائن کو ملحوظ نہیں رکھیں گے۔“[3] اس پر یہ صحیح حدیث دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”بلاشبہ میں ایک انسان ہوں اور تم میرے پاس جھگڑے لے کر آتے ہو۔ شاید تم میں سے بعض اپنی حجت تسلیم کروانے میں بعض سے زیادہ چابکدست ہو اور میں اس کے لئے اس پر فیصلہ کر دوں جو میں نے سنا ہے لہٰذا اگر میں کسی شخص کے لئے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دوں تو وہ اس میں سے کچھ نہ لے کیونکہ (ایسی صورت میں گویا) میں نے اس کے لئے آگ کا ٹکڑا کاٹ دیا ہے۔“[4]

(۹) علماء کفریہ الفاظ میں توریہ اور جہالت کو عذر تسلیم نہیں کرتے البتہ بعض جہالت تامہ کی صورتیں قابل عذر ہیں۔ علماء کے بقول ”اگر کوئی شخص ارتداد (کفر) کا کلمہ کہے اور اس زعم باطل کا شکار ہو کہ میں نے توریہ کیا ہے تو وہ ظاہری اور باطنی طور پر کافر ہے۔“[5] عذر قبول نہ کرنے کی علت اس کی سستی بیان کی گئی ہے۔[6]

لہٰذا کفریہ الفاظ کے ظاہری معنی کے مطابق حکم کفر لگایا جائے گا اور جہالت اور تاویل کا عذر صرف مخصوص صورتوں میں ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر کلمہ کفر کہنے والے نے ظاہری معنی کا ارادہ نہ بھی کیا ہو، پھر بھی وہ اپنے الفاظ کی وجہ سے کافر ہے، اپنی جہالت کی وجہ سے گمراہ ہے اور ان الفاظ میں اس کی کوئی تاویل قابل قبول نہیں البتہ اگر وہ احکامات سے مکمل طور پر جاہل ہے، وہ مستثنیٰ ہے اور اس کی ضروریات دین کی معرفت کے لئے علماء اور کتابوں سے استفادہ نہ کرنے کی غلطی کی وجہ سے جاہل رہنا قابل عذر نہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مطلق جہالت واضح اعتقادی امور میں بطور عذر تسلیم نہیں البتہ علماء نے کفر وارتداد میں صرف اسی جہالت کو قابل عذر تسلیم کیا ہے جو بعض دقیق مسائل سے متعلقہ ہو یا جس میں ایسا قوی شبہ ہو جو حکم کفر سے مانع ہو۔

---

(۱) [فتح الباری (۲۵۱/۵)]

(۲) [مصرع التصوف (۲۵۲)]

(۳) [الاعلام (۸۲)]

(٤) [بخاری (۲٦۸۰) مسلم (۱۷۱۳)]

(٥) [الزواجر (۳۲/۱) الاعلام (۱۹)]

(٦) [تنبیه الغبی (۲۳)]

(۱۰) سب سے اہم بات یہ ہے کہ جن مشرکوں کے بارے میں قرآن نے کفر کے احکامات نازل کئے، وہ لوگ واسطے اور وسیلے کے معتقد تھے (لیکن اس عذر کو قرآن نے تسلیم نہیں کیا) یہ مجازی عقلی اور دعائے غیر اللہ کو جائز کہنے والے کے خلاف مسکت اور قاطع دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر بھی شرک کا حکم صادر کیا جو اللہ کے ساتھ اپنے ولیوں اور بتوں کو اللہ کے تقرب کا ذریعہ اور واسطہ سمجھ کر پکارتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے یہ تفریق نہیں کی کہ صرف اسے مشرک کہا جائے جو غیر اللہ کو مستقل معبود سمجھ کر پکارتا ہے اور اسے مشرک نہ کہا جائے جو غیر اللہ کو غیر مستقل (وسیلہ، واسطہ کے) طور پر معبود بنا کر پکارتا ہے! لہٰذا اس طرح کی تاویلات بعیدہ سے ان لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل نہیں کیا جا سکتا۔

بعض شرکیہ دعائیں:۔ عالم اسلام میں شرکیہ دعائیں اس قدر پھیل چکی ہیں کہ لوگوں نے انہیں مشروع ومسنون سمجھ رکھا ہے اور انہیں وہ لوگ ناپسند ہیں جو انہیں منع کرنے والے ہیں۔ شرکیہ اور بدعیہ دعاؤں کا احاطہ تو ناممکن ہے البتہ ہم بعض شرکیہ و بدعیہ دعائیں بطور نمونہ پیش کر دیتے ہیں تا کہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ پوری کتاب واقعاتی امر پر مشتمل ہے کہ بہت سے نام نہاد مسلمان غیر اللہ کو پکارتے ہیں، غیر اللہ کے لئے نذریں نیازیں دیتے ہیں، غیر اللہ سے مدد، اولاد، صحت، رزق وغیرہ کی فریادیں کرتے ہیں۔ ان مثالوں سے مقصود یہ ہے کہ قارئین اس شرک اکبر سے محفوظ رہیں اور ان مثالوں کو دیکھ کر فیصلہ کر سکیں کہ ہمارا دعوی حقائق پر مبنی ہے یا محض یہ ہوائی باتیں تھیں؟

شیعہ کی شرکیہ اور بدعیہ دعائیں:۔ (۱) شیعہ کی مشہور کتاب الکافی میں ہے کہ ﴿**ولله الاسماء الحسنیٰ فادعوه بها**﴾ ''اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں لہٰذا تم اسے ان ناموں سے پکارو'' اس آیت کی تفسیر میں (ان کے) امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ ''بخدا ہم اللہ کے اسمائے حسنیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری معرفت کے بغیر کسی بندے کی دعا قبول نہیں کرتے۔''[۱] اسی طرح اس آیت ﴿**وان المساجد لله فلا تدعوه مع الله احدا**﴾ کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ ہم وصی ہیں۔[۲]

مذکورہ دلائل سے واضح ہوا کہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ ائمہ کو پکارے بغیر اللہ تعالیٰ دعا قبول نہیں کرتے اس لئے ان کی کوئی دعا بھی ائمہ کے وسیلے سے خالی نہیں ہوتی مثلاً شیعہ کے نزدیک سند و متن کے لحاظ سے معتبر ترین دعا وہ ہے جسے یہ زیارت جامعہ سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ دعا تقریباً پچاس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور اس میں ہے۔

''اللہ نے تمہیں (ائمہ کو) نور ابنایا ہے اور اپنے عرش کا حلقہ بنایا ہے...... میں اللہ کو اور تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں

---

(۱) [الکافی (۱۱۰/۱)]

(۲) [ایضا (۳۵۲/۱)]

تم پر ایمان لایا اور جو کچھ تم لے کر آئے، اس پر ایمان لایا..... میں تمہاری پناہ مانگتا ہوں، تمہاری زیارت کرتا ہوں، تمہاری قبروں سے پناہ پکڑتا ہوں، تمہارے ذریعے اللہ سے سفارش کرواتا ہوں، تمہارے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرتا ہوں اور اپنے ہر کام، طلب وارادے اور ضرورت میں تمہیں اپنے آگے کر لیتا ہوں.... تمہارے ذریعے اللہ نے (کائنات کو) کھولا اور تمہارے ذریعے اسے ختم کرے گا، تمہارے ذریعے بارش برساتا ہے اور تمہارے ذریعے اسے روکے رکھتا ہے، تمہارے ذریعے غم دور ہوتا ہے، تکلیف ختم ہوتی ہے........"(١)

مذکورہ دعا میں شرک باللہ بالکل واضح ہے۔ صوفیاء نے اس طرح کی دعا شیعہ سے حاصل کی اور اسے حقیقت محمد یہ ﷺ کا نام دیا اور کہا کہ یہ جہان محمد ﷺ، علی رضی اللہ عنہ، اور ائمہ کے نور سے دم بدم ہے۔

(۲) حضرت علی سے فریاد:۔

نـاد علـيـا مظهر العجائب	تـجـده عـونـا لك فـي النوائب
كـل هـم وغـم سيـنـجـلـي	بـولايتك يـا عـلـي يـا عـلـي
علی کو پکارو، وہ کرشمے دکھانے والا ہے	تم اسے (علی کو) مصائب میں اپنا مددگار پاؤ گے

ہر فکر وغم تیری ولایت سے دور ہو جاتا ہے یا علی یا علی (٢)

انہی اشعار سے صوفیاء نے بھی حضرت علی کو مشکل کشا سمجھ کر پکارنا شروع کر دیا۔ (٣)

(۳) ان کی ایک اور مشہور شرکیہ دعا میں ہے کہ "جب تمہیں کوئی مشکل آپڑے تو سجدہ ریز ہو کر کہو یا جبریل، یا محمد، یا جبریل، یا محمد، اسے دہراتے رہو، میری مشکل میں مدد کر، تم اللہ کے حکم سے میری مدد و حفاظت کرنے والے ہو۔"(٤)

(۴) ایک دعا میں ہے کہ "یا محمد، یا علی، یا علی، یا محمد میری مدد کریں۔ تم دونوں میری مدد اور حفاظت کرنے والے ہو۔ اے ہمارے مولیٰ! اے صاحب زمان! غوث، غوث، غوث، میری مدد کرو، میری مدد کرو، قیامت، قیامت، قیامت، جلدی، جلدی، جلدی۔"(٥) اس دعا میں صاحب زمان سے مراد ان کا وہ امام ہے جو ان کے زعم باطل کے مطابق کسی غار میں روپوش ہو گیا تھا اور قیامت کے قریب ظاہر ہوگا!!

---

(١) [من لايحضره الفقيه (٢/٣٧٠) الكافي (٣/٣٦١)]

(٢) [تحفه العوام (٤٠٢) مصباح الكفعمي (١٨٢)]

(٣) [البريلوية لاحسان الٰهي ظهير شهيدؒ (٥٧)]

(٤) [الكافي (٢/٤٠٦)]

(٥) [مصباح (١٧٦) مفاتيح الجنان (١١٥)]

(۵) مسجد نبوی وغیرہ میں داخل ہونے سے پہلے ان کے ہاں یہ دعا پڑھنا مشہور ہے کہ "یا اللہ! میں اس مقام کے والی کی تعظیم ان کی عدم موجودگی میں بھی اسی طرح کرتا ہوں جس طرح ان کی موجودگی میں کرتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ تیرا رسول اور تیرے جانشین (امام) تیرے پاس زندہ ہیں اور رزق سے مستفید ہوتے ہیں۔ وہ میرا مقام دیکھ رہے ہیں، میرا کلام سن رہے اور تو نے ان کا کلام سننے سے مجھے محروم کیا ہے... اے اللہ کے رسول! اور اے صاحب اطاعت امام! میں آپ سے اجازت طلب کرتا ہوں.... کیا میں داخل ہوسکتا ہوں۔"(۱) صوفیاء میں بھی یہ شرکیہ دعا سرایت کر چکی ہے۔(۲)

(۶) یہ اپنے امام غائب کی زیارت کے لئے یہ دعا کرتے ہیں "حق جدید پر سلامتی ہو، اس عالم پر (سلامتی ہو) جس کا علم ختم نہیں ہوتا، ایمان والوں کو زندگی اور کافروں کو ہلاکت سے دوچار کرنے والے پر سلام ہو۔"(۳)

صوفیاء اور قبر پرستوں کی شرکیہ و بدعیہ دعائیں:۔ صوفیوں اور قبر پرستوں میں بھی ان گنت شرکیہ اور بدعیہ دعائیں پائی جاتی ہیں جن میں غیر اللہ کو توحید ربوبیت اور توحید الوہیت کے مقام پر فائز کیا جاتا ہے (معاذ اللہ) مثلاً صوفی سید بدوی کو مدد کے لئے اللہ رب العزت کے درجے پر فائز کر کے پکارا جاتا ہے کہ "اے ابو الفتیان! (بدوی) میں تیری پناہ چاہتا ہوں، ان مشکلات میں جنہوں نے دل کی امیدوں پر حملہ کر دیا ہے۔ تیرے سوا میرے لئے کون ہے جو میری مصیبت دور کرے! کس کے پاس جا کر میں اپنی تنگی دور کرواؤں؟ اگر میں نامراد لوٹا تو یہ تجھ پر ہی عار (عیب) ہے۔ اپنی حاجات میں دل شکستہ ہو کر لوٹنا تجھ پر ہی (عار) ہے۔(۴)

شیخ عبدالقادر جیلانی سے فریاد:۔

(۱) پار بیڑے کو لگا دیتے ہیں غوث الاغواث — ڈوبی ناؤنکو ترا دیتے ہیں غوث الاغواث

میرے سرکار کی مٹھی میں ہیں عالم کے قلوب — دم میں روتوں کو ہنسا دیتے ہیں غوث الاغواث

کچھ خبر تجھ کو ہے افسردگی نخل مراد — پھول مرجھائے کھلا دیتے ہیں غوث الاغواث

جس نے یاغوث مصیبت میں پکارا دل سے
کام سب اس کے بنا دیتے ہیں غوث الاغواث (۵)

---

(۱) [المصباح (۴۷۲) مفتاح الجنان (۵۲۴)]

(۲) [ابو الحسن شاذلی (۷۸) روح المعانی (۱۸/۱۸۵)]

(۳) [مفتاح الجنان (۵۲۹)]

(۴) [سید بدوی (۳۱۹) بحوالہ جواہر (۱۳۲)]

(۵) [باغ فردوس (ص ۲۵) مترجم نے اضافی طور پر یہ اشعار مذکورہ کتاب (الدعا) میں درج کیے ہیں۔]

(۲) لوح محفوظ میں تثبیت کا حق ہے حاصل — مرد، عورت سے بنا دیتے ہیں غوث الاغواث[1]

(۳) ایک عالم لکھتے ہیں کہ ''جب کبھی میں نے مدد طلب کی تو یا غوث ہی کہا۔''[2]

غیر اللہ سے فریاد کی مزید مثالیں:۔

یارسول کبیر فریاد ہے، یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے — آپ کی امداد ہو میرا یا نبی حال ابتر ہوا فریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل — اے میرے مشکل کشا فریاد ہے[3]

(۲)

یاشفیع العباد خذ بیدی
دستگیری کیجئے میرے نبی

انت فی الضطرار معتمدی
کشمکش میں تم ہی ہو میرے نبی

لیس لی ملجأ سواك اغث
جز تمہارے کہاں میری پناہ

مسنی الضر سیدی سندی
موج کلفت مجھ پر آغالب ہوئی

غثنی الدھر یا ابن عبدالله
ابن عبداللہ زمانہ ہے خلاف

کن مغیثا فانت لی مددی
اے میرے مولیٰ خبر لیجئے میری[4]

﴿اللھم انا نعوذ بن من أن نشرک بک شیئا﴾

---

(۱) [ایضا (ص۲٦)]

(۲) [ملفوظات (۳/۳٤۱)]

(۳) [کلیات امدادیه (ص۹۰)]

(٤) [نشر الطیب (ص۱۸٦) یہ چار اضافی حوالہ جات ہیں۔مترجم]

کچھ مشروع دعائیں (قرآن مجید کی روشنی میں)

☆ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾

''ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، ہمیں سیدی اور سچی راہ دکھا۔ ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا۔ ان کی نہیں جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی۔''

☆ ﴿رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے۔'' (البقرۃ۔۲۰۱)

☆ ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾

''اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا، اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا، اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگذر فرما! اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر! تو ہی ہمارا مالک ہے۔ ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما۔ (البقرۃ۔۲۸۶)

☆ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾

''اے ہمارے رب ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما یقیناً تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے۔'' (آل عمران۔۸)

☆ ﴿رَبَّنَا اِنَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

''اے ہمارے رب ہم ایمان لا چکے ہیں، اس لئے ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔'' (آل عمران۔۱۶)

☆ ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾

اے پروردگار! ہمارے گناہوں کوبخش دے اور ہم سے ہمارے کاموں میں جو بے جا زیادتی ہوئی ہے، اسے بھی معاف فرما اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے۔ (آل عمران۔۱۴۷)

☆ ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾

''اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا۔ تو پاک ہے۔ پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔ اے ہمارے پالنے والے! تو جسے جہنم میں ڈالے یقیناً تو نے اسے رسوا کیا اور ظالموں کا مددگار کوئی نہیں۔ اے ہمارے رب! ہم نے سنا کہ منادی کرنے والا بآواز بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے۔ کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ پس ہم ایمان لائے۔ یاالٰہی! اب تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیاں ہم سے دور کردے اور ہماری موت نیکوں کے ساتھ کر۔ اے ہمارے پالنے والے معبود! ہمیں وہ دے جس کا وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے۔ اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر۔ یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔'' (آل عمران۔۱۹۱،۱۹۴)]

☆ ﴿رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ﴾

''اے ہمارے پروردگار! تو نے مجھے بعض ملک عطا فرمایا اور تو نے مجھے خواب کی تعبیر سکھلائی۔ اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا وآخرت میں میرا ولی (دوست) اور کارساز ہے۔ تو مجھے اسلام کی حالت میں فوت کر اور نیکوں میں ملادے۔'' (یوسف۔۱۰۱)

☆ ﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ﴾

'''' اے میرے پالنے والے! مجھے نماز کا پابند رکھ اور میری اولاد سے بھی۔ اے ہمارے رب میری دعا قبول فرما۔ اے ہمارے پروردگار! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو بھی بخش اور دیگر مومنوں کو بھی بخش جس دن حساب ہونے لگے۔'' (ابراہیم۔۴۰،۴۱)

☆ ﴿رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا﴾

''اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لئے راہ یابی کو آسان کر۔(الکھف۔۱۰)

☆ ﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾

''اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو جائے اور تو میری اولاد بھی صالح بنا۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔''(الاحقاف۔۱۵)

☆ ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾

''اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال۔ اے ہمارے رب بے شک تو شفقت ومہربانی کرنیوالا ہے۔'' (الحشر۔۱۰)

☆ ﴿رَبَّنَا عَلَیْکَ تَوَکَّلْنَا وَاِلَیْکَ اَنَبْنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾

''اے ہمارے پروردگار! تجھی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے اے ہمارے رب تو ہمیں کافروں کی آزمائش میں نہ ڈال اور اے ہمارے پالنے والے ہماری خطاؤں کو بخش دے بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔''(الممتحنۃ۔۴،۵)

☆ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِکِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾

''آپ کہہ دیجئے! کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں۔ لوگوں کے مالک کی۔(اور) لوگوں کے معبود کی (پناہ میں) وسوسہ ڈالنے والے، پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے (خواہ) وہ جن میں سے ہو یا انسان میں سے۔''(الناس)

کچھ مشروع دعائیں (احادیث کی روشنی میں)

﴿اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَااسْتَطَعْتُ ، اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ﴾

''اے اللہ! تو میرا رب ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو نے ہی مجھے پیدا کیا۔ اور میں تیرا ہی بندہ ہوں۔ میں اپنی طاقت کے مطابق تجھ سے کیے ہوئے عہد اور وعدہ پر قائم ہوں، ان بری حرکتوں کے عذاب سے جو میں نے کی ہیں، تیری پناہ مانگتا ہوں، مجھ پر نعمتیں تیری ہیں۔ اس کا اقرار کرتا ہوں۔ میری مغفرت کر دے کہ تیرے سوا اور کوئی بھی گناہ نہیں معاف کرتا۔'' (البخاری: ٦٣٠٦)

﴿رَبِّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَھْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ کُلِّه وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ. اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ جِدِّیْ وَھَزْلِیْ وَخَطَئِیْ وَعَمَدِیْ ، وَکُلُّ ذٰلِکَ عِنْدِیْ. اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾

''یارب! میری خطا، میری جہالت اور میرے ہر کام میں میری زیادتی معاف کر دے اور جو کچھ میرے بارے میں تو جانتا ہے (اسے بھی بخش دے) یا اللہ! جو میں نے کر لیا یا باقی رکھا اور جو میں نے چھپایا یا اعلانیہ کیا اور جو کچھ تو میرے بارے میں جانتا ہے، اسے بخش دے۔ تو ہی مقدم ہے اور تو ہی موخر ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔'' (بخاری: ٦٣٩٨، مسلم: ٢٧١٩)

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا ، وَلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ، فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ ، اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴾

''یا اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا ہے اور تو ہی گناہوں کو بخشنے والا ہے لہٰذا اپنی جناب سے میری بخشش فرما اور مجھ پر رحم فرما۔ بے شک تو ہی بخشنہار اور رحم کرنے والا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدِکَ ، وَابْنُ اَمَتِکَ ، نَاصِیَتِیْ بِیَدِکَ ، مَاضٍ فِیَّ حُکْمُکَ ، عدلٌ فِیَّ قَضَاؤُکَ ، اَسْأَلُکَ بِکُلِّ اسم ھُوَ لَکَ سَمَّیْتَ بِهٖ نَفْسَکَ ، اَوْ عَلَّمْتَه اَحَدًا مِنْ خَلْقِکَ ، اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ کِتَابِکَ ، اَوْ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِیْ علم

الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجعل القرآن العظيم ربيعَ قَلْبِیْ ، وَنورَ صَدْرِیْ وَجَلاءَ حَزَنِیْ وَذَهَابَ هَمِّیْ﴾

''یا اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کا بیٹا ہوں، تیری باندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے۔ میرے بارے میں تیرا ہی حکم جاری ہونے والا ہے، تیرا فیصلہ میرے لئے عدل ہے۔ میں تجھ سے تیرے ہر اس نام سے سوال کرتا ہوں جو تو نے اپنی ذات کے لئے مقرر کیا ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے یا اپنی کتاب میں نازل کیا یا اپنے علم غیب میں اسے محفوظ رکھا ہے۔ یہ کہ تو قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار اور میرے سینے کا نور اور میرے غم وفکر کو ختم کرنے والا بنادے۔'' (السلسلۃ الصحیحۃ:۱۹۸)

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بانی اشهد انک انت اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصمدُ ، الَّذِی لَمْ یلد وَلَمْ یولد وَلَمْ یَکُنْ لَهُ کفوًا اَحد﴾

یا اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس لئے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک تو ہی اللہ ہے۔ تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ تو اکیلا ہے، تو بے نیاز ہے۔ تو وہ ہے جس نے (کسی کو) نہ پیدا کیا ہے اور نہ تو کسی سے پیدا ہوا ہے اور جس کا کوئی ہمسر نہیں۔

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ ، وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَبِکَ مِنْکَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ ، اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ﴾

''یا اللہ! میں تیری رضا کے ساتھ تیری ناراضگی سے، تیری عافیت کے ساتھ تیری سزا سے اور تیرے ساتھ تجھ ہی سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں تجھ پر حمد وثنا کو شمار نہیں کرسکتا جس طرح تو نے اپنے نفس پر اپنی حمد وثناء کی ہے۔'' (مسلم:۴۸۶)

﴿اَللّٰھُمَّ آتِ نَفْسِیْ تَقْوَاهَا وَزَکِّهَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکَّاهَا ، اَنْتَ وَلِیُّهَا وَمَوْلَاهَا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ، وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ، وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا یُسْتَجَابُ لَهَا﴾

''یا اللہ! نفس کو اس کا تقویٰ عطا کر اور اسے پاک کردے۔ تو اسے سب سے بہتر پاک کرنے والا ہے۔ تو ہی اس کا ولی اور مولیٰ ہے۔ یا اللہ! میں تجھ سے اس علم کی پناہ مانگتا ہوں جو نفع مند نہیں اور اس دل سے جو ڈرنے والا نہیں اور اس نفس سے جو بھرنے والا نہیں اور اس دعا سے جو قبول ہونے والی نہیں۔ (تیری پناہ مانگتا ہوں) (مسلم:۲۷۲۲)

﴿اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ، عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ رَبَّ کُلِّ

شَیْءٍ وَمَلِیْکَهُ ، اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَمِنْ شَرِّ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ وَشِرْکِهِ وَاَنْ اَقْتَرِفَ عَلٰی نَفْسِیْ سُوْءًا اَوْ اَجُرَّهُ عَلٰی مُسْلِمٍ ﴾ (تقدم)

''یااللہ! آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے، غیب اور ظاہر کو جاننے والے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو ہر چیز کا رب اور مالک ہے۔ میں تجھ سے اپنے نفس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور شیطان مردود سے اور تیرے شریک سے اور یہ کہ میں اپنے نفس پر برائی کروں یا اسے کسی مسلمان کے خلاف ابھاروں (ان تمام چیزوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں)

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَهِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ﴾ (ایضا)

''یااللہ! میں تجھ سے جہنم کے عذاب، قبر کے عذاب، مسیح دجال کے فتنہ اور زندگی اور موت کے فتنے سے پناہ مانگتا ہوں۔

﴿اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْکَ ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِیْ اِلَیْکَ ، وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْکَ ، وَاَلْجَاْتُ ظَهْرِیْ اِلَیْکَ ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً اِلَیْکَ ، لَا مَلْجَا وَلَا مَنْجَا مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ ، اَللّٰهُمَّ آمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ ، وَبِنَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ﴾ (ایضا)

''یااللہ! میں نے اپنا نفس تیرے سپرد کر دیا، اپنا چہرہ تیری طرف پھیر دیا۔ اپنا معاملہ تیرے سپرد کر دیا۔ اپنی پشت (معاملہ) تیری طرف رغبت و رہبت کرتے ہوئے تیرے ہی سپرد کرتا ہوں۔ تیرے سوا تجھ سے بچنے کے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں۔ یااللہ! میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے نازل کی ہے اور تیرے اس نبی پر ایمان لایا جسے تو نے مبعوث کیا ہے۔

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ ، وَاَسْتَقْدِرُکَ، بِقُدْرَتِکَ، وَاَسْاَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ ، فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ ، وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ ، وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغیوب.
اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَ الْاَمرَ "ویسمی حاجته" خَیْرٌ لِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ ((او: عَاجِلِ امْرِی و آجله)) فَاقْدُرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هذ الامر "ویسمی حاجته" شرلی فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ ((او :عَاجِلِ اَمْرِیْ وَآجِلِه)) فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ﴾

''یااللہ! میں تیرے علم کے ساتھ خیر طلب کرتا ہوں، تیری قدرت کے ذریعے طاقت چاہتا ہوں، تیرے فضل عظیم سے

سوال کرتا ہوں۔ بے شک تو ہی قدرت رکھتا ہے۔ میں قدرت نہیں رکھتا۔ تو جانتا ہے۔ میں نہیں جانتا، اور تو غیبوں کو خوب جاننے والا ہے۔ یا اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (اپنے کام کا نام لے) میرے لئے، میرے دین، میرے معاش اور میرے کام کے انجام میں بہتر ہے (یا میرے لئے جلدی یا دیر سے ہے) تو تو مجھے اس پر قدرت دے اور یہ میرے لئے آسان کر دے۔ پھر اس کام میں مجھے برکت دے۔ اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (اپنے کام کا نام لے) میرے لئے، میرے دین، میرے معاش اور میرے کام کے انجام میں برا ہے (یا میرے کام میں جلدی ہے یا دیر سے ہے) تو تو مجھ سے اسے دور کر دے اور مجھے اس سے دور کر دے اور میرے لئے خیر کو مقدر کر دے جہاں بھی وہ خیر ہو اور پھر مجھے اس پر راضی کر دے۔ (بخاری:۱۱۶۲)

☆ ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الْهُدٰی ، وَالتُّقٰی ، وَالْعفاف، وَالْغِنٰی﴾

''یا اللہ میں تجھ سے ہدایت، تقوی، پاکدامنی اور غنیٰ کا سوال کرتا ہوں۔'' (مسلم:۲۷۲۱)

☆ ﴿اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْهَا مَعَاشِیْ ، وَاَصْلِحْ لِیْ آخِرَتِیْ الَّتِیْ فِیْهَا مَعَادِیْ ، وَاجْعَلِ الْحَیَاةَ زِیَادَةً لِیْ فِیْ کُلِّ خَیْرٍ ، وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِیْ مِنْ کُلِّ شَرٍّ﴾

''یا اللہ! میرے لئے میرا دین بہتر کر دے جو میرے معاملے میں عصمت ہے اور میرے لئے میری دنیا بہتر کر دے جس میں میرا معاش ہے اور میرے لئے میری آخرت بہتر کر دے جس میں میرا لوٹ کر جانا ہے اور زندگی کو میرے لئے ہر نیکی میں اضافے کا ذریعہ بنا دے اور موت کو میرے لئے ہر برائی سے راحت کا ذریعہ بنا دے۔ (مسلم:۲۷۲۰)

٭٭٭

خاتمہ

اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص کے ساتھ میں درج ذیل نتائج پر پہنچا ہوں کہ

(1) یقیناً دعا ایمان وتوحید اور حیات قلب میں اضافے کا باعث ہے اور یہ انسان کے دل کو اللہ تعالیٰ کی محبت ورغبت سے بھرپور کر دیتی ہے اور دعا ہی انسان کے لئے لذت مناجات، حلاوت ایمان، یقین کی ٹھنڈک، طبیعت کی راحت، نفس کا سکون اور انشراح صدر کا سامان بہم پہنچاتی ہے۔

(2) دعا اللہ تعالیٰ کی ربوبیت وقدرت کے عقیدے، اللہ کے جود وکرم، علم وسمع، مخلوق پر اس کی فوقیت اور اس کی دیگر عالی صفات پر مشتمل ہے۔

(3) دعا میں عبادت کی بہت سی اقسام جمع ہو جاتی ہیں جو کسی اور عمل صالح میں جمع نہیں ہوتیں مثلاً اللہ کی طرف قلبی لگاؤ اس کی طرف کامل توجہ، اس سے قبولیت دعا کی امید اور اس کی طرف رغبت، اس پر توکل، اس سے خوف، اس سے محبت، عاجزی، گریہ زاری اور (اس کے سامنے) اپنی قوت وطاقت سے تہی دستی اور اس کا زبان سے ذکر وبیان کرنا، اس سے مدد طلب کرنا اور اس جیسی دیگر بہت سی اقسام عبادت صرف دعا میں یکجا نظر آئیں گی۔

(4) قبولیت دعا توحید ربوبیت کے اثبات کو متقاضی ہے جو مومن وکافر سب کے لئے یکساں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو (بلا استثناء) اپنی نعمتوں سے مستفید کر کے ان کی پرورش کرتے ہیں اور لوگوں کی دعاؤں کو قبول کرنا اور ضروریات کو پورا کرنا بھی انہی نعمتوں میں شامل ہے۔

(5) دعا ان شرعی اسباب میں سے ایک سبب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پسند کے حصول اور ناپسند سے دفاع کا ذریعہ بنایا ہے۔ دعا بھی قضا وقدر میں شامل ہے نا کہ اس سے خارج کیونکہ تقدیر میں مقصد اور اس کا سبب دونوں لکھے گئے ہیں ایسا نہیں ہے کہ کوئی مقصد بلا سبب لکھ دیا گیا ہو۔

(6) ''دعا میں شرک'' ہی کائنات میں پھیلے ہوئے شرک کی بنیاد ہے اور اعتکاف، ذبح، نذر وغیرہ (جو غیر اللہ کے لئے کئے جاتے ہیں) وہ اسی کی فروعات ہیں۔

(7) دعا میں شرک کرنا اکثر وبیشتر مشرکین مثلاً بت پرستوں اور قبر کے پجاریوں کا شیوہ رہا ہے خواہ وہ پرانے مشرک ہوں یا زمانہ حال کے!

(8) دعا میں شرک سے بچنے کے سلسلے میں قرآن مجید میں جس قدر اہتمام کیا گیا ہے، اس قدر کسی اور شرک کے

بارے میں نظر نہیں آتا۔

(9) قرآن مجید میں دعا اور عبادت کو ایک ہی موضوع پر یا ملتے جلتے موضوع پر دلالت کے لئے بار ہا استعمال کیا گیا ہے۔

(10) غیر مشروع دعا عامۃ المسلمین میں صوفیاء کے ذریعے سے پھیلی۔ اور یہ صوفیاء میں رافضی شیعوں کی طرف سے در آئی تھی اور انہی رافضیوں نے اس امت میں سب سے پہلے قبروں سے حصول برکت اور مردوں کو پکارنے کی بدعت کو جاری کیا۔

(11) توسل بدعی نے غیر اللہ کو پکارنے اور ان سے مدد طلب کرنے کا دروازہ کھولا۔ یہی وہ سب سے بڑا دروازہ (راستہ) تھا جس کے ذریعے شیطان نے نقب لگایا اور لوگوں کے لئے غیر اللہ کو پکارنے کے عمل کو مزین کیا۔

(12) غیر مشروع دعا کو جائز قرار دینے والوں کے پاس کوئی ایک بھی صحیح اور صریح دلیل نہیں بلکہ ان کے شبہات یا تو ایسے دلائل پر مشتمل ہیں جو صحیح تو ہیں مگر اپنی دلالت میں واضح نہیں اور جو اپنی دلالت میں واضح ہیں، وہ سنداً ضعیف یا من گھڑت ہیں۔

(13) غیر مشروع دعاؤں کے قائلین ایک دوسرے کی اندھی تقلید میں مبتلا ہیں حتیٰ کہ بعض اہل عصر متقدمین کی ہفوات کو پرکھنے کے بغیر نقل کرتے چلے جاتے ہیں خواہ وہ شرکیہ عقائد اور غلط نظریات ہی پر مبنی ہوں!

(14) شرک خواہ دعا میں ہو یا کسی اور مسئلہ میں، یہ امت ہمیشہ اس میں مبتلا ہوتی رہے گی اس لئے حتی المقدور اس کے پہلوؤں کو اجاگر کرنا اور لوگوں کے گمراہ کن اور باطل نظریات کی تردید کرنا فرض ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اس کام کی تکمیل کے لئے توفیق اور آسانی میسر فرمائی اور میں اس ذات سے سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس کار خیر سے نفع مند فرمائے۔ وہی انعامات کا آغاز کرنے والا اور انہیں دوام بخشنے والا ہے۔ اس سے تقاضا کیا جاتا ہے کہ وہ اس کار خیر کو اپنی رضا کے لئے خالص کر دے۔ مذکورہ کتاب کی تکمیل کے دوران مجھے بہت سے متنوع مسائل کا سامنا کرنا پڑا اور بہت سی حق و باطل کی بحثوں سے گزرنا پڑا کیونکہ اس مسئلہ میں بہت سے لوگوں نے بحث و تمحیص سے کام لیا ہے اور غیر مشروع دعا کے قائلین اور مانعین نے اس پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ اگرچہ نفس مسئلہ سے متعلقہ تمام کتابوں کا احاطہ بہر حال نہایت مشکل ہے بالخصوص جب تمام متعلقہ پہلوؤں کو اجاگر کرنے اور ان پر مناقشہ کر کے انہیں نمایاں کرنا مقصود ہو۔ مذکورہ مسئلہ میں آج تک ہمیشہ سے ایک فریق نے تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا تاکہ اس صحیح اسلامی عقیدہ اور اس کے صحیح فہم و شعور کو قائم رکھا جائے جو

شرک وبدعات سے پاک ہے اور یہی سلف صالحین کا عقیدہ تھا۔ انتہائی صعوبت کے باوجود میں نے اس کتاب کی تیاری کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی اور اپنی محدود کوشش اور کم مائیگی کو صرف کیا۔ جو کچھ اس میں درست اور صحیح تھا، وہ محض اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق سے تھا اور جو اس میں کمی کوتاہی ہو، وہ میری غفلت و جہالت اور شیطان کی طرف سے ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میری لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف فرما دے، مجھے حق وصداقت کی توفیق دے اور مجھے صراط مستقیم پر گامزن رکھے۔

- ''اے رب العزت! تو اس سے پاک ہے جو (غلط عقائد) تیری طرف منسوب کیے جاتے ہیں اور رسولوں پر سلامتی ہو۔ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔''
- ''یا اللہ! تو پاک ہے اپنی تعریف کے ساتھ، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تیری طرف توبہ کرتا ہوں۔ (آمین)''

***
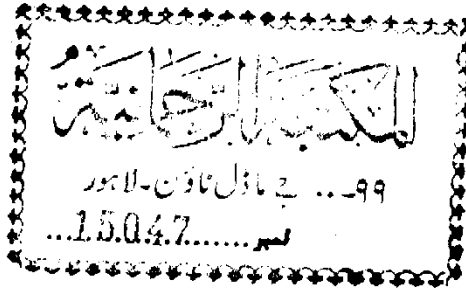
قرآنی دعائیں

- رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝ (طٰہٰ: ۲۵ تا ۲۸)
  ترجمہ: اے میرے رب میرا سینہ کھول دے اور میرے لیے میرا کام آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ وہ میری بات سمجھ جائیں۔

- رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (البقرۃ: ۲۰۱)
  ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔

- رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝ (الفرقان: ۶۵-۶۶)
  ترجمہ: اے ہمارے رب ہم سے جہنم کا عذاب دور کر دے بے شک اس کا عذاب جان لیوا ہے۔ یقیناً وہ بہت ہی بری جگہ ہے ٹھہرنے کی اور مقام کرنے کی۔

- رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ۝ (الفرقان: ۷۴)
  ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں ہماری بیویوں/شوہروں اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقی لوگوں کا امام بنا۔

- رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ (الاعراف: ۲۳)
  ترجمہ: اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

- رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ (البقرۃ: ۲۵۰)
  ترجمہ: اے ہمارے رب ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمارے قدموں کو جما دے اور کافر قوم پر ہماری مدد فرما۔

- رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ۝ (الکہف: ۱۰)
  ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور مہیا کر تو ہمیں ہمارے معاملات کی درستی۔

- رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ (یونس: ۸۵-۸۶)
  ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں ظالم قوم کیلئے فتنہ نہ بنانا اور ہمیں اپنی رحمت سے کافر قوم سے نجات دے۔

- رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ (الممتحنۃ: ۴)
  ترجمہ: اے ہمارے رب ہم نے تجھ پر توکل کیا اور تیری ہی طرف متوجہ ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

- رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ۝ (آل عمران: ۸)
  ترجمہ: اے ہمارے رب ہدایت کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما بے شک تو بہت عطا کرنے والا ہے۔

- رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ (الحشر: ۱۰)
  ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لئے بغض نہ رکھنا جو ایمان لائے۔ اے ہمارے رب تو بہت شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

- رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدتَّنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ (آل عمران: ۱۹۳-۱۹۴)
  ترجمہ: اے ہمارے رب ہمارے گناہ معاف فرما دے اور ہم سے ہماری برائیاں دور فرما دے اور ہمیں نیکو کاروں کے ساتھ فوت کرنا۔ اے ہمارے رب ہمیں وہ عطا کر جس کا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعے وعدہ کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا بے شک تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

- رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝ (آل عمران: ۵۳)
  ترجمہ: اے ہمارے رب ہم ایمان لائے اس پر جو تو نے اتارا اور رسول کے فرمانبردار ہوئے اور تو ہمیں گواہی دینے والوں میں شامل کر لے۔

- رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ (آل عمران: ۱۴۷)
  ترجمہ: اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اور ہم سے جو بے اعتدالی اپنے کام میں ہوئی اسے معاف فرما اور ہمارے قدم جما دے اور ہمیں کافروں پر فتح عطا فرما۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِنْ نَّسِيْنَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۗ وَاغْفِرْ لَنَا ۗ وَارْحَمْنَا ۗ أَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (البقرة: ۲۸۶)

ترجمہ: اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا خطا کریں تو ہماری پکڑ نہ کرنا اور ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالنا جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا اور ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالنا جس کو ہم برداشت نہ کر سکیں اور ہمیں معاف فرما دے اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہمارا مولا ہے، پس کافر قوم کے خلاف ہماری مدد فرما۔

رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۝ (طٰهٰ: ۱۱۴)

ترجمہ: اے میرے رب میرے علم میں اضافہ کر۔

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۲۴)

ترجمہ: اے میرے رب میرے والدین پر رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھے پالا۔

رَبِّ إِنِّيْ لِمَآ أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ۝ (القصص: ۲۴)

ترجمہ: اے میرے رب جو کچھ تو نے میری طرف بھلائی کی شکل میں نازل کیا میں اس کا محتاج ہوں۔

رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ (الانبیاء: ۸۹)

ترجمہ: اے میرے رب مجھے تنہا نہ چھوڑنا اور تو سب سے بہتر وارث ہے۔

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّأَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۝ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝ (الشعراء: ۸۳ تا ۸۵-۸۷)

ترجمہ: اے میرے رب مجھے حکم عطا کر اور مجھے ان سے ملا دے جو تیرے نیک بندے ہیں اور بعد کے آنے والوں میں مجھ کو سچی ناموری عطا کر اور مجھ کو جنت نعیم کے وارثوں میں شامل کر اور مجھے اس دن رسوا نہ کرنا جب سب لوگ زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے۔

رَبِّ أَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝ (المؤمنون: ۲۹)

ترجمہ: اے میرے رب مجھے مبارک (جگہ) پر اتارنا اور تو بہتر اتارنے والا ہے۔

رَبِّ أَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّأَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۸۰)

ترجمہ: اے میرے رب مجھے سچائی کے مقام میں داخل کر اور سچائی کے مقام سے نکال اور اپنی طرف سے میرے لئے مددگار مقرر کر دے۔

رَبِّ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَأَعُوْذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝ (المؤمنون: ۹۷-۹۸)

ترجمہ: اے میرے رب میں شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں میرے مولا کہ وہ میرے پاس آئیں۔

رَبِّ أَوْزِعْنِيْٓ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَأَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ إِنِّيْ تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (الاحقاف: ۱۵)

ترجمہ: اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا، جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو دیں شکر ادا کروں اور یہ کہ میں وہ نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو جائے اور میری اولاد کی اصلاح کر دے بے شک میں توبہ کرتا ہوں اور فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۟ أَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّأَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ (یوسف: ۱۰۱)

ترجمہ: زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے تو دنیا اور آخرت میں میرا دوست ہے مجھے مسلمان فوت کرنا اور مجھے نیک کاروں سے ملا دینا۔

رَبَّنَآ أَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (التحریم: ۸)

ترجمہ: اے رب ہمارے لئے ہمارا نور پورا کر دے اور ہمیں بخش دے بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (البقرة: ۱۲۷-۱۲۸)

ترجمہ: اے رب ہم سے قبول کر لے بے شک تو سننے والا، جاننے والا ہے ہم پر مہربان ہو جا، بے شک تو بہت توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

ہر انسان کی زندگی میں کچھ لمحات اور واقعات ایسے درپیش ہوتے ہیں کہ وہ دنیاوی ذرائع اور وسائل کی کثرت کے باوجود اپنے آپ کو بے بس اور مجبور محض محسوس کرتا ہے۔ اس عالم بے ساختہ میں اس کے ہاتھ دعا کے لیے اُٹھتے ہیں اور اُسکی زبان پر چند دعائیہ کلمات ادا ہوتے ہیں۔ اس صورت حال میں اپنے سے کسی بالاتر ہستی کو پکارنا، دعا اور مناجات کے زمرے میں شامل ہے۔ دنیا کے ہر مذہب میں دعا کا یہ تصور موجود رہا ہے مگر اسلام نے دعا کی حقیقت کو مستقل عبادت کا درجہ عطا کیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود دعا ہی کو عبادت قرار دیا ہے۔ قرآن مجید از آغاز تا اختتام مستقل دعاؤں سے عبارت ہے۔ سورۂ فاتحہ سے بہتر آداب اور دعا کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ اور آخری دو سورتوں (معوذتین) سے بہتر استعاذہ اور مدد کے لیے کیا اذکار ہو سکتے ہیں۔ المختصر اسلام سے بہتر حقیقتِ دعا کو کسی دوسرے مذہب نے پیش نہیں کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کسی نے اس کے آداب وضوابط اور کلمات عطا نہیں فرمائے۔ مگر افسوس کہ آج علم کے بازار میں دعا کے نام پر ایسے مشرکانہ اور جہل آمیز کلمات ملتے ہیں جن کی ادائیگی سے پریشانیاں دور ہونے اور مصیبتیں ٹلنے کی بجائے ہمارے نامۂ اعمال کی سیاہی میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس کتاب کے مطالعے سے دعا اور اس سے متعلقہ مسائل، آداب، ضوابط اور قبولیت وعدم قبولیت، دعا کے تمام مسائل سمٹ آئے ہیں۔ گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ دعا کے ساتھ منسوب غیر شرعی تصورات جن میں توسل وغیرہ کو بہت گمراہ کن انداز میں پیش کیا جاتا ہے، ان کی علمی اور شرعی دلائل کے ساتھ تردید کی گئی ہے۔ مسنون دعا ایک بندۂ مومن کو عرش الٰہی کے قریب تر اور قبولیت و استجابت کے مقام پر فائز کر دیتی ہے اور دعاؤں کا غیر مسنون طریق اسے شرک و بدعت کے تحت الثریٰ میں گرا دیتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کے مطالعے کے بعد ہمیں قبولیت دعا کا وہ خزانہ مل جائے گا جس سے زیادہ اس دنیا میں ہماری کوئی اور ضرورت نہیں ہے۔ آیئے اس کتاب کے مطالعے سے ہم استجابت کے خزانوں کو حاصل کریں اور ہر نوع کی پریشانیوں سے نجات حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ اس علمی اور تحقیقی کاوش کو عامۃ الناس میں مقبول بنائے (آمین)

پروفیسر عبدالجبار شاکر
بیت الحکمت، لاہور (یکم ربیع الاول ۱۴۲۴ھ)